مُعجزاتِ مسیح

جس میں خُداوند یسُوع مسیح کے مُعجزات کی مفصّل شرح و تفصیل درج ہے۔ مع نصائح اور مفید اشارات جو اُن سے مُستنبط ہوتے ہیں

اس کے علاوہ

ایک مقدمہ میں مُعجزات کی حقیقت اور امکان و مقاصد پر مفصّل اور مدلّل بحث کی گئی ہے۔

از

پادری طالب الدین صاحب بی۔ اے

پنجاب رلیجس بُک سوسائٹی

انار کلی لاہور

سنہ ۱۹۵۷ء

بار دوم

تعداد ۱۰۰۰

اِلتماس

معزز ناظرین۔ یہ کتاب بنام معجزاتِ مسیح آپ کے سامنے حاضر ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے اس کی تالیف کا قصہ آپ کو سُنانا چاہتا ہوں تاکہ آپ اِسے نظرِ عنایت سے پڑھیں اور جس کے معجزات کا تذکرہ اس میں قلمبند ہے اُسے قبول کریں۔

جو اعتراضات آج کل سائنس کے ہوا خواہوں اور قوانینِ قدرت کے وفاداروں کی طرف سے فوق العادت اظہارات کے امکان اور وجود پر عموماً کئے جاتے ہیں اُنہیں سُن کر بارہا احقر مؤلف کے دِل میں یہ خیال پیدا ہوا یا یُوں کہیں کہ یہ ضرورت محسوس ہُوئی کہ اُردو زبان میں کوئی نہ کوئی ایسی کتاب ہونی چاہئے جو موجودہ اعتراضوں کو مدِّ نظر رکھ کر یہ دکھانے کی کوشش کرے کہ مسیح کے معجزے قبول کرنے کے لائق ہیں۔

اب اِس سے یہ مطلب نہیں کہ زبان اُردو میں کوئی ایسی کتاب اب تک شائع نہیں ہُوئی کیونکہ اِس قسم کی کتابیں اشاعت پا چکی ہیں اور اُن میں سے بعض اپنے مصنفوں کی لیاقت اور وسیع علم کو بخوبی ظاہر کرتی ہیں۔

مگر کتاب زیرِ ریویو نے یہ خدمت اپنے ذِمہ لی ہے کہ نہ صرف اُن اہم سوالات پر بحث کرے جو معجزات کے امکان سے متعلق ہیں۔ یا اُن اعتراضوں کا جواب دے جو معجزات اور قوانینِ قدرت کے باہمی تعلق سے پیدا ہوتے ہیں یا وہ دلائل پیش کرے جو معجزاتِ مسیح کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں۔ بلکہ ماسوائے اِن باتوں کے یہ خدمت بھی بہم پہنچائے کہ مسیح کے اُن معجزات کی جو انجیلوں میں قلمبند ہیں مُشرح تفسیر ناظرین کے مطالعہ اور ملاحظہ کے لئے پیش کرے۔

مؤلف کی رائے میں شائقین کو صرف فلسفانہ حصّہ کے ملاحظہ

پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ مسیح کے معجزات کا مطالعہ بھی کرنا چاہئے کیونکہ اُن کے مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مسیح کے معجزات محبت اور ہمدردی۔ حکمت اور قدرت۔ اعتدال اور اختیار سے پُر ہیں اُن کی تلاوت فوراً ظاہر کر دیتی ہے کہ اُن میں اور اُن اچنبھوں میں جو دُنیا میں مشہور اور مروج ہیں کیا فرق پایا جاتا ہے۔ علاوہ بریں پڑھنے والا یہ فائدہ بھی اُٹھاتا ہے کہ خود بخود مسیح کے نمونہ سے متاثر ہو کر محبت اور ہمدردی کی طرف مائل ہوتا جاتا ہے۔ ماسوائے اس کے وہ یہ بھی دیکھ لیتا ہے کہ مختلف معجزات کے متعلق مسیح نے اپنی ذات۔ اپنی شخصیت اور اپنے مِشن کی نسبت کیا کیا دعوے کئے ہیں۔ پس پڑھنے والوں کا فرض ہے کہ وہ صرف اِسی حصّہ کو سب کچھ نہ سمجھیں جس میں عقلی بحث کو دخل ہے۔ بلکہ اُس حصّہ کو بھی پڑھیں جس میں اُس کے ایک ایک معجزے کی تشریح پیش کی گئی ہے۔

جیسا سطورِ مرقومہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ کتاب دو حصّوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصّے میں جسے مقدمہ کہا ہے چھ باب شامل ہیں۔ جن میں ذیل کے مضامین پر بحث کی گئی ہے۔

۱۔ معجزات کی غرض اور امکان۔
۲۔ معجزات اور قوانینِ قدرت۔
۳۔ معجزات اور گواہی۔
۴۔ مسیح کے معجزات اور اُن پر انجیلی گواہی۔
۵۔ سچے اور جھوٹے معجزات وغیرہ۔
۶۔ مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا۔

اِس مقدمہ کے تیار کرنے میں ذیل کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ اور ہیچمدان مؤلف بڑی شکرگزاری سے اقرار کرتا ہے کہ اُس نے صرف اِتنا ہی کام کیا ہے کہ ان کتابوں میں سے جن کے مصنفوں کے نام نامی

نہایت عزت اور تعظیم کے لائق ہیں اُن مقامات کو جو مضامین زیر بحث کے ساتھ علاقہ رکھتے ہوئے معلوم ہوئے لے کر اور اُن میں اپنی تجویز کے مطابق کمی بیشی کر کے ایک جگہ جمع کر دیا ہے وُہ کتابیں یہ ہیں :۔

۱۔ نوٹس آن دی میرے کلز۔ از ٹرنچ صاحب
۲۔ دی ٹرتھ آف دی کرسچین ریلیجن۔ از ڈامچند ر ابس صاحب
۳۔ ماڈرن ڈاؤٹ اینڈ کرسچن بلیف۔ از کرسلب صاحب
۴۔ ایوی ڈینس آف کرسچن اینیٹی۔ از ملوین صاحب
۵۔ اپالوجیٹکس۔ از اے۔ بی۔ بروس صاحب
۶۔ میرکولس ایلمنٹ اِن دی گاسپلز۔ از اے۔ بی۔ بروس صاحب
۷۔ دی کرسچنز ری اگنیسٹ
۸۔ ماڈرن ان بلیف۔ ڈ ورڈ صاحب
۹۔ ایٹ لیکچرز آن میرے کلز۔ از ماز لے صاحب
۱۰۔ لڈنس الیسٹر سرمنز والیوم فرسٹ
۱۱۔ کرائسٹ دی سنٹرل ایوی ڈنس آف کرسچی اینیٹی۔ ڈاکٹر کیرنز۔ ڈی۔ ڈی

دُوسرا حصہ اِس کتاب کا مُعجزات کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ اس میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے ہر معجزے کی تشریح اور تفسیر کی گئی ہے اور پھر ہر معجزے سے وُہ نصیحتیں یا سبق نکالے گئے ہیں۔ جو ایمان دار کے لئے تعلیم اور عمل کے واسطے اُس سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اس میں ذیل کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے :۔

۱۔ کیمبرج بائبل۔ تفسیر اناجیل ٭
۲۔ لینگی تفسیر اناجیل ٭
۳۔ تفسیر یُوحنّا۔ از جے۔ سی۔ رائل صاحب ٭

۴۔ نوٹس آن میرے کلز۔ از ٹرینچ صاحب
۵۔ این امریکن کامنٹری آن دی نیو ٹیسٹے منیٹ
۶۔ ببلیکل میوزیم
۷۔ تفسیر یُوحنّا از گوڈے۔ بعض بعض جگہ اس تفسیر سے مدد لی گئی ہے۔ اسی طرح دو ایک جگہ تفسیر یُوحنّا۔ از ولیسیکاٹ صاحب سے بھی مدد لی گئی ہے
۸۔ سائیکلو پیڈیا آف سرمنز۔ از برنز صاحب

جو کچھ کتب مذکورہ بالا کی نسبت عرض کیا گیا وُہی ان بیش قیمت کتابوں کی نسبت کہا جا سکتا ہے۔ ایک اور بات عرض کرنے کے بعد اِس کتاب کی تالیف کا قصّہ ختم ہو جائیگا اور وُہ یہ ہے کہ معجزات کی تفسیر کرنے میں وُہی ترتیب اختیار کی گئی ہے جو ٹرنچ صاحب نے کتاب نوٹس آن دی میرے کلز میں اختیار کی ہے۔ اور وُہ مُعجزوں کی کامل فہرست کے ساتھ تفسیر کے شروع میں دی گئی ہے۔ مَیں نے نئے ترجمہ کو استعمال کیا ہے۔ مگر جا بجا پُرانے ترجمہ کے ساتھ اُس کا مقابلہ کیا ہے ٭

اَے خُدا اِس کتاب کے وسیلے اپنے نام کو جلال دے۔ اور ایسا کر کہ تیرا بیٹا خُداوند یسُوع مسیح بہتوں پر اس کے ذریعہ سے حقیقی نجات دہندہ ظاہر ہو ٭

طالب الدین
پاسٹر
پریسبیٹرین چرچ ۔ لاہور ۔

خُداوند مسیح کے مُعجزات کے مُقدّمہ کی
فہرست مضامین

مُقدّمہ

(جس میں مُعجزات کی حقیقت اور امکان و مقاصد پر بحث کی گئی اور اعلیٰ ثبوت دیے گئے ہیں)

پہلا باب

مُعجزہ اور اُس کا امکان اور غرض

اکثر لوگ مُعجزہ کو ناممکن سمجھتے ہیں

ایک ایسا زمانہ تھا کہ لوگوں کو مُعجزات گھڑنے پڑتے تھے۔ لیکن آج کل اکثر لوگ مُعجزہ کے نام سے ڈرتے ہیں۔ چنانچہ ہر طرف سے یہ صدا آتی ہے کہ مُعجزہ ناممکن ہے کیونکہ وُہ قوانینِ قُدرت کے خلاف ہے۔ اہلِ ہنُود خصُوصاً برہمو سماج اور آریہ سماج اِن سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اور مُسلمانوں میں بھی ایسے فلاسفر برپا ہو گئے ہیں جو موجُودہ سائنس اور فلسفہ کی بیعت اختیار کر کے مُعجزات سے پیچھا چھُڑانا چاہتے ہیں ◆

مُعجزہ مسیحی مذہب کے ساتھ ایسا تعلق رکھتا ہے کہ ایک کو دُوسرے سے جُدا نہیں کر سکتے

لیکن مسیحی مذہب ان سے پیچھا نہیں چھُڑا سکتا۔ کیونکہ اُس کے رگ و ریشے میں اعجاز کا عنصر دورانِ خُون کی مانند حرکت کر رہا ہے۔ اور جس طرح بدن خُون کے نِکل جانے سے مُردہ ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح مسیحی مذہب

مُقدّمہ

(جس میں مُعجزات کی حقیقت اور امکان و مقاصد پر بحث کی گئی اور اعلیٰ ثبوت دئے گئے ہیں)

پہلا باب

مُعجزہ اور اُس کا امکان اور غرض

اکثر لوگ مُعجزہ کو ناممکن سمجھتے ہیں

ایک ایسا زمانہ تھا کہ لوگوں کو مُعجزات گھڑنے پڑتے تھے۔ لیکن آج کل اکثر لوگ مُعجزہ کے نام سے ڈرتے ہیں۔ چنانچہ ہر طرف سے یہ صدا آتی ہے کہ مُعجزہ ناممکن ہے کیونکہ وُہ قوانینِ قُدرت کے خلاف ہے۔ اہلِ ہنُود خصُوصاً برہمو سماج اور آریہ سماج اِن سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اور مُسلمانوں میں بھی ایسے فلاسفر ہو گئے ہیں جو موجُودہ سائنس اور فلسفہ کی بیعت اختیار کر کے مُعجزات سے پیچھا چھُڑانا چاہتے ہیں ٭

معجزہ مسیحی مذہب کے ساتھ ایسا تعلق رکھتا ہے کہ ایک کو دُوسرے سے جُدا نہیں کر سکتے

لیکن مسیحی مذہب ان سے نہیں چھُڑا سکتا۔ کیونکہ وُہ اُس کے رگ و ریشے میں اعجاز کا عنصر دَورانِ خُون کی مانند حرکت کر رہا ہے۔ اور جس طرح بدن خُون کے نِکل جانے سے مُردہ ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح مسیحی

بھی اعجازی عنصر کے بغیر مُردہ سارہ جاتا ہے۔ اگر کوئی اور مذہب قائم رہے تو رہے لیکن مسیحی مذہب معجزات کے انکار سے قائم نہیں رہ سکتا۔ مسیحی مذہب قیاسی دعوؤں یا محض تعلیمی مسئلوں کا نام نہیں مسیحی مذہب وُہ سلسلۂ واقعات ہے جس کا ہر واقعہ کم و بیش قوتِ اعجاز پر مبنی ہے مسیح جو اس کا مرکز ہے خود ہزار معجزوں کا معجزہ ہے۔ چنانچہ اُس کی تمام زندگی اوّل سے آخر تک عجیب باتوں کا سلسلہ ہے۔ مثلاً اُس کا غیر معمولی طور پر بطنِ مریم میں آنا ایک معجزہ ہے۔ اُس کی معصوم زندگی ایک معجزہ ہے۔ اُس کی بے نظیر قدرت جس سے اُس نے اندھوں کو بینا کیا۔ بہروں کو قوتِ سمع عطا فرمائی۔ مُردوں کو زندہ کیا ایک معجزہ ہے۔ وُہ حکمت جو اُس کے کلام سے مترشح ہے۔ وُہ صبر اور استقلال جو آزمائشوں اور تکلیفوں کے درمیان اُس کی صابر اور مطمئن زندگی سے ظاہر ہُوا۔ وُہ دُعا جو اُس نے مخالفوں کے لئے صلیب پر مانگی یہ سب باتیں معجزہ ہیں۔ اور اُس کا مُردوں میں جی اُٹھنا اور آسمان پر چڑھ جانا معراج اعجاز کا اعلیٰ زینہ ہے ؎

مسیحی مذہب کی تاثیرات بجائے خود ایک معجزہ ہیں قطع نظر ان حقیقتوں کے مسیحی مذہب اُن فوق العادت تاثیرات کے اعتبار سے جن سے وُہ مختلف قوموں مختلف شخصوں کو مغلوب کرتا اور دُنیا کی حکومتوں پر فتح پاتا ہے ایک معجزہ ہے۔ پس اُس کی ہستی ایک طرح معجزہ کے اقرار پر منحصر ہے۔ مخالفوں نے اِس نکتہ کو خُوب پہچانا ہے۔ وُہ جانتے ہیں کہ دینِ عیسوی فوق العادت میں ایسا گہرا تعلّق پایا جاتا ہے اور دونو اِس طرح شیر و شکر کی طرح آپس میں مِلے ہُوئے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ معجزہ ناممکن ہے تو اِس بُنیاد کے ہِل جانے سے مسیحی مذہب بھی عمارت بوسیدہ کی طرح گر کر پاش پاش ہو جائیگا ؎

معجزہ سے ہر طرح کے مذہب کا انکار کرنا پڑتا ہے لیکن ہمیں کرسلب صاحب

ور مسٹر رامچندر بوس کا نادر خیال اِس موقعہ پر یاد آتا ہے اور وُہ یہ ہے کہ انکارِ اعجاز سے نہ صرف مسیحی مذہب کو زک پہنچیگی بلکہ ہمیں ہر مذہب کی جان پر فاتحہ پڑھنا پڑھیگا۔ مذہب کیا ہے؟ کیا مذہب اِس امکان کا نام نہیں کہ آسمانی طاقتیں انسانی زندگی میں اُس کی رفاہ اور فلاح کے لئے داخل ہو کر اپنا اثر دکھا سکتی ہیں۔ اگر یہ ممکن نہیں۔ یعنی اگر خُدا قوانینِ قدرت کی چار دیواری کے اندر قید ہے یا اُن سے ایسا خارج ہے کہ قصرِ فطرت میں داخل ہونے کے لئے اُسے کوئی دروازہ نہیں مِلتا اور وُہ انسانی معاملات میں کسی طرح کی دلچسپی دکھانے کو دست اندازی نہیں کرسکتا تو مذہب عبث بلکہ حماقت کا ڈھکوسلا ہے ؎

مذہب کے دو پہلو مذہب کے دو پہلو ہیں جن کے وسیلے وُہ بنی آدم کو اپنے فیض سے مالامال کرتا ہے اُنہیں اِصطلاحِ فلسفہ میں آبجیکٹو (OBJECTIVE) اور سبجیکٹو (SUBJECTIVE) کہتے ہیں مقدم الذکر سے وُہ امدادِ الٰہی مُراد ہے جو ہماری مُشکلات اور مصائب کے وقت ہماری دست گیری کرتی ہے چنانچہ اسی فوق العادت مدد کے لئے دُعا و مناجات کی جاتی ہیں۔ بیوہ آنسُو بہاتی۔ یتیم نالہ بلند کرتا۔ غمزدہ آہیں بھرتا ہے۔ اور یہی وُہ مدد ہے جو مُصیبت زدوں کو تسلّی سے مالامال کرتی ہے اور اُس کے دُوسرے پہلُو سے دِل کی وُہ فوق العادت تبدیلی مُراد ہے۔ یعنی وُہ الٰہی تاثیر جس کی وجہ سے نئی پیدائش یا نئی زندگی حاصل ہوتی ہے جس کے طفیل سے پُرانی خواہشوں۔ پُرانے ارادوں اور پُرانے جذبات میں ایسا انقلاب وارد ہوتا ہے۔ کہ انسان نیا مخلُوق بن جاتا ہے ؎

ایک پہلو کو ماننا اور دُوسرے کا انکار کرنا دُرست نہیں اِس جگہ یہ خیال پیش کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ اُن لوگوں کے اصُول اور اعتقادات کیسے متناقض ہیں جو اس بات کے تو قائل ہیں کہ خُدا انسان کی رُوح کے اندر نا

بھی اعجازی عنصر کے بغیر مُردہ سا رہ جاتا ہے۔ اگر کوئی اور مذہب قائم رہے تو رہے لیکن مسیحی مذہب معجزات کے انکار سے قائم نہیں رہ سکتا۔ مسیحی مذہب قیاسی دعووں یا محض تعلیمی مسئلوں کا نام نہیں۔ مسیحی مذہب وہ سلسلۂ واقعات ہے جس کا ہر واقعہ کم و بیش قوتِ اعجاز پر مبنی ہے۔ مسیح جو اس کا مرکز ہے خود ہزار معجزوں کا معجزہ ہے۔ چنانچہ اُس کی تمام زندگی اوّل سے آخر تک عجیب باتوں کا سلسلہ ہے۔ مثلاً اُس کا غیر معمولی طور پر بطنِ مریم میں آنا ایک معجزہ ہے۔ اُس کی معصوم زندگی ایک معجزہ ہے۔ اُس کی بے نظیر قدرت جس سے اُس نے اندھوں کو بینا کیا۔ بہروں کو قوتِ سمع عطا فرمائی۔ مُردوں کو زندہ کیا ایک معجزہ ہے۔ وہ حکمت جو اُس کے کلام سے مترشح ہے۔ وہ صبر اور استقلال جو آزمائشوں اور تکلیفوں کے درمیان اُس کی صابرانہ اور مطمئن زندگی سے ظاہر ہوا۔ وہ دُعا جو اُس نے مخالفوں کے لئے صلیب پر مانگی یہ سب باتیں معجزہ ہیں۔ اور اُس کا مُردوں میں جی اُٹھنا اور آسمان پر چڑھ جانا معراجِ اعجاز کا اعلیٰ زینہ ہے ❖

مسیحی مذہب کی تاثیرات بجائے خود ایک معجزہ ہیں

قطع نظر ان حقیقتوں کے مسیحی مذہب اُن فوق العادت تاثیرات کے اعتبار سے جن سے وہ مختلف قوموں اور مختلف شخصوں کو مغلوب کرتا اور دُنیا کی حکومتوں پر فتح پاتا ہے ایک دائمی معجزہ ہے۔ پس اُس کی ہستی ایک طرح معجزہ کے اقرار پر منحصر ہے اور مخالفوں نے اس نکتہ کو خوب پہچانا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ دینِ عیسوی اور فوق العادت میں ایسا گہرا تعلق پایا جاتا ہے اور دونو اس طرح شیر و شکر کی طرح آپس میں ملے ہوئے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ معجزہ ناممکن ہے تو اس بنیاد کے ہل جانے سے مسیحی مذہب بھی عمارتِ بوسیدہ کی طرح گر کر پاش پاش ہو جائیگا ❖

لیکن انکارِ معجزہ سے ہر طرح کے مذہب کا انکار کرنا پڑتا ہے

لیکن ہمیں کرسلب صاحب

اور مسٹر راجچندر بوس کا نادر خیال اس موقعہ پر یاد آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انکارِ اعجاز سے نہ صرف مسیحی مذہب کو زک پہنچیگی بلکہ ہمیں ہر مذہب کی جان پر فاتحہ پڑھنا پڑھیگا۔ مذہب کیا ہے؟ کیا مذہب اس امکان کا نام نہیں کہ آسمانی طاقتیں انسانی زندگی میں اُس کی رفاہ اور فلاح کے لئے داخل ہو کر اپنا اثر دکھا سکتی ہیں۔ اگر یہ ممکن نہیں۔ یعنی اگر خدا قوانینِ قدرت کی چار دیواری کے اندر قید ہے یا اُن سے ایسا خارج ہے کہ قصرِ فطرت میں داخل ہونے کے لئے اُسے کوئی دروازہ نہیں ملتا اور وہ انسانی معاملات میں کسی طرح کی دلچسپی دکھانے کو دست اندازی نہیں کرسکتا تو مذہب عبث بلکہ حماقت کا ڈھکوسلا ہے ❖

مذہب کے دو پہلو

مذہب کے دو پہلو ہیں جن کے وسیلے وہ بنی آدم کو اپنے فیض سے مالامال کرتا ہے اُنہیں اصطلاحِ فلسفہ میں آبجیکٹو (OBJECTIVE) اور سبجیکٹو (SUBJECTIVE) کہتے ہیں مقدم الذکر سے وہ امدادِ الٰہی مُراد ہے جو ہماری مشکلات اور مصائب کے وقت ہماری دست گیری کرتی ہے چنانچہ اسی فوق العادت مدد کے لئے دُعا و مناجات کی جاتی ہیں۔ بیوہ آنسو بہاتی۔ یتیم نالہ بلند کرتا۔ غمزدہ آہیں بھرتا ہے۔ اور یہی وہ مدد ہے جو مصیبت زدوں کو تسلی سے مالامال کرتی ہے اور اُس کے دوسرے پہلو سے دل کی وہ فوق العادت تبدیلی مُراد ہے۔ یعنی وہ الٰہی تاثیر جس کی وجہ سے نئی پیدائش یا نئی زندگی حاصل ہوتی ہے جس کے طفیل سے پُرانی خواہشوں۔ پُرانے ارادوں اور پُرانے جذبات میں ایسا انقلاب وارد ہوتا ہے۔ کہ انسان نیا مخلوق بن جاتا ہے ❖

ایک پہلو کو ماننا اور دوسرے کا انکار کرنا درست نہیں

اس جگہ یہ خیال پیش کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ اُن لوگوں کے اصول اور اعتقادات کیسے متناقض ہیں جو اس بات کے تو قائل ہیں کہ خدا انسان کی رُوح کے اندر بذاتِ

خود کام کرتا ہے۔ اُسے تبدیل کرتا اور اُسے نیا بناتا ہے مگر خارجی فطرت میں اُس کے در آنے اور کام کرنے کے مُنکر ہیں۔ لیکن اظہر ہے کہ اگر وُہ دُعاؤں کے جواب میں دائرۂ فطرت میں حاضر نہیں ہو سکتا تو اسی طرح رُوحانی دائرہ میں بھی داخل نہیں ہو سکتا۔ پس دُعا کے لئے کوئی جگہ نہیں رہتی۔ نہ جسمانی ضرُوریات کے لئے اور نہ رُوحانی حاجات کے متعلّق درگاہِ باری تعالےٰ

اعجاز کے انکار سے کسی طرح کی دُعا کے لئے جگہ نہیں رہتی

میں جُبّہ سائی کر سکتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ مکالمۂ الٰہی کے معانی میں بھی دُعا کے لئے جگہ نہیں رہتی۔ کیونکہ اگر ایمان خُدا کو قوانینِ نیچر سے جُدا اور مشہوداتِ فطرت سے الگ اور تمام اشیاء دیدنی و نادیدنی پر فائق اور برکت دینے پر قادر اور تمام صفاتِ شخصیّت کے ساتھ دُعا کی کوٹھڑی میں موجود نہ دیکھے تو ایک فرضی شخص کی طرف مخاطب ہو کر کبھی عجز و انکسار کے ساتھ سر نیاز اُس کے آستانہ پر جُھکانا اور کبھی اُسے محبُوبِ حقیقی جان کر اُس پر تصدّق ہو جانا۔ کبھی تکلّف کے ساتھ اور کبھی فرزندانہ بے تکلفی سے اُس کے ساتھ ہمکلام ہونا گویا ہَوا کے ساتھ باتیں کرنا ہے۔ دُعا الٰہی حضُوری اور الٰہی قُدرت پر دلالت کرتی ہے۔ اور نیز اِس بات پر شہادت دیتی ہے کہ وُہ جو حاضر اور قادر ہے ہماری مدد کے لئے رضامند بھی ہے۔ اور یہی اصُول معجزہ کی جڑ ہے ❖

اِنکارِ معجزہ خُدا کی شخصیّت کا اِنکار ہے

ہماری رائے میں معجزہ کا انکار خُدا کی شخصیّت کا اِنکار ہے۔ پر اگر ہم خُدا کی شخصیّت سے مُنکر ہو جائیں تو ہماری شخصیّت کہاں رہیگی؟ اور جب ہماری اور خُدا کی شخصیت جاتی رہی تو ہماری اخلاقی ذمّہ داری کہاں رہی؟ یہ انکار ایسا انکار ہے جو ہمیں دُوسری دُنیا سے علیحدہ کر کے اسی دُنیا دی زندگی کا قیدی بنا دیگا۔ اور پھر یہ الفاظ

اس کے نتائج

جو کسی خُدا رسیدہ شخص نے تحریر کئے ہیں ہم پر صادق

آئینگے "اگر تیرا یہ اعتقاد ہے کہ تُو اپنی تاریخ میں خُدا کے رہنما ہاتھ کا سُراغ لگا سکتا ہے تو یہ تیرا وہم ہے......... کیا تُو اپنے لختِ جگر کی شفا کے لئے جو قریب المرگ پڑا ہے دُعا مانگ رہا ہے؟ یہ بے فائدہ تکلیف ہے کیونکہ لازم ہے کہ تیرا کا نپتا ہُوا دل نیچر کے بہرے اور اندھے عمل سے سوائے اپنے لازمی مقدّر کے اور کسی بات کی تمنّا نہ رکھے۔ اَے غمزدہ خاتُون کیا تُو اپنے باپ یا اپنے شوہر کے کفن کے پاس روتی ہُوئی یہ کہہ رہی ہے کہ رشتۂ محبّت ہمیشہ کے لئے ٹوٹ نہیں سکتا؟ یہ بھی ایک خام خیال ہے کیونکہ قیامت کوئی شے نہیں ہے۔ کیا تُم اس لئے آہیں بھرتے ہو کہ اگر خُدا مدد کرے تو بدی پر غالب آؤ؟ یہ بھی ایک موہُوم اُمید ہے۔ کیونکہ اگر تُم نئی زندگی پاؤ تو یہ گویا تمہاری ذاتی گُناہ آلُود طبیعت کی ترقی کو ایک غیر جبلّی رخنہ اندازی سے روکنا ہوگا۔ کیا تُو یہ کہتا ہے کہ تُو نے اِس معجزہ کا تجربہ کیا ہے؟ دیکھو مُنکر جواب دیتے ہیں کہ یہ تیری فریب خوردگی ہے......... پس آؤ ہم کھائیں پئیں اور خوشی کریں کیونکہ کل ہمیں مرنا ہے"۔ اِنکارِ معجزات کا یہی منطقی اور لازمی نتیجہ ہے ❖

معجزات کا مقصد خلافِ عقل نہیں

اَب ہم تھوڑی دیر کے لئے اِس بات پر غور کرینگے کہ آیا معجزات کے مقصد اور معانی میں درحقیقت کوئی ایسی بات پائی جاتی ہے جسے ہم خلافِ عقل کہہ سکیں یا اُن کی مخالفت کرنا بیفائدہ ہے کیونکہ وُہ مسیحی مذہب کے مطابق عقلی اصُول کے موافق ہیں۔ اُن کا بیان اور تردید آگے چل کر قبیدِ کتابت میں لائینگے۔ یہاں مختصر طور پر ناظرین کو فقط یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مسیحی مذہب کے نزدیک معجزہ کیا مطلب رکھتا ہے اور کہ اُس مطلب کے متعلّق کوئی بات عقلِ سلیم کے برخلاف نہیں پائی جاتی ❖

معجزہ کی تعریف

مسیحی مذہب کے نزدیک معجزہ اُن فوق العادت اظہارات

کا نام ہے جو اِس غرض سے منصۂ شہود پر جلوہ نما ہوتے ہیں کہ خُدا کے فرستادہ کی رسالت ثابت کی جائے۔ معجزہ کے لغوی معنی عاجز کرنے کے ہیں اور جب کوئی کام فطرت کے معمول سے مختلف انسان کے مشاہدے سے گذرتا ہے تو وُہ عاجز ہو کر اُس غیر مرئی قُدرت کا قائل ہو جاتا ہے جس کا تجربہ اُس نے تاہنوز نیچر (فطرت) کے معمولی سلسلہ میں نہیں کیا تھا۔ پس مُعجزہ خُدا کے نبی یا رسُول کی رسالت کا نشان یا ثبوت ہوتا ہے اور اور یہ اصُول مسلّمہ ہے کہ بڑے بڑے پیغاموں کے ثابت کرنے کے لئے بڑی بڑی شہادتوں کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ جب کوئی شخص عُہدۂ سفارت پر مامُور ہو کر کسی بادشاہ کے دربار میں جاتا ہے تو پہلے اُسے اس بات کو ثابت کرنا پڑتا ہے کہ وُہ اپنے بادشاہ کا مقرر کردہ ہے۔ اور جب یہ بات ثابت ہو جاتی ہے تو ایک ایک لفظ جو اُس کی زبان سے نکلتا ہے بمنزلہ بادشاہ کے کلام کے سمجھا جاتا ہے ❖

ایک نظیر

مسیحی مذہب کا دعوے یہ ہے۔ کہ مَیں الہامی ہُوں

اب مسیحی مذہب کا یہ دعوے ہے کہ مسیح اِس دُنیا میں خُدا کا ایلچی بن کر آیا اور اپنے ساتھ کئی الٰہی پیغام لایا اور اپنی رسالت کے ثبوت میں اُس نے معجزے کر دکھائے جو انجیلوں میں قلمبند ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بات انسان کی ذات میں مخلوط ہے۔ کہ جب کوئی شخص اُس کے پاس آکر منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو وُہ بے ساختہ یہ درخواست کرتا ہے کہ تُو اِس دعویٰ کی تصدیق میں خُدا کی طرف سے کون سا نشان اپنے ساتھ لایا ہے۔ یہی سبب تھا کہ یہُودیوں نے مسیح سے کہا "تُو کون سا نشان دکھاتا ہے تاکہ ہم دیکھ کر تیرا یقین کریں؟ تُو کون سا کام کرتا ہے؟" (یُوحنّا ۶: ۳۰)۔ اور اُس نے اُن کے اس سوال کو غیر واجب جان کر نظرانداز نہیں کیا۔ بلکہ وُہ اپنے جواب سے

یہ انسان کا جبلی خاصہ ہے کہ وُہ الہامی پیغام کے ثبوت میں معجزہ طلب کرتا ہے

ثابت کرتا ہے کہ اُن کا سُوال جائز ہے۔ چنانچہ وُہ فرماتا ہے "جو کام مَیں اپنے باپ کے نام سے کرتا ہُوں وُہی میرے گواہ ہیں"۔ (یُوحنّا ۱۰: ۲۵) پھر ایک اَور جگہ اپنے مُعجزات کو اپنے مِشن کے ثبوت میں اِس طرح پیش کرتا ہے "اندھے دیکھتے اور لنگڑے چلتے پھرتے ہیں۔ کوڑھی پاک صاف کئے جاتے اور بہرے سُنتے ہیں اور مُردے زندہ کئے جاتے ہیں"۔ (متّی ۱۱: ۵) یہُودیوں کا سردار نیکدیمس بھی اِس اصُول کا قائل تھا چنانچہ اُس کے کلام سے ظاہر ہے اور وُہ مانتا تھا کہ غیر معمُولی قُدرت کے اظہار نبی کی رسالت کا پُختہ ثبُوت ہیں۔ اسی لئے اُس نے کہا "اَے ربّی ہم جانتے ہیں کہ تُو خُدا کی طرف سے اُستاد ہو کر آیا ہے کیونکہ جو مُعجزے (یُونانی نشان) تُو دکھاتا ہے کوئی شخص نہیں دکھا سکتا جب تک خُدا اُس کے ساتھ نہ ہو" (یُوحنّا ۳: ۲) پھر رسُولوں کی رسالت کی نسبت بھی جو کہ مسیح کے فرستادہ تھے یہی ثبُوت پیش کیا گیا ہے لکھا ہے۔ "ساتھ ہی خُدا بھی اپنی مرضی کے موافق نشانوں اور عجیب کاموں اور طرح طرح کے مُعجزوں اور رُوح اُلقُدس کی نعمتوں کے ذریعہ سے اُس کی گواہی دیتا رہا"۔ (عبرانی ۲: ۴)۔ اور مُلحد بھی اِس بارے میں مُعجزے کے زور کو خُوب محسُوس کرتے ہیں۔ مثلاً ملّین صاحب اپسکوپل چرچ کے بشپ اپنی کتاب ایوی ڈینسز آف کرسچی اینیٹی میں یُوں ایک کی رائے قلمبند کرتے ہیں "مجھے یقین ہے کہ سب لوگ اس بات کو قبُول کرینگے کہ جو شخص فی الحقیقت مر گیا ہوا اُسے پھر زندہ کرنا بہت بڑا مُعجزہ ہے۔ اگر اسی قِسم کے دو تین مُعجزے جن کی سچّائی پایۂ ثبُوت کو پہنچ گئی ہو اور جن کو مُعتبر اشخاص نے بیان کیا ہو پیش کئے جائیں تو وُہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہونگے کہ جو اُن کا دکھانے والا ہے وُہ واقعی خُدا

مُنکر بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مُعجزہ من جانب اللہ ہونے کا عمدہ ثبوت ہے

کی طرف سے ہے اور اُس کی قدرت سے معمور ہے"۔

پس اگر الہام ناممکن ہے تو معجزہ بھی ناممکن ہے پر اگر الہام ناممکن نہیں تو معجزہ بھی ناممکن نہیں

پس اگر یہ ممکن ہے کہ خدا اپنی مرضی کے اظہار سے انسان کو بہرہ ور فرمائے جن کے ذریعہ وُہ بندگانِ خدا کو قائل کر سکے۔ کہ مَیں خدا کا قاصد ہُوں۔ یہاں اس بات کو ثابت کرنا کہ الہام ناممکن نہیں مضمون زیرِ بحث کی حدود سے تجاوز کرنا ہوگا لہٰذا ہم اِس بحث کو یہاں نہیں چھیڑینگے۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ کون کہہ سکتا ہے کہ خدا کے لئے جو رحم و فضل کا منبع ہے گم گشتہ انسان کو راہ راست پر لانا اور اُسے نورِ ہدایت سے منور فرمانا ناممکن ہے ایسا وُہی کہہ سکتا ہے جو کشفِ الٰہی اور الہام ربانی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور وُہی معجزہ کا بھی انکار کر سکتا ہے پر وُہ جو ہدایتِ ایزدی کے قائل اور جویاں ہیں وُہ اپنے اعتقاد کے مطابق معجزے پر حملہ نہیں کر سکتے جب تک اُس اعتقاد سے دست بردار نہ ہوں۔ الہام یا مکاشفہ کے تصوّر ہی میں رنگِ اعجاز جلوہ گری کر رہا ہے۔ کیونکہ کسی طرح کا مکاشفہ الٰہی قدرت کی مداخلت کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ اور خدا کی قدرت کے ظہور کا نام معجزہ ہے۔ پس اگر خدا کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وُہ اپنی مرضی کا کشف انسان کو مرحمت فرمائے تو پھر یہ بھی ناممکن ہے کہ وُہ معجزہ دکھائے۔ پر اگر وُہ ناممکن نہیں تو یہ بھی ناممکن نہیں ہے۔

الہامی صداقتیں عقل کی رسائی سے بعید ہیں لہٰذا اُن کے ثبوت کے لئے معجزہ ضرور ہے

ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں کہ کشف اور الہام کو معجزہ سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ جہاں الہام ہے وہاں معجزہ بھی ضرور ہوتا ہے الہام سے کیا مُراد ہے؟ الہام سے اُن صداقتوں کا اظہار مُراد ہے جنہیں ہم اپنی عقل کے وسیلے دریافت نہیں کر سکتے۔ پر خدا اپنی رحمت اور فضل سے

اُن کو ہم پر ظاہر فرماتا ہے۔ پر سوال یہ ہے کہ ہم کس طرح جانیں کہ جو بات ہمارے سامنے الٰہی صداقت کے طَور پر پیش کی جاتی ہے وُہ راست اور برحق ہے؟ کیونکہ کئی تعلیمات اور کئی مسائل ایسے ہوتے ہیں اور ہیں جن کا منجانب اللہ ہونے کا دعوےٰ کیا جاتا ہے۔ مگر وُہ عقلی تحقیق کے دائرہ سے باہر ہیں۔ لہٰذا ایسے نشان کے محتاج ہیں جو اُن کی تصدیق کرے اور وُہ نشان معجزہ ہے۔ اِس موقعہ پر معجزہ کے متعلق دو تین باتوں پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

کوئی معمولی واقعہ معجزہ کا کام نہیں دے سکتا

(۱) معجزہ کے منشاء سے صاف ظاہر ہے کہ وُہ فطرت کے اظہارات کی طرح بار بار واقع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر ہو تو اُس مقصد کو پورا نہیں کریگا جس کے پورا کرنے کے لئے وُہ دکھایا گیا۔ بلکہ عام واقعات کی طرح وُہ بھی ایک عام واقعہ ہو جائیگا۔ لیکن اگر کسی شخص کے اشارے سے معیّنہ وقت اور مقرری صُورت میں ظاہر ہو تو اپنے مقصد کو پورا کریگا۔ فطرت کے کسی عام واقعہ یا حادثہ کو پیغامِ الٰہی کے ثبوت میں پیش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وُہ سلسلہ موجودات میں اپنے اسباب ماقبل اور نتائج مابعد کے ساتھ گندھا ہوا ہوتا ہے اور جس مقصد کو وُہ اِس سلسلہ میں انجام دیتا ہے وُہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ پس دیکھنے والے کی نظر میں وُہ الہامی پیغام کے ساتھ کوئی ربط نہیں رکھتا۔ اِس میں شک نہیں کہ ہم اِن تمام واقعات میں خدا کی قدرت کو معائنہ کرتے ہیں۔ تاہم فطرت کی کوئی عجیب یا حیرت افزا بات اُس شخص کے الہامی پیغام کے ثبوت میں پیش نہیں کی جا سکتی جو نبی یا رسُول ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے۔

الہامی صداقتیں اگر لوگوں کے دِلوں میں خودبخود پیدا ہوں تو ہمیشہ ثبوت کی محتاج رہینگی

(۲) پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کیا خدا معجزے کے بغیر

انسان کے دِل میں الہامی خیالات پیدا نہیں کر سکتا؟ ہاں وُہ قادرِ خُدا ہے اور اُس کے لئے اَیسے خیالات پیدا کرنا ناممکن نہیں۔ پر سُوال یہ ہے کہ اگر اور خیالات کی طرح وُہ نئی اور اہم صداقتوں کے تصوّرات انسان کے دِل میں پیدا کرے تو اس کا کیا ثبُوت ہو گا کہ وُہ سچے ہیں اور قبُول کرنے کے قابِل ہ؟ مثلاً اگر کوئی شخص یہ دعوےٰ کرے کہ کفّارہ ضرُوری ہے اور وُہ ہو چُکا ہے۔ کیونکہ یہ خیال میرے دِل میں پیدا ہُوا ہے تو ہم ضرُور پُوچھینگے کہ اس کا ثبُوت کیا ہے۔ اِسی طرح اگر کوئی شخص مسیح کے سے دعوے یا وعدے پیش کرے اور کہے کہ اُنہیں باور کرو کیونکہ اُن کا خیال میرے دِل میں پیدا ہُوا ہے تو ہم اُس کی باتوں کی تصدیق میں نشان طلب کرینگے۔ اور اگر اپنے دعاوی کے اثبات میں وُہ کوئی نشان پیش نہ کریگا تو ہم اُسے پاگل یا سڑی کہینگے۔ اور جو نشان پیش کریگا وُہی مُعجزہ ہو گا ؛

رسالت کے ثبُوت میں تین باتیں پیش کی جا سکتی ہیں

اَب اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے غور کریں تو واقف ہو جائینگے کہ رسالت کے ثبوت میں مُعجزات سے بڑھ کر اور کوئی ثبُوت فیصلہ کُن نہیں ہے۔ کیونکہ وُہ جو رسالت کا مدعی ہے وُہ اپنے دعوے کی تصدیق میں تین باتیں پیش کر سکتا ہے ؛

(الف) اپنا چال چلن ؛

(ب) اپنے پیغام کی ذاتی خُوبی اور مناسبت ؛

(س) اَیسے کام جو انسان کی معمُولی طاقت سے بعید ہوں۔ مسیحی عُلماء کا یہ دعوےٰ غلط نہیں کہ پہلی دو باتوں سے خاطر خواہ ثبُوت بہم نہیں پہنچتا۔ اَب ہم دیکھینگے کہ یہ دعوےٰ صحیح ہے یا نہیں ؛

چال چلن اس کو ثابت نہیں کر سکتا

(الف) چال چلن۔ اِس بارے میں ہم معصُومیت سے بڑھ کر اور کوئی بڑی صفت کسی شخص سے منسُوب

نہیں کر سکتے۔ لیکن بے گُناہی بھی شہادت کا پُورا پُورا کام نہیں دے سکتی کیونکہ ظاہری سیرت یعنی بیرُونی افعال اندرُونی نیّت کی صفائی اور کاملیت کا ثبُوت نہیں ہو سکتے اور انسان دُوسرے انسان کے دِل کا حال نہیں جانتا۔ اِس علم کے لئے ایک عرصہ کی ضرُورت ہے اور پھر بھی ہم کامل طَور پر یہ علم حاصل نہیں کر سکتے کہ آیا فلاں شخص ظاہر و باطن میں یکساں ہے یا نہیں ؛

پیغام کی ذاتی خوبی بھی اس کو ثابت نہیں کر سکتی

(ب) پھر پیغام کی ذاتی خُوبی اور مناسبت بھی پُختہ ثبُوت نہیں سمجھی جا سکتی۔ گو اُس کی خُوبی عقل کو مرغُوب ہو اور اُس کی مناسبت قرینِ قیاس معلوم ہو مثال کے طَور پر خُدا کے مجسّم ہونے کا مسئلہ لیجئے۔ یہ مسئلہ کیسا عظیم الشّان مسئلہ ہے۔ اس سے خُدا کی شان میں سرِ مُو فرق نہیں آتا۔ اور انسانیت کی شان بڑھ جاتی ہے۔ ہماری ذات عجیب قسم کی سرفرازی حاصل کرتی ہے اور خُدا تعالےٰ سے ایک گہرا رشتہ پیدا کرتی ہے۔ اور ہمارے دِل اس بات پر غور کرنے سے خُدا کی محبّت سے بھر جاتے ہیں۔ غرضیکہ یہ مسئلہ ہرگز عقل کے برخلاف نہیں بلکہ ہماری اعلےٰ خواہشوں اور ضرُورتوں کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔ تاہم اِس سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ خُدا نے ازل ہی سے یہ ٹھان رکھا تھا کہ مَیں اِس ارادے کو پُورا کرُونگا۔ کیا ہم خُدا کے کام کے متعلق انسان کے خیالات سے صحیح نتائج نکال سکتے ہیں؟ اگر ہم ایسا کر سکتے ہیں تو یہ بجائے خود ایک مُعجزہ ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ گویا ہم خُدا کی مرضی کا کامل علم رکھتے ہیں ؛

مسیحی مذہب کے پھلوں سے جو دلیل لائی جاتی ہے وُہ بھی مُعجزہ کی جگہ نہیں لے سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ مذہب کے پھل اُس کے ثبُوت میں اعلےٰ جگہ رکھتے ہیں۔ تاہم وُہ جگہ مُعجزوں کی جگہ نہیں مُعجزات ڈائرکٹ

ثبوت ہیں پھل ڈائرکٹ ثبوت نہیں ہوتے۔ مُعجزات وُہ دیدہ فوق العادت اظہارات ہیں جو نادیدہ فوق العادت صداقتوں کے ثبوت ہیں ٭

چال چلن اور پیغام کی ذاتی خوبی اپنی اپنی جگہ پر ضروری ہیں۔

ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ نبی کی نیک چلنی اور تعلیم کی باطنی خوبی اپنے اپنے موقعہ پر نہایت ضروری ہیں اور نبی کے کلام اور دعوے کی تصدیق میں اُس کی معاونت کرتی ہیں۔ تاہم تمام بارِ ثبوت اُنہیں پر نہیں ڈالا جا سکتا۔ قبل اس کے کہ کوئی شخص صادق اور دیانتدار ثابت ہو ایک مدت چاہیئے جس میں اُس کی سچائی اور دیانت داری اُس کی زندگی کے ہر پہلو کے ملاحظہ سے ثابت ہو۔ اسی طرح اُس کے پیغام کی سچائی کو پرکھنے کے لئے ایسی دقیقہ سنج اور نکتہ رس لیاقت، تحقیق اور قوتِ امتیاز کی ضرورت ہوگی جو اُس شخص کی تعلیمات اور مروجہ اعتقادات کا مقابلہ کر سکے اور بغیر دھوکا کھائے یہ فیصلہ کر سکے کہ پہلے اعتقاد اور عقیدہ کے چھوڑنے کے اور اُس

معجزہ تمام مشکلات کو حل کر دیتا ہے

کی تعلیم ترجیح کے قابل ہے۔ لیکن معجزہ ان مشکلات کو فوراً حل کر دیتا ہے۔ جو نظیر ہم پہلے رقم کر چکے ہیں وُہی اِس نکتہ کی توضیح کے لئے کافی ہے۔ فرض کرو کہ کوئی ایلچی یا سفیر کسی شاہی دربار میں جائے اور بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر یہ کہے کہ اے شہریار نامدار میں اپنے شاہ عالی جاہ کی طرف سے ایک ایسا پیغام لایا ہوں جسے قبول کرنا اور جس کے مطابق عمل کرنا طرفین کی بہبودی کے لئے ضروری ہے اور جب

اس کی مثال

اُس سے یہ پوچھا جائے کہ تیرے پاس اِس بات کی کیا سند ہے کہ تو فلاں بادشاہ کا فرستادہ ہے تو اس کے جواب میں وُہ یہ کہے کہ اس کی سند میرا نیک چلن اور میرے پیغام کی باطنی خوبی ہے۔ تو کہئے کون اُس کے پیغام کو سُنیگا؟ کیونکہ اور بہت سے لوگ ہیں جو شاید اُس سے کم دیانت دار نہیں اور بہتیرے ایسے پیغام ہیں جو اپنی ذات میں اچھے

ہوتے ہیں۔ پس مناسب ہے کہ وُہ کوئی اور نشان پیش کرے۔ مثلاً اپنے بادشاہ کی مُہر پیش کرے جسے دیکھتے ہی سب کے مُنہ بند ہو جائیں اسی طرح خدا کے نبی یا رسُول کے لئے لازم ہے کہ وُہ بھی کوئی ایسا نشان دکھائے جسے دیکھتے ہی سب قائل ہو جائیں کہ وُہ خدا کا بھیجا ہوا ہے معجزہ سے بڑھ کر اور کوئی مُہر ایسی نہیں ہو سکتی ٭

اب ہم ذرا خصوصیت کے ساتھ اس بات پر غور کریں گے کہ معجزہ کے تصور میں کون کون سی باتیں شامل ہیں ٭

معجزات الٰہی قدرت کی مُہر ہیں

(۱) جیسا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں معجزات خدا کی قدرت کی مُہر ہیں کیونکہ وُہ ہمیشہ خدا کی خاص قدرت سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ چیدہ اشخاص کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وُہ خدا کے نام سے (جیسا موسیٰ نے کیا) یا خداوند مسیح کا نام لے کر (جیسا رسُولوں نے کیا اعمال ۳: ۶ و ۴: ۱۰) اِس خاص الٰہی قدرت کو کام میں لائیں اور پاک نتائج پیدا کرنے کے لئے معجزات کی شہادت پیش کریں۔ چونکہ باپ میں اور مسیح میں دُوئی نہیں پائی جاتی بلکہ وُہ ذات اور قدرت کے اعتبار سے ایک ہیں لہٰذا مسیح خود اِس قدرت کا سرچشمہ ہے۔ سو

مسیح اس قدرت کا سرچشمہ ہے

وُہ اپنے معجزات کے وسیلے نہ صرف باپ کا جلال ظاہر کرتا ہے بلکہ اپنا جلال بھی ظاہر کرتا ہے (یُوحنا ۲: ۱۱) یعنی اُس شخصی میل کے سبب سے جو پیدا کرنے والے ازلی کلمہ اور انسانی ذات میں پایا جاتا ہے۔ اور اُس الٰہی بھرپُوری کے باعث جو اُس میں مجسم ہو رہی تھی (کلسیوں ۲: ۹) اور اُس بے گناہی کی وجہ سے جو اُس کی ذات کے ساتھ خاص تھی اُس کا خالقانہ اور قادرانہ تعلق اِس دُنیا کے ساتھ اور لوگوں کی نسبت بالکل مختلف تھا ٭

یہ الٰہی قدرت فوق العادت قدرت ہے

(۲) یہ الٰہی قدرت جس کے وسیلے

معجزات سرزد ہوتے ہیں فوق العادت قدرت ہوتی ہے۔ یعنی اُن کو وجود میں لانے والے اسباب نیچر کے معمولی سلسلے میں نہیں ملتے بلکہ وہ معمولی وسائل کی وساطت کے بغیر اور فقط خدا کی فوق العادت قدرت کے ذریعے واقع ہوتے ہیں۔ ان میں "خدا کا ہاتھ" (حزقی ایل ۸: ۱۹) صریح نظر آتا ہے۔ یا یوں کہیں کہ معجزات ایک معنی میں خالقانہ قدرت کے نتائج ہوتے ہیں ÷

یہ قدرت دُنیا کی حفاظت اور انسان کی نجات کا موجب ہے

(۲) وُہ نہ صرف خدا کی خالقانہ قدرت کے اظہار ہوتے ہیں بلکہ دُنیا کی حفاظت پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ اِس دُنیا میں گُناہ کی خرابی آگھُسی ہے جو اُسے برباد کر رہی ہے۔ اور معجزات خدا کی اُس نجات بخش قدرت کے نشان ہیں جو دُنیا کو اِس خرابی اور بربادی سے رہا کر سکتی ہے۔ اور گنہگاروں کو پاکیزگی عطا کر سکتی ہے۔ اِس معانی میں معجزات الٰہی بادشاہت کی ترقی کا باعث ہیں اور دُنیا کے کمال اور نجات کی طرف راجع ہیں ÷

اگر اُن الفاظ پر غور کیا جائے جو کلامِ الٰہی میں معجزے کے لئے آئے ہیں تو ہم پر ظاہر ہو جائیگا کہ جو خیالات ہم اوپر ہدیۂ ناظرین کر چکے ہیں وُہ بالکل صحیح اور درست ہیں۔ اُن کے ملاحظہ سے ہم دیکھینگے کہ وُہ قوتِ اعجاز جو نبیوں کو اور رسُولوں کو مرحمت کی گئی ہے اُس کا یہ مطلب نہ تھا کہ کشف کرامت سے معجزہ دکھانے والے کی تعریف ہو

مختلف الفاظ جو معجزے کے لئے نئے عہدنامے میں آئے ہیں اور جو اُس کی مختلف خاصیتوں کو ظاہر کرتے تھے

اور نہ یہ کہ وُہ اُس عجیب طاقت سے اپنے مخالفوں سے انتقام لے۔ بائبل کے معجزے خدا کی قدرت اور رحمت اور نجات بخش محبت کا نشان ہیں۔ ٹرنچ صاحب نے اپنی مشہور کتاب نوٹس آن دی مرےکلز (NOTES ON THE MIRACLES) میں تفصیل وار اِس

دلچسپ مضمون پر بحث کی ہے۔ مگر ہم خوفِ طوالت سے مختصر طور پر اُن لفظوں کو پیش کرتے ہیں جو نئے عہدنامہ میں معجزے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں ÷

ٹیراٹس اچنبھا

(الف) بعض مقامات میں لفظ اچنبھا آیا ہے اور ہمارے نئے ترجمہ میں "عجیب کام" استعمال ہوا ہے۔ یہ یونانی لفظ ٹیراٹس (τέρατα) کا ترجمہ ہے۔ اور اِس لفظ سے معجزہ کا وُہ پہلو عیاں ہوتا ہے جو دیکھنے والوں کو حیرت کا مبتلا بناتا ہے جب لوگ اُس عجیب قدرت کو معائنہ کرتے جو خدا کے رسُول کے وسیلے جلوہ گر ہوتی ہے تو وُہ حیرت سے بھر جاتے اور خواہ مخواہ معجزے دکھانے والے کے کلام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ مفصلہ ذیل مقامات کے مطالعہ سے معلوم ہو جائیگا کہ دیکھنے والوں پر یہی اثر پیدا ہوا (مرقس ۲: ۱۲ = مرقس ۴: ۴۱ = مرقس ۶: ۵۱ و اعمال ۳: ۱۰ و ۱۱) ÷

پس معجزے کی حیرت خیز خاصیت کا فقط یہی مقصد تھا کہ وُہ اُن کو جو خوابِ غفلت میں مبتلا تھے اپنی تعجب انگیز تاثیر سے جگائے تاکہ وُہ اُس پیغام کو جو نبی سُنانے پر تھا توجہ سے سُنیں یا اگر پہلے سُن چکے تھے تو معجزہ کے معائنہ کے بعد اُس پر زیادہ غور کریں۔ یاد رہے کہ معجزہ کا صرف یہی مقصد نہیں ہوتا کہ وُہ حیرت پیدا کرے اور بس۔ لوگ اکثر معجزات کی طرف یہی اکیلا مقصد منسوب کرتے ہیں۔ پر یہ سخت غلطی ہے۔ اور کلامِ الٰہی نے اِس غلطی سے ہمیں بچانے کے لئے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے چنانچہ یہ لفظ جو معجزات کی حیرت افزا خصوصیت پر دلالت کرتا ہے کبھی اکیلا نہیں آتا۔ بلکہ اور الفاظ کے ساتھ یا یُوں کہیں کہ معجزے کے دیگر اسماء کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ معجزہ صرف تحیر یا تعجب پیدا کرنے کے لئے دکھایا جاتا ہے۔

(دیکھو اعمال ۲: ۲۲ و ۲- کرنتھی ۱۲: ۱۲)۔

ڈوناماٹس یا قدرتیں (ب) ایک اور لفظ جو معجزے کے لئے استعمال ہُوا ہے ڈوناماٹس (Dona Mice) ہے جس کا لفظی ترجمہ "قدرتیں" ہے۔ لیکن اُردو انجیل میں کہیں اُس کا ترجمہ کرامات (متی ۷: ۲۲) اور کہیں معجزہ کیا گیا ہے ذیل کے مقامات میں یہ لفظ آیا ہے (متی ۱۱: ۲۰ + مرقس ۱۶: ۱۴ لوقا ۱۰: ۱۳ + اعمال ۲: ۲۲ اور ۱۹: ۱۱ + ۱- کرنتھی ۱۲: ۱۰ و ۲۸ + گلتیوں ۳: ۵) اصل میں یہ نام اُس قدرت کا تھا جو مُوجد معجزانہ اظہارات کی تھی۔ یا یُوں کہیں کہ معجزات نتائج اُس قدرت کے عمل کے تھے۔ مگر جیسا اکثر ہُوا کرتا ہے مُوجد کا نام نتائج پر منتقل ہو گیا اور معجزات خُود قدرتیں کہلانے لگے۔ جو خاص بات اس لفظ سے ٹپکتی ہے وُہ یہی ہے کہ جس قدرت سے معجزہ سرزد ہوتا ہے وُہ خدا کی خاص قدرت ہے جو بے وساطت کام کرتی ہے۔

سماٹی آن یا نشان (ج) تیسرا لفظ نشان یا "نشانیاں" ہے۔ یُونانی میں "سماٹی آن" (Same on) آیا ہے۔ اور یہ نام نہایت پُرمطلب ہے۔ بلکہ یُوں کہہ سکتے ہیں کہ اس سے معجزہ کا خاص مطلب ہویدا ہوتا ہے اور وُہ یہ کہ معجزہ خدا کی حضوری اور قدرت کا نشان ہے۔ اور ثابت کرتا ہے کہ جو شخص معجزہ دکھاتا ہے وُہ خدا کی حضوری اور قدرت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ یہودیوں کے کلام اور سوالات سے معجزے کی یہ خاصیت بخوبی ٹپکتی ہے۔ (دیکھو یوحنا ۲: ۱۸ متی ۱۲: ۳۸ متی ۱۶: ۱) یہ لفظ ذیل کے مقاموں میں استعمال ہُوا ہے گو بعض ترجموں میں نشان کی جگہ معجزہ بھی مستعمل ہے۔ (یوحنا ۲: ۳ و ۷: ۳۱ و ۱۰: ۴۱)۔

کام (د) پھر یوحنا کی انجیل میں ایک اور لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب نہایت عمیق ہے اور وُہ لفظ "کام" ہے (دیکھو یوحنا

۵: ۳۶ و ۷: ۲۱ و ۱۰: ۲۵ و ۳۲ و ۳۸ + نیز ۱۴: ۱۱- ۱۲ نیز ۱۵: ۲۴ نیز متی ۱۱: ۲) یُوحنا کے نزدیک الٰہی قدرت کے وُہ اظہارات جو خداوند مسیح کے وسیلے سرزد ہوئے وُہ مسیح کے لئے گویا معمُولی کام تھے۔ کیونکہ اُس میں خدا کی بھرپُوری موجُود تھی۔ ایسے کاموں کو انجام دینا گویا اُس کے لئے عین نیچرل تھا۔ جیسی اُس کی حیثیت عظیم اور بلند تھی وَیسے ہی اُس کے کام عظیم اور بلند پایہ تھے۔ تعجب اس میں نہیں کہ اُس نے ایسے معجزات دکھائے۔ تعجب اُس وقت ہوتا جبکہ وُہ معجزات نہ دکھاتا۔

اس عظیم مقصد پر غور کرنے سے معجزہ ناممکن معلوم نہیں ہوتا اب جب ہم اس عظیم مقصد پر غور کرتے ہیں جس کا پُورا کرنا اور معجزات کے وسیلے پُورا کرنا مدِ نظر تھا تو معجزات کا واقع ہونا ناممکن نظر نہیں آتا۔ اور جو لوگ معجزوں پر اعتراض کرتے ہیں وُہ اس بات پر کما حقہٗ غور نہیں کرتے کہ تدبیرِ نجات میں اُن کا کیا رُتبہ ہے۔ ان خاصیتوں سے جو ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں کیا یہی ثابت نہیں ہوتا کہ خدا ہے اور ہر جگہ حاضر ہے۔ اور لامحدُود قدرت سے ملبّس ہے۔ اور کہ اُس کے دل میں انسان کی بہبُودی کا خیال جوش مارتا ہے اور وُہ اُس کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اور اُسے گم گشتگی کی افسوسناک حالت سے صراطِ مستقیم پر لانے کے واسطے اپنی مرضی کا کشف اُسے مرحمت فرماتا ہے۔ اور اُس مکاشفہ کو اپنی قُدرت کے عجیب نشانوں سے ثابت کرتا ہے۔

پس جیسا ہم اُوپر بیان کر آئے معجزات پر اعتراض کرنا گویا امکان الہام پر اعتراض کرنا ہے۔ پر کیا مسیح کے وسیلے نئے مکاشفے۔ نئی برکتیں۔ نئے تصورات۔ نئے مسئلے دُنیا میں نہیں آئے اور کیا ان چیزوں کی دُنیا کو ضرورت نہ تھی؟ اس کا انکار وُہی شخص کر سکتا ہے جو اُس زمانہ کی تاریخ سے ناواقف ہے۔ اس کا انکار کرنا گویا یہ کہنا ہے کہ

روشنی اُس کے وسیلے ہم کو نصیب ہوئی وُہ فضول اور غیر ضروری تھی اور دُنیا اُس کے بغیر گزارہ کر سکتی تھی اور انجیل کی تعلیم سے پہلے خُدا کا پُورا علم اور اُس کی مرضی کا کامل مکاشفہ اور آنے والی دُنیا کی سزا و جزا کی کامل خبر رکھتی تھی۔ مگر یہ ایسا لغو دعوے ہے کہ اہلِ تحقیق اس کو تسلیم نہیں کر سکتے ✣

دُوسرا باب

قوانینِ قُدرت اور مُعجزات

ہمارے مُلک میں مُعجزے کی مخالفت ایک نیا واقعہ ہے کیونکہ سب قومیں کسی نہ کسی طرح کے مُعجزے مانتی آئی ہیں۔

ہمارے مُلک میں معجزات کی مخالفت ایک نیا شگوفہ ہے۔ کیونکہ کوئی اُس بات کا انکار نہیں کر سکتا۔ کہ ابھی تھوڑا عرصہ گزرا کہ ہر طرح کی زُود اعتقادی اور باطل پرستی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ اور اب بھی مُلک بطالت سے پُورے طَور پر آزاد نہیں ہُوا۔ بعض بعض فرقوں کا قوتِ اعجاز سے انکار کرنا واقعی ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں ایک نیا واقعہ ہے۔ ہندوؤں کی دینی کتابیں عجیب قصّوں اور کہانیوں سے بھری پڑی ہیں۔ اور اگر ہم اُن کو بھی مُعجزات کے نام سے موسُوم کریں تو وُہ اِس قدر ہیں کہ اُن کا شُمار کرنا آسان کام نہیں۔ اور ہزاروں بلکہ لاکھوں سناتن دھرم کے ماننے والے ہندو باوجود ویدانتی عقائد کے جو مُعجزانہ اظہارات کے سخت مخالف ہیں پرانوں کے قصّوں اور کہانیوں کو اب بھی برابر مان رہے ہیں۔ یہی حال

اسلام کا ہے۔ وہاں بھی یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ اُنہوں نے نہ صرف انبیا کی مُعجزانہ قُدرت پر اکتفا کی بلکہ اپنے ولیوں اور غوثوں اور قطبوں کی کرامات کے بھی قائل ہُوئے اور ادنٰے درجہ کی قوموں اور فرقوں میں تو اِس زُود اعتقادی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ پیروں اور فقیروں کی عبادت قبروں اور خانقاہوں کی زیارت اور پرستش کا رواج اب تک چلا جاتا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ یہ مانتے ہیں کہ اِن وسائل سے ہماری

پر یہ سریع الاعتقادی علم کے سامنے قائم نہیں رہ سکتی تھی

مُرادیں بر آئینگی۔ دُوسرے لفظوں میں یُوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ وُہ لاریب قوتِ اعجاز کے اظہاروں کے قائل ہیں۔ لیکن یہ بے ڈھنگی زُود اعتقادی علمِ کے سامنے قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ لہٰذا جب سائنس کی روشنی چمکی اور تعلیم یافتہ لوگوں نے دیکھا کہ جن واقعات کو ہمارے آبا و اجداد کرامات مانتے چلے آئے ہیں وُہ ایسے بے بُنیاد۔ ایسے بے ربط۔ ایسے عجیب الخلقت اور حقیقی تاریخ کی خاصیتوں سے اِس قدر بے بہرہ ہیں کہ اربابِ علم و فضل اُن کو ہرگز قبول نہیں کر سکتے۔ تو اُنہوں نے ولائتی نیچریوں کی تقلید

سریع الاعتقادی کا نتیجہ

اختیار کی اور کہا کہ مُعجزہ بالکل ناممکن ہے کیونکہ وُہ قوانینِ قُدرت کے برخلاف ہے۔ ان لوگوں میں ہمارے بھائی برہمو جن کی صدق دلی اور نیک ذاتی کے ہم تہ دِل سے قائل ہیں اور آریہ سماج اور بعض ویدانتی۔ اور کئی نیچری شامل ہیں۔ مگر چُونکہ ان لوگوں نے ہماری رائے میں اہلِ یورپ سے مُعجزوں کی مخالفت کرنا سیکھا ہے لہٰذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم اصل مخالفوں کی طرف متوجہ ہوں جن کی تصنیفات سے ہمارے مخالفینِ اعجاز نے خوشہ چینی کی ہے۔ جہاں تک ہم کو علم ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے اپنے ہموطن بھائیوں سے مُعجزے کی تردید میں سُنا ہے وُہ نئی باتیں نہیں بلکہ وُہی باتیں۔ وُہی اعتراض۔ وُہی مخالفتیں

انسان کے دِل میں الہامی خیالات پَیدا نہیں کرسکتا؟ ہاں وُہ قادر خُدا ہے اور اُس کے لئے اَیسے خیالات پَیدا کرنا ناممکن نہیں۔ پر سُوال یہ ہے کہ اگر اور خیالات کی طرح وُہ نئی اور اہم صداقتوں کے تصوّرات انسان کے دِل میں پَیدا کرے تو اس کا کیا ثبُوت ہوگا کہ وُہ سچّے ہیں اور قبُول کرنے کے قابل؟ مثلاً اگر کوئی شخص یہ دعوےٰ کرے کہ کفارہ ضرُوری ہے اور وُہ ہوچُکا ہے۔ کیونکہ یہ خیال میرے دِل میں پَیدا ہُوا ہے تو ہم ضرُور پُوچھینگے کہ اس کا ثبُوت کیا ہے۔ اِسی طرح اگر کوئی شخص مسیح کے سے دعوے یا وعدے پیش کرے اور کہے کہ اُنہیں باور کرو کیونکہ اُن کا خیال میرے دِل میں پَیدا ہُوا ہے تو ہم اُس کی باتوں کی تصدیق میں نشان طلب کرینگے۔ اور اگر اپنے دعاوی کے اثبات میں وُہ کوئی نشان پیش نہ کریگا تو ہم اُسے پاگل یا سڑی کہینگے۔ اور جو نشان پیش کریگا وُہی مُعجزہ ہوگا ؞

رسالت کے ثبُوت میں تین باتیں پیش کی جا سکتی ہیں

اَب اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے غور کریں تو قائل ہوجائینگے کہ رسالت کے ثبوت میں مُعجزات سے بڑھ کر اور کوئی ثبُوت فیصلہ کُن نہیں ہے۔ کیونکہ وُہ جو رسالت کا مدعی ہے وُہ اپنے دعوےٰ کی تصدیق میں تین باتیں پیش کرسکتا ہے ؞

(الف) اپنا چال چلن ؞

(ب) اپنے پیغام کی ذاتی خوُبی اور مناسبت ؞

(س) اَیسے کام جو انسان کی معمُولی طاقت سے بعید ہوں۔ مسیحی عُلماٗ کا یہ دعوےٰ غلط نہیں کہ پہلی دو باتوں سے خاطر خواہ ثبُوت بہم نہیں پُہنچتا۔ اَب ہم دیکھینگے کہ یہ دعوےٰ صحیح ہے یا نہیں ؞

چال چلن اس کو ثابت نہیں کرسکتا

(الف) چال چلن۔ اِس بارے میں ہم معصُومیّت سے بڑھ کر اور کوئی بڑی صِفت کسی شخص سے منسُوب

اسلام کا ہے۔ وہاں بھی یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ اُنہوں نے نہ صرف انبیا کی مُعجزانہ قُدرت پر اکتفا کی بلکہ اپنے ولیوں اور غوثوں اور قطبوں کی کرامات کے بھی قائل ہُوئے اور ادنےٰ درجہ کی قوموں اور فرقوں میں تو اِس زُود اعتقادی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ پیروں اور فقیروں کی عبادت قبروں اور خانقاہوں کی زیارت اور پرستش کا رواج اَب تک چلا جاتا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ یہ مانتے ہیں کہ اِن وسائل سے ہماری مُرادیں بر آئینگی۔ دُوسرے لفظوں میں یُوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ وُہ لاریب قوتِ اعجاز کے اظہاروں کے قائل ہیں۔ لیکن یہ بے ڈھنگی زُود اعتقادی علم کے سامنے قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ لہذا جب سائنس کی روشنی چمکی اور تعلیم یافتہ لوگوں نے دیکھا کہ جن واقعات کو ہمارے آبا و اجداد کرامات مانتے چلے آئے ہیں وُہ اَیسے بے بُنیاد۔ اَیسے بے ربط۔ ایسے عجیب الخلقت اور حقیقی تاریخ کی خاصیتوں سے اِس قدر بے بہرہ ہیں کہ ارباب عِلم و فضل اُن کو ہرگز قبُول نہیں کرسکتے۔ تو اُنہوں نے ولائتی نیچریوں کی تقلید اختیار کی اور کہا کہ مُعجزہ بالکل ناممکن ہے کیونکہ وُہ قوانینِ قُدرت کے برخلاف ہے۔ ان لوگوں میں ہمارے بھائی برہمو جن کی صدق دِلی اور نیک ذاتی کے ہم تہ دِل سے قائل ہیں اور آریہ سماج اور بعض ویدانتی۔ اور کئی نیچری شامل ہیں۔ مگر چُونکہ ان لوگوں نے ہماری رائے میں اہلِ یورپ سے مُعجزوں کی مخالفت کرنا سیکھا ہے لہذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم اصل مخالفوں کی طرف متوجّہ ہوں جن کی تصنیفات سے ہمارے مخالفین اعجاز نے خوشہ چینی کی ہے۔ جہاں تک ہم کو عِلم ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے اپنے ہموطن بھائیوں سے مُعجزے کی تردید میں سُنا ہے وُہ نئی باتیں نہیں بلکہ وُہی باتیں۔ وُہی اعتراض۔ وُہی مخالفتیں

پر یہ سریع الاعتقادی علم کے سامنے قائم نہیں رہ سکتی تھی

سریع الاعتقادی کا نتیجہ

ہیں جو یورپ کے ریشنیلسٹوں اور ڈی اسٹوں اور تھی اسٹوں اور پنتھی اسٹوں کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں ؎

معجزانہ مخالفت کا ماخذ

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم اِس جگہ اس بات پر غور کریں کہ اِس مخالفت کا اصل ماخذ کیا ہے۔ کیا سائنس معجزوں کی مخالفت میں عَلم اُٹھائے ہے یا کوئی اَور بات ہے جس کے سبب سے لوگ مخالفت کر رہے ہیں۔

سائنس نہیں بلکہ اپنے اپنے فلسفانہ عقیدے

ہمیں پروفیسر بروس صاحب کا خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے جو اُنہوں نے اپنی کتاب "دی مرے کیولس ایلیمنٹ اِن دی گاسپلز" (The miraculous elements in The gospels) میں ظاہر فرمایا ہے۔ کہ فوق العادت کی نسبت جو بے اعتقادی پائی جاتی ہے اُس کی ماخذ سائنس نہیں بلکہ اُس کا اصل سبب فلسفانہ میلان ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جس خیال کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے وُہی درست معلوم ہوتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ ایسا فلسفانہ میلان اختیار کیا جائے جس

دہریہ اور ہمہ اوستی اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق مخالفت کرتے ہیں

کی مخالفت کو کسی طرح کا ثبوت بھی دُور نہ کر سکے۔ مثلاً دہریوں کے اعتقادات اور ہمہ اوستیوں (پنتھی اسٹوں) کے عقائد ہیں یہ سختی میلان کی صاف نظر آتی ہے ان دونو میں سے کوئی بھی انتظام نیچر کی متواتر بے تبدیلی میں مُعجزانہ رخنہ اندازی کا قائل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ دہریئے کے نزدیک جو صرف مادے کی ہستی کا قائل ہے فوق العادت کچھ چیز نہیں ہے مگر پنتھی اسٹ کے نزدیک فوق العادت خالی از مطلب نہیں۔ وُہ ایک صُورت میں فوق العادت کا قائل ہے۔ پر جسے وُہ فوق العادت کہتا ہے وُہ نیچر سے جُدا نہیں۔ بلکہ نیچر ہی میں ظاہر ہوتا ہے۔ یا یُوں کہیں کہ نیچر کا رُوحانی تصور اُس کے نزدیک فوق العادت ہے۔ ایک کے نزدیک اگر کوئی حقیقت ہے تو وُہ

نیچر ہے۔ اور خدا ایک مُہمل اور بے معنی شے ہے۔ دُوسرے کے نزدیک نیچر بصُورت خیال خُدا ہے۔ اور خدا کی حقیقت نیچر ہے۔ اب دونو عقیدوں میں سے خواہ کوئی عقیدہ اختیار کیا جائے مُعجزہ ہر حالت میں ناممکن ٹھہریگا۔

اب اس سے یہ دعوے نہیں کیا جاتا کہ مُعجزہ کے انکاری فقط دہریہ اور پنتھی اسٹ ہی ہوتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ بہت سے لوگ ہیں جو خُدا کی ہستی کے قائل ہیں اور پھر بھی مُعجزہ کے انکاری ہیں اور نہ ہی اس بات

مقابلہ سائنس اور فلسفانہ عقیدوں کا

سے انکار ہے کہ سائنس اِس مخالفت کی معاون ہے مگر تاہم یہ درست ہے کہ سائنس اتنی مخالفت نہیں کرتی جتنی وُہ طریقے کرتے ہیں جنہیں لوگ مان رہے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اِس معاملے میں کئی باتوں کے متعلق سائنس کا رُخ

سائنس تین باتوں پر گواہی دیتی ہے اور یہ عقیدے اُس گواہی کی مخالفت کرتے ہیں

کسی اَور طرف ہے۔ اور میٹیریلسٹک فلسفہ (Materialistic Philosophy) کا رُخ کسی اَور طرف ہے یعنی دونو میں اتحاد اور اتفاق نہیں پایا جاتا ہے۔ مثلاً موجودہ سائنس نیچر کے اظہارات سے یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ دُنیا حادث تو ہے مگر اُسے وجود میں آئے کئی لاکھ برس گزر گئے ہیں اور ایمان دار لوگ اِس نتیجہ کو بڑی خوشی

(۱) دُنیا کے آغاز کے بارے میں

سے قبُول کرتے ہیں۔ مگر دہریے اور ویدانتی باوجود اس گواہی کے مادہ کی ازلیت کو مانتے چلے جاتے ہیں۔ اور سائنس کی بات کو نہیں سُنتے۔ اور سبب اِس کا یہ ہے کہ اگر مادہ کو حادث مان لیں تو یہ لازم آئیگا کہ خُدا کو بھی مانیں جو اس کا مُوجد ہے ؎

(۲) زندگی کی اصل کے بارے میں

اِسی طرح زندگی کی اصل کی نسبت کچھ اسی قسم کا تخالف نظر آتا ہے۔ مثلاً سائنس بڑی گہری تحقیقات کے بعد یہ فیصلہ کرتی ہے کہ زندگی خود بخود پیدا نہیں ہوتی۔ خوردبین پُکار پُکار

شہادت دے رہی ہے کہ جہاں زندگی پہلے موجود نہیں وہاں کسی طرح کی زندگی برآمد نہیں ہوتی - اب اگر یہ بات مان لی جائے تو نتیجہ صاف ظاہر ہے - یعنی اگر زندگی خود بخود پیدا نہیں ہوتی تو سب سے پہلی زندگی کہاں سے آئی - کیا وُہ آپ ہی آپ پیدا ہو گئی یا خُدا کی خالقانہ قُدرت سے وجُود میں آئی ؟ اب دہریہ باوجودیکہ کوئی شہادت اِس کے برخلاف پیش نہیں کرسکتا - پھر بھی یہی کہے چلا جاتا ہے کہ زندگی آپ ہی آپ پیدا ہوئی ہے مثلاً ہکسلے صاحب جن کے کلام کو مفصّل طور پر اقتباس کرکے بروس صاحب نے اپنی کتاب متذکرہ بالا میں بحث کی ہے - کہتے ہیں - اگر مجھے یہ طاقت مِلتی کہ مَیں اُس دُور دراز زمانہ کو دیکھتا جس میں دُنیا طبعی اور کیمیائی حالتوں سے گُذر رہی تھی تو مُجھے یقین ہے کہ مَیں بے جان مادہ میں سے جان دار پروٹوپلازم (protoplasm) کو نکلتے دیکھتا - اور بروس صاحب فرماتے ہیں کہ ہکسلے صاحب آپ ہی اِس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ میری یہ رائے فلسفانہ خیال سے بڑھ کر نہیں ⁘

(۳) علم النفس کے بارے میں

یہی حال علم النفس کی بابت پایا جاتا ہے یعنی دہرئیے اپنے انکاری دعوے سائنس کی گواہی کے برخلاف پیش کر رہے ہیں حالانکہ بڑے بڑے اہلِ سائنس یہ گواہی دیتے ہیں کہ خیال (Thought) کو حرکت (motion) نہیں کہہ سکتے مگر سٹراس باوجود اِس گواہی کے خیال یعنی قوتِ متخیّلہ کو فقط حرکت کی ایک صُورت مانتا ہے ⁘

وُہ فرقے جو خُدا کی ہستی کو مانتے مگر پھر بھی مُعجزات کے مخالف ہیں

اب ہم تھوڑی دیر کے لئے اُن فرقوں کی طرف متوجہ ہونگے - جو خُدا کی ہستی کے تو قائل ہیں مگر معجزانہ اظہارات کے قائل نہیں ہیں۔ ہم شروع میں اُن فرقوں کی طرف اشارہ کر آئے ہیں جو ہمارے مُلک میں پائے جاتے ہیں - جو خُدا کو مانتے ہیں لیکن مُعجزات کو قابلِ تسلیم نہیں سمجھتے - یہاں ہم اُن یورپین

فِرقوں کا ذِکر کرینگے جو باوجُود خُدا کی ہستی کے اقرار کے معجزات کے انکار پر جمے کھڑے ہیں - اور اُن کا ذکر کرنا بہت ضرُوری معلوم ہوتا ہے - کیونکہ زبان انگریزی کے وسیلے اُن کے خیالات اور اعتراضات ہمارے مُلک میں داخل ہوتے جاتے ہیں اور ہماری تھیالوجی (علمِ الٰہیات) اور سوسائٹی وغیرہ پر اپنا اثر ڈال رہے ہیں ⁘

اُن کے خیالات اُس رشتہ کی نسبت جو خُدا کی حضُوری فطرت سے رکھتی ہے

یورپ میں جو لوگ خُدا کی ہستی کو مانتے اور مُعجزوں کو ناممکن گردانتے ہیں دو حصّوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں اور یہ تقسیم ایک خاص مسئلہ پر مبنی ہے - اور وُہ یہ کہ خُدا اِس دُنیا سے یا عالمِ موجُودات سے کیسا اور کیا علاقہ رکھتا ہے - یہ رشتہ دو لفظوں سے ظاہر کیا جاتا ہے اِن میں سے ایک لفظ ایک

دو لفظ (۱) ٹرین سنڈنس

فرقے کی اور دُوسرا لفظ دُوسرے فرقہ کی جان ہے - ایک لفظ "ٹرین سنڈنس" (Transcendence) ہے اور دُوسرا "اِمے نینس" (Immanence) ہے - ٹرین سنڈنس کا یہ مطلب ہے کہ خُدا جس نے اِس دُنیا کو پیدا کیا ہے دُنیا سے برتر اور بلند ہے یعنی اُس سے الگ ہے یا یُوں کہیں کہ وُہ اِس دُنیا کی کل کو بنا کر اِس سے جُدا ہو گیا ہے اور اب اُس سے کُچھ سروکار نہیں رکھتا اور اُس کی قُدرت براہِ راست یعنی معمُولی قوانین سے جُدا ہو کر دائرہ فِطرت میں کُچھ کام نہیں کرتی ہے - جو قوانین اور قواعد اُس نے مقرّر کر دئے ہیں - جو طاقتیں اِس مشین میں بھر دی ہیں وُہی اِس سِلسلۂ موجُودات کو قائم رکھتی ہیں - لہٰذا خُدا کو اِس سلسلہ میں آنے اور دخل دینے کی کُچھ ضرورت نہیں

(۲) اِمے نینس

اِمے نینس سے اُس کی وُہ اندرُونی موجُودگی یا حضُوری مُراد ہے - جو قوانینِ قُدرت میں ہو کر کام کرتی ہے - وُہ فِطرتی اظہارات میں اپنا جلوہ دکھاتی ہے - لیکن اُن سے الگ ہو کر کسی طرح کی فوق العادت

دست اندازی نہیں کر سکتی۔ اب ہم نے دیکھا کہ ایک خیال کے مطابق خدا نیچر میں بذاتِ خود حاضر نہیں ہے بلکہ وہ طاقتیں جو اُس نے ابتدا میں پیدا کر دیں خود بخود کام کر رہی ہیں اور دوسرے کے مطابق وہ حاضر تو ہے۔ مگر اُس کی قدرت فقط قوانینِ مقررہ کے ذریعے کام کرتی ہے۔

ڈی اسٹ اور تھی اسٹ پہلے خیال کے ماننے والے ڈی اسٹ اور دوسرے خیال کے ماننے والے تھی اسٹ کہلاتے ہیں۔ ڈی اسٹ اور تھی اسٹ میں معنی کے لحاظ سے تو کچھ فرق نہیں کیونکہ ڈی اسٹ لاطینی ڈی آس (خدا) سے مشتق ہے اور تھی اسٹ یونانی تھیاس (خدا) سے نکلا ہے۔ مگر تاہم جو تھی اسٹ ہیں وہ ڈی اسٹ کہلانا نہیں چاہتے۔ وہ کلامِ الٰہی کی عزت کرتے اور خداوند مسیح کی تعظیم کرتے ہیں۔ لیکن دونو معجزے کے انکاری ہیں۔ اور ہم نے دیکھا کہ ان رشتوں کے سبب سے جو وہ اپنی اپنی رائے کے مطابق خدا اور خلقت کے درمیان مانتے ہیں معجزہ کا انکار لازمی ہے۔ البتہ وہ معجزے کے امکان کے انکاری نہیں کیونکہ وہ مانتے ہیں کہ خدا معجزہ دکھانے کی قدرت رکھتا ہے اور اس بات کے بھی معترف ہیں کہ اُس کا دنیا کو ہست کرنا اور موجودہ ترتیب سے مرتب کرنا بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ جب یہ ترتیب اور انتظام ایک مرتبہ قائم ہو چکا تو پھر معجزے کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ جو کچھ خدا نے بنا دیا وہ انسان کے آرام کے لئے کافی ہے بلکہ یہی سلسلہ ضروری ہے تو اس میں رخنہ پردازی کرنے سے کوئی اس سے بہتر صورت انسان کی خوشی اور آرام کی پیدا نہ ہوگی بلکہ قوانینِ قدرت درہم برہم ہو جائینگے ÷

اگناسٹسزم ایک اور عقیدہ ہے جس کی رُو سے خدا کی ہستی کا کسی قدر اقرار کیا جاتا ہے۔ مگر وہ نہایت نامکمل اور ناقص ہونے کی وجہ سے

مسیحی مذہب کے معجزوں کا سخت مخالف ہے۔ وہ اگناسٹسزم (agnosticism) کہلاتا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اِس دنیا میں ایک قدرت کو معائنہ کرتے ہیں۔ جو تمام فطری اظہارات کی جڑ اور موجد ہے مگر ہم نہیں جانتے اور نہ جان سکتے ہیں کہ وہ کیا ہے۔ جن جن باتوں میں اُس نے اپنے تئیں فطرت کے اظہارات کے وسیلے ہمارے اُوپر آشکارا نہیں کیا وہ نامعلوم ہے۔ اور جہاں تک آشکارا کیا ہے وہاں تک معلوم ہے جہاں تک وہ لامحدود اور بے بیان ہے وہ نامعلوم ہے۔ اور جہاں تک اپنے اظہاروں کی ترتیب سے ظاہر ہوا ہے وہاں تک معلوم ہے۔ یہ خیال اُس مسئلہ کے ساتھ وابستہ ہیں جسے ایوولیوشن (evolution) کہتے ہیں۔ جو یہ مانتا ہے کہ شروع میں متعدد اشیاء موجود تھیں۔ اور جو کچھ اب نظر آتا ہے وہ انہیں سے بڑھتے بڑھتے پھیلا ہے ÷

ہم جو کچھ اُوپر بیان کر چکے ہیں اُس سے ناظرین پر بخوبی ظاہر ہو گیا ہوگا کہ کس کس جانب سے معجزے کی مخالفت برپا ہوتی ہے۔ پر ہم آسانی کے لئے ان خیالات کو جو مخالفت کی گویا جڑ ہیں بطور خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں ÷

خیالات مذکورہ بالا کا خلاصہ اور تردید (۱) دہریوں کا خیال جو خدا کی ہستی کا مطلق قائل نہیں اِس جگہ ہم خدا کی ہستی کے ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ مضمون معجزے کے مضمون سے تعلق نہیں رکھتا۔

دہریہ معجزے کا قائل نہ ہوگا جب تک خدا کی ہستی کا قائل نہ ہو تمام علما متفق ہیں کہ معجزہ انہیں لوگوں کے نزدیک وقعت رکھتا ہے جو خدا کی ہستی کے قائل ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یُوں کہہ سکتے ہیں کہ "معجزہ خدا کی ہستی کو پہلے ہی سے مانتا ہے"۔ معجزہ دکھانے والا لوگوں پر یہ ثابت نہیں

کرتا کہ خدا ہے۔ بلکہ وہ اُن لوگوں کے پاس جاتا ہے جو خدا کی ہستی کو تسلیم کرتے ہیں اور اُن کے پاس جا کر کہتا ہے کہ جس خدا کو تم مانتے ہو اُسی نے مجھے اِس پیغام کے ساتھ تمہارے پاس بھیجا ہے۔ پس جو ملحد ہیں اُن کے قائل کرنے کے لئے اُن دلائل کی ضرورت ہے جو خدا کی ہستی کو ثابت کرتے ہیں ✣

خدا کے رشتہ کی نسبت ہم ڈی اسٹون اور نھی اسٹون کے خیال کو نہیں مان سکتے کیونکہ وہ صحیح نہیں

(۲) وہ مسئلہ جو متعلق اُس رشتہ کے ہے جو خدا اِس عالمِ موجودات کے ساتھ رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا نہ ہمہ اوستی کے خیال کے مطابق دُنیا کی مانند ہے اور نہ اُس سے کسی طرح کی مشابہت رکھتا ہے اور نہ وہ ڈی اسٹون کے خیال کے مطابق نیچر سے ایسا جدا ہے کہ اُس میں کسی طرح کا دخل نہیں رکھتا اور نہ ہی نھی اسٹون کی رائے کے بموجب وہ قوانینِ فطرت کے اندر بند ہے ہم کرسلب صاحب کے ساتھ متفق ہیں کہ جو رائے اِن خیالات کے بیچ بیچ میں ہے وہ درست ہے یعنی یہ رائے کہ خدا ہر شے کے اندر موجود ہے تاہم اُس سے جدا اور آزاد ہے۔ وہ ہر شے سے برتر اور بلند ہے تاہم اُس میں موجود ہے۔ وہ نیچر سے الگ ہے تو بھی نیچر کے اندر حاضر ہے۔ اِسی صحیح اور سچے رشتۂ الٰہی میں جو کہ وہ کائنات سے رکھتا ہے معجزے کا امکان پایا جاتا ہے پس جو شخص خدا کی شخصیت اور آزادی کو مانتا ہے وہ معجزانہ قدرت کا انکار نہیں کرسکتا۔ اگر ہم خدا کو صاحبِ مرضی مانتے ہیں یعنی اس بات کے قائل ہیں کہ وہ قوتِ ارادی سے متحلے ہے اور قوتِ ارادی محدود و محکوم نہیں ہے تو اُس کا سلسلۂ نیچر میں دخیل ہونا ناممکن نہیں لیکن اُس کی مداخلت ہی کا نام معجزہ ہے ✣

دُنیا بہ ہیئتِ موجودہ کامل نہیں کیونکہ اُس میں گناہ نے رخنے ڈال رکھے ہیں

(۳) تیسرا یہ خیال ہے کہ دُنیا بہ ہیئتِ موجودہ بالکل درست اور کامل ہے اور معجزات کی ضرورت نہیں رکھتی۔ بلکہ ایک شخص نے جس کا اُوپر ذکر ہو چکا ہے معجزات کو شگاف سے تشبیہ دی ہے۔ گویا اُس کے نزدیک معجزات کا واقع ہونا قوانینِ فطرت کی بے تبدیلی میں شگاف پڑ جانا ہے۔ لیکن اگر ہم غور سے دیکھیں تو یہ دُنیا شگافوں سے پُر نظر آئیگی۔ گناہ نے اس کو پُرزے پُرزے کر دیا ہے کیا کوئی صاحبِ نظر گناہ کی بربادی۔ دُکھ اور غم کی گرم بازاری جو گناہ سے پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح کی اور بہت سی باتیں دیکھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ دُنیا اِس موجودہ حالت میں کمال کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہے؟ معجزہ گناہ کے رخنوں کو دُور کرنے کے لئے دکھایا جاتا ہے۔ اور اگر خداوند وہ ہدایتیں جو معجزے کی شہادت پر سچی مانی گئی ہیں عطا نہ فرماتا اور ہم اُن کو اپنی تاریک مسافت میں اپنا بدرقہ نہ بناتے اور زندگی کے روزمرّہ فرائض کی انجام دہی میں دستور العمل نہ ٹھہراتے تو ہمارا کیا حال ہوتا؟ یہ خیال کہ دُنیا موجودہ صورت میں ہماری خوشی اور آرام کے لئے کافی ہے بڑا سُنہرا خیال ہے۔ پر جو ایسا مانتے ہیں وہ شاید اُن آہوں سے واقف نہیں جو مصیبت زدوں کے کلبۂ احزان سے ہر روز اُٹھتی ہیں ✣

معجزات اور قوانینِ فطرت

(۴) چوتھا خیال جس پر بڑا زور دیا جاتا ہے یہ ہے کہ معجزات سے قوانینِ فطرت درہم برہم ہو جاتے ہیں۔ اس باب کا باقی حصّہ اس اہم سوال کے حل کرنے میں صرف کیا جائیگا کہ کیا سچ مچ معجزات قوانینِ فطرت کو کوئی ایسا صدمہ پہنچاتے ہیں جس سے اس مشین کا ایک ایک پُرزہ جدا ہو جاتا ہے یا یہ خیال صرف وہم کا فسانہ ہے؟

قانون کی تعریف

قبل ازیں کہ ہم اِس بحث کو شروع کریں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ قوانینِ فطرت یا نوامیسِ قدرت کسے کہتے ہیں۔ جب ہم لفظ قانون نیچر کے متعلق استعمال کرتے ہیں تو ہماری مُراد اُن نتائج

یا اظہارات سے ہوتی ہے جو ہمیشہ اُن اسباب کی پیروی کرتے ہیں یا اُن کے وسیلے برآمد ہوتے ہیں جو موجد اُن کے وجود کے ہوتے ہیں یعنی جب ہم دیکھتے ہیں کہ فلاں اسباب کے موجود ہونے سے فلاں نتائج ہمیشہ پیدا ہوتے ہیں۔ تو ہم اِس باہمی رشتہ کو جو خاص اسباب اور اُن کے نتائج میں پایا جاتا ہے قانون کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور چونکہ ہم اِس عالم میں یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ مقررہ اسباب سے مقررہ نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ عالمِ موجودات میں وُہ قوانین پائے جاتے ہیں جو کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ اور اسی بنا پر مُعجزے کی مخالفت کی جاتی ہے۔ چنانچہ مخالف کہتا ہے کہ ہمارا تجربہ ان قوانین کی نسبت بے تبدیل ہے۔ یعنی ہم کبھی

چند دلائل جو مُعجزے کے امکان کو ثابت کرتی ہیں

ان قوانین کو بدلتے نہیں دیکھتے لیکن مُعجزہ ان میں رخنہ اندازی کرتا ہے لہٰذا وُہ ماننے کے لائق نہیں۔ اَب ہم وُہ دلائل پیش کرتے ہیں جو مسیحی عُلماء نے اس بارے میں دی ہیں کہ مُعجزات کے وقوع سے نہ قوانینِ قُدرت کو ضرب پہنچتی ہے اور نہ کسی عقلی اصُول کو ضرر آتا ہے۔

مُعجزات برخلافِ عقل نہیں ہیں

(۱) مازلے صاحب نے اپنی کتاب "ایٹ لیکچرز آن مِرےکلز" (Eight Lectures on miracles) میں عالمانہ طرز پر یہ بات ثابت کی ہے کہ نیچر کے انتظام کی بے تبدیلی اور قوانینِ قُدرت کی دائمی بے انقلابی کا اعتقاد جو ہمارے درمیان پایا جاتا ہے ہم اُس کا عقلی ثبوت نہیں دے سکتے۔ لہٰذا مُعجزات کو عقل کے خلاف نہیں کہہ سکتے۔ وُہ کہتے ہیں کہ ہم سب یہ مانتے ہیں کہ جو کچھ آئندہ ہوگا وُہ اُس کی مانند ہوگا جو ہو چکا ہے۔ لیکن سوال برپا ہوتا ہے کہ کیوں ایسا ہوگا؟ اب اگر اس کے جواب

ہم قوانینِ فطرت کی دائمی بے تبدیلی کا کوئی ثبوت یا دلیل نہیں دے سکتے

میں یہ کہا جائے کہ یہ امر بدیہی ہے وُہ ثبوت کا محتاج نہیں۔ تو یہ جواب تسلی بخش نہیں کیونکہ

جو بات بدیہی ہوتی ہے اور ثبوت کی مُحتاج نہیں ہوتی۔ اُس کا عکس یا نقیض درست نہیں ہوتا۔ مگر قوانین کی بے تبدیلی کا عکس ذہن میں آسکتا ہے یعنی جو کچھ اَب ہو رہا ہے اگر اس کی نسبت یہ کہیں کہ وُہ کل نہیں ہوگا تو عقل اِس دعوے کو متناقض نہیں سمجھتی۔ مثلاً یہ کہنا کہ "آج سُورج نکلا مگر کل نہیں نکلیگا"۔ نادرست نہیں پر یہ کہنا غلط ہے۔ کہ "آج سُورج نِکلا اور آج سُورج نہیں نِکلا"۔

مُوجودات کی مدامت بھی ثابت نہیں ہو سکتی

پھر قوانینِ قُدرت کی بے اعتدالی کی نسبت یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب کوئی واقعہ بار بار سرزد ہوتا ہے تو اُس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہاں کوئی دائمی سبب موجود ہے جو موجد اُس کے وقوع کا ہے۔ مگر ہم پُوچھتے ہیں کہ یہ بات کہاں سے نکالی کہ وُہ سبب دائمی سبب ہے اور جیسا کہ وُہ کل اور پرسوں تھا ویسا ہی آئندہ رہیگا۔

تجربہ بھی مدامت کی دلیل نہیں

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہم اِس بات کے کہ قوانینِ قُدرت جیسے پہلے بے تبدیل تھے ویسے ہی آئندہ بھی بے تبدیل رہینگے اس لئے قائل ہیں کہ ہمارا تجربہ شہادت دیتا ہے کہ آئندہ ویسا ہی ہوگا جیسا گذشتہ تھا۔ لیکن اگر یہ سچ ہو۔ تو آئندہ ماضی بن جائیگا۔ کیونکہ تجربہ ہمیشہ ماضی کا ہوتا ہے نہ کہ آئندہ کا اور جو یہ کہا جائے کہ جو اَب ماضی ہے وُہ کسی وقت آئندہ تھا اِس جواب سے بھی سوال حل نہیں ہوتا کیونکہ گو یہ سچ ہے کہ جو اَب ماضی ہے وُہ کسی وقت آئندہ تھا۔ تاہم اس میں بھی شک نہیں کہ جو اَب آئندہ ہے وُہ آئندہ ہی ہے وُہ ماضی نہیں۔ لہٰذا اُس کا تجربہ ہم کو نہیں ہے۔ پس ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ جیسا پہلے ہو چکا ہے ویسا ہی آگے ہوگا؟

نہ یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ چُونکہ یہ یقین جبلّی ہے۔ اس لئے ثبوت کا

نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ یقین جبلّی ہے

محتاج نہیں۔ کیونکہ جبلّی اور غیر جبلّی میں یہ فرق ہوتا ہے کہ جو اعتقادات مخلوط بالطبع ہوتے ہیں اُن کی ضد کا تصوّر قائم نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کوئی اصُول متعارفہ لو اور سوچو کہ آیا اُس کی ضد قیاس میں آسکتی ہے یا نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اُس کی ضد کبھی درست نہیں ہوگی۔ مگر ترتیبِ فطرت کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ جو کچھ ہوتا آیا ہے اگر ویسا کل نہ ہُوا تو تضاد واقع ہوگا۔ فلاسفر اور اہلِ سائنس گواہی دے رہے ہیں کہ دُنیا کا یہ موجُودہ سلسلہ ایک دن ختم ہو جائیگا۔ ہم پُوچھتے ہیں کہ کیا اُس دِن تجربہ کی دلیل پُرزور نہ ہوگی؟ لازم تو یہ ہے کہ اُس وقت آگے کی نسبت بہت ہی پُرزور ہو کیونکہ اُس وقت تو تجربہ زیادہ زمانہ کے گزر جانے اور سلسلۂ موجودات کے برابر قائم رہنے سے اور بھی بڑھ جائیگا۔ پر اگر فلاسفروں کا یہ خیال صحیح ہے کہ یہ سلسلہ ایک دِن ٹوٹ جائیگا تو پھر تجربہ کا کیا حال ہوگا؟

اس بے تبدیلی کے ماننے میں انسان اور حیوان میں فرق نہیں پس یہ یقین عقلی ثبوت پر مبنی نہیں

علاوہ بریں ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح ہم قوانینِ نیچر کی تبدیلی کے قائل ہیں اُسی طرح حیوانات بھی اُن قوانین کی بے تبدیلی کے قائل ہیں جو اُن سے علاقہ رکھتے ہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ اُن میں عقل نہیں ہے بلکہ وُہ صرف وہ طاقت رکھتے ہیں جسے اِن سٹنکٹ یعنی عقلِ حیوانی کہتے ہیں وُہ نیچر کی بے تبدیلی کی کوئی دلیل نہیں دے سکتے اور اُن کی مانند ہم بھی کوئی عقلی ثبوت یا بُرہان نہیں دے سکتے کہ کیوں مُستقبل ماضی کی مانند ہوگا بجز اِس کے کہ ہمیشہ ایسا ہوتا آیا ہے مگر اِسے دلیل نہیں کہتے۔ اَب اِس بحث کا تعلق مُعجزات سے یہ ہے کہ چُونکہ ہمارا یہ یقین کہ سلسلۂ موجُودات ہمیشہ یکساں رہیگا کسی عقلی ثبوت کی بُنیاد پر یعنی کسی دلیل پر مبنی نہیں لہذا وُہ بات کٹ گئی جس کی بِنا پر یہ اعتراض

کیا جاتا ہے کہ مُعجزات سلسلۂ مُوجودات کے برخلاف ہونے کی وجہ سے عقل کے برخلاف ہیں عقل کے برخلاف وُہ اُس وقت مانے جاتے

اَب جب یہ بے تبدیلی دلیل سے ثابت نہیں ہو سکتی تو مُعجزات خلافِ عقل کیوں کر ہُوئے

جب عقل کسی طریق استدلال سے یہ ثابت کر دیتی کہ جو پیچھے ہو چُکا ہے وُہی آگے ہوگا۔ اگر ان دو دعوؤں میں کہ "جو کچھ پہلے واقع ہُوا ویسا ہی آئندہ واقع ہوگا" ہم کوئی عقلی ربط دیکھتے تو ہم کہہ سکتے کہ جو واقعہ ماضی کی مانند وقوع میں نہ آئے وُہ ناممکن ہے۔ پر اگر ہم کوئی ثبوت یا دلیل نہیں دے سکتے کہ کیوں ایسا ہوگا تو ہم غیر معمُولی واقعہ کو عقل کے خلاف نہیں کہہ سکتے ٭

تنبیہ۔ یہ سمجھنا ضروری امر ہے کہ ترتیبِ نیچر کے کس پہلو پر بحث ہوتی رہی ہے

اِس موقعہ پر ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے اور وُہ یہ ہے کہ ہمارا یہ دعوےٰ نہیں کہ ترتیبِ فطرت میں جو مطابقت اور مناسبت پائی جاتی ہے اُس کا کوئی عقلی ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔ ہم اِس بات کو مانتے ہیں کہ جہاں جو مقدّمات ہونگے وہاں وُہی تالیات پیدا ہوں گے جو اُن مقدّمات سے خاص ہیں اور اس بات کو ہم نے عقل ہی سے دریافت کیا ہے۔ پر ہماری بحث اُس اعتقاد سے ہے جو اِس بات کا قائل ہے کہ جیسا گذشتہ میں ہُوا ویسا ہی آئندہ میں بھی ہوگا۔ اس کا کوئی عقلی ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔ پس یہ کہنا کہ مُعجزات خلافِ عقل ہیں درست نہیں ٭

مُعجزات کا اعلےٰ مطلب اُن کے امکان پر دلالت کرتا ہے

(۲) مُعجزات کے مقصد سے ظاہر ہے کہ وُہ اَن نیچرل نہیں ہیں وُہ ایک اعلیٰ اور افضل نیچر سے علاقہ رکھتے ہیں۔ پس وُہ اُس نظمِ قدرت کے جو ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے برخلاف نہیں گو اُس سے برتر اور بلند ہیں

اور انہیں اَن نیچرل یعنی فطرت کا مخالف کہنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ کہنا اُس وقت درست اور واجب ہوتا جب معجزات ترتیبِ عالم کو بگاڑتے۔ پر وُہ تو اسی لئے اس دُنیا میں قدم رکھتے ہیں کہ جس کمال کو انتظامِ موجُودات نے کھو دیا ہے اُس کمال کی طرف اُسے پھر رجُوع کریں۔ وُہ ایک اعلےٰ فطرت سے علاقہ رکھتے ہیں اور اُس دُنیا سے آتے ہیں جس کی ترتیب اور انتظام میں کسی طرح کا فرق نہیں آیا تاکہ ہماری دُنیا میں داخل ہو کر اُن ناموافقتوں اور خرابیوں کو دُور کریں جنہوں نے اُس کے انتظام میں ابتری پیدا کر رکھی ہے اور اُسے الٰہی منشا کے مطابق بنا کر اُس میں اور اعلےٰ دُنیا میں اتحاد اور تطبیق پیدا کریں۔ کسی بیمار کو چنگا کرنا نیچر کے خلاف نہیں۔ کیونکہ صحت اصل منشائے نیچر کے موافق ہے۔ چنگا کرنا نیچر کے برخلاف نہیں۔ بیماری برخلاف ہے لہٰذا شفا بخشنا اصلی ترتیب کو پھر قائم کرنا ہے ؀

قوانینِ قدرت ازل سے آزاد اور مختارِ کُل نہیں ہیں

(۳) ہم اس بات کے دل و جان سے قائل ہیں کہ جہاں تک ہمارا علم کام کرتا ہے ہم نیچر کی کارروائی میں ایک قسم کی مناسبت اور پائداری دیکھتے ہیں۔ ہم اسباب و نتائج۔ مقدمات و تالیات۔ علت اور معلول میں ایک قسم کا محکم رشتہ معائنہ کرتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہم اس بات کا بھی انکار نہیں کر سکتے۔ کہ یہ قوانین اور اُن کا عمل ایک اعلےٰ قانون اور ایک اعلےٰ قُدرت کے تابع ہیں ہم نہیں مان سکتے کہ وُہ آزاد ہیں اور ایسی شاہانہ قدرتیں ہیں جو قائم بالذّات اور بے تبدیل ازلی و ابدی ہیں۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ اگر خُدا ہے تو اُس نے ان قوانین کو تجویز کیا ہے اور اگر وُہ ان کا مجوّز ہے تو وُہ اُن پر مقدّم بھی ہے۔ اور اپنی حکمت کے مطابق جیسا چاہتا ہے ویسا کرتا ہے خُداوند مسیح نے فرمایا "میرا باپ اَب تک

کام کرتا ہے"۔ اور جب ہم اِن الفاظ کے عمیق مطلب کو سمجھ لیتے ہیں اور اس بات کو مان لیتے ہیں کہ دُنیا اپنی ہستی اور موجُودگی کے لئے خُدا کی قادر مرضی پر منحصر ہے اور خُدا اپنے کام سے علیحدہ نہیں ہو گیا بلکہ اُسے جاری رکھتا ہے اور احاطۂ نیچر میں داخل ہونے کے لئے ہر جگہ ایک مدخل اُس کے لئے موجود ہے تو یہ اعتراض خاک میں مِل جاتا ہے کہ خُدا کے لئے معجزات دکھانا ناممکن ہے۔ سب معجزوں سے بڑا معجزہ خُدا آپ ہے اور جب ہم نے اُسے مان لیا اور اُس کی تمام صفات کو قبول کر لیا تو پھر چھوٹے چھوٹے معجزوں کو ماننا کچھ مُشکل نہیں ؀

یہ اعتراض کہ معجزات رخنہ اندازی کرتے ہیں

اعتراض یہ ہے کہ معجزہ اِس مقرّری ترتیب میں رخنہ ڈالتا ہے جس کی بے تبدیلی اِس بات کی سند ہے کہ دُنیا ہمیشہ قائم رہیگی۔ اور کہ یہ ترتیب ایسی خاصیّت رکھتی ہے کہ ذراسی مداخلت بھی اُس کو برباد کر دیتی ہے۔ سٹراس اِس مداخلت کو شگاف کہتا ہے۔ اس کے جواب میں اوّل تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے قائل نہیں کہ دُنیا میں ہمیشہ موجُودہ اسباب و نتائج کا علاقہ ہمیشہ اسی طرح چلا آیا ہے۔ اور کہ اس میں کبھی مداخلت نہیں ہُوئی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ قوانین فطرت کی وُہ بے تبدیلی جو اکثر معجزات کی مخالفت میں پیش کی جاتی ہے خود فطرت ہی کی حدُود میں ٹوٹی ہُوئی نظر آتی ہے۔ اَب اگر ہم مادہ کی ازلیّت کو نہیں مانتے بلکہ تخلیقِ عالم کے قائل ہیں یعنی اِس بات کے قائل ہیں کہ عالم نیست سے ہست ہُوا تو یہ سلسلہ شروع ہی میں موجُود نہ تھا۔ اَب چونکہ مخلوق دُنیا سے خلق کرنے کا قانون مستنبط نہیں ہو سکتا اِس لئے جس قدر خُدا کا وجُود معجزہ ہے اُسی قدر دُنیا کا ہست ہونا

دُنیا کی پیدائش یا زندگی کا نمودار ہونا ایک رخنہ ہے

ایک معجزہ ہے۔ پر اگر مادہ کو بھی ازلی مان لیں تو بھی اِس بات کا انکار نہیں ہو سکتا کہ موجُودہ

سائنس کی رُو سے ایک ایسا زمانہ تھا جب کسی طرح کی زندگی دُنیا کے طبقہ پر نہیں پائی جاتی تھی۔ اور قائم نہیں رہ سکتی تھی کیونکہ زمین کی حرارت اِس درجہ تک تھی کہ کوئی جان دار مخلُوق زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ حتّٰی کہ ادنیٰ قسم کی زندگی بھی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ ایک فاضل کا خیال بالکل صحیح ہے کہ اُس وقت فقط مُعجزانہ مداخلت بے جان مادہ سے جاندار مخلُوق پَیدا کر سکتی تھی۔ (ملر) اگر یہ دعوٰے صحیح ہے (اور اس کی تردید کرنا سائنس کو جُھٹلانا ہے) تو ایک آغاز۔ ایک ابتدا قائم ہوتی ہے جس کی شرح صرف خالقانہ مُعجزے سے ہو سکتی ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ سوال بھی برپا ہوتا

رُوح کا نمودار ہونا بھی ایک رخنہ ہے

ہے کہ رُوح کس طرح اِس دُنیا میں داخل ہُوئی؟ پہلے تو اس کا خلق ہونا ہی ایک مُعجزہ ہے۔ پر اگر ہم اُس کو بھی ازلی تسلیم کر لیں تو بھی اُس کا بے جان مادہ کے ساتھ وصل ہو جانا اور ضمیر کے قوانین سے مزیّن ہونا جو کہ تمام قوانینِ فطرت سے نرالے اور برتر ہیں ایک تیسرا مُعجزہ ہے ❖

مُعجزات ایسی تجاویز نہیں جو خُدا کو بعد میں سُوجھیں

پھر عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ مُعجزہ گویا ایسی تجویز ہے جو خُدا کو بعد میں سُوجھی تاکہ اخلاقی ابتری کو اُس کے وسیلے دُور کرے۔ اور اس سے یہ اعتراض قائم کیا جاتا ہے کہ اس سے انتظامِ موجُودات کا نقص لازم آتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ جو مُعجزات کے قائل ہیں اُن کا ہرگز یہ دعوٰے نہیں کہ مُعجزات ایسی تجویزیں ہیں جو خُدا کو پیچھے سُوجھیں۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ مُعجزات خُدا کے ازلی ارادہ میں شامل تھے اور جس ازلی مرضی نے اور مرضی کے ازلی قانُون نے قوانینِ فطرت کو تجویز کیا۔ اُسی نے مُعجزات کو بھی اُس سلسلے میں داخل کیا پس مُعجزات علیحدہ اور تنہا واقعات نہیں ہیں بلکہ عام انتظامِ موجُودات کے حِصّے ہیں۔ اَب اگر اُس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ جو تعریف شروع

میں قوانینِ فطرت کی تُم پیش کر چُکے ہو اُس کے مطابق مُعجزات قوانینِ فطرت میں داخل نہیں ہو سکتے تو ہمارا جواب الجواب یہ ہے۔ کہ وُہ بار بار واقعہ نہیں ہوتے کیونکہ اگر ہوں تو اپنے اصل مطلب کو پُورا نہ کرینگے۔ تاہم وُہ بے قانُون نہیں ہیں۔ بلکہ اُس قانُون کے مطابق سرزد ہوتے ہیں جو الٰہی مرضی اور ارادے سے وابستہ ہے۔ اور ہم ذرا آگے بڑھ کر دیکھینگے کہ وُہ قانُون کس طرح بدوں اور قوانین کے توڑنے میں اپنا عمل دِکھا سکتا ہے ❖

(۴) وُہ نظائر جو مُعجزہ پر دلالت کرتی ہیں

خلقت کے مشاہدہ سے کئی نظیریں ایسی مِلتی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ فوق العادت یعنی مُعجزہ ناممکن نہیں۔ مثلاً اِس دُنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ ادنےٰ درجہ کے قانُون اعلیٰ درجہ کے قوانین سے رُک جاتے ہیں۔ جمادات اور نباتات اور حیوانات کے طبقوں میں درجہ بدرجہ یہ تصرّف ملاحظہ سے گُذرتا ہے کیمیائی قوانین پر زندگی کے اصُول غالب آتے ہیں اور جسمانی قوانین پر رُوحانی اور اخلاقی مسئلہ [illegible] کیمیائی اصُول یہ ہے کہ جب کوئی مرکّب تحلیل ہو جائے تو اُس میں سراہٹ پَیدا ہو لیکن وُہ قوانین بعض بعض حالتوں میں بیکار ہو جاتے ہیں مثلاً بعض حالتوں میں اُن کو نمک کی ذاتی خاصیّتیں بگڑنے نہیں دیتی ہیں۔ اَب اِس عمل سے کیمیائی قانُون فنا نہیں ہو جاتے بلکہ نمک کے ذاتی قوانین کے تابع ہو جاتے ہیں۔ انسان کی ساری طاقت اِس بات میں صرف ہوتی ہے کہ وُہ نیچر سے وُہ پھل اور نتائج پَیدا کرے جو وُہ خود بخود پیدا نہیں کر سکتی۔ جب ہم اپنا بازو اُوپر اُٹھاتے ہیں تو ہم قانُونِ ثقل کو معطّل کرتے ہیں جب کوئی پودا اپنی چوٹی اُوپر کی طرف اُٹھاتا ہے۔ تو وُہ اس قانُون کو توڑتا ہے۔ وُہ طریقہ جس سے پمپوں کے وسیلے پانی اُوپر چڑھایا جاتا ہے اِس قانُون کا مقابلہ کرتا ہے مگر پھر بھی کوئی نہیں کہتا کہ یہ کیا غضب ہُوا قانُونِ

ثقل ٹوٹ گیا۔ اب تو دنیا فنا ہو جائیگی۔ پر اگر یہ کہا جائے کہ ایک ڈوبی ہوئی کلہاڑی کو خدا کا ہاتھ اُٹھا لایا اور وہ اُس ہاتھ کے سہارے سے پانی کی سطح پر اس طرح پھرتی تھی کہ گویا تیر رہی ہے تو اس شور سے قیامت بپا ہو جاتی ہے کہ یہ ناممکن ہے کیونکہ اس سے کشش ثقل کا قانون ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر آدمی ایک لوہے کے ٹکڑے کو اپنے ہاتھ میں لے کر پانی میں ڈوبنے سے بچا سکتا ہے تو کیا خدا ایسا نہیں کر سکتا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اگر میں ایسا کروں تو میرا ہاتھ نظر آئیگا۔ لیکن خدا کا ہاتھ

انبیا زادوں کی کلہاڑی کا تیرنا یعنی اُس کی وہ قدرت جس نے انبیا زادوں کی کلہاڑی کو تہ سے نکال کر سطح آب پر رکھ دیا نظر نہ آئی۔ اس موقعہ پر بشنل صاحب کا خیال یاد آتا ہے جو ایک مرتبہ ہماری نظر سے گذرا اور وہ یہ ہے کہ آدمی کی مرضی بھی ایک صورت میں فوق العادت ہے اور نیچر پر حکمران۔ نیچر ہمارے لئے اشیاء پیدا کر دیتی ہے سن اگا دیتی ہے اور اور سینکڑوں چیزیں ہمارے لئے پیدا کرتی اور جمع رکھتی ہے لیکن اُن سے نازک اور مہین کپڑے بنانا اور طرح طرح کے عجائبات کو پیدا کرنا انسان کا کام ہے۔ اب ہم خواہ یہ مانیں یا نہ مانیں کہ انسان کی مرضی فوق النیچر ہے تاہم اُس سے اتنا سُراغ ملتا ہے۔ کہ جو اُس سے بڑی اور لامحدود مرضی ہے وہ بھی اس قابل ہے کہ اگر چاہے تو سلسلۂ فطرت میں اپنا جلوہ دکھائے ❊

نیچر ہم پر یہ ظاہر کرتی ہے کہ جہاں خاص خاص اسباب موجود ہونگے وہاں خاص نتائج پیدا ہونگے اور معجزہ اس قانون کے برخلاف نہیں اور نہ اُس کو توڑتا ہے مثلاً کلہاڑی کے تیرنے کے معجزے سے یہ بات بخوبی روشن ہے کہ لوہے کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے اتنی قدرت یا طاقت کی ضرورت ہے جو اُسے غرق ہونے سے روکے۔ خواہ وہ طاقت خدا کی ہو۔ خواہ انسان کی خواہ اُس پتھر کی جو دریا میں پڑا ہے۔ اگر یہ روک موجود ہو۔ تو اُس

لوہے کا پانی میں نہ ڈوبنا اتنا نیچر کے برخلاف نہیں جتنا ڈوب جانا اس کے برخلاف ہے ❊

دو نتائج جو ریمارکس ہم نے دلیل چہارم کے ضمن میں پیش کئے ہیں اُن سے دو نتیجے برآمد ہوتے ہیں جو ہمیشہ یاد رکھنے چاہئیں ❊

(الف) اوّل یہ کہ ادنیٰ درجہ کی طاقتوں کے عمل سے اعلیٰ درجہ کی طاقتوں کی مداخلت کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ اور اس مداخلت کے انکار کو معجزات کے خلاف بطور ثبوت پیش کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ بات تو خود ثبوت طلب کرتی ہے کہ قوانینِ قدرت میں مداخلت نہیں ہو سکتی۔ یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ ان قوانین کی بنا پر اعلیٰ قدرتوں کی مداخلت ناممکن ہے تو گویا وہ یہ مانتا ہے کہ یہ قانون ہر جگہ اور ہر حال میں غیر متبدل ہیں پر یہی وہ بات ہے جو ثبوت کی محتاج ہے ❊

(ب) کہ اعلیٰ درجہ کی قدرتوں کی مداخلت سے قوانینِ قدرت زائل یا ساقط نہیں ہوتے بلکہ اپنے عمل کو جاری رکھتے ہیں اور کہ یہی بات خدا کی مداخلت پر صادق آتی ہے۔ اُس کی مداخلت سے بھی قوانینِ نیچر معطل نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن کی پائداری برابر قائم رہتی ہے۔ اور کیوں؟ اِس لئے کہ نیچر کی طاقتوں کو معجزے کے پیدا کرنے میں کچھ دخل نہیں اور نہ معجزات اپنے وقوع کے بعد ایسے علیحدہ رہتے ہیں کہ گویا وہ تنہا واقعات ہیں بلکہ وہ واقع ہونے

ضروری فرق کے بعد نیچر کے عام سلسلہ میں داخل ہو جاتے ہیں اس جگہ ایک ضروری فرق پر غور کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک قسم کے وہ معجزے ہیں جو اپنے وقوع کے لئے محض خدا کی خالقانہ قدرت پر منحصر ہوتے ہیں اور دوسری قسم کے وہ ہیں جن کے وقوع میں نیچر کی طاقتیں اپنے معمولی عمل میں بڑھ جاتی ہیں۔ یعنی خدا کے حکم سے اپنے معمولی زور سے زیادہ کام کرتی ہیں اور اس معنی میں دوسری قسم کے معجزات ایک طرح

نیچر سے مربوط ہوتے ہیں۔ مسیح کا بطنِ مریم میں آنا اور روٹیوں اور مچھلیوں کا بڑھ جانا پہلی قسم سے علاقہ رکھتے ہیں۔ اور ان میں ہم کو خدا کی قدرت کا وہ عمل نظر آتا ہے جو دُنیا کے خلق کرنے سے مشابہت رکھتا ہے۔ خدا بلا واسطہ دیگر وسائل کے اِس قسم کے معجزات کو انجام دیتا اور ایک نئے واقعہ کو جو پہلے فطرت میں موجود نہ تھا اُس کے سلسلہ میں داخل کر دیتا ہے۔ اب جو کچھ اُس نے ابتدا میں تمام عالمِ محسوسات کے متعلق کیا۔ اگر وُہی پھر اُس کے کسی خاص حصہ کے متعلق کرے تو یہ اُس کے لئے ناممکن نہیں ہے۔

مسیح کی پیدائش کا معجزہ

کرسلب صاحب جن کی نادر کتاب سے ہم نے اس باب میں بہت مدد لی ہے بڑی خوبصورتی سے دکھاتے ہیں کہ یہی حال اُس وقت سرزد ہوتا ہے جب کسی اچھے درخت کی قلم ادنیٰ قسم کے درخت میں پیوند کی جاتی ہے۔ وُہ قلم بالکل اجنبی ہوتی ہے پر تاہم آئندہ زمانہ میں نئی حالتوں کے مطابق زندگی بسر کرتی ہے۔ اسی طرح مسیح بھی ایک قلم ہے جو خدا کی خالقانہ قدرت کے مطابق انسانی نیچر کے درخت میں پیوند کیا گیا (یوحنا ۱: ۱۴) اُس نے اس نیچر کی شرائط اور خصوصیات کو رَدّ نہیں کیا بلکہ ہر حال میں اُن کی حفاظت کی مثلاً اُس کے آنے میں تاریخ کے لازمی قوانین زائل نہیں ہُوئے۔ تاریخ بھی بچوں کی طرح بڑھتی ہے۔ پس مسیح اُس وقت ظاہر ہُوا جو اُس کے لئے موزوں تھا۔ دُوسرے الفاظ میں یُوں کہیں کہ وُہ جو سانپ کے سر کو کچلنے والا تھا اُس وقت تک ظاہر نہ ہُوا جب تک کہ وُہ تمام شرائط پُوری نہ ہُوئیں جو اُس کے ظہور سے پہلے لازمی تھیں۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ "جب وقت پُورا ہو گیا تو خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا۔" (گلتی ۴: ۴) اسی طرح قوانینِ نیچر کی بھی رعایت کی گئی مثلاً وُہ تیس برس کا جوان اور کُل طاقتوں کی نشو و نما کے ساتھ آسمان سے یک بیک نہیں اُترا۔ بلکہ جب وُہ خدا کی خالقانہ قدرت سے ماں کے شکم میں

در آیا اُسی وقت سے پیدائش اور نمو کے معمولی قوانین کے بھی تابع رہا۔ اُس کی نسبت لکھا ہے کہ اُس نے ساری راستبازی پُوری کی۔ وُہ اپنے باپ کا فرمانبردار تھا۔ اور اُس نے اپنی فرمانبرداری کو آزمائشوں اور مُصیبتوں میں ثابت قدم رہ کر ثابت کیا۔ اَب کون شخص کہہ سکتا ہے کہ نیچر ایسے واقعہ سے تباہ ہو جاتی ہے جس کے متعلق نہ اُسے کچھ کرنا اور نہ کچھ نقصان اُٹھانا پڑتا ہے ٭

وُہ معجزات جن میں نیچر کی طاقتوں کا عمل معمول سے زیادہ تیز کیا جاتا ہے

لیکن جن معجزات میں خدا نیچر کی طاقتوں کو معمول سے زیادہ منجمد کر کے فوق العادت اظہار نمایاں فرماتا ہے (مثلاً طوفان اور مصر کی بعض آفتیں وغیرہ) اُن کی خصوصیت یہ ہے کہ جو کام وُہ طاقتیں بہت عرصہ کے بعد کرتیں اُسے اپنے مزید عمل کے وسیلے فوراً وقوع میں لاتی ہیں اور یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں جو خدا کے لئے ناممکن ہو بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بھی ایسا کرتا ہے۔ وُہ بھی نیچر کی طاقتوں کو اپنے قابو میں لا کر ایسے نتائج اور ایسے واقعات پیدا کر لیتا ہے جو نیچر خود بخود پیدا نہ کرتی۔ ولایت میں طرفۃ العین میں انڈوں سے چوزے نکالے جاتے ہیں۔ اَب ان انسانی واقعات اور الٰہی مُعجزوں میں یہ فرق ہے کہ مُعجزات خدا کی قدرت سے اور اُس کے نبی کے کہنے کے بموجب سرزد ہوتے ہیں اور کسی طرح کے معمولی وسائل اُن کے وقوع میں استعمال نہیں کئے جاتے تھے ٭

مُنکرانِ اعجاز پر کیا فرض ہے

اَب وُہ جو اعجاز کے مُنکر ہیں اُن پر فرض ہے کہ وُہ ہمیں دکھائیں کہ جسے وُہ نیچر کہتے ہیں اُس میں کیا کچھ شامل ہے اور نیچر کی طاقتیں کہاں تک تیز کی جا سکتی ہیں۔ اور اگر وُہ یہ کہیں کہ وُہ تیز نہیں ہو سکتی ہیں تو یہ ثابت کریں کہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ نیچرل جو فوق النیچر سے ہمیشہ برآمد ہوتا ہے اُس کی مداخلت قبول کرنے کے

لئے تیار نہیں کیا خُدا ہی جو تمام قوانین کا سرچشمہ ہے اِس لائق نہیں کہ اپنے گھر میں آنے جانے کا مختار ہو ٭

> خُدا ایک مُختار اور آزاد مرضی ہے۔ لہذا مُعجزہ نیچر کے عین مُطابق ہے

(۵) سب دلائل کی سرتاج دلیل یہ ہے کہ خُدا ایک ایسی شخصی مرضی ہے جو لامحدُود اور مُختارِ کُل ہے چُونکہ پہلی دلیل کے ضمن میں اس پر اشارہ ہو چُکا ہے لہذا اس جگہ اس پر زیادہ نہیں کہا جائیگا۔ اور ہم اس بات کو اُنہیں الفاظ کے ساتھ بند کرینگے جن الفاظ کے ساتھ مازلے صاحب نے اپنی کتاب کا وُہ باب بند کیا جس میں اُنہوں نے "نامعلوم قانُون" پر بحث کی ہے۔ کیا فعل مختاری انسان پر ختم ہو جاتی ہے یا انسان کے اُوپر بھی آزاد مرضی کا کوئی دائرہ ہے جس میں انسانی مرضی کی طرح طبعی قانون نہیں بلکہ رُوح مادہ کو حرکت میں لاتی ہے؟ اور کیا وُہ آزاد مرضی نامعلوم صُورت میں تمام فطرت کے دائرہ میں داخل ہوتی ہے؟ اگر ایسا ہوتا ہے تو بائبل کا ہر مُعجزہ ایسا ہی نیچرل ہے جیسا کوئی کیمیائی تجربہ جسمانی دُنیا میں ہُوا کرتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہوتا۔ تو اس فرمانروا مرضی کا تخت خالی پڑا ہے۔ اور فطرت کوئی ایسا سردار نہیں رکھتی جو شخصیّت کی صفات سے موصُوف ہو۔ فقط انسان اُس حالت میں زردبان نیچر کا اعلیٰ زینہ ہے پر وُہ بھی خود اس عظمت کے پایہ سے گر جاتا ہے کیونکہ وُہ خود ہونہار باتوں کے ہاتھ سے آزاد نہیں۔ یا تو تمام نیچر خُدا کی طرف اُوپر کو اُٹھتی ہے۔ یا قانُون کی طرف نیچے گرتی ہے۔ پر اگر مادی اسباب کے اُوپر خُدا کی رزّاقی اور پروردگاری کے لئے کوئی جگہ موجُود ہے تو ظاہر ہے کہ نیچر کو حرکت میں لانے والی ایک عظیم ہستی موجُود ہے جو آزاد مطلق ہے اور مُعجزات کا وقوع میں آنا عین نیچر کے مطابق ہے ٭

تیسرا باب

مُعجزات اور گواہی

دُوسرا سُوال غور طلب یہ ہے کہ بائبل کے مُعجزات کی نسبت جو گواہی پیش کی جاتی ہے وُہ قابلِ تسلیم ہے یا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان تین طرح حقائقِ اشیاء کو دریافت کرتا ہے یا یُوں کہیں کہ تین طرح کی شہادتیں موجُود ہیں اور اُن میں سے کسی نہ کسی کے مطابق ہر شَے کی حقیقت اور صداقت ثابت کی جاتی ہے۔ اور وُہ یہ ہیں:۔

(۱) حواس کی گواہی ٭

(۲) وُہ ثبُوت جو علومِ ریاضی کے اصُول کے وسیلے ہم پہنچتا ہے ٭

(۳) انسان کی گواہی ٭

> ہر قسم کی شہادت اپنے اپنے دائرے میں کام کرتی ہے

اب ان تینوں میں سے ہر شہادت یا ثبُوت اپنے اپنے خاص دائرہ میں کام کرتا ہے اور اپنے خاص دائرہ میں کافی سمجھا جاتا ہے۔ کسی زاویہ کی مقدار کہ آیا وُہ قائمہ ہے یا منفرجہ۔ یا یہ دعوےٰ کہ ہر مثلّث کے دو ضلع تیسرے ضلع سے بڑے ہوتے ہیں علمِ ریاضی کے مقررہ اصُول سے ثابت ہوتے ہیں۔ پر اگر ہم یہ ثابت کرنا چاہیں کہ جس گھر میں ہم بیٹھے ہُوئے ہیں وُہ موجُود ہے یا نہیں تو اس ثبُوت میں اقلیدس کے اصُولوں کی ضرورت نہ پڑیگی۔ یہاں ہمارے حواس کی گواہی کام دیگی۔ اور اسی طرح جب ہم یہ کہتے ہیں کہ سنکھیا مُہلک ہے۔ یا یہ کہتے ہیں کہ لندن سب شہروں سے بڑا ہے تو اس کے ثبُوت میں بیان کرنے والے سے نہ ثبُوتِ اقلیدس اور

نہ شہادت جستی طلب کی جاتی ہے - بلکہ اُس کی گواہی فوراً قبول کی جاتی ہے

یقینی اور امکانی شہادت

پہلی دو قسم کی شہادت کو یقینی (Certain) اور تیسری قسم کی شہادت کو اہلِ فلسفہ امکانی (Probable) کہتے ہیں ان لفظوں کے استعمال سے اکثر یہ مغالطہ پڑ جاتا ہے کہ امکانی یقینی گواہی کے مقابلے میں کمزور معلوم ہوتی ہے - لیکن یاد رہے کہ یہ فرق صرف اصطلاحی ہے - امکانی گواہی رَدّ کرنے کے لائق نہیں - وُہ اپنے حدُود میں مُعتبر اور مُستند ہوتی ہے - مثلاً یہ دعوےٰ کہ ہم اِس دُنیائے فانی سے کُوچ

امکانی گواہی تردید کے لائق نہیں

کر جائینگے امکانی گواہی پر مبنی ہے تاہم کوئی شخص اُس کی سچّائی پر شک نہیں لاتا بلکہ سب اُس کی صداقت کے مُعترف ہیں ❖

مُعجزات پر انسانی گواہی کی قدر

اَب وُہ مُعجزات جو بائبل میں مرقُوم ہیں - اگر ثابت ہو سکتے ہیں - تو انسانی گواہی سے (جسے تواریخی گواہی بھی کہتے ہیں) ثابت ہو سکتے ہیں - اُن کے ثبُوت میں نہ ہمارے حواس کی گواہی کام آئیگی کیونکہ ہم اُن واقعات سے کئی صدیاں دُور نکل آئے ہیں - اور نہ اُن کو ریاضی کے اصُول ثابت کر سکتے ہیں - کیونکہ اُن واقعات کا اِس علم سے کچھ تعلّق نہیں ہے - اور مخالفوں نے بھی اس بات کو خُوب پہچان لیا ہے - کہ مُعجزات کی صداقت اور لغویت تواریخی گواہی پر مُنحصر ہے لہذا اُنہوں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ انسانی یا تواریخی گواہی اِس بارے میں قبول کرنے کے لائق نہیں - اس قسم کے مخالفوں کے پیر اور اُستاد ڈیوڈ ہیوم ہیں اور اگر اُن کے اعتراض کا جواب دے دیا جائے تو اُن کے شاگردوں کے اعتراضوں کو رَدّ کرنا مُشکل نہ ہوگا ❖

ڈیوڈ ہیوم کا اعتراض

مازلے صاحب نے اپنے مشہور لیکچرز آن مرے کلز (Lectures on miracles.) میں ڈیوڈ ہیوم کے اعتراض

کو اُسی کے الفاظ میں نقل کر کے اس پر بحث کی ہے اُس کا اعتراض یہ ہے کہ "فطرت کی بے تبدیلی کی نسبت جو اعتقاد ہم رکھتے ہیں - اُس کی جڑ ہمارا تجربہ ہے جو ہمیشہ یکساں رہتا ہے - (یا یُوں کہیں - کہ غیر متبدّل ہے مترجم) اور وُہ اعتقاد جو ہم انسانی گواہی کی نسبت رکھتے ہیں - اس کی جڑ بھی ہمارا تجربہ ہی ہے - لیکن یہ تجربہ تبدّل پذیر ہوتا ہے کیونکہ انسانی گواہی نے بعض اوقات ہم کو دھوکا دیا ہے - لہذا ہم اُس غیر متبدّل تجربہ کو جو مُعجزے کے برخلاف ہے - تبدّل پذیر تجربہ پر جو مُعجزے کے ثبُوت میں (بصُورت گواہی) پیش کیا جاتا ہے ترجیح دیتے ہیں" - ایک اور شخص اُس دلیل کا خلاصہ مطلب (Encyclopedia Britannica) سے اس طرح نقل کرتا ہے - "کسی شے کی حقیقت کی نسبت جو ثبُوت ہمیں چشم دید گواہوں کی گواہی سے حاصل ہوتا ہے - وُہ کسی اَور اصُول پر مبنی نہیں - سوائے اس تجربہ کے جو ہم انسانی گواہی کی صداقت کے بارے میں رکھتے ہیں - پر اگر وُہ حقیقت جس پر گواہی دی جاتی ہے مُعجزہ ہے - تو اُس سے دو متفرّق تجربوں میں فساد برپا ہو جاتا ہے - یا یُوں کہیں کہ ایک قسم کی شہادت دُوسری قسم کی شہادت کے برخلاف برپا ہوتی ہے - اَب مُعجزہ قوانینِ فطرت کے توڑنے کا نام ہے - مگر چونکہ ایک مضبُوط اور غیر متبدّل تجربہ نے ان قوانین کو بے تبدیل ثابت کر دیا ہے - لہذا ان قوانین کا استحکام بجائے خود مُعجزوں کے برخلاف ایک ایسا کامل ثبُوت ہے کہ کوئی اَور دلیل اس سے بڑھ کر مُعجزہ کے برخلاف قیاس میں نہیں آسکتی - اور اگر یہ دعوےٰ ٹھیک ہے - تو پھر یہ نتیجہ بھی ناگزیر ہے - کہ وُہ ثبُوت جو انسانی گواہی پر مبنّی ہے - اِس ثبُوت کو رَد نہیں کر سکتا" - مطلب یہ ہے - کہ ہمارا تجربہ یہ ظاہر کرتا ہے - کہ قوانینِ قُدرت کبھی نہیں بدلتے - لیکن انسان کی گواہی ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی - بلکہ بدلتی رہتی ہے - لہذا ہم اپنے اُس

تجربہ کو سچّا سمجھتے ہیں۔ جو کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ پس معجزے ناممکن ہیں کیونکہ اُن کے ثبوت میں صرف انسانی گواہی پیش کی جاتی ہے۔ مگر انسانی گواہی ہمیشہ مُعتبر نہیں ہوتی ❖

تجربہ بہر حالت میں گواہی کا مصدر معیار نہیں ہو سکتا

اَب ان اقتباسوں سے ظاہر ہے۔ کہ ہیوم نے گواہی کا ماخذ اور مصدر تجربہ کو قرار دیا ہے۔ اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے۔ کہ گواہی کا کذب اس قدر تجربہ کے برخلاف نہیں جس قدر مُعجزوں کی صداقت تجربہ کے برعکس ہے۔ وُہ دلیل متذکرہ بالا تحریر کرکے اپنے زعم میں مُعجزوں کا فاتحہ پڑھ بیٹھا۔ کیونکہ اُس نے اپنی دانست میں اصُولِ استقراء کی بناء پر مُعجزوں کو دائرہ امکان سے خارج کر دیا۔ جبکہ یہ دکھا دیا۔ کہ وُہ ہمارے غیر متبدّل تجربہ کے برخلاف ہیں اور اسی طرح اُنہیں گواہی کے احاطہ سے بھی نکال دیا۔ جبکہ یہ ثابت کر دیا کہ ہمارا تجربہ گواہی کی حیثیّت کے بارے میں بدلتا رہتا ہے۔ یعنی گواہی کبھی سچّی ہوتی ہے۔ اور کبھی جھوٹی ❖

لیکن یہ دعوےٰ صرف اُسی وقت قابلِ تسلیم سمجھا جا سکتا ہے۔ جب وُہ قضیے جن سے یہ دعوےٰ بطورِ نتیجہ کے مستنبط کیا گیا ہے صحیح تسلیم کئے جائیں۔ اوّل تو یہ امر مسلّمہ نہیں ہے کہ گواہی کی حیثیّت ہمیشہ تجربہ پر مبنی ہوتی ہے۔ اور کہ گواہی کا اعتبار یا عدم اعتبار تجربہ پر مُنحصر ہے۔ کیونکہ اِس

بچّے بغیر تجربہ ہماری گواہی قبُول کرتے ہیں

حالت میں کوئی تازہ خبر اور نئی بات گواہی کی شہادت پر قبُول نہ کی جائیگی۔ لیکن برعکس اِس کے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وُہ جو تجربہ کے سرمایہ سے بے بہرہ ہیں۔ وُہ گواہی کی صداقت پر زیادہ تر انحصار کرتے ہیں۔ مثلاً بچّے گواہی کی صداقت کو بے چُون وچرا قبُول کر لیتے ہیں۔ جب ہم اُن کو زہر کی خبر دیتے ہیں تو وُہ ہماری گواہی کو رَدّ نہیں کرتے۔ اگر وُہ ہم کو یہ جواب دیں کہ ہم نے ابھی سنکھیا کو اپنے تجربہ سے

نہیں آزمایا۔ اور چونکہ انسانی گواہی کا تجربہ تبدیل پذیر ہوتا ہے اس لئے ہم آپ کی بات کو قبول نہیں کر سکتے۔ لہذا ہم پہلے سنکھیا کو آزمائینگے۔ اور پھر آپ کی بات کو تسلیم کرینگے۔ ہاں اگر ہمارے بچّے ہمارے ساتھ اس طرح حجّت کریں۔ اور بات بات پر ہیوم کے اصُول کو پیش کریں۔ تو اُن کا مآل کار کیا ہو؟ یہ کہ نہ وُہ جئیں۔ نہ وُہ ترقی کریں۔ اور نہ دَولتِ علم سے بہرہ اندوز ہوں ❖

انسانی گواہی کو بلا تجربہ قبُول کرنا انسانی ذات کا جبلّی خاصہ ہے گواہی کا اصل معیار گواہ کی صداقت اور لیاقت ہے

اَب اِس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ کیا اِس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ انسانی گواہی کو بلا تجربہ قبُول کرنا ہماری ذات کا جبلّی خاصہ ہے۔ اور ہم اُس بات کو جو انسانی گواہی کے زور پر ہمارے سامنے رکھّی جاتی ہے بدوں ملاحظہ اور امتحان کے قبُول کر لیتے ہیں۔ ہماری رائے میں ہیوم کا اصُول انسانی تجربہ کے برخلاف ہے ❖

پس مُعتبر گواہی کی پہچان کے لئے تجربہ کوئی معیار نہیں ہے اُس کی سچائی اور کھوٹ کو پرکھنے کی کسوٹی کوئی اَور ہی ہونی چاہیئے۔ اَب وُہ کیا ہے؟ گواہی کے جھُوٹ اور سچ کو پہچاننے کے لئے دو باتیں ضرُوری ہیں صدق اور لیاقت یعنی علم اگر وُہ گواہ جو کسی بات کی خبر ہم کو دیتا ہے صادق اور دیانتدار ہے۔ اور نیز اُس بات کے ہر پہلو کو سمجھنے کی لیاقت کافی رکھتا ہے۔ اور اُس کا علم رکھتا ہے۔ تو اُس کی گواہی قبُول کرنے کے لائق ہے ❖

مُعجزانہ واقعات کی بیرُونی صُورت اور اُن کے اصل مُوجد میں امتیاز کرنا ضرُوری امر ہے

البتّہ یہ ہم مانتے ہیں۔ کہ مُعجزانہ واقعہ اور اُس کے مُوجد یا سبب میں امتیاز کرنا لازم ہے۔ اور مازلے صاحب نے بڑی خُوبصُورتی سے اِس فرق کو ظاہر کیا ہے۔ چُنانچہ صاحب موصُوف اِس اعتراض کا کہ "انسانی گواہی فوق العادت کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی یا یُوں کہیں کہ انسانی

عقل فوق العادت باتوں کو سمجھ نہیں سکتی"۔ جواب دیتے ہُوئے فرماتے ہیں۔ کہ اگر اِس سے یہ مُراد ہے۔ کہ انسانی گواہی اُس مُوجد کو ثابت نہیں کرتی جو مُعجزہ کا سبب ہے۔ تو ہم اس کو مان لیتے ہیں۔ کیونکہ گواہی کا یہ کام نہیں کہ وُہ فوق العادت کو ثابت کرے۔ اس کا ثبُوت دُوسری قسم کی شہادت سے بہم پہنچتا ہے۔ مگر گواہی جو معجزانہ واقعہ کے وقُوع کے متعلّق پیش کی جاتی ہے اُس کو غیر مُعتبر سمجھ کر رَدّ نہیں کر سکتے۔ یعنی اگر اِس دعوے سے یہ مُراد ہے۔ کہ جن واقعات کی خبر گواہ دیتے ہیں وُہ اِس طرح جس طرح وُہ بیان کرتے ہیں۔ سرزَد نہیں ہُوئے۔ لہذا اُن کی گواہی اُن کے وقُوع کے متعلّق تسلیم کرنے کے لائق نہیں۔ تو یہ دعوے فلسفہ اور مذہب ہر دو صُورتوں سے ناقص ہے۔ کیونکہ اگر کوئی حادثہ قوانینِ قُدرت سے مختلف ہے۔ تو اُس سے یہ لازم نہیں آتا ہے۔ کہ وُہ عقل کے بھی برخلاف ہے۔ اور جو شے برخلاف نہیں۔ وُہ گواہی کے حدُود سے خارج نہیں۔ مثلاً گواہی صرف اِتنی بات بتاتی ہے۔ کہ ایک شخص چار دِن کا مُردہ تھا وُہ مسیح کے کہنے سے قبر میں سے نکل آیا۔ اور یہ عجیب واقعہ کئی گواہوں کی آنکھوں کے سامنے سرزَد ہُوا۔ وُہ یہ دعوے نہیں کرتی ہے۔ کہ خُدا کی قُدرت سے سرزَد ہُوا۔ اِس بات کا ثبُوت دُوسری شہادت پر موقُوف ہے۔ اور وُہ یہ کہ ہم اِس واقعہ کا مُعجزہ ہونا اِس ایمان کی بُنیاد پر تسلیم کرتے ہیں۔ کہ خُدا موجُود ہے۔ اور وُہ عجیب کام کرنے والا ہے۔ اور سوائے اُس کے اَور کوئی مُعجزوں کی مانند عجیب کام نہیں کر سکتا۔ مگر وُہ اپنے سارے کام کسی نہ کسی علّتِ غائی کو مدّنظر رکھ کر کرتا ہے اور مُعجزہ دکھانے میں اُسے یہ مقصد زیرِ نظر ہے۔ کہ اپنے بندوں کو راہ راست پر لائے۔ پر اُس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ہم مُعجزانہ واقعات کو گواہی کی حدُود سے خارج

پر مُعجزانہ واقعات کے وقوع کے متعلّق جو گواہی ملتی ہے وُہ رَدّ نہیں کی جاسکتی

نہیں کرتے ہیں بلکہ اُس شرح کو رَد کرتے ہیں۔ جو اُن واقعات پر چسپاں کی جاتی ہے اور جو انتظامِ موجُودات کے برخلاف ہے۔ پر یہ بات ثابت ہو چُکی ہے۔ کہ جو تشریح ان واقعات کی کی جاتی ہے وہ اور ہی قسم کی شہادت پر مبنی ہے۔ اصل غرض معترض کی یہ ہے۔ کہ اعجازی صفت کو نئی تاویل پیش کرکے دُور کردے۔ معترض مُعجزانہ واقعہ کی جگہ جو انتظامِ موجُودات سے بظاہر مختلف معلوم ہوتا ہے ایک عجیب تاثیر فرض کرتا ہے جو دیکھنے والوں کے دِل اور دماغ پر طاری ہُوئی۔ اَب اُس کو دُوسرے لفظوں میں یُوں ادا کر سکتے ہیں۔ کہ مُعترض یہ دعوے کرتا ہے۔ کہ اُنہوں نے دیکھا کچھ اَور اَور سمجھا کچھ اَور۔ اَب اگر یہ صحیح ہے۔ تو ہمیں یہ ماننا پڑیگا۔ کہ گواہی کے معاملہ میں انسانی فطرت کے اندر کوئی شے ہے جو نامعلوم اور نہایت تاریک اور غیر معمُولی قسم کی ہے۔ یعنی اُس میں دھوکے کی جڑ مخفی ہے۔ یا عقل کی ساخت میں کسی طرح کی بدنظمی یا نقص چھپا ہُوا ہے۔ یا اُس ربط میں جو عقل اور حواس میں موجُود ہے۔ کسی قسم کا عیب نہاں ہے جس کی وجہ سے یہ عجیب بات وارد ہُوئی۔ کہ جنہوں نے درحقیقت کوئی واقعات نہ دیکھے تھے اُنہوں نے ایسا کہا۔ کہ ہم نے اُنہیں دیکھا ہے ✣

پر یہ تاویلیں کیسی لچر ہیں۔ کیونکہ اُن کے وسیلہ ہمارے حواس جھٹلائے جاتے ہیں فرض کیجئے۔ کہ ہمارے سامنے ایک شخص کی بصارت انسانی حکمت اور وسائل کے استعمال سے بحال کی جائے۔ کیا ہم اُسے مُعجزہ کہینگے؟ اگر ہم دوا کا استعمال اور حکیم کا علاج اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ تو ہم کبھی ایسا نہیں کہینگے۔

معترض کی نئی تاویل کہ واقعہ کچھ اور تھا مگر اُس کی تاثیر رسُولوں پر کچھ اور ہُوئی

یہ دعویٰ نہیں مانا جاسکتا جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ اُن کی عقلی طاقتوں میں فتُور تھا

ایک نظیر جس سے اس تاویل کا صنعت ظاہر ہوتا ہے

پر اگر کوئی شخص ہمارے سامنے آئے ۔ اور اپنی قدرت کے کلام سے بلا وساطت معمولی وسائل کے کسی اندھے کی کھوئی ہوئی بینائی کو فی الفور واپس کر دے تو کون اُس کے معجزہ ہونے پر شک لائیگا ۔ اور کون یہ کہیگا ۔ کہ مَیں نے دیکھا کچھ اَور تھا ۔ مگر میرے حواس پر تاثیر کچھ اَور ہوئی ؟

ایک اور سوال اور اُس کا جواب

پھر ہمیں یہ بھی کہا جاتا ہے ۔ کہ فرض کرو ۔ کہ کوئی شخص تمہارے پاس آکر ایک عجیب الخلقت جانور یا فرضی حادثہ کی خبر دے ۔ جس کا وجود اُس کی قوتِ واہمہ نے مختلف تصوّرات کی ترکیب سے گھڑ لیا ہے ۔ کیا تم اُسے مان لوگے ؟ اب اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان کی قوتِ واہمہ دُور دُور تک پرواز کر سکتی ہے اور اُس میں یہ طاقت ہے کہ وُہ مختلف خیالات کو باہم ترکیب دے کر ایسا نیا مخلوق پیدا کرے جو اعتبار کے لائق نہ ہو ۔ لیکن معجزہ میں اور اس وہمی مثال میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ اوّل تو یہ بالکل ناممکن ہے ۔ کہ معتبر گواہی ایسی لغو باتوں کے ثبوت میں پیش کی جائے کیونکہ جو لوگ صادق اور صاحبِ عقل ہیں ۔ وُہ کب ایسی باتوں کو قبول کرینگے ۔ یا اَوروں کو ایسی باتوں کے قبول کرنے کی ترغیب دینگے ؟ اور پھر ان لغو باتوں کا ماخذ انسان کی قوتِ متخیلہ ہے ۔ مگر معجزہ کی طاقت کا سرچشمہ خدا ہے ۔ اور جب ہم معجزوں پر غور کرتے ہیں ۔ تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ وُہ ایسی صُورت اور ایسی شرائط کے ساتھ وارد ہُوئے کہ اُن شرائط نے اُن کی رفتار کو فطرت کی راہ کے قریب قریب رکھا ۔ اور اُسی قدر اُسے علیحدہ ہونے دیا ۔ جتنا کہ الٰہی غرض کو پُورا کرنے کے لئے کافی اور ضروری تھا ۔

گواہی کو گواہی کاٹ سکتی ہے

البتہ ایک صُورت ہے ۔ جس میں معجزوں کی نسبت رسُولوں کی گواہی قبول نہیں ہو سکتی ہے ۔ اور وُہ یہ کہ کوئی ایسا شخص پیدا ہو جو آکر اُن کی گواہی کے برخلاف یہ کہے ۔ کہ لعزر مسیح کبھی نہیں

جلایا گیا کیونکہ مَیں وہاں موجود تھا ۔ مَیں نے اُس کے مُردہ بدن کو دیکھا ۔ . . . . مَیں نے اُس کو دفن ہوتے دیکھا ۔ اور پھر ایک مُدّت تک قبر میں سڑتے اور گلتے دیکھا ۔ معجزوں کے بارے میں جو انسانی گواہی پیش کی جاتی ہے اُس کی صداقت میں اگر کوئی بات خلاف تجربہ پیش کی جا سکتی ہے ۔ تو صرف اِسی صُورت میں پیش کی جا سکتی ہے

اگر ہم انسانی گواہی کو بے تبدیل تجربے کی بنا پر رد کریں ۔ تو پھر کوئی نئی بات قبول نہیں کر سکینگے

پس معجزہ نہ شخصی تجربہ کے خلاف ہے ۔ (اگر مخالف کا مطلب شخصی تجربہ سے ہے) کیونکہ اُس حالت میں یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ کوئی بات گواہی کی بنا پر قبول کرنے کے لائق نہیں ۔ جب تک کہ اُس کا ذاتی تجربہ حاصل نہ ہو ۔ ملوین صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ اس اصُول کے مطابق کوئی شخص جو منطقہ حارہ میں رہتا ہے ۔ کبھی اِس بات کا یقین نہ کریگا ۔ کہ امریکہ کے بعض حصّص میں سردی کے ایّام میں پانی جم کر ایسا یخ ہو جاتا ہے کہ اُس پر گاڑیاں چل سکتی ہیں ۔ اور اگر تجربہ سے سب بنی آدم کا تجربہ مراد ہے تو اس کے جواب میں ہماری عرض یہ ہے ۔ کہ یہی معاملہ تو زیر بحث ہے ۔ کیونکہ ہمارا یہی دعوےٰ ہے کہ بہت لوگوں نے مختلف جگھوں اور مختلف زمانوں میں معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ۔ اور اُن کا تجربہ کیا ۔ بشپ ملوین صاحب نے اپنی کتاب میں جس کا حوالہ ہم اُوپر دے چکے ہیں ۔ بشپ واٹسن صاحب کی تصنیفات سے ایک مقام اقتباس کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس اصُول کو ماننا نہایت مُشکل ہے ۔ وُہ خیال مازلے صاحب کے اس خیال

ایک مثال اس بات کی کہ گواہی کو بلا تجربہ قبول نہ کرنا ایک امر ناممکن التعمیل ہے

کی گویا تشریح ہے کہ گواہی بلا تجربہ قبول نہ کرنا ایک امر ناممکن التعمیل ہے ۔ بشپ واٹسن صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ ایک ایسا وقت تھا جبکہ

کوئی شخص مقناطیس کی خاصیتوں سے واقف نہ تھا۔ مقناطیس کی خاصیتیں کئی صورتوں میں قوانینِ ثقل کو روکتی ہیں۔ اب اگر تجربہ کے ثبوت پر فیصلہ مبنی ہوتا تو ان کی بات کبھی نہ مانی جاتی جنہوں نے قوانینِ مقناطیس کی خصائص کو پہلے پہل دریافت کیا۔ مگر ان کو ردّ کرنا صداقت کو ردّ کرنا ہوتا۔ اب یہ تو ہم مانتے ہیں کہ لوہے کے ایک ٹکڑے کا زمین پر سے اٹھنا اور ہواہیں سے بسرعت تمام اڑتے ہوئے ایک آہن میں جا لگنا۔ اور وہاں بخلاف قانونِ ثقل معلق رہنا قوانینِ قدرت کے خلاف نہیں ہے مگر ایک ایسا وقت تھا۔ جبکہ یہ واقعہ گو قوانینِ قدرت کے برعکس نہ تھا۔ مگر اس وقت تمام زمانوں اور ملکوں کے تجربۂ عامہ کے مخالف تھا۔ اس وقت ہیوم کی دلیل کے مطابق اس آدمی یا آدمیوں کی گواہی کو ردّ کر دینا چاہیئے تھا۔ جنہوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ہم نے اس حادثہ کو بچشم خود دیکھا ہے اور وہ کون سے قوانینِ نیچر ہیں جو اس مصنف (ہیوم) کی رائے کے مطابق ٹوٹ جاتے ہیں؟ کیا وہ مختلف لوگوں کے نزدیک اُن کی سمجھ اور لیاقت کے مطابق مختلف نہیں ہوتے؟ مثلاً اگر مقناطیس اور برقی قوانین فقط چند لوگوں کو معلوم ہوتے اور باقی ساری دنیا اُن سے بے خبر ہوتی تو اُن کے نتائج دنیا کی تاریخ میں نئے اور انسانی تجربہ کے خلاف ہوتے۔ اس لئے چاہیئے تھا۔ کہ کوئی اُن کو قبول نہ کرتا"۔ اب خواہ وہ واقعات جو نیچر سے بلند اور بالا ہیں اور جنہیں معجزات کہتے ہیں تجربہ کی مخالفت کریں خواہ وہ واقعات اُس کی مخالفت کریں جو گو قوانین نیچر کے خلاف تو نہیں مگر نئے ہونے کے سبب سے اُس وقت تک کے قوانینِ معلومہ کے برخلاف ہیں۔ بہرکیف تجربہ کی مخالفت ضرور ثابت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہر دو حالت میں مخالفت تجربہ کی ہو گئی لہٰذا کسی نئے واقعہ کو گواہی کے زور پر قبول نہیں کرنا چاہیئے۔

البتہ گواہی کبھی جھوٹی بھی ہوتی ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ گواہی ہمیشہ نادرست ہو۔ جھوٹی گواہی میں ہمیشہ فریب و دغا کی آمیزش ہوتی ہے۔ اُس میں عمداً اور قصداً دروغ کا عنصر ملایا جاتا ہے۔

جھوٹی اور سچی گواہی میں فرق

حواس کے سہو اور امتیاز کی غلطی کو اس سے کسی طرح کا سروکار نہیں ہوتا۔ اور جب حواس کی غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ تو راستباز گواہ اپنے بیان کو بڑی ہچکچاہٹ سے پیش کرتا ہے اور کبھی پختہ دعویٰ کے ساتھ اپنے خیال کو بیان نہیں کرتا اور اگر یہ لازم آتا ہے۔ کہ ہم تمام انسانی گواہی کو اس لئے ردّ کر دیں۔ کہ ہم نے بعض اوقات گواہی سے فریب کھایا ہے تو مسٹر بوس کے خیال کے مطابق یہ بھی لازم ہے۔ کہ ہم اپنی آنکھوں کو نکال پھینکیں۔ کیونکہ وُہ بھی کبھی کبھی جھوٹی گواہی دیتی ہیں وہ ستارے جو آسمان پر درخشاں نقطوں کی طرح بکھرے پڑے ہیں۔ ہماری آنکھوں کو کبھی اس قد و قامت کے ساتھ نظر نہیں آتے۔ جو وہ درحقیقت رکھتے ہیں۔

بات یہ ہے۔ کہ ہیوم کی اور اُس کے پیروؤں کی جو معجزے پر حملہ کرتے ہیں۔ اصل غرض کچھ اور ہی ہے۔ وہ معجزے کے اتنے مخالف نہیں جتنے مذہب کے ہیں۔ وہ خدا کے منکر ہیں۔ اور اس لئے

معجزات کے بعض مخالفوں کا اصل مقصد یہ ہے۔ کہ خدا کا وجود ثابت نہ ہو

فوق العادت اظہاروں کے بھی منکر ہیں اور اُن کے اعتقاد اور اغراض میں ایک قسم کی مطابقت پائی جاتی ہے۔ لیکن جو لوگ خدا کی ہستی کو مانتے ہیں نہ معلوم وہ کیوں معجزہ کے نام سے گھبراتے ہیں۔ شائد اس لئے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ اگر انہیں مانیں تو ہمیں اپنے پرانے مذہبوں کو چھوڑ کر مسیحی مذہب کو قبول کرنا پڑیگا۔ کیونکہ وُہی ایک مذہب ایسا مذہب ہے جو اپنی تعلیم کی تصدیق میں معجزات کی گواہی پیش کرتا ہے اور اُسی کے معجزے

قرینِ قیاس اور عقل کے موافق ثابت ہو سکتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ خُدا کی ہستی کی نسبت صرف ایک ہی خیال ایسا ہے۔ جو اپنے اعتقادات و مسائل کی مخالفت کئے بغیر فوق العادت کا انکار کر سکتا ہے اور وُہ ویدانتی خیال ہے۔ جو خُدا کو ہمہ اور ہمہ کو خُدا مانتا ہے۔ کیا یہ خیال درست نہیں کہ جو لوگ شخصیّت کے قائل ہیں وُہ خُدا کی معجزانہ قُدرت کے امکان کا انکار نہیں کر سکتے تاوقتیکہ اُس کی لامحدُود محبّت اور قُدرت کا بھی انکار نہ کریں ؂

ہیُوم کے ان الفاظ سے یہی بات ثابت ہے

اَب دیکھئے کہ ہیُوم کیا کہتا ہے۔ جو الفاظ ہم اِس وقت نقل کرنے پر ہیں اُن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر مذہب کا یہ مطلب ہے کہ ایک قادر اور پُرمحبّت خُدا موجُود ہے جو واجب الوجُود اور عبادت اور بندگی کے لائق ہے تو معجزہ کا انکار نہیں ہو سکتا۔ پر ہیُوم نہیں چاہتا کہ ایسا خُدا مانا جائے اور اسی لئے وُہ معجزے کی مخالفت کرتا ہے۔ چنانچہ وُہ کہتا ہے۔ ”میری گذارش یہ ہے۔ کہ جب مَیں یہ دعوےٰ کرتا ہُوں کہ معجزات کبھی ایسی صُورت میں ثابت نہیں کئے جا سکتے کہ کسی طریق مذہب کی بُنیاد ٹھہریں۔ تو اس دعوےٰ کے ساتھ جو قیُود لازم ہیں اُنہیں بھی اِس موقعہ پر سمجھا دینا چاہتا ہُوں۔ مَیں مانتا ہُوں کہ مذہب کو چھوڑ کر اور صُورت میں معجزات یعنی فطرت کے معمُولی سلسلہ کا ٹُوٹ جانا (Possible) ممکن ہے اور ایسی صُورت میں ممکن ہے۔ کہ اُس کا ثبُوت انسانی گواہی سے دیا جائے۔ مثلاً فرض کرو کہ تمام زبانوں کے سب مصنّف متفق ہو کر کہیں کہ یکم جنوری ۱۶۰۰ء سے لے کر آٹھ دن تک تمام دُنیا پر اندھیرا چھا گیا۔ اور فرض کرو کہ اِس عجیب واقعہ کی روایت اَب تک متداول اور زندہ ہو۔ ایسی کہ تمام سیّاح جو غیر ممالک سے لوٹ کر آئیں۔ ہمارے پاس اُس روایت کی ایسی خبر لائیں جس میں کسی طرح کا فرق

اور اختلاف نہ پایا جائے۔ اگر ایسا ہو۔ تو ظاہر ہے کہ ہمارے موجُودہ فلاسفروں کو بجائے اِس بات پر شک لانے کے اُسے یقینی سمجھ کر قبُول کر لینا چاہیئے“۔ اب اس عبارت کے ساتھ ان الفاظ کو بھی پڑھنا چاہیئے۔ جو وُہ ایک اور قیاسی مُعجزہ کی نسبت بیان کرتا ہے ”پر اگر یہ مُعجزہ کسی نئے طریقِ مذہب کے ساتھ منسُوب کیا جائے۔ تو یہی واقعہ فریب کا پُورا پُورا ثبُوت ٹھہریگا۔ اور

مگر اُس کے الفاظ میں کیسا تناقص پایا جاتا ہے

سب سمجھدار لوگوں کے نزدیک آپ ہی اس بات کا کافی ثبُوت ہو گا کہ وُہ اِس کو رَدّ کر دیں اور بغیر امتحان کئے رَدّ کریں۔ کیونکہ اس قسم کی فضُول باتوں نے ہر زمانہ میں لوگوں کو دھوکا دیا ہے“۔ غور کیجئے۔ کہ ان دعوؤں میں کیسا تناقص پایا جاتا ہے۔ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مُعجزات اُس وقت انسانی گواہی سے ثابت ہو سکتے ہیں۔ جبکہ کوئی خاص دینی مقصد اُن سے منسُوب نہ کیا جائے۔ پر جب وُہ مذہب کے ثبُوت میں دکھائے جائیں۔ تب گواہی سے ثابت نہیں ہو سکتے اور یہی حال مُعجزات کے تمام مخالفوں کا ہے کیونکہ وُہ اُن کی مخالفت چنداں اس لئے نہیں کرتے کہ وُہ غیر متبدّل فطرت سے مختلف ہوتے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وُہ الہامی تعلیم اور مسیحی مذہب کا ثبُوت ہیں ؂

ہیُوم پر اُس کی ملحدانہ حالت نے کیا اثر کیا

ہم ہیُوم کی رام کہانی کو چھوڑ نہیں سکتے۔ جب تک یہ نہ دکھائیں کہ جو لوگ اپنی عقل اور فکر پر بھروسہ کرتے ہیں اور خُدا کی ہدایت کے متلاشی نہیں ہوتے۔ وُہ خود اپنے خیالات اور تصوّرات سے خاطر خواہ اطمینان حاصل نہیں کرتے۔ ملوین صاحب اُس کے الفاظ کو ایک جگہ اِس طرح نقل کرتے ہیں ”اُنہوں نے (یعنی فلسفانہ خیالات نے) اس قدر مجھ پر اثر کیا ہے اور میرے دماغ کو ایسا جلا رکھا ہے کہ مَیں ہر طرح کے اعتقاد اور برہان کو ترک کرنے کے لئے

تیار ہُوں۔ مَیں کسی رائے کو زیادہ مضبُوط اور ممکن سمجھ کر ترجیح دینے کو تیار نہیں۔ مَیں کہاں ہُوں اور کیا ہُوں؟ کون سے اسباب پر میری زندگی مبنی ہے؟ اور مَیں کون سی حالت کی طرف راجع ہُوں؟ کس کی خوشی اور رضا کا جویاں ہُوں۔ اور کس کی خفگی اور ناراضگی سے خائف ہُوں؟ کون سی ہستیاں مجھے گھیرے ہیں۔ اور کن پر مَیں اپنا اثر ڈال رہا ہُوں اور کون مجھ پر اثر ڈال رہے ہیں؟ مَیں ان سوالات سے حیران ہو رہا ہُوں۔ اور اپنے تئیں سخت افسوسناک حالت میں مُبتلا سمجھنے لگ گیا ہُوں۔ مَیں اپنے تئیں ایک گہری تاریکی سے محیط اور ہر عضو اور لیاقت کے استعمال میں عاجز پاتا ہُوں۔" پھر آگے چل کر یُوں کہتا ہے۔ کہ "میری خُوش نصیبی سے ایسا ہوتا ہے کہ جب عقلی خیالات ان بادلوں کو دُور نہیں کر سکتے۔ تو نیچر خود ان کو دُور کرنے میں کافی ثابت ہوتی ہے۔ اور مجھے اس فلسفانہ خبط اور سر دردی سے چھُڑاتی ہے"۔ اور پھر بتاتا ہے۔ کہ نیچر کیونکر اُسے زندگی کے مشغلوں اور دوستوں کی صحبت کے وسیلہ اس مصیبت سے رہا کرتی ہے

دلی آرام کا منبع فلسفہ نہیں بلکہ الہامی مذہب ہے

اَب اس سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ حقیقی دلی آرام کا منبع فلسفہ نہیں بلکہ مذہب ہے دوم یہ کہ جب یہ فلاسفر خود اپنے خیالات کو سر دردی اور خبط سمجھتا ہے۔ تو ہم کس طرح اُس کی دلائل اور براہین پر تکیہ کر سکتے ہیں؟ بلکہ اگر ہم بھی اُس کے فضول خیالات کو سر دردی اور خبط تصوّر کریں۔ تو ہمیں گستاخی کے قصُور کا مُرتکب نہ سمجھنا چاہیئے۔ یہاں مُعجزانہ مذہب کی خُوبی اور فلسفانہ طریقوں کی کمزوری اور سقم صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ وُہ تعلیم جو مُعجزانہ شہادت پر مبنی ہوتی ہے۔ وُہ ایسے زور اور اختیار کے ساتھ پہنچائی جاتی ہے۔ کہ اُس کی سچائی پر کسی طرح کا ظن نہیں رہتا اور ہم اُسے سرِ تسلیم خم کر کے قبُول کر لینے اور اپنی زندگی کا دستُور العمل سمجھ کر اُس کے مطابق چلنے کی

کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ خاصیّت اُن طریقوں میں غیر حاضر ہوتی ہے جو الہامِ ربّانی کے مُنکر ہوتے ہیں۔ یا اگر اُس کے قائل ہوتے ہیں۔ تو صرف اس صُورت میں کہ وُہ ہر فرد بشر کو براہِ راست اُس کی ضمیر کے وسیلے پُہنچتا ہے۔ اور کہ ضمیر سے جُدا اور کوئی راہ الہام کے لئے ممکن نہیں ہے

ہیوم کے متعلّق اُس کے ایک دوست کی شہادت

لارڈ ہیوم کا ایک گہرا دوست (Lord Charlemont) کہتا ہے۔ کہ ہیوم کی طبیعت میں ہر قسم کی بات پر شک لانے کا افسوسناک عنصر عجیب طرح پر مخلُوط تھا۔ اور مجھے پُورا پُورا یقین ہے کہ مَیں نے اُس سے بڑھ کر سچّا اور بے ریا مُنکر اور کوئی نہیں دیکھا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وُہ اپنی موجُودہ ہستی کا بھی قائل نہ تھا۔ اور یقین ہے کہ نہ اپنی آئندہ حالت کی نسبت کوئی پُختہ رائے رکھتا ہوگا۔ ہوا خواہانِ عقل پر واجب ہے۔ کہ ان باتوں سے عبرت پکڑیں اور ہدایتِ ایزدی کے جویاں ہوں ❊

وُہ گواہی جو مُعجزات پر ملتی ہے اَب تک کمزور نہیں ہُوئی کیونکہ روایت کی صُورت میں متداول نہیں رہی بلکہ تحریر کی صُورت میں آ کر ہمیشہ محفوظ رہی ہے

اب ہم آخر میں یہ دکھائینگے کہ جو گواہی معجزات کے ثبوُت میں پیش کی جاتی ہے زمانہ کے گزُرنے سے اپنے زور میں کم نہیں ہوتی عموماً یہ گمان کیا جاتا ہے۔ کہ گواہی وقت کی رفتار کے ساتھ ضعیف ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ خیال درست نہیں البتہ اگر گواہی زبانی یا روایت کی صُورت میں مروّج ہو۔ تو اُس میں ضعف آ جائے یا اُس کے تبدیل ہو جانے کا احتمال واجب ہے۔ پر اگر گواہی قلمبند ہو کر تغیّر و تبدّل کے آسیب سے محفوظ رکھی جائے تو پھر شک و

اُس کی حفاظت کی ایک نظیر

شُبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ ملوین صاحب نے جس نظیر سے اس نکتہ کو ثابت کیا ہے وُہ نہایت دِلکش اَور مؤثّر اور فیصلہ کُن ہے۔ اُس کا خلاصۂ مطلب یُوں ادا کیا جا سکتا ہے فرض کرو

کہ یہ باب ینگ مینز کرسچن ایسوسی ایشن میں پڑھ کر سُنایا جائے اور اُس ایسوسی ایشن کی رُوئیداد (منٹوں) میں داخل کیا جائے۔ اور وہاں اُس کی حفاظت کی جائے اَب اگر سو سال کے بعد ایسوسی ایشن کا کوئی ممبر رُوئیداد کی کتاب کو نکالے۔ اور اُس میں یہ تذکرہ پڑھے۔ کہ فلاں سال فلاں تاریخ فلاں مضمون پر یہ درس اس سوسائٹی کے سامنے دیا گیا تھا۔ تو وُہ اُس پر شک نہ لائیگا۔ اور نہ کوئی اُس کی سچّائی پر حُجّت کریگا۔ اسی طرح مسیحی کلیسیا کی سوسائٹی بھی اُس وقت موجُود تھی۔ جب یہ مُعجزانہ واقعات قلمبند کئے گئے۔ نئے عہد نامہ کی کتابیں وُہ منٹ یا وُہ رُوئیداد ہے۔ جس میں اِس سوسائٹی کا کانسٹیچیوشن (قانونی انتظام) اور اُس کی ابتدا اور قدیم تاریخ کا تذکرہ درج ہے اور پُشت بہ پُشت محفُوظ چلا آیا ہے۔ البتّہ اُس کے مختلف ممبر کُوچ کر گئے ہیں مگر اُن کے کُوچ کر جانے سے سوسائٹی پر کوئی نقص عائد نہیں ہوتا۔ کیونکہ وُہ تو برابر موجُود رہی ہے۔ وہی ان کتابوں کی محافظ اور ان نوشتوں کی لائبریرین ہے۔ ہمارے جسم کا ہر ذرّہ کچھ عرصہ بعد بدل جاتا ہے مگر اُس کے ساتھ ہماری خود شناسی اور ہمارا وجُود کالعدم نہیں ہو جاتا۔ ہمارا یہ یقین موجُود رہتا ہے کہ ہم وُہی ہیں جو پہلے تھے۔ اسی طرح اس سوسائٹی کو قائم ہُوئے بہت عرصہ گُذر گیا ہے۔ تاہم وُہ وُہی ہے جو شروع میں تھی اور اُسے اپنے بچپن کے ایّام کے وُہ جلیل القدر واقعات جو اُس کے مُوجد اور بانی کی ذات بابرکات سے صادر ہُوئے اَب تک یاد ہیں۔ جو باتیں اُس کے ممبروں نے بیان کی تھیں۔ اُن کو اُس نے بڑی خبرداری سے محفوظ رکھا ہے۔ اور اُس کے شرکاء اُنہیں اپنے مُعبدوں میں ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اُس وقت سے لے کر جبکہ رسُولوں نے اُنہیں قلمبند کیا۔ آج تک برابر پڑھتے رہے ہیں۔

جس طرح دیگر تاریخی کتابوں کو قبول کرتے ہیں چاہیئے کہ اُسی طرح ہم انجیلوں کی تاریخ کو بھی قبُول کریں

پس اُن کی گواہی آج بھی ویسی ہی یقینی ہے جیسی اُس وقت تھی جس وقت اُسے پہلے پہل چشم دید گواہوں نے رقم کیا۔ کیا یہی اصُول نہیں جس کی بناء پر اَب یہ بات مانی جاتی ہے کہ جُولیس قیصر نے انگلستان پر حملہ کیا اور ہینیبال نے مُلک اِٹلی پر۔ کلائیو نے ہندوستان کو فتح کیا۔ اور بوناپارٹ نے تمام دُنیا کو ہلا دیا۔ اور کیا اسی اصُول کی بُنیاد پر یہ پُرانی باتیں تا قیامت سچّی نہیں مانی جائینگی؟ لوگ اِس اصُول کے مُنکر نہیں۔ اگر ہیں تو بائبل کے واقعات کے متعلّق ہیں مگر یہ ہٹ دھرمی ہے۔ اگر یہ اصُول صحیح اور درست ہے۔ تو اس کا پابند ہر جگہ ہونا چاہیئے۔ جہاں سچّی تاریخ کی شرائط موجُود ہوں۔ خواہ واقعات دُنیوی تاریخ سے تعلّق رکھتے ہوں خواہ دینی تاریخ سے وابستہ ہوں۔ ہر دو حالت میں ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم تواریخی گواہی کو قبُول کریں۔

چوتھا باب

چند خیالات جو مُعجزات کی گواہی کی تواریخی صحت کی تائید کرتے ہیں

معجزات کی گواہی کے متعلّق دو سوال۔ عقلی اور تواریخی

مُعجزات کی گواہی کے متعلّق دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک عقلی اور دُوسرا تواریخی ہے ہم پہلے سوال کا جواب گذشتہ باب میں دے چُکے ہیں۔ ہم نے وہاں دکھا دیا ہے۔ کہ مُعجزات کے بارے میں جو گواہی اناجیل میں درج ہے۔ وُہ اِس

سبب سے کہ بعض اشخاص معجزات کو تجربہ کے برخلاف سمجھتے ہیں رد نہیں

انجیلی معجزات کی تواریخی گواہی رد نہیں کی جاسکتی

کی جاسکتی۔ اس باب میں ہم دوسرے سوال پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں اور یہاں ہم دکھائینگے کہ مسیح کے معجزات کے متعلق جو گواہی انجیلوں سے دستیاب ہوتی ہے اُس میں ایسی خاصیتیں موجود ہیں جو اُس کی تواریخی صحت پر دلالت کرتی ہیں ✣

اس تواریخی گواہی کے متعلق انجیلوں کی اصلیت اور معتبری پر غور کرنا ضروری ہے

معجزات پر لکھنے والے اس موقعہ پر عموماً انجیلوں کی اصلیت اور قدامت اور معتبری ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیا جن کتابوں میں مسیحی معجزات درج ہیں وہ اُنہیں اشخاص کی لکھی ہوئی ہیں جن سے اُن کی تصنیف منسوب کی جاتی ہے یا نہیں؟ ہم اس چھوٹے سے رسالے میں اس وسیع مضمون کا ذمہ نہیں لے سکتے تاہم اتنا کہنا ضروری سمجھتے ہیں

انجیل کی قدامت پر اعتراض کرنے کا باعث

کہ قدیم زمانوں میں کبھی کسی نے اناجیل کی قدامت اور معتبری پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ بلکہ مخالف اور معاون سب ان کتابوں کو رسولوں کی تصنیف سمجھتے تھے۔ مگر متاخرین نے جب فوق العادت اظہارات اور معجزانہ واقعات کے امکان کا انکار کرنا شروع کیا تو یہ سوال برپا ہوا کہ انجیلوں کے ساتھ جن میں مسیح کے معجزات پر تواریخی گواہی موجود ہے کیا کیا جائے؟ اُنہوں نے دیکھا کہ اگر ہم انجیلوں کو اصلی مانتے ہیں تو ہم کو یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ مسیح کے معجزات برحق ہیں۔ پر یہ ہم نہیں کرسکتے۔ پس اس دقت کو رفع کرنے کے لئے اُنہوں نے انجیلوں کی اصلیت اور قدامت ہی کا انکار کر دیا۔ اور کہا کہ وہ متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا کی تصنیف ہی نہیں ہیں۔ بلکہ دوسری صدی کے آخری حصے میں کسی وقت لکھی گئیں اور اُن کے مصنفوں نے مسیح کی شان اور نام بڑھانے کے لئے معجزانہ قصے اور

کہانیاں بھی اُن میں شامل کر دیں۔ پروفیسر بروس صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ اگر وہ معجزانہ عنصر جو اناجیل میں پایا جاتا ہے نکال دیا جائے تو پھر وہ لوگ جو اب انجیلوں کی اصلیت پر حملہ کرتے ہیں کبھی حملہ نہ کریں بیشک انجیلوں کی اصلیت میں تو کسی طرح کا نقص نہیں پایا جاتا پر وہ لوگ جو معجزہ کے منکر ہیں مجبور ہیں کہ اُن کی اصلیت اور قدامت پر نقص چسپاں کریں ✣

گو ہم اس جگہ اناجیل کی قدامت اور اصلیت اور معتبری پر بہت کچھ لکھنے کو تیار نہیں۔ تاہم اتنا کہے بغیر خاموش بھی نہیں رہ سکتے کہ مسیحی علماء نے مخالفوں کے اعتراضوں کے جو جواب دئے ہیں وہ نہایت زبردست بلکہ فیصلہ کن ہیں ✣

انجیلوں کی اصلیت کے ثبوت میں جو دلیلیں مختصر طور پر پیش کی جاتی ہیں

انجیلوں کی اصلیت کے دو طرح کے ثبوت پیش کئے جاتے ہیں جو بیرونی اور باطنی کہلاتے ہیں۔ بیرونی ثبوتوں سے وہ گواہیاں مراد ہیں جو قدیم مسیحی بزرگوں اور بدعتیوں اور معترضوں کی تصنیفات اور دیگر خارجی اسباب سے بہم پہنچتی ہیں۔ مثلاً اگر ہم قدیم مسیحی بزرگوں کی تصانیف کو لیں اور سلسلہ تحقیقات شروع کریں تو ہم دیکھینگے کہ تیسری چوتھی صدی سے لے کر رسولی زمانہ تک ان بزرگوں کی گواہی برابر چلی جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ وہ اپنی تصانیف میں ہماری موجودہ انجیلوں کے بے شمار مقام اقتباس کرتے ہیں۔ اور نیز ہم یہ دیکھینگے کہ وہ ان انجیلوں کو اُنہیں مصنفوں سے منسوب کرتے ہیں۔ جن سے ہم منسوب کرتے ہیں۔ زمانہ حال کے معترض اس ثبوت کے زور کو محسوس کرتے ہیں۔ پر اُسے نظر انداز کرنا چاہتے ہیں مگر کون بآسانی اس کو رد کرسکتا ہے؟ اگر ہمارے ناظرین اس مضمون کے متعلق کتاب "زندہ مسیح اور اناجیل اربعہ" کا مطالعہ فرمائیں تو اُن پر واضح ہو جائیگا

کہ اناجیل کی اصلیّت کے ثبوت میں یہ دلیل لاجواب ہے۔

مسیحی مذہب کے قدیم مخالف انجیلوں کی اصلیّت کے قائل ہیں

ماسوائے اس کے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جو لوگ ان مسیحی بزرگوں کے مخالف تھے اور ان سے مذہبی بحث کیا کرتے تھے وہ بھی ان انجیلوں کی اصلیّت اور معتبری پر شک نہیں لاتے۔ البتہ وہ مسیحی تعلیمات اور مسائل پر حملہ کیا کرتے تھے۔ مگر اس کا انکار نہیں کرتے تھے کہ متّی کی انجیل کو متّی نے اور مرقس کی انجیل کو مرقس نے اور لوقا کی انجیل کو لوقا نے اور یوحنا کی انجیل کو یوحنا نے تحریر کیا ہے۔

انجیلوں کی باطنی خاصیت بھی اُن کی اصلیت اور قدامت کو ثابت کرتی ہے

لیکن زمانہ حال کے مخالفوں نے بیرونی شہادتوں سے کسی قدر رُوگردانی اختیار کی ہے اور اناجیل کی باطنی خاصیتوں کی نکتہ چینی پر زیادہ زور دیا ہے۔ چنانچہ طرز تحریر کی تفاوتوں عبارت کی خاصیتوں اور لفظوں کی بحثوں اور اسی طرح کی کئی اور باتوں پر یہ دعوے قائم کیا ہے کہ یہ انجیلیں دوسری صدی میں تصنیف کی گئی تھیں۔ لیکن مسیحی علماء نے انجیل کی عبارتوں اور لفظوں اور لوکل واقعات اور خصوصیّات سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ انجیلیں اصلی ہیں انگریزی زبان میں بے شمار کتابیں اسی دلچسپ بحث کے متعلّق موجود ہیں وہ یا تو خاص اسی مضمون پر لکھی گئی ہیں یا علم انٹروڈکشن سے علاقہ رکھتی ہیں شائقین ان کتابوں کو دیکھ کر اِس مضمون کی نسبت خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔

نتیجہ

اب نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جن کتابوں میں مسیح کے معجزات مندرج ہیں وہ اُنہیں لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں جو ان معجزات کو بچشم خود دیکھنے والے تھے۔ اب ہم ان باتوں پر غور کرینگے جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ مسیح کے معجزات جو انجیلوں میں قلمبند ہیں وہ چشم دید گواہوں کی گواہی کی بنا پر قبول کرنے کے لائق ہیں مگر

ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسیحی مذہب کے سوائے اور کسی مذہب نے اپنی الہامی تعلیم

اُن کا شمار پیش کرنے سے پیشتر ایک اور بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اور

کی تائید میں معجزات دکھانے کا دعوےٰ نہیں کیا ہے

وہ یہ ہے کہ مسیحی مذہب کے سوائے اور کوئی مذہب ایسا نہیں جس نے اپنے دعوؤں اور تعلیموں کے ثبوت میں معجزات کی شہادت پیش کی ہو۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ شاذ ہی کوئی ایسا مذہب ہوگا جس کے پیروؤں نے اپنے رہبر یا بانی سے کسی نہ کسی طرح کے عجیب کام منسوب نہ کئے ہوں مگر فرق یہ ہے کہ وہ اپنے بانیوں کے من جانب اللہ ہونے کے ثبوت میں معجزات کو اِس طرح پیش نہیں کرتے جس طرح مسیحی مذہب کرتا ہے۔ یا یوں کہیں کہ اُن کے بانیوں نے کوئی ایسا معجزہ اپنے دعوؤں کے اشتہار کے ساتھ نہیں دکھایا جس کو لوگ اپنے حواس سے محسوس کرتے اور نکودیمس کی طرح بول اُٹھتے "اے ربّی ہم جانتے ہیں کہ تو خدا کی طرف سے اُستاد ہو کر آیا ہے۔ کیونکہ کوئی یہ معجزے نہیں دکھا سکتا جب تک خدا اُس کے ساتھ نہ ہو"۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ ہمارا یہ دعوےٰ نہیں کہ مختلف مذاہب نے کبھی معجزوں کا دعوےٰ نہیں کیا۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ بُت پرست قوموں کی تاریخ جھوٹے معجزوں

ہمارا مطلب یہ ہے کہ دوسرے مذہب معجزات کے وقوع پر مبنی نہیں بلکہ جو معجزات اُن سے منسوب کئے جاتے ہیں وہ اُن کے قائم ہو جانے کے بعد مشہور ہوئے

کے قصّوں سے بھری پڑی ہے۔ پس جو ہمارا مطلب ہے وہ یہ ہے کہ دُنیا کے مذاہب نے کبھی اپنے دعوؤں کی تصدیق کے لئے معجزات کو پیش نہیں کیا۔ بلکہ اُن کے معجزات اُن کے قائم ہو جانے کے بعد شہرت پذیر ہوئے۔ یا یوں کہیں کہ اُن مذہبوں کا وجود اُن کے بانیوں کے معجزات پر مبنی نہیں۔ بلکہ اُن کے معجزات کا وجود اُن مذہبوں کے وجود پر مبنی ہے۔ یعنی جب وہ مذہب قائم ہو گئے اور لوگوں نے اُن کو قبول کر لیا تب معجزات نے بھی

محمدی مذہب اِس دعوےٰ کی ایک نظیر ہے

اُن مذہبوں کے متعلّق رواج پایا۔ نہ کہ اُن مذہبوں نے معجزات کے وسیلے ہستی کی صورت دیکھی چند معجزانہ

واقعات محمدؐ صاحب سے بھی منسُوب کئے جاتے ہیں۔ مگر اُنہوں نے اپنی رسالت کے ثبُوت میں کسی طرح کے مُعجزوں کا دعوےٰ نہیں کیا بلکہ اُن لوگوں کو جو اُن سے نشانات طلب کرتے تھے۔ صاف کہہ دیا کہ خُدا کہتا ہے کہ ہم نے تجھے اس واسطے مُعجزانہ نشانات نہیں دِئے کہ اگلی قوموں نے ایسے نشانات کو فریب سمجھا۔ ایک اور موقعہ پر لوگ اُن سے یہ کہتے ہیں کہ جب تک تُو ہم کو کوئی نشان نہیں دکھائیگا ہم تجھ پر ایمان نہیں لائینگے۔ اِس کے جواب میں آں حضرت نے یہ کہا کہ اِس قسم کے نشان دکھانا خُدا کی قُدرت میں ہے۔ اور وُہ فرماتا ہے۔ کہ کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں کہ مَیں نے تُم کو قرآن دے دیا ہے۔ تاکہ تُم اُسے پڑھا کرو۔ ہم جانتے ہیں کہ محمدؐ صاحب نے بعض فوق العادت باتوں کا دعوےٰ کیا۔ مثلاً معراج کے وسیلے عرش معلےٰ کی سَیر کرنا۔ جبرائیل کی مخفی اور پوشیدہ ملاقاتوں کا حظ اُٹھانا اور غیر مخلُوق فرقان کا وقت بوقت نازل ہونا اُن کے دعوؤں میں شامل ہے۔ مگر ہم ان کو ایسے مُعجزات نہیں کہہ سکتے جن کی درستی یا نادرستی حواس کے وسیلے دریافت ——— کی جائے۔ کیا آں حضرت اس بات سے واقف نہ تھے کہ مُعجزات کے سبب سے گُذرے زمانہ میں مسیحی مذہب کو بڑی اقبال مندی حاصل ہُوئی؟ ہاں وُہ اس سے واقف تھے کہ مُعجزات کے سبب اُس نے ترقی پائی۔ کیا لوگ اُن سے مُعجزانہ نشانات طلب نہیں کیا کرتے تھے؟ ہاں کیا کرتے تھے۔ کیا وُہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اگر معجزانہ نشانات دکھائے جائیں تو نتیجہ حسب خواہش پیدا ہوگا؟ ہاں وُہ خُوب سمجھتے تھے کہ اگر مُعجزات دکھائے جائیں تو ایسا اثر ہوگا کہ بہت لوگ میرے دعوؤں کو قبُول کرینگے کیا اُنہوں نے فوق العادت سے بالکل کنارہ کشی کرنا مناسب سمجھا؟ نہیں اُنہوں نے کئی فوق العادت باتوں کا دعوےٰ کیا۔ مثلاً جبرائیل کی ملاقاتیں معراج اور غیر مخلُوق قرآن کا نزُول یہ سب باتیں خرق عادت پر دلالت

کرتی ہیں اور وُہ جانتے تھے کہ اگر یہ دعوے قبُول ہو گئے تو عجیب قسم کی کامیابی نصیب ہوگی۔ یہ سب باتیں وُہ جانتے تھے مگر پھر بھی اُنہوں نے کبھی ایسے مُعجزے کا دعویٰ نہ کیا۔ اور نہ کوئی ایسا مُعجزہ دکھایا جس کے وقُوع اور وجُود کی تواریخی صحت چشم دید گواہوں کی گواہی پر مبنی ہوتی گو محمدؐ صاحب کے عجیب دعوؤں کو مُعجزانہ نشانات کی شہادت کی ضرورت تھی۔ گو اُنہوں نے بعض بعض فوق العادت واقعات کا جن کا گواہ سوائے اُن کے اور کوئی نہ تھا دعوےٰ بھی کیا۔ اور گو اُن کے معاصرین علم و تہذیب کے اعتبار سے ایسی لیاقت نہیں رکھتے تھے کہ حقیقی اور غیر حقیقی مُعجزات میں امتیاز کر سکتے۔ کیونکہ مُلک عرب اُس وقت عجیب تاریکی میں ملفوف تھا۔ تاہم باوجُود ان اسباب کے آں حضرت نے کبھی کوئی ایسا مُعجزہ نہ دکھایا جسے غیر لوگ دیکھتے اور اپنے حواس سے محسُوس کرتے اور پھر اُس کی صحت پر گواہی دینے کے لئے جان پر کھیل جانے کو تیار ہو جاتے ہم بڑے عجز و انکسار سے عرض کرتے ہیں کہ کیا اس کا یہ سبب نہیں کہ آنحضرت جانتے تھے۔ کہ جبرائیل کی ملاقات اور معراج کی سَیر اور قرآن کے فوق العادت نزُول کا دعوےٰ کرنا آسان ہے بہ نسبت ایسے مُعجزات دکھانے کے جن کی حقیقت سے عرب کے جاہل اور غیر مہذّب باشندے بھی بوسیلے اپنے حواس کے بخُوبی واقف ہو سکتے ہیں۔ پس بائبل ہی کا مذہب اکیلا وُہ مذہب ہے جو اپنے دعوؤں کی تصدیق و تائید میں مُعجزات کی شہادت پیش کرتا ہے۔ ہم ذرا آگے چل کر اس بات پر غور کرینگے کہ جھوٹے مُعجزے کس طرح پیدا ہوتے ہیں۔ اور اُن میں اور مسیح کے مُعجزوں میں کیا فرق ہے۔ یہاں ہم اُن خاصیّتوں کو ہدیہ ناظرین کرنا چاہتے ہیں جن کے ملاحظہ سے مسیح کی مُعجزانہ قُدرت کی حقیقت ظاہر ہوتی اور اُس کے مُعجزانہ کاموں پر روشنی پڑتی ہے۔ مسیحی علماء نے ذیل کی باتیں

اِس خصوص میں پیش کی ہیں ٭

مسیح کے بہت سے معجزے ایسے ہیں جن کے وقوع کو فطرت کی طاقتوں سے منسوب نہیں کر سکتے

(۱) جو معجزانہ واقعات مسیح سے منسوب کئے جاتے ہیں اُن میں سے کئی ایسے ہیں جن کو کسی طرح فطری اسباب سے منسوب نہیں کر سکتے۔ یعنی اُن کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُن میں سُوپر نیچرل (فوق العادت) قدرت صرف نہیں ہُوئی۔ بلکہ اُنہیں نیچر کی طاقتوں نے پیدا کیا اور مسیحیوں نے سہو سے اُن کو معجزہ مان لیا۔ مثلاً اگر یہ درست ہو کہ پانچ ہزار اشخاص کو آسُودہ کرنے سے پہلے واقعی سوائے پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں کے اور کچھ موجُود نہ تھا۔ اگر یہ درست ہو کہ صُوبہ دار کا خادم مسیح کے اُس کلمۂ جاں بخش سے اچھّا ہو گیا جو اُس کی زبانِ مُبارک سے اُس وقت نکلا جبکہ وُہ صُوبہ دار کے گھر سے بہت دُور کھڑا تھا۔ اگر یہ سچ ہو کہ ایک جنم کا اندھا فقط مٹّی لگانے اور شیلوخ کے حوض میں نہانے سے بِینا ہو گیا۔ اگر یہ صحیح ہو کہ لعزر جو چار دن سے قبر میں مدفون تھا مسیح کے کلام سے مُردوں میں سے جی اُٹھا تو یہ سب واقعات ایسے واقعات ہیں جو معجزانہ قُدرت کے سوائے اور کسی طرح وجُود میں نہیں آ سکتے تھے۔ کیونکہ اُن کی شرح اور کسی بنا پر نہیں ہو سکتی۔ پس ہم دو نتیجوں میں سے ایک نتیجہ کو قبُول کرنے کے لئے مجبُور ہیں یا تو ہم رسُولوں کی گواہی کو رَدّ کر کے اُن واقعات کی معجزانہ خاصیّت کا انکار کریں۔ یا یہ مانیں کہ یہ واقعات حقیقت میں معجزے ہیں ٭

مسیح کے معجزات حواسِ خمسہ سے پہچانے جاتے تھے

(۲) مسیح کے مُعجزات اِس قسم کے تھے۔ کہ دیکھنے والے اپنے حواس کے وسیلے اُن کی حقیقت اور دُرستی پر رائے زنی کر سکتے تھے معجزات کے لئے یہ لازمی امر ہے کہ دیکھنے والوں کو اُن کے وجُود پر کسی طرح کا شک وشُبہ نہ رہے

اور اس شناخت کے لئے علم اور تہذیب کی چنداں ضرُورت نہیں کیونکہ عالم اور جاہل سب اپنے حواس کے وسیلے اس بات کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا وُہ واقعہ جو ہم دیکھ رہے ہیں در حقیقت واقع ہو رہا ہے یا نہیں۔

اس کی ایک مثال

مثلاً جب نائن کی بیوہ کے مُردہ فرزند کا جنازہ قبرستان کی طرف جا رہا تھا اُس وقت عالم اور جاہل مرد اور عورت۔ دوست اور مخالف سب دیکھ رہے تھے کہ وُہ مر گیا اور لوگ اُسے دفن کرنے کو لئے جا رہے ہیں۔ اُنہوں نے بیوہ ماں اور اُس کے ہمدرد دوستوں کو ماتم کرتے دیکھا۔ اور پھر اُس کے بعد اُس کو ایک مُدّت تک نائن شہر میں بُود و باش کرتے دیکھا۔ اُنہوں نے اپنے حواس سے اُس معجزے اور دیگر مُعجزات کی سچّائی کو محسُوس کیا ٭

ان معجزوں کو نہ صرف دوست بلکہ غیر بھی دیکھتے تھے

(۳) مسیح کے مُعجزات برملا طور پر دکھائے گئے۔ اُن کے دیکھنے والے نہ صرف مسیح کے شاگرد ہی تھے۔ بلکہ اغیار بھی تھے۔ اُس کے دُشمن جو اُس کی اور اُس کے دعوےٰ کی بیخ کنی کرنا چاہتے تھے اُن کو دیکھتے تھے۔ ارباب علم وفضل اور ناخواندہ اور اجہل صاحب مال ومنال اور بے برگ و بے پر کنگال۔ فریسی اور کاہن صُوبہ دار اور محصُول لینے والے سب اُس کے مُعجزوں کو دیکھتے تھے۔

ہر جگہ دکھائے جاتے تھے

وُہ اپنے مُعجزے کونے میں گھُس کر نہیں دکھایا کرتا تھا۔ اُس کی قُدرت کے کرشمے جا بجا جلوہ گر ہوتے تھے۔ وُہ عبادت خانِیں اور بازاروں۔ کھُلے میدانوں اور لوگوں کے گھروں میں سرزد ہوتے تھے۔ بارہا یروشلیم میں عیدوں کی تقریب پر جبکہ ہزارہا یہُودی وہاں موجُود ہوتے تھے مسیح کے مُعجزات وقُوع میں آتے تھے ٭

تعداد میں بے شمار تھے

پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اُس کے مُعجزات بے شمار تھے۔ کیونکہ اُس نے صرف وُہی مُعجزات نہیں دکھائے

جن کا تذکرہ انجیل میں قلمبند ہے۔ وہ مشتے نمونہ از خروارے کا کام دیتے ہیں۔ کیونکہ ہم انجیلوں کے کئی مقامات سے سیکھتے ہیں کہ اُس نے ماسوائے اُن معجزات کے جن کا مفصّل ذکر اناجیل میں درج ہے اور بہت سے معجزات دکھائے۔ وہ شخص جو فریب سے کام لیتا ہے وہ صرف دو یا تین ہتھکنڈوں پر اکتفا کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جس قدر اُن کا

فریبی آدمی بہت معجزہ دکھانے کی کوشش نہیں کرتا۔

شمار زیادہ ہوگا اُسی قدر میری شرارت کے فاش ہو جانے کا اندیشہ زیادہ ہے۔

ہندوستان میں زود اعتقاد لوگوں کے درمیان بارہا ایسے لوگ نمودار ہوتے ہیں جو اپنی کرامات سے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں مگر اُن کی کامیابی تھوڑے سے عرصے میں کافور ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی غدّاری کو بہت دیر تک چھپا نہیں سکتے۔ اگر مسیح بھی فریبی ہوتا اور نادانی سے بہت سی کرامتیں دکھانے کے لئے چالاکی کو کام میں لاتا تو اُس کا نام اُس کے مرنے سے پہلے مٹ جاتا۔ اور اگر وہ بہت ہوشیاری سے کام لیتا تو صرف دو تین ہتھکنڈوں پر اکتفا کرتا۔ ماسٹر رام چندر بوس کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ "مسیح کا بے شمار معجزات دکھانا اس بات کو بخوبی ثابت کرتا ہے کہ وہ نہ کوتاہ اندیش دھوکے باز اور نہ چالاک فریبی تھا۔ بلکہ خدا کا بھیجا ہوا تھا۔ وہ اپنی فوق العادت قدرت سے بخوبی واقف تھا۔ اور اُس کے عظیم الشّان کام جن سے اُس نے اپنی رسالت کو ثابت کیا حقیقی معجزات تھے"۔

اور وہ موقعے بھی جن پر وہ اپنے معجزات دکھاتا تھا مختلف اقسام

مسیح مختلف موقعوں پر فی الفور اپنے معجزات دکھاتا تھا لہذا سازش کے خیال کو جگہ نہیں ملتی

کے ہوتے تھے پس کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن کے لئے پہلے ہی سے تیاری یا سازش کی جاتی تھی۔ مثلاً جو کوئی بیماری سے شفا پانے کو آتا تھا۔ لوگ اُس کی حالت سے پہلے ہی واقف ہوتے تھے۔ اور پھر اُس کے

شفا پانے کے بعد اُس کے حالات سے بخوبی آگاہ ہو سکتے تھے۔ جو لوگ مُردوں سے زندہ کئے جاتے تھے وہ زندہ ہوتے ہی مر نہیں جاتے تھے۔ اور نہ کسی ایسی جگہ چھپ جاتے تھے کہ اُن سے ملنا ناممکن ہوتا۔ بلکہ وہ جینے کے بعد اپنے رشتہ داروں اور جان پہچانوں کے ساتھ برابر اُٹھتے بیٹھتے تھے۔ وہ مسیح کی قدرت کی ایک زندہ مثال تھے۔ مثلاً العزر کی قبر کے ارد گرد کئی یہودی جو یسوع کی مسیحائی کے قائل نہ تھے موجود تھے۔ وہ دریافت کر سکتے تھے۔ کہ کیا وہ زندہ ہوا ہے یا جھوٹ موٹ یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہو گیا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ زندہ ہونے کے بعد وہ اُن کی نظروں سے غائب نہیں ہوا بلکہ تھوڑی دیر کے بعد بیت عنیاہ میں ضیافت کے موقعہ پر اُن کے ساتھ شامل ہوا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ کئی اور یہودی اُس جگہ آئے تاکہ اُسے جو مُردوں میں زندہ ہوا تھا دیکھیں۔ علاوہ بریں ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ کاہنوں نے مل کر یہ منصوبہ باندھا کہ اُسے جان سے مار ڈالیں کیونکہ وہ خیال کرتے تھے۔ کہ بہت سے یہودی اُسی کے سبب سے مسیح پر ایمان لائے ہیں ÷

مسیح کے معجزے مختلف قسم کے تھے

(۴) لیکن ایک اور صفت مسیح کے معجزوں کی یہ ہے کہ وہ طرح طرح کے تھے۔ اُس نے فقط دو یا تین قسموں کی بیماریوں کو چنگا نہیں کیا بلکہ مختلف قسم کے امراض کو دُور کیا۔ اُس کے کلام معجز نظام سے طرح طرح کے مریضوں نے شفا پائی۔ بلکہ مُردے بھی اپنی قبروں سے جی اُٹھے جنم کے اندھے بے اُمّید کوڑھی۔ اور وہ جو ماں کے شکم سے لنگڑے پیدا ہوئے تھے۔ اور وہ جو سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے۔ وہ جو فالج کے پنجہ میں گرفتار اور دیوانہ پن کے شکار ہو گئے تھے سب اُس کے کلمۂ اعجاز اثر سے شفایاب ہوئے دو مرتبہ اُس نے ہزارہا اشخاص کو معجزانہ طور پر کھانا کھلا کر سیر و آسودہ کیا۔ تین مُردوں کو زندہ کیا۔

سمندر اُس کا مغلوب اور فطرت کی قوتیں اُس کی محکوم تھیں ؀

فی الفور وجود میں آتے تھے

اِس موقع پر یہ بھی جتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خداوند مسیح کے معجزوں کی ایک یہ عجیب خصوصیت تھی کہ جُوں ہی کلام اُس کے مُنہ سے نکلتا تھا اُسی وقت مریض فائز المرام ہو جاتا تھا۔ نہ کبھی دیر لگتی اور نہ شفا میں نقص رہتا تھا۔ بلکہ شفا اعلیٰ طور پر اور علی الفور نمودار ہوتی تھی ؀

مسیح کبھی کسی معجزے کے قصد میں ناکام نہیں رہا

علاوہ بریں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ وُہ ایک دفعہ بھی معجزہ دکھانے کے قصد میں ناکام نہیں رہا۔ جس معجزے کا ارادہ اُس نے کیا وُہی وجود میں آیا۔ کیا اُن فقیروں اور رمّالوں میں یہی بڑا نقص نہیں ہوتا کہ جو کچھ وُہ کہتے ہیں وُہ کبھی کبھی پُورا ہوتا ہے۔ لوگ منّتیں مانتے اور مُرادیں مانگتے ہیں اور اگر اتّفاق سے کوئی بات پُوری ہو جاتی ہے تو زُود اعتقاد لوگوں کا اعتقاد اور بھی مضبُوط ہو جاتا ہے۔ پر وُہ اِس بات کو بھی جانتے ہیں کہ اگر اُن لوگوں میں سچ مچ مُرادیں عطا کرنے کی قُدرت ہو تو اُن کی بات رائگاں نہ جائے بلکہ ایک ایک وعدہ تیر بہدف کا کام دے۔ اَب اگر مسیح معجزانہ اظہاروں کے متعلّق کبھی کبھی کامیاب ہوتا تو لوگ فوراً اِس بات کو جان لیتے اور اُس کے فریب کا بھانڈا پھوڑ دیتے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ مسیح کے مخالف اُس سے اکثر بحث کیا کرتے تھے۔ اور اُس کے بعد اُس کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کے ساتھ بحث کرتے رہے۔ اِس بحث اور مناظرے کی کتابیں اَب تک موجُود ہیں۔ مگر کبھی کسی نے یہ الزام نہ لگایا کہ تمہارے ہادی نے فلاں وقت فلاں معجزہ دکھانے کی کوشش کی پر وُہ کامیاب نہ ہُوا ؀

اَب اگر یہ بفرضِ محال مان لیا جائے کہ وُہ تمام معجزات جو کہ انجیلوں میں درج ہیں سب کے سب فریب پر مبنی ہیں تو ہماری رائے میں یہ بات بجائے خود ایک عجیب معجزہ ہوگی کہ باوجودیکہ مسیح کے تمام معجزات فریب پر

مبنی تھے مگر پھر بھی وُہ اِس فریب دہی میں ایسا کامیاب نکلا کہ کبھی کسی شخص نے ایک دفعہ بھی اُس کی ناکامیابی اور فریب کو نہ پکڑا۔ تعجّب ہے کہ جن فریب آمیز اسباب کو وُہ کام میں لایا کرتا تھا اُن کی کل کے پُرزے ایسے کارکُن اور کارگر تھے کہ کبھی اُن میں نقص نہیں آتا تھا اور اُس کے فریب کا سکّہ ایسا جم گیا تھا کہ عالم اور عاقل۔ نادان اور جاہل۔ دیندار اور بے دین سب کے سب اُس کے جل میں آجاتے تھے۔ ہم پُوچھتے ہیں کہ زُود اعتقاد کون ہے؟ کیا وُہ شخص جو مسیح کے معجزوں کا قائل ہے یا وُہ شخص جو اُن کا انکار کرتا ہے ؀

انجیلی معجزات کی گواہی کا فیصلہ کرتے وقت یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ وُہ کتنے عرصہ میں دکھائے گئے

اسی کے ضمن میں ایک اور بات غور طلب ہے اور وُہ یہ ہے کہ ہمیں مسیح اور اُس کے شاگردوں کے معجزات کی سچّائی کا موازنہ کرتے وقت یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اُس کے اور اُس کے شاگردوں کے معجزے کتنے عرصہ میں سرزد ہُوئے۔ مسیح کے زمانہ سے لے کر اُس کے آخری شاگرد کی مَوت تک ستّر سال کا عرصہ حائل ہے اور ہمیں اناجیل کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام عرصہ میں معجزانہ صحت کا چشمۂ فیض برابر جاری رہا۔ اور ہم اُوپر عرض کر چکے ہیں کہ جس قدر جو فروشی اور گندم نمائی زیادہ دیر تک اختیار کی جاتی ہے اُسی قدر شرارت کی پردہ دری کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے۔ اب کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ ستّر برس تک مسیح اور اُس کے شاگرد اِس مکّاری اور عیّاری کے کام میں مصرُوف رہے۔ پر کسی نے اُن کا مُنہ بند نہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی توجّہ طلب ہے کہ وُہ سب کے سب ایک ہی جگہ اکٹھے نہیں رہے بلکہ مسیح کی وفات کے چند دن بعد اِدھر

اور کون سی جگہوں میں دکھائے گئے

اُدھر تتّر بتّر ہو گئے۔ نیز یہ یاد رکھیں کہ یہ معجزات چھوٹے چھوٹے گاؤں میں نہیں دکھائے گئے جہاں لوگ چالاکی

اور شرارت کو دریافت کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ رُومی سلطنت کے اُن بڑے بڑے شہروں میں دکھائے گئے جہاں علم و ہُنر کی روشنی خُوب چمکتی تھی۔ کیا ایسے ایسے شہروں میں بھی مسیح اور شاگرد اپنی چالاکی یا مکاری سے باز نہ آئے واضح ہو کہ فریب دینے والے ایسا نہیں کرتے۔ کوئی بے وقُوف ایسے کوتاہ اندیش کام کرے تو کرے مگر بے وقُوفوں کی بے وقوفی فوراً فاش ہو جاتی ہے ✣

لوگ ان معجزوں کی حقیقت کو بخُوبی جان سکتے تھے

(۵) ایک اور بات جو ہم ناظرین کے غور کے لئے پیش کرتے ہیں یہ ہے کہ لوگ مسیح کے معجزوں کی حقیقت سے اُسی وقت جبکہ وُہ وقوع میں آتے تھے۔ بلکہ وقُوع سے بہت مدت بعد بھی اُن کی حقیقت سے بخُوبی واقف ہو سکتے تھے۔ یاد رہے کہ جھُوٹے معجزے اُسی وقت بازارِ خریداری میں قیمت پاتے ہیں۔ جب کہ حاکم وقت اور صاحب اقتدار اشخاص کی رائے اور عام لوگوں کا خیال اُن کے حق میں نیک ہو پر اگر حکام کا سایہ سر پر نہ ہو اور لوگ مخالفانہ پہلو اختیار کریں اور فریبی اتنے معجزے دکھائے جتنے مسیح نے دکھائے تو تھوڑے ہی دِنوں میں فریب کی قلعی کھُل جائے۔ اب اگر آپ تاریخ کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ مسیح کے زمانہ میں بعینہٖ یہی حال تھا۔ اُس کی انجیل کو حاکم وقت کا سایۂ عاطفت کبھی نصیب نہ ہُوا لوگوں نے کبھی ہمدردی نہ دکھائی تمام دُنیا اُس کی مخالف تھی تاہم اُس نے اپنے معجزات اپنی مسیحائی کے ثبُوت میں پیش کئے۔ اور ایسی جگہوں میں قوتِ اعجاز کے کرشمے ظاہر فرمائے جہاں خاص و عام جمع ہوتے تھے اور چونکہ انجیل کا مقصد یہ تھا کہ یہُودی مذہب کی دینی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور مسیحی مذہب کا پھریرا غیر قوموں کے بوسیدہ مذاہب کے کھنڈرات

اگر یہ معجزے راست نہ ہوتے تو اُن کی قلعی فوراً کھُل جاتی کیونکہ چھوٹے بڑے سب مسیح کے مخالف تھے

پر لہرائے۔ لہٰذا اُس کے ان دعوؤں کو دیکھ کر دُنیا کی حکومت کی عداوت یہُودی اور بُت پرست کاہنوں کی مخالفت۔ تمام لوگوں کے تعصبات کی روک سارے زور سے اُس کی انجیل کی مخالفت پر ڈٹی ہُوئی تھیں۔ خصُوصاً یہُودی کاہنوں اور فریسیوں اور فقیہوں کے عناد اور بُغض اور کینے کی تو کوئی حد ہی نہ تھی جُوں جُوں اُس کے معجزات کو دیکھ کر لوگ اُس کی پیروی اختیار کرتے جاتے تھے اُسی قدر اُن کی آتش حسد بڑھتی جاتی تھی۔ کیا آپ قیاس کر سکتے ہیں۔ کہ اُن لوگوں نے جو اُس کے مخالف تھے ان معجزات کی سچائی اور جھُوٹ کے دریافت کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا رکھا ہوگا ✣

دُشمنوں کے پاس ان معجزوں کو پرکھنے کے واسطے کافی موقعہ موجود تھا

واضح ہو کہ اُس کے دُشمنوں کے پاس معجزات کے سچ اور جھُوٹ کو جاننے کے لئے عمدہ اور موزوں موقعے موجود تھے لوگوں نے اکثر اپنے بزرگوں سے معجزات منسُوب کئے ہیں مگر وُہ دائرہ تحقیقات سے ہمیشہ باہر پائے گئے ہیں مثلاً فرانسیس زیویر سے بھی کئی معجزات منسُوب کئے گئے ہیں پر اگر پُوچھا جائے کہ کہاں اور کب سرزد ہوئے تو ان سوالوں کے جواب اِس صُورت میں دئے جاتے ہیں کہ اُن کی نسبت تحقیق کرنا نہایت مُشکل بلکہ محال معلوم ہوتا ہے کون اُن مشرقی ممالک میں گھُومے جہاں جہاں زیویر گھُوما۔ کون اُن لوگوں کو جمع کرے جو اُس وقت اُن جگہوں میں رہتے تھے۔ کون اُن سے پُوچھے کہ تم زیویر کے معجزوں کی نسبت کیا کہتے ہو۔ کیا زیویر نے کبھی تمہارے سامنے معجزہ دکھانے کا دعوےٰ کیا؟ پر مسیح کے معجزوں کی نسبت ایسا نہیں کہا جا سکتا رسُولوں نے اُن معجزوں کی اُنہیں جگہوں میں منادی کی جہاں وُہ دکھائے گئے تھے۔ بلکہ برعکس اس کے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کاہن اور فقیہہ اور فریسی اُس کے معجزات کے متعلق مشورہ کرتے تھے اور جب دیکھتے تھے کہ ہم اُن کا انکار نہیں کر سکتے تو آخر کار بعل زبول سے منسُوب کرتے تھے۔ مگر اُن کے وقُوع کا انکار ہرگز نہیں

کر سکتے تھے اُس کے شاگرد بڑی دلیری اور بیباکی سے مسیح کے مُعجزات کی منادی سب لوگوں کے سامنے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ دیکھئے کس طرح پطرس نے پینتکوست کے موقعہ پر ہزارہا لوگوں کی طرف متوجّہ ہو کے جو جگہ جگہ سے یروشلیم آئے ہُوئے تھے یہ کہا ”اَے اسرائیلیو! یہ باتیں سُنو کہ یسُوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خُدا کی طرف سے ہونا تُم پر اُن مُعجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہُوا جو خُدا نے اُس کی معرفت تُم میں دکھائے“۔ اعمال ۲: ۲۲۔ وُہ لوگ اسی قسم کی بار بار منادی کیا کرتے تھے۔ کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ایسے دعوے سُن کر لوگ خاموش بیٹھے رہتے تھے کسی طرح کی تحقیقات نہیں کیا کرتے تھے؟

اس کے ساتھ ساتھ اس خیال کی طرف بھی توجہ فرمائیے کہ وُہ شخص کون تھے جن کے مُعجزانہ کاموں کا امتحان اور ملاحظہ اس طرح کیا جا سکتا تھا۔ اگر وُہ لوگ زیورِ علم سے آراستہ ہوتے۔ اگر دولت کے ساز و سامان سے مالامال ہوتے یا یُوں کہیں کہ اگر اُن کے پاس فریب دہی کے سب سامان اور اسباب مہیّا ہوتے تو شاید اُن کی فتنہ پردازیوں کو پوست برکندہ کرنا مشکل ہوتا۔ پر مسیح اور اُس کے شاگرد کیا تھے جو فریب کاری میں بے روک ٹوک کامیاب ہوتے چلے جاتے۔ اُن کو نہ اپنی سوسائٹی میں اور نہ علم و ہُنر کی دُنیا میں ایسا رُتبہ حاصل تھا کہ اُن کے فریب کی پردہ دری نہ ہوتی کیا اِس سے بڑھ کر بھی کوئی مُعجزہ ہو سکتا ہے کہ ایک بے نوا بڑھئی جس نے کبھی کسی مدرسے یا سکُول میں تعلیم نہیں پائی تھی۔ اپنے شاگردوں کے ساتھ جو گُمنام اور اَن پڑھ مچھوے تھے اور سوائے ماہی گیری کے اور کُچھ نہیں جانتے تھے مِل کر ایک ایسا عجیب منصُوبہ فریب کا باندھا کہ ہزارہا دُشمنوں میں سے جو بخُوبی اُس کی اور اُس کے شاگردوں کی شرارت کو دریافت کر سکتے تھے ایک بھی ایسا نہ نِکلا جو اُن کے بھید سے واقف

ہو کر اُن کی سازش کو طشت از بام کر دیتا ۔

(۶) پھر ایک اَور قابلِ یاد بات ہے۔ کہ تاریخ بتاتی ہے کہ قدیم مسیحیوں کو لوگوں نے بہت پھُسلایا اور دھمکایا کہ وُہ اُس عقیدے کو جسے اُنہوں نے مُعجزوں کی شہادت کے زور پر قبُول کیا تھا چھوڑ دیں لیکن اُنہوں نے اپنی جان دے دی مگر یہ نہیں کہا کہ ہم نے مُعجزے نہیں دیکھے بلکہ بڑا دھوکا کھایا ہے۔ ہاں اُن میں سے کبھی کسی نے یہ نہ کہا کہ جن فوق العادت اظہارات کو درُست سمجھ کر ہم نے انجیل کی تعلیمات کو قبُول کیا تھا وُہ جھُوٹ نکلے۔ دعوے یہ نہیں کہ کبھی کسی شخص نے قدیم زمانہ میں مسیحی عقیدے کو ترک نہیں کیا کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ کئی ضعیف ایمان لوگوں نے شکنجوں اور آگ کے شعلوں اور تلوار کی دھار کے ڈر سے مسیح کے نام کا انکار کیا۔ مگر دعویٰ یہ ہے کہ اُن میں سے کسی نے یہ نہ کہا کہ وُہ مُعجزے جن کو ہم نے صحیح جانا تھا جھُوٹے تھے وُہ جو مسیح پر ایمان لاتے تھے اُن کو رسُولوں کے پوشیدہ حال سے بخُوبی واقفیت ہو جاتی تھی کیونکہ وُہ مسیحی ہونے کے بعد مسیحی مذہب کے ہمدرد سمجھے جاتے تھے لہٰذا اُن سے کسی طرح کا پردہ نہیں تھا۔ اگر مسیح اور اُس کے شاگرد اپنے مُعجزات کے معاملے میں جھُوٹے ہوتے اور اگر وُہ کسی طرح چالاکی کو کام میں لاتے تو وُہ لوگ جو اُن سے آملے تھے ضرُور اُن کی چالاکی کو جان لیتے......

............اور اُن میں سے وُہ جنہوں نے پھر مسیح کا اِنکار کیا ضرُور اگر کوئی چالاکی یا فریب ہوتا۔ تو افشائے راز کر دیتے۔ اوّل تو وُہ خود ہی عیسائیوں کے دھوکے سے تنگ آکر ایسا کرتے۔ دوم مسیح کے دُشمنوں کے سامنے ایسا کرنے سے بہت سا انعام بھی پاتے۔ اَب یہ بات یہُودا اسکریوطی کے حال سے بخُوبی کھُل جاتی ہے۔ وُہ اُن بارہ شاگردوں میں سے تھا جو ہمیشہ مسیح کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ وُہ رُوپے پیسے کا حساب رکھّا کرتا تھا۔ اگر مسیح کے کاموں پر کسی طرح کا پردہ پڑا ہُوا

تھا تو یہودا اُس سے بخوبی واقف تھا۔ اگر یسوع کسی فریب سے کام لیا
کرتا تھا تو یہودا جانتا تھا۔ کہ وہ فریب کیا ہے۔ اور اس فریب کو
طشت از بام کرنا بھی اُس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ کیونکہ جب اُس نے
خود معجزے دکھانے والے (یعنی یسوع) کو پکڑوا دیا تو اُس کے فریب کو
(اگر فریب اُس کے کاموں میں داخل ہوتا) فاش کرنا اُس کے لئے ناممکن
کام نہ تھا۔ ماسوائے اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کے لئے ہر طرح کی ترغیب
موجود تھی کہ چھپے ہوئے رازوں کو فاش کر ڈالے۔ چنانچہ اگر کوئی فریب ہوتا۔
اگر کوئی چالاکی ہوتی اور وہ اُسے ظاہر کر دیتا تو ایسا کرنے سے اُسے زیادہ
روپے اپنی خدمت کے صلے میں دستیاب ہوتے۔ پر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا
اُس نے کوئی ایسی بات مسیح کے دشمنوں کو بتائی جس سے یہ ثابت ہوتا
کہ مسیح کے معجزے چالاکی یا فریب کے ہتھکنڈے تھے؟ برعکس اس کے
ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مسیح کے بدن کو تو مصلوب ہونے کے لئے پکڑوا دیتا
ہے۔ مگر اُس کی سیرت پر کسی طرح کا عیب نہیں لگاتا۔ وہ اُس کے کاموں کو
فریب سے منسوب نہیں کرتا۔ اور نہ اُن کی حقیقت کا منکر ہے۔ آپ ذرا
کائفا کے دربار کا ملاحظہ فرمائیں۔ مسیح وہاں بصورت مجرم موجود ہے۔ گواہ
طلب کئے جاتے ہیں۔ کیا یہودا اُن گواہوں کے درمیان موجود ہے؟ گواہ
طلب کئے جاتے ہیں۔ اظہارات لئے جاتے ہیں۔ کیا یہودا اُن گواہوں کے
درمیان موجود ہے؟ گواہ تو حاضر ہیں۔ پر یہودا کہاں ہے؟ کیا وہ شخص
جس نے اُس کے بدن کو تیس روپیہ میں بیچ ڈالا۔ اب اُس کے برخلاف
کچھ نہیں کہیگا؟ کیا کائفا اور دیگر مخالف اِس نکتے کو نہیں سمجھتے کہ اس موقعہ
پر یہودا کی گواہی اکسیر ہوگی؟ کیا یہودا نہیں جانتا کہ اگر ایک لفظ بھی اس
موقعہ پر اپنی زبان سے کہہ دوں تو جیب زرموں سے پُر ہو جائیگی؟ ہاں یہودا
کی گواہی کی جو وقعت اُس وقت ہو سکتی تھی اُسے یہودی اور یہودا بخوبی جانتے

تھے۔ تاہم یہودا نے کوئی الزام مسیح پر نہ لگایا۔ بلکہ اُس نے بڑے عجیب طور پر
مسیح کی راستبازی اور اُس کے کاموں کی سچائی پر گواہی دی۔ یہودا بڑا لالچی اور
طامع شخص تھا۔ اُس نے اپنی طمع کے سبب سے مسیح کو پکڑوایا مگر بعد میں
جب ضمیر کی کاوش نے ستانا شروع کیا تو اُس نے وہ روپے جو مسیح
کے دشمنوں سے لئے تھے پھینک دئے۔ اور کاہنوں اور بزرگوں کے
رُوبرُو اقرار کیا کہ "میں نے گُناہ کیا کہ بے قصور کو قتل کے لئے پکڑوایا"۔
یاد رہے۔ کہ یہودا جانتا تھا۔ کہ میری اِس حرکت سے اُن لوگوں کا تازہ
غضب مشتعل ہو جائیگا۔ مگر پھر بھی اُس نے مسیح کی بے گناہی کا اقرار کیا۔ پر
اُس نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ ضمیر کی ملامت سے تنگ آ کر اپنے تئیں قتل
کر ڈالا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "وہ رُوپوں کو مقدس میں پھینک کر چلا گیا اور
جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی"۔ اگر ہم کسی بات کی صداقت اور راستی کی گواہی
چاہتے ہیں۔ تو ہمیں اس سے بڑھ کر اور کوئی مضبوط گواہی نہیں مل سکتی ٭

اگر انجیلی معجزات فی الحقیقت وجود میں نہ آئے تو مسیح اور اُس کے شاگردوں نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا

(۷) واضح ہو کہ ان معجزات کے
متعلق دو باتوں میں سے
ایک بات ضرور ماننی پڑتی ہے۔ یعنی یا تو ہم یہ مانیں کہ وہ معجزات جن کا
ذکر انجیلوں میں درج ہے فی الحقیقت وجود میں آئے اور یا ہم یہ مانیں کہ
کوئی معجزہ سرزد نہیں ہوا بلکہ لوگوں نے جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ معجزہ
وقوع میں آیا ہے۔ اب اگر مسیح کے معجزات حقیقی معجزات نہ تھے۔ اگر اُس کے
رسُولوں کے معجزات حقیقی معجزات نہ تھے تو وہ لوگ جو معجزہ دکھانے کا
دعوے کرتے تھے۔ یعنی مسیح اور اُس کے رسُول جانتے تھے کہ جب ہم ان
کاموں کو معجزہ کہتے ہیں تو ہم جھوٹ بولتے ہیں۔ پس وہ جانتے تھے کہ ہمیں
خدا نے مقرر نہیں کیا اور نہ اُس نے ہم کو بھیجا ہے۔ مگر پھر بھی ہم یہ دعوے
کرتے ہیں کہ ہمیں خدا نے اپنا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ اب اگر یہ بات صحیح

ہے تو وہ دیانت دار یا خدا پرست یا دِین دار لوگ نہ تھے۔ کیونکہ اگر وہ دیانتدار
اور دین دار لوگ ہوتے۔ اگر وہ صادق اور راستی پسند آدمی ہوتے تو ایسی جعلسازی
کو کام میں نہ لاتے۔ پھر سوال برپا ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اس جعل سازی کو کس مقصد

اگر یہ سچ ہے تو اُنہوں نے یہ جعل سازی کسی نہ کسی لالچ کے لئے اختیار کی

سے اختیار کیا؟ کیا فائدہ مدِّ نظر تھا۔ کہ
جو کام معجزے نہ تھے اُنہوں نے لوگوں کی
نظروں میں اُنہیں معجزے بنادیا؟ کیونکہ دغاباز اور دروغ گو لوگوں سے بھلائی
کی توقع نہیں ہو سکتی اور نہ ہم اُسے بھلائی کہہ سکتے ہیں جس کی بنا دغابازی
اور جعل سازی پر قائم ہے۔ پس اُن کا مقصد سوائے اپنی حرص اور لالچ کو پورا
کرنے کے اور کچھ نہ تھا۔ اب اگر یہ دعویٰ درست ہو تو ہمیں یہ کہنا پڑیگا کہ

پر لالچ کو پُورا کرنے کے لئے یہ طریقہ بڑا ناقص طریقہ ہے کیونکہ اس سے کوئی دُنیاوی غرض پُوری نہیں ہوتی

اُنہوں نے اپنے لالچ کو پُورا کرنے کے لئے
ایک ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے سوا
حماقت اور نقصان کے اور کچھ نہیں ہٹ سکتا
کیونکہ ایسے طریقوں کے اختیار کرنے سے دُنیاوی غرض کبھی پُوری نہیں ہو سکتی
اب آپ تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کریں کہ وہ جھوٹے اور جعل ساز آدمی تھے۔
کہ وہ اپنی مطلب براری کے لئے معجزوں کا دعوےٰ کیا کرتے تھے اور اُن کے
معجزات کو نظرِ تعمّق سے دیکھتے ہُوئے اُن میں کسی دُنیوی غرض کا سُراغ لگائیں
کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ آپ اُن میں یہ سُراغ لگا سکینگے۔ کہ مسیح اور اُس کے
شاگرد حریص اور دُنیادار آدمی تھے؟ اگر آپ اُن معجزات کا ملاحظہ فرمائیں تو
آپ یہ دیکھ کر حیران ہونگے کہ گو مسیح کے معجزات بے شمار اور قسم قسم کے

پر اُن کی کوئی دُنیاوی غرض نہ تھی

تھے اور مختلف موقعوں اور حالتوں میں دِکھائے
گئے تھے تاہم اُن سے کوئی دُنیاوی غرض نہیں ٹپکتی ہے۔ اب اگر ہم اُنہیں جھوٹے
معجزے تصوّر کریں تو اَور بھی حیرت آتی ہے کہ اُن پر ایسی عجیب حکمت سے
روغن کیا گیا ہے کہ دیکھنے والوں میں سے ایک نے بھی اُن کے اصل مطلب کو نہ

پہچانا۔ اب کسی مُلک یا کسی زمانہ کے جھوٹے معجزوں کو لیجئے اور تاریخی حالات
دریافت کیجئے۔ آپ کو فوراً معلوم ہو جائیگا کہ اُن کے مدعیوں کا اصل مطلب
کیا تھا۔ پر اگر مسیح اور اُس کے شاگردوں کے معجزے جھوٹے معجزے تھے
تو یہ ماننا پڑیگا۔ کہ اُنہوں نے سب معجزوں سے انوکھا معجزہ یہ دکھایا کہ اپنی
اصل غرض کو ایسی حکمت سے چھپایا کہ کوئی شخص اُسے نہ جان سکا۔ بات اصل یہ
ہے کہ اُن سے کسی طرح کی دُنیوی غرض۔ کوئی ادنےٰ مقصد مُترشح نہیں ہوتا بلکہ
اُن کی خاصیّت سے خُدائے تعالےٰ کی الٰہی شوکت۔ اُس کی پاکیزگی۔ اُس کا انصاف
اُس کا فضل۔ اُس کا رحم اور اُس کی محبّت ظاہر ہوتی ہے۔ ہاں مسیح کے معجزات
اُس کی جلیل سیرت اور عالی شان عُہدے سے مطابقت رکھتے ہیں۔ وہ اُس کے
عُہدے کو ثابت کرتے اور اُس کی محبّت بھری زندگی کو روشن کرتے ہیں۔ یا
یا یُوں کہیں کہ اُن پر الٰہی تجلّی اور بے غرضی اور محبّت کی مُہر لگی ہُوئی ہے۔ اُن سے
کوئی ایسی بات نہیں ٹپکتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ مسیح اور اُس کے شاگردوں
نے یہ ساری کارستانی اپنی کسی مخفی غرض کو پُورا کرنے کے واسطے اختیار کی۔
دیکھئے کہ وہ جا بجا دُشمنوں سے گِھر جاتا ہے۔ وہ کبھی اُسے پتھراؤ کرنا چاہتے
ہیں۔ کبھی پہاڑ پر سے گرانے کی فِکر میں لگ جاتے ہیں۔ کبھی اُسے ٹھٹھوں
میں اُڑاتے ہیں اور آخرکار بصد تحقیر و تکفیر اُسے صلیب پر چڑھا دیتے
ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ گو وہ عجیب طرح کی قُدرت رکھنے کا دعوےٰ
کرتا ہے تاہم اُس سے کبھی کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوتی جس سے انتقام
کی بُو آئے۔ لوگ اُسے حقارت کی نظر سے دیکھتے اور ردّ کرتے ہیں مگر اُس کے
معجزات سے نہ اشتیاق ناموری نہ حصُولِ دَولت اور نہ تمنّائے عزّت کی
خواہش ظاہر ہوتی ہے۔ گو ہزاروں کو سیر کرتا ہے۔ مگر خود بے زر اور بے گھر
ہے۔ وہ نیک گڈریے کی طرح دُوسروں کی جانوں کی سلامتی ڈھونڈتا ہے۔
مگر اپنی جان کی پروا نہیں کرتا۔ اُنہیں دُکھ اور محتاجی سے رہائی دینے کو

تیار ہے۔ مگر اپنی فکر مطلق نہیں کرتا۔ ان باتوں کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ اگر مسیح کے معجزات جھوٹے تھے تو اُن کے جھوٹ کے سامنے سچائی ماندہے اور یہ بھی ایک معجزہ ہے ؞

مسیحی مذہب کے قدیم مخالف ان معجزوں کے وقوع کے قائل ہیں

(۸) پھر آپ دیکھئے کہ مسیح کے مخالف اور دشمن بھی صاف اقرار کرتے ہیں کہ اُس کے معجزے فی الحقیقت وقوع میں آئے اور اُن کا یہ اقرار پہلے اس صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے کہ اُس زمانہ کے تمام یہودی اور غیر قوم ایک لفظ بھی اُن معجزات کے وقوع کے برخلاف نہیں کہتے اور نہ اُن میں سے کبھی کسی شخص نے یہ دعوےٰ کیا کہ جو معجزات مسیح سے منسوب کئے جاتے ہیں وُہ فریب کا ڈھکوسلا ہیں۔ ہم پھر منّت کرتے ہیں کہ آپ اِس بات کو نہ بھولیں کہ یہ معجزات حواس خمسہ سے محسوس کئے جاتے تھے اور روزروشن میں واقع ہوتے تھے اور جا بجا اُن کی شہرت ہو جاتی تھی۔ اب اگر آپ رُوح پاک کے معجزانہ نزول کا معجزہ لیں جو پنتیکوست کے دن وقوع میں آیا تو آپ دیکھینگے کہ اُس روز مسیح کے شاگردوں کو جو بالکل اَن پڑھ تھے اور جن کو سب لوگ جانتے تھے کہ اَن پڑھ ہیں مختلف زبانیں بولنے کی طاقت بخشی گئی اور لوگوں نے جو کریت۔ عرب۔ مسوپتامیہ اور دیگر ممالک سے آئے ہُوئے تھے مسیح کے شاگردوں کو اپنی اپنی بولی میں خدا کے عجیب کاموں کی منادی کرتے سُنا۔ اب آپ دیکھیں کہ یہ واقع نزدیک و دُور مشہور ہو گیا تھا۔ اس کی منادی کی گئی تھی اور آخر کار اعمال کی کتاب کے وسیلے شائع بھی ہُوا یُوں اُس کی سچائی اور جھوٹ کے پرکھنے کا موقع لوگوں کو ہر طرح سے حاصل تھا۔ گویا اس معجزے کا اشتہار اس بات کا اشتہار تھا اگر کوئی اُس کی سچائی کو جھٹلا سکتا ہے تو جھٹلائے۔ اگر اس معجزے میں کوئی کھوٹ ہوتا اور وُہ اُسے چھپایا چاہتے تو اس کام کے لئے بھی معجزے کی

ضرورت پڑتی۔ بیشک اگر انجیلی معجزات میں سے کسی میں بھی جھوٹ یا فریب کی آمیزش ہوتی تو تمام یہودیہ اور یُونان نکتہ چینی سے گونج اُٹھتا اور یہودیوں اور غیر قوموں کی کتابوں میں جلی قلم سے وُہ کھوٹ یا جھوٹ شائع کیا جاتا اور مابعد زمانہ کے مخالفین دینِ عیسوی اُس کو بڑی قدر کے ساتھ اپنی کتابوں میں اقتباس کرتے۔ پر کیا ایسا کیا گیا؟ یہودی اور یُونانی اور رُومی تاریخ کی ورق گردانی کیجئے اور دیکھئے کہ کہیں اس قسم کا اعتراض مسیح یا اُس کے شاگردوں کے معجزات کی نسبت نظر آتا ہے ؞

تاریخ کہتی ہے کہ نہیں۔ اگر سچ پُوچھا جائے تو مسیحی معجزوں کی صداقت کا یہ خاموش اقرار دُشمنوں کی جانب سے اُن کے وقوع کا کافی اقرار ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر ہم اُن لوگوں سے اس بارہ میں اور کوئی گواہی طلب نہیں کر سکتے۔ واقعی یہودیوں اور غیر قوموں اور بُت پرست رہبروں اور مُوسوی کاہنوں اور یروشلیم کے فقیہوں اور فریسیوں کا نتھ اور رُوم اور افسس کے فلاسفروں کا اس معاملہ میں خاموش رہنا اور عیسوی معجزات کی صداقت کے برخلاف کچھ نہ کہنا اُن کی صداقت اور حقیقت کا ایک عُمدہ ثبوت ہے۔ پر اگر یہ دیکھ کر بھی لوگ یہ کہیں کہ نہیں ہم کو مخالفوں کی گواہی اُنہیں کے الفاظ میں چاہیئے۔ تو ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ گو آپ کی یہ درخواست ایک ناجائز درخواست ہے۔ پر آپ کو خوش کرنے کے لئے ہم اِس تقاضے کو بھی دُور کرنے کو تیار ہیں۔ اب اگر آپ پہلے مسیح کے ہمعصر مخالفوں یعنی

یہودی اُن کے قائل ہیں

یہودیوں کی طرف متوجہ ہوں تو آپ دیکھینگے کہ وُہ اس کے معجزوں کی حقیقت کے مقر ہیں۔ ہم اُوپر دیکھ چُکے ہیں کہ انجیلوں کی تواریخی اصلیّت اور معتبری کا انکار کوئی شخص نہیں کر سکتا لہٰذا جو تواریخی بیانات اُن میں درج ہیں وُہ ہماری توجہ کے لائق ہیں۔ اب دیکھئے کہ وُہ یہودی جو مسیح اور اُس کے شاگردوں کے مخالف تھے۔ اُن کے معجزوں کے حق میں کیا

کہتے ہیں۔ مسیح کے مُعجزوں کی نسبت سردار کاہنوں اور فریسیوں کی گواہی اِس طرح مرقوم ہے۔ "پس سردار کاہنوں اور فریسیوں نے صدرِ عدالت کے لوگوں کو جمع کر کے کہا ہم کرتے کیا ہیں؟ یہ آدمی تو بہت مُعجزے دکھاتا ہے"۔ (یُوحنّا ۱۱: ۴۷) اسی طرح اُس کے شاگردوں کے مُعجزے کی نسبت لکھا ہے کہ اُنہوں نے کہا "کہ ہم اِن آدمیوں کے ساتھ کیا کریں؟ کیونکہ یروشلیم کے سب رہنے والوں پر روشن ہے کہ اُن سے ایک صریح مُعجزہ ظاہر ہُوا اور ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے"۔ (اعمال ۴: ۱۶) پھر پطرس نے پینتکوست کے روز دعویٰ کیا کہ تمام اسرائیلی جماعت جو اُس کے سامنے حاضر تھی اس بات سے واقف تھی کہ "یسُوع ناصری ایک شخص تھا۔ جس کا خُدا کی طرف سے ہونا تم پر اُن مُعجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہُوا" (اعمال ۲: ۲۲) یہُودیوں نے کبھی مسیح کے مُعجزوں کے وقوع کا انکار نہیں کیا۔ وُہ اگر حُجّت کرتے تھے تو یہ کہ اُس کے مُعجزے بعل زبول کی مدد سے وقوع میں آتے ہیں۔ اِس اعتراض کو ہم ذرا آگے چل کر رفع کریں گے۔ فی الحال ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یہُودی ان کے وقوع کے قائل تھے اَب اگر ہم نوشتوں کو چھوڑ کر یہودیوں کی غیر الہامی کتابوں کی طرف رُخ کریں تو وہاں بھی ہم اِس اِقرار کو اُن کے مُنہ سے سُنینگے۔ مثلاً تالمُود میں وُہ ان مُعجزوں کے وقوع کو تسلیم کرتے ہیں گو وہاں بھی وُہ یہی حُجّت قائم کرتے ہیں کہ یہ مُعجزات جادُو کے وسیلے یا یہوّاہ کے نام کو ایک خاص طور پر استعمال کرنے کے سبب سے وقوع میں آئے۔ ہم نے دیکھا کہ تمام یہُودی انجیلی مُعجزات کے

غیر قوم قائل ہیں

وجُود اور وقوع کے مقرر تھے۔ برعلاوہ یہُودیوں کے غیر قوموں کے فاضل اور علماء بھی ان مُعجزات کے قائل تھے۔ مثلاً

سیلسس

سیلسس جو دُوسری صدی کے آخری حِصّہ میں موجُود تھا اور جس نے مسیحی مذہب کے برخلاف اپنے قلم سے بہت سا کام لیا نہ

صرف انجیل کے بڑے بڑے تواریخی واقعات کو صحیح سمجھتا تھا بلکہ اِس بات کا بھی اقرار کرتا ہے کہ مسیح نے بہت سے مُعجزات دکھائے جن کے وسیلے اُس نے بہت سے لوگوں کو اپنا پیرو بنایا وُہ اپنی تحریر میں اُن کے وجُود یا وقوع کا انکار نہیں کرتا گو اُن کو حقیقی واقعات تسلیم کر کے یہ دکھانے کی کوشش کرتا ہے کہ وُہ جادُو سے (جو اُس کے زعم میں یسُوع نے مصر میں سیکھا تھا) دکھائے گئے۔

ہائیراقلیز

ہائیراقلیز نے جو تبھنیا میں حاکم تھا اور مسیحیوں کو سخت ایذائیں پہنچایا کرتا تھا ایک کتاب میں جو اُس نے مسیحی مذہب کے برخلاف لکھی تھی مسیح کے مُعجزوں کو مانا ہے۔ البتّہ وُہ اِس کتاب میں مسیح کے مُعجزوں کو ایک شخص کے معجزوں کے ساتھ جس کا نام اپالونی اس تھا اور جو غیر قوموں میں سے تھا اور ٹیانا کا رہنے والا تھا مقابلہ کرتا ہے۔ تاکہ یہ ثابت کرے کہ اور لوگوں نے بھی کرامتیں دکھائی ہیں اور یوں مسیحیوں کا مُنہ بند کرے اور اُنہیں مسیح کو خُدا کہنے اور ماننے سے روکے۔ لیکن اس شخص اپالونی اَس کے تاریخی حالات پر ایسا پردہ پڑا ہُوا ہے کہ ہم اُس کے مُعجزوں کی صداقت کی نسبت کچھ نہیں جان سکتے اسی طرح شہنشاہ جولین جو مسیحیوں کا جانی دُشمن اور جو چوتھی صدی میں موجود تھا مسیح کے مُعجزوں کو مانتا ہے چُنانچہ وُہ کہتا ہے "یسُوع نے کوئی کام شہرت کے لائق نہیں کیا اگر کیا ہے تو اُن کے لئے کیا ہے جو یہ ماننے کو تیار ہوں کہ لنگڑوں کو چنگا کرنا اور اندھوں کو آنکھیں دینا اور بیت صیدا کے گاؤں میں دیوں کو نکالنا بڑے بڑے کاموں میں داخل ہیں"۔ وُہ مانتا ہے کہ یسُوع ناپاک رُوحوں پر بڑا اختیار رکھتا اور سمندر کی سطح پر چلتا تھا ❊

تعجّب ہے کہ اُن لوگوں نے اُن مُعجزوں میں کوئی انہونی بات نہ دیکھی۔ مگر آج کل ایسے بال کی کھال اُتارنے والے نکتہ چیں پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے دریافت کر لیا ہے کہ مسیح اور اُس کے شاگردوں نے کبھی اپنے دعوؤں اور

تعلیموں کو معجزوں کے وسیلے ثابت نہیں کیا حالانکہ اُن لوگوں نے جو اُن کے زمانہ میں یا اُسی زمانہ کے آس پاس موجود تھے ۔ اور جو اُن کے مذہب سے سخت مخالفت رکھتے تھے اور جو صاحب علم بھی تھے اور سچ اور جھوٹ کو پرکھنے کی کافی لیاقت رکھتے تھے کبھی ان معجزوں کا انکار نہ کیا تعجب ہے کہ سیلسس اور پارفری اور ہائیرآکلیز اور جولین اور فقیہ اور فریسی مسیحی معجزوں کے اصل بھید سے واقف نہ ہوئے حالانکہ وہ بڑے عالم اور پُرجوش مخالف تھے مگر ہمارے ہمعصر بھائیوں نے جو مسیح کے زمانہ سے ۲۰ صدی دُور نکل آئے ہیں اُس بھید کو پا لیا ॥

قدیم مسیحیوں نے انہیں قبول کیا ہے اور ان کی گواہی زیادہ وقعت رکھتی ہے

(۹) لیکن ہم آخر میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس مخالفوں کی گواہی کی نسبت بہتر گواہی موجود ہے اور وہ ایمان داروں کی گواہی ہے ۔ فرض کیجئے کہ یہی سیلسس جس کا ذکر ہم اُوپر کر چکے ہیں اگر نہ صرف ان معجزات کے وقوع کا اقرار ہی کرتا بلکہ ان کی گواہی کی صداقت کے زور کو محسوس کر کے بُت پرستی چھوڑ دیتا اور طرح طرح کی اذیتیں سہہ کر اور موت کے خطروں میں پڑ کر مسیح کی پیروی قبول کرتا اور اُس کی خدمت میں مصروف ہوتا ۔ تو کیا اُس کی گواہی کا زور کم ہو جاتا یا اُس کی گواہی اور بھی زیادہ اعتبار کے لائق ٹھہرتی ؟

جو دشمن مطیع ہو جاتا ہے اُس کی گواہی زیادہ معتبر ہوتی ہے

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر وہ مسیحی معجزات کی گواہی کے زور کو محسوس کر کے مسیحی کی پیروی قبول کر لیتا تو کیا ہم اُس کی گواہی کو یہ سمجھ کر کہ وہ مسیح کے ایک دوست کی گواہی ہے ناقص سمجھتے یا یہ جان کر کہ وہ ایک ایسے شخص کی گواہی ہے جو پہلے دشمن تھا زیادہ معتبر گردانتے ؟

عقل اور انسانی دستور تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اُس کی گواہی کو بڑا زور آور

سمجھتے ۔ اب اگر ہم اس قسم کے ہزارہا لوگوں کی نظیریں پیش کریں تو کیا آپ اس بات کو تسلیم نہ کریں گے ۔ کہ اُن کی گواہی اُن مخالفوں کی گواہی سے ، جن کا ذکر اُوپر کیا گیا زیادہ اعتبار کے لائق ہے ؟ آپ اگر ذرا غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ مسیح کے رسُول ایسے ہی آدمی تھے ۔ مگر لوگ اُن کی گواہی کو بے ریا گواہی نہیں سمجھتے کیونکہ وہ کہتے ہیں ۔ کہ وہ تو مسیح کے دوست تھے ۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ آپ بتائیے کہ وہ کیا بات تھی جس نے انہیں مسیح کا دوست بنایا ؟ کیا وہ اور آدمیوں کی مانند آدمی نہ تھے ؟ کیا وہ اور یہودیوں کی طرح یہودی نہ تھے ؟ پولُوس کی طرف دیکھئے کہ وہ کسی زمانہ میں عیسائیوں کے خون کا پیاسا تھا ۔ اُسے کس بات نے مسیح کا دوست بنایا ؟ ان تین ہزار لوگوں کی طرف متوجہ ہو جئے جو پینتیکوست کے دن عیسائی ہوئے جو ایذا رساں یہودیوں میں سے تھے ۔ اُنہیں کس بات نے مسیح کا دوست اور پیرو بنایا ؟ کیا اس بات نے کہ وہ مصلوب مسیح کی پیروی سے دُنیاوی عزت یا فائدہ کی توقع رکھتے تھے ؟ یا کیا اِس بات نے کہ وہ لوگوں کی ملامت کو پسند کرتے اور دُکھ سے حظ اُٹھاتے اور موت کو عزیز جانتے تھے ؟

مسیح کے رسُول اور قدیم پیرو اِسی قسم کے لوگ تھے

یہ لوگ مسیح کے دوست کس طرح بنے

یا اِس بات نے انہیں اُس کا دوست بنایا کہ جب اُنہوں نے مسیح کے معجزات پر اور خصوصاً اُس کے جی اُٹھنے پر غور کیا تو ان معجزوں کو ایسا برحق پایا کہ ایذاؤں کا خوف اور مال و دولت اور خویش و اقارب کی جُدائی کا خیال اُن کو مسیح کی پیروی سے روک نہ سکا ۔ پھر اُن ہزارہا لوگوں پر غور کیجئے جو یہودیوں اور غیر اقوام میں سے رسُولوں کے ایّام خدمت میں مسیح پر ایمان لائے کہ وہ بھی کام اور کلام سے سخت عذاب اور موت کی حالت میں مسیح کے کاموں پر گواہی دیتے ہیں ۔ اب آپ بتائیے کہ ان لوگوں کی گواہی کیسی وقعت رکھتی ہے ؟ آپ کیا وجہ اُس

تبدیلی کی بتا سکتے ہیں جو اُن کی عادات و جذبات اور اوضاع و اطوار میں مسیحی ہونے کے بعد واقع ہُوئی؟ کیا اُس تبدیلی کی وجہ درحقیقت یہ

اُن کی تبدیلی کی اصل وجہ

نہیں تھی۔ کہ اُنہوں نے بڑی سنجیدگی سے مسیح کے کام اور کلام کو راست اور برحق قبُول کیا؟ اور اگر کوئی یہ کہے کہ نہیں وُہ دِل سے ان باتوں کے قائل نہ تھے تو اُس کا یہ کہنا گویا یہ دعوےٰ کرنا ہے کہ اُنہوں نے بڑی بڑی خود انکاریاں بغیر کسی غرض یا ضرورت کے سہیں حالانکہ اُن کو بے ضرورت سہنا انسانی طبعیّت کے سراسر برخلاف تھا۔ کیا وُہ نہیں جانتے تھے کہ مسیحی ہو کر ہمارا مال ہم سے چھن جائیگا۔ دُکھ سہنا اور موت کا شکار ہونا پڑیگا؟ پھر وُہ کیوں عیسائی ہُوئے؟ اور کیوں اُس وقت جبکہ عیسائی ہونے کے بعد لوگوں نے اُن کو ناچیز سمجھنا شروع کیا۔ جب وُہ کُوڑے کرکٹ سے بدتر سمجھے جانے لگے جب عیسائی نام سے بڑھ کر لوگوں کے نزدیک اور کوئی ذلیل نام نہ تھا۔ جب اِس نام کے لوگوں کو عذاب دینا ہر جگہ ثواب کا باعث سمجھا جاتا تھا اور سپاہی اُن کو عذاب دینے کے لئے نئے طریقوں اور تدبیروں کی سوچ میں لگے ہُوئے تھے اور طرح طرح کی اذیتیں اُن کو پہنچاتے تھے۔ جب ہزارہا اشخاص مسیح کے نام پر گواہی دینے کے لئے قتل کئے جاتے تھے۔ ہم پُوچھتے ہیں کہ اُنہوں نے کیوں اُس وقت ثابت قدمی دکھلائی اور موت کا پیالہ پیا حالانکہ وُہ خُدا کے انکار سے اپنے تئیں بچا سکتے تھے؟ اِس کا جواب اور کوئی نہیں سوائے اس کے کہ جس بات کی گواہی دیتے تھے۔ اُس کے دِل و جان سے قائل تھے۔ پر کیا وُہ مسیحی معجزات کے سچ یا جھُوٹ سے ناواقف تھے؟ وُہ تو معجزے دکھلانے والوں کے زمانہ میں موجود تھے اور انہیں جگہوں میں رہتے تھے جہاں معجزات دکھائے گئے۔ پس اگر کوئی ان معجزات کی سچائی کو دریافت کر سکتا تھا تو یہ لوگ کر سکتے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں پر ہر طرح ثابت ہو گیا تھا کہ جو معجزات

مسیح سے منسُوب کئے جاتے ہیں وُہ فی الحقیقت وقُوع میں آئے اور بہت سے اُن میں سے ایسے بھی تھے جنہوں نے ان کو واقع ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اب پہلی صدی میں ہزارہا اشخاص اس قسم کے موجُود تھے۔ وُہ پہلے مسیحیوں کو دُکھ دیا کرتے تھے وُہ عیسائی مذہب کی بیخ کنی کے درپے رہتے تھے مگر جب اُنہوں نے انجیلی معجزوں اور دیگر حقیقتوں کو دریافت کر کے مسیحی مذہب کو قبُول کر لیا تو اپنی جانیں سچائی پر تصدّق کر دیں۔ عزیزو اگر ایسے لوگوں کی گواہی قابل اعتبار نہیں تو اس سے بہتر اور مضبُوط تر اور گواہی پیش نہیں کی جا سکتی۔ پر اگر یہ گواہی رَدّ کی جائے تو پھر تمام تاریخ اور تاریخی علم پر فاتحہ پڑھنا ایک لازمی امر ٹھہریگا ٭

جو دلائل اِس بات میں پیش کی گئی ہیں اُن کی نظر ثانی

اِس بات کے ثبوت میں کہ انجیلی معجزوں کی گواہی رَدّ نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس میں سچائی کا ہر ایک عنصر کامل انداز کے ساتھ موجُود ہے۔ ہم کئی خیالات پیش کر چکے ہیں مگر اِس بات کو ختم کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ جو دلائل پیش کی گئی ہیں اُن پر آپ ایک مرتبہ پھر نظر ڈالیں تاکہ آپ اُن کے سارے زور کو ایک دم محسُوس کر سکیں اور ایسا کرنے کے لئے آپ تھوڑی دیر کے لئے ان معجزوں کو وہمی افسانے اور اُن کے مدعیوں کو فریبی اشخاص تصوّر کریں

اگر یہ معجزے جھُوٹے تھے تو مسیح اور اُس کے شاگردوں نے ایسے کام کا بیڑا اُٹھایا جو ناممکن تھا تاہم اس میں کامیاب نکلے

اور دیکھیں کہ اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ اگر ہم یہ مانیں کہ یہ معجزے جھُوٹے تھے تو ہم کو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ یسُوع مسیح اور اُس کے شاگردوں نے ایسے کام کا بیڑا اُٹھایا جو سراسر ناممکن تھا۔ ہاں ہم کو یہ ماننا پڑیگا کہ ان نادانوں اور دیوانوں نے جو بالکل اَن پڑھ اور ادنےٰ حیثیّت کے یہُودی اور بے اختیار اشخاص تھے ایک ایسا مذہب قائم کرنے کی کوشش کی جو دُنیا کی عادات اور دستورات۔ قواعد

اور تعصبات کے بالکل برعکس تھا اور یہ اُمید رکھی کہ ان کا نوساختہ مذہب دُنیا کے مذاہب کو مسمار کر کے اُن کی جگہ لے لیگا اور اس پر طرہ یہ ہُوا کہ اس ناممکن الوقوع تجویز کو جاری کرنے کے لئے اُنہوں نے یہ پیچ کھیلا کہ اُن کاموں کے وسیلے جنہیں وُہ معجزات کہتے تھے جن کو وُہ اپنے دعوؤں کے ثبوت میں پیش کیا کرتے تھے اپنے دعوؤں کو ایسا آخر تک نبھایا کہ کوئی اُن کی چالاکی سے واقف نہ ہوسکا۔ بلکہ اُنہوں نے جھوٹے معجزوں کے وسیلے اپنے رسُولی عہدہ کی سچائی اور رُتبہ کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا اور ساتھ ہی خُدا کے جلال اور پاکیزگی پر بھی بٹہ نہ لگنے دیا؛

علاوہ بریں یہ ماننا پڑیگا کہ گو وُہ فریبی تھے مگر بڑے بڑے دانا بھی اُن کے فریب کو دریافت نہ کرسکے

ماسوائے اس کے ہمیں یہ بھی ماننا پڑیگا کہ یسُوع اور اُس کے شاگرد ایسے تھے کہ اُنہوں نے دیدہ دانستہ فریب کا سلسلہ قائم کیا جس کے سبب سے اُنہیں ہمیشہ بددیانتی کے دلدل میں مبتلا رہنا اور خُدا کی متواتر تحقیر اور تکفیر کا مرتکب ہونا پڑا اور یہ اس مقصد سے کہ یا روپیہ ہاتھ آئے یا نام حاصل ہو۔ پر اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑیگا کہ ستر سال کے عرصہ تک اُنہوں نے اپنے چال وچلن سے ایسی بےغرضی اور بےریائی۔ ایسی نیکی اور پاکیزگی ظاہر کی کہ اُن کی خودغرضی اور بدنیتی کا کچھ پتہ نہ لگا بلکہ برعکس اِس کے لوگ اُن کی کمال درجہ کی خودانکاری اور دیندارانہ علم اور لیسنتی اور پاکیزگی اور رحم اور فیاضی کے قائل ہو گئے اور یہ باتیں اِس درجہ کمال تک ظاہر ہوئیں کہ اُن کے دُشمن بھی جو اُن کی کمزوریوں اور عیبوں کے کھوج میں برابر لگے رہتے تھے۔ اُن کے فریب اور دغابازی کو پہچان نہ سکے

پھر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ گو اس سے کوئی دُنیاوی فائدہ اُن کو میسر نہ ہُوا تاہم وُہ اِس فریب کو ایسا پیار کرتے تھے کہ اس کے سبب سے موت اور ذلت جھیلتے رہے

ماسوائے اس کے ہمیں یہ بھی ماننا پڑیگا کہ یسُوع کے رسُول دولت یا عزت یا اختیار یا کسی اور چیز کے ایسے عاشق تھے کہ وُہ اُسے اوّل تو ایک

ناممکن سی تدبیر کو اختیار کر کے ڈھونڈنے لگے۔ اور جب عزت حاصل کرنے کا موقعہ آیا تو اُنہوں نے عزت کو ردّ کر دیا۔ اور پھر جب اُنہوں نے دیکھا کہ ہمارے دُشمنوں نے مسیح کو مصلوب کر کے ایک قسم کی فتحمندی حاصل کی اور اب ہمارے حصہ میں بجز شرمساری اور افلاس اور ایذاؤں کے اور کچھ نہیں آئیگا تو اُس وقت بھی اپنے شکست خوردہ رہبر کی پیروی میں ثابت قدم رہے اور اُس کی تعلیموں کو سچا بتلاتے رہے۔ اور پھر جب ایذارسانیوں کے طوفان دن بدن زیادہ گہرے ہوتے جاتے تھے اور اُنہیں معلوم ہوتا جاتا تھا کہ ہماری ثابت قدمی ہمیں ضرور طعمۂ زاغ و زغن بنائیگی۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی دیکھتے تھے۔ کہ اگر ہم اِس راہ سے پھر جائیں تو ہماری جانوں کو کچھ آسیب نہ پہنچیگا۔ مگر پھر بھی وُہ اپنی کسی نامعلوم مجذوبانہ خواہش کی پیروی میں ایسے لگے رہے کہ دُکھ پر دُکھ سہتے رہے شرمندگی پر شرمندگی اُٹھاتے رہے حتیٰ کہ انجام کار نہنگِ موت کا لُقمہ بن گئے اور پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ وُہ یہُودی ہونے کے سبب سے اس عقیدے کے بھی معتقد تھے کہ ہمیں اِس فریب اور سختی کے سبب سے ابدالآباد دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہونا پڑیگا؛

اِسی طرح ہمیں اور ناممکن باتیں بھی ماننی پڑیں گی

ہمیں علاوہ اس کے یہ بھی ماننا پڑیگا کہ مسیح اور اُس کے رسُول ایسے کم سمجھ تھے کہ اُنہوں نے اپنے دعوؤں کو رواج دینے کے لئے ایسے معجزانہ ثبوت پیش کئے جن کو جعلسازی سے پیدا کرنا سراسر ناممکن تھا۔ پھر اس سے بڑھ کر بےعقلی یہ کی کہ جس طرح اور فریبی اپنی فریب کاری کو چھپاتے ہیں اُنہوں نے کبھی اپنے جھوٹے معجزوں کو چھپانے کی کوشش نہ کی۔ بلکہ کھلے میدانوں اور بڑے بڑے شہروں اور ہر قسم کے لوگوں کے سامنے طرح طرح کے معجزے دکھاتے رہے اور پھر چند ایک میں کامیاب ہونے کو غنیمت نہ سمجھا بلکہ بڑی بےباکی سے سالہا سال تک دکھاتے

رہے معزز ناظرین ہم منت کرتے ہیں۔ کہ آپ انصاف کیجئے اور بتائیے کہ
کیا درحقیقت ہم کو یہ نہیں ماننا پڑیگا۔ کہ مسیح اور اُس کے شاگردوں میں متضاد
صفات کا اجتماع نظر آتا ہے کہ ایک طرف تو ناممکن تدبیروں کو ہاتھ لگانے
سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ ایسے چالاک ایسے غدّار اور فریب دہی میں ایسے مشّاق
اور بے مثال تھے کہ دُنیا کو اُن کا لوہا ماننا پڑا۔ کیا ہم کو یہ نہیں ماننا پڑتا کہ یہ
کوتاہ اندیش مگر نہایت ہوشیار فریبی انسانی فطرت کو ایسی اچھّی طرح سمجھتے
تھے۔ دُنیا کے حالات سے ایسے واقف کار تھے۔ یہودیہ اور یُونان اور رُوم کے
عالموں اور حاکموں کے مقابلے کے لئے ایسے عجیب طور پر مسلّح تھے۔ اور اپنی
تجویزوں کو پُورا کرنے کے فن میں ایسے ماہر۔ اپنی حرکتوں کو عجیب لباس پہنانے
کے ہُنر میں ایسے اُستادِ کار۔ اور اپنے بھیدوں کو مخفی رکھنے کے علم میں ایسے
بے نظیر تھے کہ گو اُن کے مخالفوں اور نکتہ چینوں کی آنکھ ہر دم اُن پر لگی رہتی
تھی تاہم کوئی شخص اُن کی کارروائی میں سرِ مُو نقص نہ پا سکا۔ کوئی یہ نہ کہہ
سکا لوگو تم کیا غضب کرتے ہو جو اِن فریبیوں کی بات کو سچ مانتے چلے جاتے
ہو۔ یہ جھُوٹ بولتے ہیں کیونکہ ان کے مُعجزوں سے نہ کوئی اندھا دیکھتا ہے
نہ کوئی لنگڑا چلتا ہے اور نہ کوئی مُردہ جی اُٹھتا ہے؟ بلکہ برعکس اِس کے
بیت عنیا کے باشندوں نے ایسا دھوکا کھایا کہ وُہ اِس بات کے
قائل ہو گئے کہ ہمارے گاؤں کا رہنے والا لعزر جو مر گیا تھا واقعی زندہ
ہو گیا ہے۔ اور اسی طرح یروشلیم کے باشندے بھی مسیح کے جُل میں
ایسے آ گئے کہ یہ ماننے لگ گئے کہ جو شخص جنم سے اندھا تھا اور ہمارے پاس
رہا کرتا تھا۔ وُہ اَب مسیح کے طفیل سے بینا ہو گیا ہے اور اسی طرح پانچ ہزار
اشخاص بھی دھوکے سے اس بات کے مُعتقد ہو گئے کہ عیسیٰ مسیح نے ہم بھُوکوں
کو ایک اُجاڑ پربت میں اپنی مُعجزانہ قدرت اور فیاضی سے سیر کیا ہے۔
اور یُونہی سریا کے باشندے بھی اس فریب میں آ گئے کہ وُہ بھیڑ جسے وُہ

یسُوع کے پاس لائے تھے۔ جس میں طرح طرح کے مریض اور بیمار شامل تھے
اپنے دُکھوں اور بیماریوں سے رہا ہو کر واپس گئی۔ قِصّہ کوتاہ یہ کہ تمام یہُودی
اور بُت پرست دُنیا ان بے علم اور سادہ لوح اور حقیر اور دستانگے ہُوئے
چند یہُودیوں کے جُل میں اِس طرح آ گئی کہ اُسے اُن کے مُعجزوں کی سچّائی
کا اقرار کرنا پڑا۔ ایسا کہ گویا فلاسفروں اور ربیوں نے مسیح کے مذہب پر
حملہ کیا مگر مُعجزوں کا انکار نہ کیا۔ بلکہ اُن میں سے کئی ایک نے اپنی کتابوں
میں اُنہیں تسلیم کیا اور ہزارہا ہزار اشخاص نے جو بڑے بڑے خاندانوں
اور مہذّب شہروں سے علاقہ رکھتے تھے رسُولوں کے ایام میں ان غریب
اور کمزور لوگوں کی تعلیم سے مسخر ہو کر سب کچھ چھوڑنا گوارا کیا۔ اپنے تن من
دھن کو قُربان کر دیا۔ اپنے جسموں کو آگ اور تلوار اور خونخوار درندوں کے
سپُرد کیا۔ تاکہ مُعجزات دکھانے والے مسیح مصلُوب کی پیروی اختیار
کریں ॰

پیارے ناظرین مسیح کے مُعجزات کے متعلّق ہمارے پاس یہ گواہی
ہے۔ جو ہم نے آپ کے سامنے رکھ دی ہے۔ اب آپ اس گواہی کے
خصائص کو پرکھ کر خود بتائیں کہ زُود اعتقاد کون ہے۔ کیا وُہ جو اس گواہی
کو رَدّ کرتا ہے یا وُہ جو اسے قبُول کرتا ہے؟ ॰

پانچواں باب

جھُوٹے اور سچّے مُعجزے۔ آج کل مُعجزے کیوں نہیں واقع ہوتے

دو سوال غور طلب

اِس باب میں اُن دو سوالوں پر بحث کی جائیگی جو عنوان میں درج ہیں۔ اُن میں پہلا سوال یہ ہے کہ جھُوٹے اور سچّے مُعجزات میں کیونکر امتیاز ہو سکتا ہے؟ ہم اِس سوال کا جواب دینے کی ضرُورت اس لئے محسُوس

پہلے سوال کا جواب دینے کی ضرُورت

کرتے ہیں کہ یہ سوال اکثر ہمارے اُن بھائیوں کی طرف سے کیا جاتا ہے جو مُعجزات کے قائل نہیں۔ وُہ کہا کرتے ہیں کہ اگر مُعجزات مذہب کے منجانب اللہ ہونے کا ثبُوت ہیں تو وُہ تمام مذاہب یا طریقے جو کسی نہ کسی طرح کے مُعجزات یا فوق العادت اظہارات کا دعوےٰ کرتے ہیں خُدا کی طرف سے ہیں۔ لہٰذا مسیحی مذہب اُن پر کسی طرح کی فوقیّت نہیں رکھتا ✣

یہ سوال واقعی غور طلب ہے

واقعی اگر دُوسرے مذہبوں میں سچّے مُعجزات پائے جاتے ہیں۔ تو وُہ بھی ماننے کے لائق ہیں کیونکہ فوق العادت قدرت کے اظہاروں کا دعوےٰ دُنیا کے لوگوں نے طرح بطرح کیا ہے۔ یُونان اور رُوم اور مصر اور ہند کی متھیالوجی (علم الاصنام) اگر دیکھیں تو ہم وہاں نبوّت کا دعویٰ بیماروں کو شفا بخشنے کا دعوےٰ اور بدرُوحوں سے آزاد کرنے کا دعوےٰ بافراط پائینگے۔ اسی طرح مسیح اور رسُولوں کے زمانہ کے بعد مسیحی کلیسیا میں بھی بعض

لوگوں نے مُعجزوں کا دعوےٰ کیا اور زمانہ حال میں بعض لوگوں نے مذہب سے قطع تعلّق کر کے ایک نئی راہ نکالی ہے۔ اور فلسفانہ بُنیاد پر ایک عجیب قسم کی سُوپر نیچرل اِزم قائم کر کے اندیکھی دُنیا کے ساتھ راہ و رابطہ پیدا کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر یہ سب باتیں صحیح ہیں تو پھر مسیحی مذہب کے لئے کوئی خصُوصیّت نہیں رہتی ✣

انجیلی مُعجزات کو چھوڑ کر باقی فوق العادت اظہارات کس طرح پیدا ہوئے

اَب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وُہ کثیر مُعجزے اور کرامات جن کا دعویٰ اِس دُنیا میں کیا جاتا ہے کِس طرح پیدا ہوئے؟ اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ انسان طبعاً اِس بات کا خواہشمند ہے کہ اُسے فوق العادت قُدرت کا نظّارہ نصیب ہو اور اس کے ساتھ ہی وُہ یہ اُمید رکھتا ہے کہ جو تکلیفیں اُسے دُنیا کی طاقتوں سے پہنچتی ہیں اُن سے رہا کرنے کے لئے خُدا قوانین قُدرت کے عمل میں دست اندازی کرتا ہے۔ پس کچھ تو جلوۂ الٰہی کی دید کا شوق اور کچھ دُکھ اور بیماری سے چھُوٹنے اور غیب کی باتوں کو جاننے کی خواہش وغیرہ باتیں قوّتِ متخیلہ کی مدد سے قسم قسم کے مُعجزے اور طرح طرح کے فوق العادت اظہار پیدا کر لیتی ہیں۔ اور ان مُعجزوں یا فوق العادت اظہاروں کو موجُودہ وقت کے اعتقادوں اور خیالوں اور علموں سے تقویّت دیتی ہیں۔ یعنی کبھی مذہبی صداقتوں اور کبھی فطرت کے عجیب اظہاروں اور کبھی بعض بعض علوم کے مسئلوں کی آڑ میں فوق العادت کے لئے راہ کھول لیتی ہیں ✣

مُعجزات اور پروردگاری کے عجیب کاموں میں فرق ہے

مسیحی مذہب کا یہ عقیدہ ہے کہ گو خُدا اپنے بندوں کی دُعا سُنتا ہے اور اُن کے دُکھ اور سُکھ میں اُن کے ساتھ رہتا اور اپنے عجیب پراوی ڈینس (پروردگاری) سے اُن کی مُشکلات حل کرتا اور اُن کی حاجات رفع فرماتا ہے تاہم مُعجزہ اپنے اصطلاحی معنوں کے مُطابق صرف اُسی وقت وقُوع میں آتا ہے جب خُدا کو اپنے وُہ ارادے ظاہر

کرنے منظور ہوتے ہیں جنہیں انسان محض نیچر کی روشنی سے دریافت نہیں کر سکتا۔ لہذا معجزہ اُن فوق العادت اظہاروں سے جو اس غرض کے لئے واقع نہیں ہوتے فرق رکھتا ہے۔ اور وہ فرق مقابلہ سے فوراً ظاہر ہو جاتا ہے اور عقل سلیم

یہ لازمی امر ہے کہ سچے معجزے جھوٹے معجزوں سے امتیاز کئے جا سکیں

کو ماننا پڑتا ہے کہ انجیلی معجزات پر سچائی کی مُہر لگی ہوئی ہے۔ ایک عالم نے خوب کہا ہے کہ حقیقی معجزات کو ایسا ہونا چاہئے کہ اگر انہیں بناوٹی معجزوں کے انباروں اور ڈھیروں میں پھینک دیں تو وہ اُن میں مِل جُل کر غائب نہ ہو جائیں بلکہ اُن کے درمیان بھی اپنی صداقت کو ظاہر کریں اور بتائیں کہ وہ کس چشمہ سے برآمد ہوئے ہیں۔ اگر مسیحی معجزات ایسا نہیں کر سکتے تو وہ اپنے مقصد میں قاصر نکلینگے۔ پر جب ہم انجیلی معجزات کا مقابلہ اُن معجزانہ اظہاروں کے ساتھ کرتے ہیں جن کا دعوےٰ دُنیا میں مختلف صورتوں میں کیا جاتا ہے تو دونو

اس فرق کو دریافت کرنے کے لئے مقابلہ کی ضرورت ہے

میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ آؤ ہم تھوڑی دیر کے لئے بائبل کے سُوپر نیچرل اظہاروں کا باقی سُوپر نیچرل اظہاروں کے ساتھ مقابلہ کریں اور دیکھیں کہ حق کس طرف ہے ÷

اس مقابلے میں پہلے یہ بات نظر سے گزرتی ہے کہ حالانکہ لوگ طرح طرح کی معجزانہ قدرتوں کے خود قائل ہیں۔ تاہم انجیلی معجزوں میں اور اپنے یہاں کے معجزوں میں فرق کرتے ہیں

(۱) اس مقابلے میں جو بات پہلے نظر سے گزرتی ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ فوق العادت اظہاروں اور طرح طرح کی کرامتوں کے وجود کے قائل ہیں وہ خود اس بات کا اقبال کرتے ہیں کہ مسیح کے معجزوں اور دُنیا کے باقی فوق العادت اظہاروں میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً جب قدیم زمانہ میں لوگوں نے مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کا حال سُنا تو انہوں نے فوراً کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اُن کے یہاں خود کرامتوں اور معجزوں کا دعویٰ مسیحی معجزوں کے پہلو بہ پہلو جاری تھا۔ کیا وہ مسیح کے جی اُٹھنے کا انکار کرتے اور اُسے ناممکن ٹھہراتے اگر واقعی اُن

کے درمیان فوق العادت طاقتوں کا عمل جاری ہوتا اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بُت پرست یہ دعوےٰ نہیں کرتے تھے کہ سوائے ہمارے اور کسی کو فوق العادت قدرتوں کا نظارہ نصیب نہیں ہوتا پھر

یہ اس لئے کہ وہ قائل تھے کہ ہمارے معجزے مسیح کے معجزوں کو نہیں پہنچتے

کیوں انہوں نے مسیح کے جی اُٹھنے اور دیگر معجزات کو اپنی کرامتوں سے مختلف سمجھا؟ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ ایک قسم کے معجزات حقیقی اور دُوسری قسم کے معجزات غیر حقیقی ہیں ÷

یہودیوں کا یہی حال تھا

اسی طرح یہودیوں کے درمیان بھی فوق العادت اظہاروں کا اعتقاد پایا جاتا تھا۔ مگر وہ بھی اپنے معجزوں اور مسیح کے معجزوں میں ایک

نظیریں جنم کے اندھے کو بینائی بخشنے پر یہودیوں نے حجّت کی

قسم کا فرق مانتے تھے۔ مثلاً جب مسیح نے ایک جنم کے اندھے کی آنکھوں کو روشن کیا تو انہوں نے ایسا ظاہر کیا کہ گویا وہ معجزہ اُن اچنبھوں سے جو وہ دکھایا کرتے تھے بالکل مختلف تھا۔ اور انہوں نے اُس معجزے کی مخالفت اُسی زور شور سے کی جیسی معجزے کے منکر ہونے کی حالت میں کرتے پھر انہوں نے

مسیح کے جی اُٹھنے پر انہوں نے حجّت کی

یہی مخالفت اُس وقت کی جبکہ خداوند نے اپنے جی اُٹھنے کی نسبت نبوّت کی چنانچہ اُس کے مصلوب ہونے کے بعد انہوں نے حاکم سے کہا۔ "اے خداوند ہمیں یاد ہے۔ کہ اس دھوکے باز نے اپنی زندگی میں کہا تھا کہ میں تین دن کے بعد جی اُٹھونگا"۔ ہم پوچھتے ہیں کہ انہوں نے مسیح کو دھوکے باز کیوں کہا؟ اگر وہ اس بات کو سچ جانتے تھے کہ سوائے انبیاء کے اور لوگ بھی معجزات دکھا سکتے ہیں۔ تو مسیح کے جی اُٹھنے کی پیشینگوئی کو دھوکا بازی کہنے سے اُن کو کچھ فائدہ نہ تھا۔ بلکہ ہماری رائے میں اُن کو زیادہ فائدہ اُس وقت پہنچتا جبکہ وہ یہ دعوےٰ کرتے کہ مُردوں میں سے جی اُٹھنا کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ یہ تو ایک معمولی

سی بات ہے۔ لہٰذا مسیحی مذہب کو مسیح کے جی اُٹھنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں پُہنچیگا۔ پس چاہئے تھا۔ کہ وُہ مسیح کے جی اُٹھنے کی پیشین گوئی یا دعوے کو قبُول کرتے مگر اُس نتیجے کو جو اُس کے جی اُٹھنے سے نکل سکتا تھا رَدّ کرتے یعنی اس نتیجہ کو کہ وُہ خدا کا بیٹا ہے۔ مگر اُنہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اور ایسا نہ کرنے کے وسیلے اس بات کا اقرار کیا کہ اگر وُہ فی الحقیقت جی اُٹھا ہے۔ تو وُہ خدا کا بیٹا ہے۔ اَب کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وُہ اِس بات کے قائل تھے۔ کہ جو فوق العادت عنصر خُدا کے رسُولوں اور نبیوں کے کاموں میں ہوتا ہے۔ وُہ اِن کراماتوں اور اچنبھوں میں نہیں پایا جاتا جن کا دعوےٰ عام لوگ کرتے ہیں ✣

مسیح کے جی اُٹھنے کا انکار کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وُہ اپنے عام قسم کے مروّجہ فوق العادت اظہاروں کی سچّائی کے قائل نہ تھے

پھر جب ہم مسیحی کلیسیا کے قدیم زمانہ کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحی بزرگ بھی اِس فرق کو مانتے ہیں۔ اس بات پر غور کرتے وقت ہم دیکھتے ہیں۔ کہ قدیم مسیحی جو سچّائی اور راستبازی کے عاشق تھے یہ مانتے تھے کہ اُن کے زمانہ میں بھی مُعجزانہ قُدرت اپنا کام کرتی تھی۔ اور ہم اُن کی نیکی اور راستبازی اور سچّائی کو دیکھ کر اُن کی بات کو جھُوٹ نہیں کہہ سکتے۔ مگر تاہم جو بات یاد رکھنے کے لائق ہے وُہ یہ ہے کہ جسے وُہ مُعجزانہ قُدرت کہتے ہیں وُہ مُعجزانہ قُدرت نہ تھی۔ بلکہ وُہ خُدا کی وُہ قدرت تھی جو اُس کے عجیب پروردگاری کے کاموں کے وسیلے جلوہ نما ہوتی ہے۔ اور وُہ خود اقرار کرتے ہیں کہ گو خُدا کی عجیب قُدرت کے کام جو مساوی مُعجزات کے تھے اُن کے زمانہ میں واقع ہوتے تھے مگر اصل مُعجزے رسُولوں پر ختم ہو گئے تھے ✣

قدیم کلیسیا کے بزرگ گو خدا کی پروردگاری کے عجیب کاموں کے قائل ہیں۔ مگر حقیقی مُعجزوں کے بارے میں اقرار کرتے ہیں کہ وُہ رسُولی زمانہ میں ختم ہو گئے

اگر آپ آج ہندوستان کے عام

ہمارے ہندوستانی بھائی بھی مختلف صورتوں میں فوق العادت کے قائل ہیں۔ مگر انجیلی معجزوں کو تبدیل کرنے کو تیار نہیں

لوگوں کو دیکھیں اور اُن کی حالت پر غور کریں تو آپ فوراً معلوم کر لینگے۔ کہ وُہ کیسے زُود اعتقاد ہیں۔ جادُو۔ ٹُونے۔ گنڈے۔ تعویذ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ پتّھروں سے مُرادیں مانگتے ہیں۔ قبروں سے حصُولِ مُدعا کی اُمّید رکھتے ہیں۔ پرندوں اور چرندوں کے آگے گر کر سجدہ کرتے ہیں۔ تاکہ اُن کے وسیلے اُن کی مُرادیں بر آئیں پر اگر اُن سے مسیح کے مُعجزوں یا جی اُٹھنے کا ذکر کیا جائے تو اُس پر لاکھ اعتراض کرتے ہیں۔ اس کا یہی باعث ہے کہ وُہ جانتے ہیں کہ جس قسم کی فوق العادت قُدرت کے ہم ماننے والے ہیں وُہ ناقص ہے۔ اور جس فوق العادت قُدرت کے مُعجزوں کا مسیحی ذکر کرتے ہیں اور جس کے ثبُوت میں وُہ معقُول گواہی بھی پیش کرتے ہیں اگر صحیح مانے جائیں تو لازمی نتیجہ پھر یہی ہوگا کہ اُن کا مذہب برحق سمجھا جائے۔ اَب ہم نے دیکھا کہ جب ہم مسیحی مُعجزوں کا مقابلہ اُن کراماتوں یا اچنبھوں کے ساتھ کرتے ہیں جو دُنیا میں مانے جاتے ہیں تو پہلا فرق جو ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے یہ ہے کہ دُوسرے اقسام کے اچنبھے یا کرامات خود اِس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے اور مسیحی مُعجزوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ (۲) اَب اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے خاص اُن واقعات پر جنہیں لوگ کرامات کہتے ہیں غور کریں۔ تو اُنہیں دیکھ کر بھی آپ کو ماننا پڑیگا کہ واقعی مسیحی مُعجزوں میں اور اُن میں ایک گہرا فرق پایا جاتا ہے۔ چُنانچہ آپ دیکھینگے کہ ان واقعات میں ایمان کی کمی نظر آتی ہے بلکہ اکثر الحاد اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ اور کہ وُہ کبھی ادنیٰ درجہ کے طبقے سے اُوپر نہیں اُٹھتے۔ اور عموماً ذُو معنی اور ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ اَب ان باتوں سے اُن کا نقص صاف ثابت ہو جاتا ہے مثلاً وُہ جو چھوٹی

اِس لئے کہ وُہ جانتے ہیں کہ انجیلی مُعجزات ایسے اعلیٰ قسم کی ہیں کہ اگر ہم اُن کو مان لیں تو مسیحی مذہب کو بھی ماننا پڑے گا

مقابلے کی بات ہے کہ دُنیا کے مُعجزات ذُومعنی اور ایمان میں کم بلکہ بعض اوقات الحاد سے پُر ہوتے ہیں

سی میز پر ہاتھ دھروا کر دُوسری دُنیا کے باشندوں سے باتیں کرواتے ہیں۔ وُہ سوائے اس کے اور کوئی مُعجزانہ کام نہیں دکھا سکتے۔ وُہ جانتے ہیں کہ ہم کیا کر سکتے ہیں لہٰذا اپنے حدُود کے اندر اندر ہمیشہ کام کرتے ہیں۔ یا جو ہندوستان میں گنڈے تعویذوں سے بیماروں کو چنگا کرنے یا بدرُوحوں کو نکالنے کا دعوےٰ کرتے ہیں وُہ ہمیشہ اسی قسم کے کام کیا کرتے ہیں اور اُن کو چھوڑ کر اور کسی طرح کا مُعجزہ دکھانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اَب ان حرکتوں کو مُعجزہ ثابت کرنا بڑا مُشکل کام ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ایسے کام کبھی فی الفور واقع نہیں ہوتے اور نہ ایسے دعوے کرنے والے سب کے سب فائز المرام ہوتے ہیں۔ اور اگر پُوچھا جائے کہ تُم نے الحاد کی بُو ان کاموں میں کہاں سے پائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کام خُدا کو عزّت نہیں دیتے وُہ سراسر الحاد پر مبنی ہیں۔ کیا وُہ لوگ جو دُوسری دُنیا کی رُوحوں سے باتیں کرواتے ہیں اپنے کاموں اور حرکتوں کو خُدا کی قُدرت سے منسُوب کرتے ہیں یا کسی اپنے مقرر کردہ طریقے سے؟ کیا وُہ جو قبروں اور منتروں اور گنڈے تعویذوں سے اپنا کام لیتے ہیں فی الحقیقت خُدا کی عزّت کرتے ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو ہم کس طرح مانیں کہ یہ کام خُدا کی طرف سے ہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ اس قسم کی باتوں میں اوّل تو خود ہی مبالغہ کا عنصر موجود ہوتا ہے اور پھر بیان کرنے والے بھی اپنی مبالغہ آمیز تشریحوں سے اُن پر اعجاز کا روغن پھیر دیتے ہیں۔ مگر جب وُہ ان باتوں کو مسیحی مُعجزات کے ساتھ امتحان کی کسوٹی پر کستے ہیں تو اُنہیں ماننا پڑتا ہے۔ کہ اُن میں اور انجیلی مُعجزات میں بڑا فرق ہے۔ چُنانچہ پُرانے زمانہ کے بُت پرستوں نے اس بات کو خُوب محسُوس کیا کہ اگر یسُوع مسیح فی الحقیقت مُردوں میں سے خُدا کی قُدرت کے وسیلے جی اُٹھا ہے تو یہ واقعہ لاریب ایک سچّا مُعجزہ ہے کیونکہ اُس میں اور اُن مُعجزوں میں جو اسقیلیپیس کے مندر میں

واقع ہوتے ہیں بڑا فرق ہے۔ اسقیلیپیس کے مندر میں ہزاروں بیمار آتے تھے مگر شفایاب فقط معدُودے چند ہی ہوتے تھے۔ اَب پُرانے بُت پرست دیکھتے تھے کہ اس میں کچھ بھید ہے کیونکہ سب بیمار شفا نہیں پاتے۔ اَب ہزاروں میں سے چند ایک کو چنگا کرنے کا مُعجزہ تو ہر شخص دکھا سکتا ہے بشرطیکہ اُس کو یہ اختیار دیا جائے کہ جب اُس کا جی چاہے تب اُن میں سے بعض کو چنگا کر دے۔ پر کبھی کوئی صاحبِ عقل اس قسم کی شفاؤں کو مُعجزہ نہیں کہیگا۔

رومن کیتھلک کلیسیا کے مُعجزے

رومن کیتھلک کلیسیا کے لوگوں نے بھی مُعجزانہ اظہاروں کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر جو کام وُہ بطور مُعجزات پیش کرتے ہیں اُن پر بھی یہی حُجّت قائم ہوتی ہے اس موقعہ پر یہ کہنا ضرُوری معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات جھُوٹ مُوٹ مُعجزانہ دعوےٰ دو باتوں کے سبب سے کیا جاتا ہے:۔

دو باتوں سے پیدا ہُوئے

(الف) کسی تعلیم کو رواج دینے کے مقصد سے:۔

(ب) کسی شخص کی بزُرگی کو ثابت کرنے کی غرض سے:۔

پہلی بات کی نسبت ہم یہ عرض کرتے ہیں۔ کہ اگر تعلیم عقل اور اخلاقی اصُول کے برخلاف ہے تو ہم اُسے خُدا کی طرف سے نہیں مان سکتے۔ اور اگر وُہ منجانب اللہ نہیں تو خُدا کی مُعجزانہ قُدرت سے مدد نہیں پا سکتی۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ممکن ہے کہ کوئی مسئلہ یا تعلیم ہماری سمجھ سے بالا یا باہر ہو مثلاً ثالوث یا الوہیتِ مسیح یا کفّارہ مسیح وغیرہ مگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی تعلیم جو خُدا کی طرف سے ہونے کا دعوےٰ کرتی ہے نیکی یعنی (Morality) کے برخلاف ہو۔ اس کا ذکر ہم ذرا آگے بڑھ کر

جو تعلیم عقل اور اخلاقی اصُول کے برخلاف ہے وُہ خُدا کی طرف سے نہیں لہٰذا خُدا اُس کی تائید میں مُعجزات نہیں دکھا سکتا

پر جو تعلیم عقل سے بلند اور اخلاق کی درُستی کا مُوجب ہے اُس کی تائید میں مُعجزات دِکھلائے جاتے ہیں

مفصّل طور پر کرینگے۔ یہاں ہم اس کا اشارہ فقط اس بات کے لئے کرتے ہیں کہ معلوم ہو جائے۔ کہ اکثر اوقات دھوکا بازوں نے خواہ وُہ عیسائی ہوں یا کسی اور مذہب کے ہوں اپنی مطلب براری کے لئے جھُوٹی تعلیموں کو رواج دینے کے واسطے معجزات کا دعوےٰ کیا ہے۔ مگر اُن کی تعلیموں کا نقص ظاہر کرتا ہے کہ اُن کی امداد میں الٰہی قدرت استعمال نہیں کی گئی۔ کیونکہ خدا ایسی گندی یا ناقص تعلیموں کا بانی نہیں ہو سکتا ✣

کسی شخص کی اخلاقی خوبی یا بزرگی کے ثبوت کے لئے بھی معجزات کی ضرورت نہیں

اور پھر جیسا ہم نے اُوپر کہا یہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ بعض اوقات کسی شخص کی عزّت یا شان بڑھانے کے لئے یا اُس کی پاک زندگی کے ثبوت میں معجزانہ دعوے کئے گئے ہیں۔ پر جب ہم اِس بات پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سیرت کی خوبی یا پاکیزگی کے ثبوت کے لئے معجزانہ اظہاروں کی تائید کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم ہزاروں اشخاص کو عزّت دیتے ہیں اور اُن کی نیکی اور بزرگی کے قائل ہیں۔ حالانکہ اُنھوں نے کبھی کوئی معجزہ ہم کو نہیں دکھایا سیرت کی خوبی معجزانہ کسوٹی سے نہیں پرکھی جاتی اُس کے پرکھنے کا معیار اور ہی ہے۔ پس اکثر اوقات لوگوں نے دھوکا کھا کر یا دھوکا دینے کے لئے گذرے ہُوئے لوگوں کے ساتھ معجزانہ قدرت کو مربوط کیا ہے۔ مگر وُہ اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے رومن کیتھلک بھائیوں پر شاید اور فرقوں کے لوگوں پر بھی یہ دو تو باتیں بہت درجہ تک صادق آتی ہیں ✣

جن معجزوں کو ہم نے ذومعنی کہا ہے اُسی قسم کے معجزے مسیح نے بھی دکھائے ہیں۔ کیا اُن پر وہی اعتراض نہیں ہو سکتے جو دوسروں کے معجزوں پر کئے گئے ہیں؟

قبل ازیں کہ ہم اس خاص پوائنٹ کو چھوڑ کر آگے بڑھیں ہم ایک اور اعتراض کا جواب

دینا چاہتے ہیں جو اس موقع پر کیا جا سکتا ہے۔ اور وُہ یہ ہے۔ کہ شاید کوئی ہم سے یہ کہے کہ تم نے شفا دینے اور بدرُوحوں کے نکالنے اور آنے والی باتوں کی خبریں دینے کو ذومعنی اور ملحدانہ واقعات کہا ہے۔ اب اگر یہ صحیح ہے تو کیا یہی اعتراض مسیح کے معجزوں پر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اگر مسیح بھی شفا دیتے وقت یا بدرُوحیں نکالتے وقت یا نبوّت کرتے وقت ذومعنی کلمات استعمال کرتا۔

نہیں کیونکہ اُن کی خاصیتیں اُن کی سچائی پر دال ہیں

اگر وُہ کبھی کبھی کامیاب ہوتا اور کبھی معجزہ دکھانے میں ناکامیاب رہتا۔ اگر اُس کی بات بجائے فی الفور وقوع میں آنے کے مُدتوں تک انتظار کھچواتی اور پھر بھی واقع نہ ہوتی۔ اگر اُس کی معجزانہ طاقتیں جو شفا اور بدرُوحوں کے نکالنے میں ظاہر ہُوئیں انسان کی بھلائی اور باپ کے جلال کے لئے نہ ہوتیں تو ہم اُس کے اِس قسم کے معجزوں کو بھی اُس ناقص زُمرہ میں شمار کرتے۔ ماسوائے اس کے یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو معجزات دُنیا ان باتوں کے متعلّق ہمارے سامنے رکھتی ہے وُہ اُس ادنیٰ طاقت کے پائے سے جو ان معجزات کے وقوع کے لئے ضرُوری سمجھی جاتی ہے اور جس میں طرح طرح کی نیچرل تاویلوں کو جگہ ہے کبھی اُوپر نہیں اُٹھتے۔ سو جب ہمیں مسیح کے معجزوں کا فیصلہ کرنا منظور ہو تو لازم ہے کہ ہم اُس کے اُن معجزات پر غور کریں جن کی تشریح کسی طرح نیچرل تاویلوں کی بنا پر نہیں ہو سکتی۔ مثلاً اُس کا پانچ ہزار کو پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں سے آسُودہ کرنا۔ اُس کا چار دن کے مرے ہُوئے اور دفن کئے ہُوئے مُردے کو زندہ کرنا۔ اُس کا آپ تیسرے دِن مُردوں میں سے جی اُٹھنا۔ اُس کا آسمان پر چڑھ جانا ایسے معجزات ہیں جن کے ظہُور کے لئے اعلےٰ الٰہی قدرت کے فعل کی ضرُورت تھی۔

نیز مسیح کے اعلےٰ درجہ کے معجزے اُس کے چھوٹے چھوٹے معجزوں کی سچّائی کو پایہ ثبوت تک پہنچاتے ہیں

اب اگر یہ معجزات صحیح اور راست ہوں تو اُس کے ادنیٰ درجہ کے معجزات بھی ان اعتراضوں سے بری ہونگے

جو اس قسم کے جھوٹے معجزات پر عائد ہوتے ہیں۔ یا یوں کہیں کہ بڑے بڑے معجزات کی روشنی میں اُس کے چھوٹے چھوٹے معجزات بھی سچے ظاہر ہوتے ہیں۔

دُنیا کے معجزانہ اظہار اور اخلاقی خاصیت بھی غور طلب ہے

(۳) پھر اِس مقابلہ میں ہمارا یہ بھی فرض ہے۔ کہ ہم ان واقعات کی اخلاقی خاصیت پر بھی بخوبی غور کریں اور دیکھیں کہ کیا ایسے کام خدا کی قدرت سے وقوع میں آسکتے ہیں۔ خصوصاً ہم ان سوالوں پر غور کریں۔ کیا وہ واقعات جو بطور معجزات پیش کئے جاتے ہیں۔ فی نفسہٖ پاک ہیں یا ناپاک ہیں؟ کیا وہ عظیم الشّان اور جلیل ہیں۔ یا ہلکے اور تمسخر انگیز ہیں؟ کیا اُن سے حکمت اور دانائی ٹپکتی ہیں۔ یا حماقت اور لڑکپن کی حرکتوں کی بُو آتی ہے؟ اور یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ خدا اپنی قدرت فضول طور پر صرف نہیں کرتا۔ اور نہ وہ ناپاکی اور گناہ کا بانی ہے۔

مصنوعی معجزات میں ہزارہا اِس قسم کے ہیں جن سے ناپاکی اور نادانی اور حماقت ٹپکتی ہیں

اب اگر ہم ان معجزات پر جو یونانیوں اور رومیوں کے قصّوں میں درج ہیں غور کریں تو ہم دیکھینگے کہ اُن میں بےشمار ایسے ہیں جو بالکل پاکیزگی اور حکمت اور حقیقی عظمت کے برخلاف ہیں۔ ہندوؤں کے یہاں جو دیوتا مانے جاتے ہیں اور اوتار تسلیم کئے جاتے ہیں اُن سے بڑے بڑے کام منسوب کئے گئے ہیں۔ پر جب ہم اُن پر غور کرتے ہیں تو صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ یا تو وہ سراسر ناپاکی سے بھرے ہوئے ہیں۔ یا اُن سے حماقت ٹپکتی ہے یا اُن پر ہنسی آتی ہے۔ اکثر ہندو اوتاروں کو مانتے ہیں۔ پر جب ہم یہ دریافت کرنے لگتے ہیں کہ ایشور نے کیوں کچھ اور بارہ اور نرسنگ وغیرہ کا اوتار لیا تو اُس کے جواب میں ایسی وجوہات بتائی جاتی ہیں کہ انسان سُن کر حیران رہ جاتا ہے۔ کرشن۔ ہنومان۔ برہما۔ وشن اور مہیش سے ایسے اچنبھے منسوب کئے جاتے ہیں۔ جن کو عقل ہرگز ہرگز قبول نہیں کرسکتی۔ پس وہ تمام واقعات جو معجزات ہونے کا دم بھرتے ہیں مگر جن سے ناپاکی اور ہلکاپن اور انتقام اور شہوت کی بُو آتی ہے وہ کبھی خدا

کی فوق العادت قدرت سے واقع نہیں ہو سکتے ۞

علاوہ بریں معجزانہ واقعات کی گواہی پر بھی غور کرنا لازمی امر ہے

(۴) پھر اس مقابلہ میں گواہی کو بھی بڑا دخل ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم انجیلی معجزات کو دیگر معجزانہ اظہارات کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت اِس بات پر بھی غور کریں کہ مؤخرالذکر کیسی گواہی اپنے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ ہم یہ دریافت کریں کہ جو لوگ اُن کے وقوع پر گواہی دیتے ہیں کیا وہ معجزہ دکھانے والے یا والوں کے ہمعصر تھے؟ کیا وہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اُن معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا؟ اور کیا اُن کی گواہی اُسی زمانہ میں قیدِ کتابت میں آئی یا صدیوں بعد بصورتِ روائت مشہور ہوئی؟ اور خاص کر ہم یہ دریافت کریں کہ گواہوں نے اپنی گواہی کی سچّائی کے لئے کہاں تک تکلیفیں سہیں ۞

خصوصاً اِس بات پر کہ گواہوں نے اپنی گواہی کے متعلّق کیسی کیسی تکلیفیں سہی ہیں

ضروری امر نہیں کہ گواہ ہمیشہ طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھائے۔ تو بھی اِس میں شک نہیں کہ فوق العادت کی گواہی کو ہماری نظر میں اُس وقت عجیب قسم کی وقعت حاصل ہوتی ہے جس وقت ہم کو یہ معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ گواہ نے اپنی گواہی کے لئے اپنا سر تک بھی دے دیا۔ مگر اُس سے انکار نہ کیا ۞

پر سب سے زیادہ غور طلب یہ پوائنٹ ہے کہ جن معجزات کا دعوےٰ دُنیا کرتی ہے اُن سے کون سے عجیب نتائج پیدا ہوئے

(۵) پر سب سے بڑی بات جو اس مقابلہ میں غور طلب ہے یہ ہے کہ ہم یہ دریافت کریں۔ کہ انجیلی اور غیر انجیلی معجزات سے کیا کیا نتائج پیدا ہوئے؟ کونسا پھل اُن میں لگا؟ ہم پوچھیں کہ مسیح کے معجزات کو چھوڑ کر باقی جو فوق العادت واقعات دُنیا میں مانے جاتے ہیں اُنہوں نے دُنیا کے لئے کیا کیا؟ کیا اُنہوں نے اِس دُنیا میں کوئی ایسی تعلیمیں پھیلائیں جن سے دُنیا کی حالت اور مزاج میں فرق پیدا ہوا؟ اور بنی آدم کو ایسی دائمی بھلائی دستیاب ہوئی جسے کوئی طاقت زائل نہیں

کر سکتی؟ کیا اُن مُعجزوں کی بِنا پر کوئی ایسی مذہبی سوسائٹی قائم ہُوئی جو تاقیامت زندہ رہنے کے آثار پیش کرتی ہے؟ اگر آپ ان اہم سوالوں پر غور کریں تو آپ پر فوراً روشن ہو جائیگا کہ سوائے مسیحی مذہب کے اور کوئی مذہب نہیں ہے جس کی نسبت یہ کہا جائے۔ کہ اُس کی تعلیمات نے مُعجزات سے ثابت ہو کر تمام دُنیا کی حالت کو تبدیل کر دیا ہے۔

مسیحی مذہب کی بُنیادی تعلیمیں جن کے ثبوت میں مُعجزات دکھائے گئے

مسیحی مذہب کی بُنیادی تعلیمیں یہ ہیں کہ خُدا کا بیٹا مجسّم ہُوا۔ گُنہگاروں کے کفّارے کے لئے مارا گیا مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ آسمان پر چڑھ گیا اور وہاں باپ کے دہنے ہاتھ بیٹھ کر گنہگاروں کی سفارش کرتا ہے۔ اور اپنی رُوح پاک کے وسیلے اپنے لوگوں کو پاکیزگی کی ایک منزل سے دُوسری منزل تک پہنچاتا ہے۔ یہی ہیں وُہ الٰہی تعلیمیں جن کی تصدیق اور ثبوت کے لئے مُعجزات دکھائے گئے۔

وُہ عظیم الشان نتائج جو ان تعلیموں سے پیدا ہوتے ہیں

کیا ان تعلیموں نے دُنیا میں کُچھ بھی نہیں کیا؟ اگر آپ انصاف کریں تو آپ کو ماننا پڑیگا کہ انہیں تعلیموں نے ہمیں یہ سکھایا کہ خُدا ہمارا باپ ہے اور انسان ہمارا بھائی ہے۔ انہیں کی طفیل سے انسان نے انسانیّت کے اصلی جوہر کو پہچانا۔ انہیں کے وسیلے خُدا کی محبّت اور پاکیزگی کا جمال اور جلال ظاہر ہُوا۔ انہیں تعلیموں نے اصلی تہذیب اور سوشل ترقی کی بُنیاد ڈالی۔ اور جہالت اور بطالت اور ظُلم اور ستم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ہمارے پاس وقت نہیں کہ ہم زیادہ تفصیل کے ساتھ دکھائیں کہ کیونکر مذہبی اور عقلی اور علمی اور سوشل دُنیا میں اِن تعلیموں نے اپنے نیک اثر سے عجیب عجیب قسم کی تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ پر یہ تعلیمیں انہیں مُعجزوں کے وسیلے سچّی ثابت کی گئیں جن پر آج لوگ طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں۔ کیا دُنیا کے مشہور مُعجزات بھی اسی قسم کے دیرپا اور فیض رساں نتائج کے ساتھ وابستہ ہیں! اگر اُن سے بھی ایسے بڑے بڑے

نتیجے پیدا ہُوئے ہیں تو وُہ بھی خُدا کی طرف سے ہیں ورنہ نہیں۔ پر تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ مسیحی مذہب کے سوا اور کوئی مذہب ایسا نہیں جس کے مصنوعی مُعجزات نے ایسے نتیجے پیدا کئے ہوں۔ اَب اگر ہم اُس وقت جبکہ انجیل کے مُعجزات کا دُنیا کے مصنوعی مُعجزات کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں مذکورہ بالا خیالات کو مدِّنظر رکھیں تو ہم فوراً اس بات کے قائل ہو جائینگے کہ فقط بائبل ہی کے مُعجزات سچّے ہیں اور باقی سب مُعجزے ناقص اور ناقابلِ یقین ہیں ∴

دُوسرا سوال کہ اَب مُعجزات کیوں نہیں دکھائے جاتے

دُوسرا غور طلب سُوال یہ ہے کہ اب مُعجزے کیوں نہیں ہوتے؟ اِس سُوال کا جواب چند لفظوں میں اِس طرح دیا جا سکتا ہے۔ کہ اَب ضرورت نہیں۔ اس بات کو مفصّل طور پر بیان کرنے میں ہم کو پھر اُنہیں باتوں کو رقم کرنا پڑیگا جو ہم ابواب ماقبل میں عرض کر چُکے ہیں۔ پر ہمیں اُمّید ہے کہ ہمارے روشن ضمیر ناظرین نے ان باتوں سے جو ہم مُعجزے کی غرض اور مقصد پر تحریر کر چُکے ہیں خود بخود یہ نتیجہ نکال لیا ہوگا کہ اَب مُعجزات کی ضرُورت نہیں رہی۔ مگر پھر بھی یہاں چند خیالات ہدیّہ احباب کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ مُعجزات کی اَب کوئی ضرُورت نہیں رہی ∴

اِس لئے کہ خُدا بغیر اشد ضرُورت کے مُعجزانہ طاقت کو استعمال نہیں کرتا

(۱) جو کُچھ ہم اُوپر لکھ چُکے ہیں اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گو مسیحی مذہب مُعجزات کے وجود اور وقوع کا قائل ہے۔ تاہم وُہ اِس بات کا بھی مُعترف ہے کہ بغیر اشد ضرُورت کے خُدا اپنی سُوپر نیچرل طاقت کو کام میں نہیں لاتا۔ وُہ لوگوں کے اشتیاقِ عجائبات کو پُورا کرنے کے لئے۔ یا اُن کی حاسدانہ اغراض کو پُورا کرنے کے لئے۔ یا اُن آنے والی باتوں کی غیر ضروری خبریں دینے کے لئے یا شہوانی خواہشوں کو پُورا کرنے کے لئے۔ یا کسی انسان کی عزت اور

جلال کے واسطے اپنی معجزانہ قدرت کو کام میں نہیں لاتا۔ اور عقل سلیم اور رائے صائب اس بات کو تسلیم کرتی ہیں۔ پس معجزوں کی ضرورت کسی خاص موقعہ پر ہوتی ہے ؎

> وہ اشد ضرورت یہ ہے کہ وہ تعلیمات جو بذریعہ الہام تبلیغ کی جاتی ہیں۔ سچی ثابت ہوں

(۲) اب مسیحی مذہب بتاتا ہے اور عقل اسے قبول کرتی ہے۔ کہ جس خاص موقعہ پر معجزات دکھانا روا رکھتا ہے وہ وہ موقعہ ہے جبکہ وہ اپنی مرضی کا ایسا مکاشفہ عطا فرماتا ہے۔ جیسے انسان اپنی نیچرل طاقتوں سے معلوم نہیں کر سکتا۔ مثلاً خداوند مسیح یہ بتانا چاہتا تھا کہ مَیں زندگی اور قیامت ہوں۔ پر اس بات کے ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری امر تھا۔ کہ وہ ایک ایسا معجزہ دکھائے جو دیکھنے والوں کو مجبور کرے کہ اس کے دعوے کو قبول کریں۔ جب لعزر کی قبر پر آکر اس نے اس مردے کو اپنے کلام کی طاقت سے زندہ کر دیا۔ تب یہ بات روشن ہو گئی کہ وہ زندگی کا سرچشمہ ہے۔ اور کہ جو اس پر ایمان لاتے ہیں وہ ہرگز ہرگز فنا نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ کی زندگی کے وارث بن جاتے ہیں۔ اسے منظور تھا کہ لوگوں کو بتائے کہ مجھے گناہ معاف کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ پر کون اس کی بات کو مانتا اگر وہ یہ کہہ کر کہ "اے بیٹا تیرے گناہ معاف ہوئے" اس مفلوج کو کھٹولا اٹھا کر چلنے کی طاقت نہ دیتا؟ اسی طرح خدا کے مجسم ہونے اور کفّارے کے کام کو پورا کرنے اور انسان کی روح اور جسم کے بچ جانے کی تعلیمیں ایسی ہیں کہ ان کے ثبوت کے لئے معجزات کی ضرورت تھی۔ پس معجزے کی غرض اور مقصد سے صاف ظاہر ہے کہ ہر زمانہ اور ہر فرقے میں معجزات کے واقع ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی ؎

> مسیح نے ایسی تعلیمات اپنی نسبت بیان فرمائی ہیں جو بغیر معجزات کے اور کسی طرح قبول نہیں کی جا سکتی تھیں

شاید اس جگہ کوئی یہ کہے کہ بہت سی تعلیمیں دنیا میں مروّج ہیں اور ان

> جن مذاہب کی تعلیمات نیچرل ہیں وہ معجزات کی حاجت نہیں رکھتے کیونکہ ان کی تعلیمات انسان کی عقل سے بلند و بالا نہیں ہیں

کے ماننے والے بھی بکثرت ہیں۔ اور وہ تعلیمیں اپنی ذات میں نیک اور پسندیدہ ہیں۔ مگر ان کے ثبوت میں کوئی معجزہ نہیں دکھایا گیا۔ مثلاً بدھ مذہب اور محمدی مذہب میں کئی ایسی تعلیمیں پائی جاتی ہیں۔ اب ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک بات کے لئے معجزے کی ضرورت ہے۔ بلکہ ہم تو یہی دکھا رہے ہیں کہ ہر بات کے لئے خواہ وہ سچی ہی کیوں نہ ہو معجزے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بدھ کی تعلیمیں اور محمدی مذہب کی تعلیمیں بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام تعلیمیں جو انسان کی نجات کو اسی کے اعمال پر چھوڑتی ہیں نیچرل ہیں۔ ان میں کوئی بات سوپر نیچرل نہیں لہٰذا انہیں سوپر نیچرل واقعات کے ثبوت کی ضرورت نہیں گو ان کے معتقدوں نے سوپر نیچرل واقعات ان سے منسوب کر دئے ؎

> پس معجزے کے مقصد سے ظاہر ہے کہ اب معجزے کی ضرورت نہیں

پس جب ہم معجزے کے مقصد اور غرض پر غور کرتے ہیں۔ تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ سوائے خاص خاص موقعوں کے اور سوائے اشد ضرورتوں کے معجزات وقوع میں نہیں آتے ؎

> پھر انجیل کے کامل مکاشفہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ اب معجزات کی ضرورت نہیں

(۳) اب آخری بات جو ہم اس سوال کے ضمن میں ہدیۂ ناظرین کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ مسیحی مکاشفہ ہمارے ایمان اور عمل کے لئے کامل ہے اب چونکہ ہماری نجات کے لئے نئے مکاشفہ کی ضرورت نہیں۔ اس لئے معجزوں کی بھی ضرورت نہیں رہی مذہب کے دو پہلو ہیں۔ ان میں سے ایک ایمان کا اور ایک عمل کا پہلو ہے۔ اب مسیحی مذہب ان دونو پہلوؤں کی شرائط کو کامل طور پر پورا کرتا ہے۔ مثلاً جو کچھ وہ ہم کو خدا اور انسان کی نجات۔ اور دوزخ۔ اور بہشت کی بابت بتاتا ہے

> مسیحی مذہب کی وہ تعلیمیں جن پر ہم کو ایمان لانا چاہئے کامل ہیں

وُہ ہمارے لئے کافی و وافی ہے۔ اور کوئی دُوسرا مذہب ان معاملات میں اُس سے بڑھ کر صحیح اور کامل تعلیم نہیں دیتا۔

وُہ ہم کو خدا کی ذات و صفات کی اور اُس رشتہ کے متعلق جو خدا انسان اور دُنیا سے رکھتا ہے پُوری پُوری خبر دیتا ہے۔ پھر وُہ ہم کو مکمل طور پر بتاتا ہے کہ گناہ کیا ہے اور اُس کا تعلق خدا اور انسان کے ساتھ کیا ہے۔ وُہ ہم کو سکھاتا ہے کہ نجات دہندہ کون ہے اور اُسے کیسا ہونا چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔ اگر یہ سب باتیں ہم کو صحیح اور کامل طور پر معلوم نہ ہوتیں تو ہمارا ایمان ناقص رہتا۔ پر مسیحی مذہب نے ان اہم امور پر ایسی الٰہی روشنی ڈالی اور ہماری موجُودہ ضرورتوں کے بموجب اِن کو ایسی کامل صُورت میں پیش کیا ہے۔ کہ اَب ایمان والی تعلیموں میں کسی طرح کے اضافے یا زیادتی کی ضرورت نہیں رہی۔

اسی طرح مسیحی مذہب کی وُہ ہدائتیں اور نصیحتیں جو عملی زندگی سے متعلق ہیں کامل ہیں

اسی طرح جب ہم اِس مذہب کے عملی پہلُو پر غور کرتے ہیں تو وہاں بھی ہم کو یہی نظر آتا ہے کہ جو کچھ دُرستیٔ عمل کے لئے ضروری ہے وُہ سب کچھ انجیل میں ہمارے لئے موجُود ہے اور ایسی کاملیّت کے ساتھ کہ اور کسی جگہ سے وُہ علم دستیاب نہیں ہو سکتا۔ چُنانچہ وُہ ہمیں احسن طور پر بتاتا ہے کہ خُدا کی اطاعت و بندگی۔ خُدا کی رضاجوئی اور فرمانبرداری کیا شئے ہے۔ اور کیسی نیّت کے ساتھ اُسے بجالانا چاہیئے۔ وُہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کو انسان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ ماں باپ کو اپنے بچّوں سے۔ بچّوں کو اپنے ماں باپ سے۔ مالکوں کو اپنے خادموں سے۔ خادموں کو اپنے آقاؤں سے۔ پڑوسی کو اپنے پڑوسی سے کیونکر پیش آنا چاہیئے۔ اُس کے اخلاقی کمالات کا اعلےٰ زینہ وُہ محبّت ہے جو خُدا اور انسان کی خدمت میں اپنے تئیں قربان کرنا جانتی ہے۔ غرضیکہ اُس کی تعلیمات اور اخلاقی ہدایات ایسی کافی ہیں۔ کہ ہم

پس نتیجہ یہ ہے کہ چونکہ وُہ کام جس کی انجام دہی کے لئے معجزات کی ضرورت تھی ہو چُکا ہے اس لئے اَب معجزات کی ضرورت نہیں رہی

نئے مکاشفہ کے محتاج نہیں۔ اَب چونکہ وُہ مکاشفہ الٰہی جو اناجیل کے وسیلے ہم کو پہنچا جس کی تائید و تصدیق میں خُداوند نے معجزات کر دکھائے کافی و وافی ہے۔ اور چونکہ خُدا نجات کے بارے میں جو کچھ ہمیں بتانا چاہتا تھا بتا چُکا ہے۔ لہٰذا اَب معجزوں کی ضرورت نہیں رہی۔ اور اسی لئے معجزے دکھائے نہیں جاتے۔

چھٹا باب

خُداوند مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا

ہم پچھلے بابوں میں اُن مختلف مضامین پر جو معجزے سے علاقہ رکھتے ہیں بحث کر چکے ہیں۔ چُنانچہ ہم نے دکھا دیا ہے کہ معجزے کی کیا غرض ہے اور وُہ قوانینِ قُدرت سے کیا تعلّق رکھتا ہے۔ اور کہ جو گواہی انجیلی معجزات کے ثبُوت میں پیش کی جاتی ہے وُہ رد کرنے کے لائق نہیں۔ علاوہ بریں ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ مسیح اور اُس کے شاگردوں کے معجزوں میں اور اُن اچنبھوں میں جن کا دُنیا دعوےٰ کرتی ہے کیا فرق ہے۔ اِس باب میں ہم ایک خاص معجزے کو ناظرین کے ملاحظہ کے لئے پیش کرتے ہیں اور ہماری منت ہے کہ وُہ بے تعصبی اور انصاف سے ان چند سطور پر غور فرمائیں۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ اگر ایسا کیا جائیگا تو ضرور یہ امر روشن ہو جائیگا کہ مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا ایسی محکم دلائل پر مبنی ہے جن کو کسی طرح کی منطق غلط نہیں

ٹھہر اسکتی ✣

مسیحی نوشتوں کا دعویٰ ہے کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے اور یہ عقیدہ مسیحی مذہب کی جان ہے جیسا کہ پولُوس کے کلام سے ثابت ہوتا ہے

مسیحی نوشتوں کا یہ دعویٰ ہے کہ مسیح مصلوب ہونے کے بعد تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ بلکہ یُوں کہنا چاہیئے۔ کہ اُس کا مصلوب ہونا اور پھر تین دن بعد مُردوں میں سے جی اُٹھنا مسیحی مذہب کی جان ہے۔ چنانچہ پولُوس رسُول کرنتھیوں کے پہلے خط میں مسیح کے جی اُٹھنے کے بارے میں یُوں لکھتا ہے۔ "اگر مسیح نہیں جی اُٹھا تو ہماری منادی بھی بے فائدہ ہے۔ اور تمہارا ایمان بھی بے فائدہ۔ بلکہ ہم خُدا کے جھُوٹے گواہ ٹھہرے کیونکہ ہم نے خُدا کی بابت یہ گواہی دی کہ اُس نے مسیح کو جِلا دیا"۔ اور پھر دُوسری جگہ یُوں کہتا ہے "اگر ہم صرف اسی زندگی میں مسیح میں اُمّید رکھتے ہیں تو سب آدمیوں سے زیادہ بدنصیب ہیں"۔ (۱۔کرنتھی ۱۵: ۱۴-۱۵ و ۱۹) ان مقاموں سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا مسیحی مذہب کی بُنیادی تعلیم ہے۔ پولُوس کے نزدیک یہ واقعہ ایسا ضرُوری تھا کہ وُہ کہتا ہے کہ اگر وُہ سرزد نہیں ہُوا تو سب رسُول اور گواہ جھُوٹے ہیں اور جو اُن کی گواہی سے مسیح پر ایمان لاتے ہیں وُہ درجہ اوّل کے بدبخت اور بدنصیب ہیں ✣

پولُوس کو کیوں ایسے الفاظ لکھنے پڑے

پولُوس کو یہ الفاظ غالباً ایسے ورسے اس واسطے تحریر کرنے پڑے کہ شہر کرنتھ میں جہاں اُن دِنوں فلسفہ کا دَور دَورہ تھا ایسے مسیحی پیدا ہو گئے تھے جو مُردوں کے جی اُٹھنے پر شک لانے لگ گئے تھے۔ یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ وُہ مسیح کے جی اُٹھنے کے بھی انکاری ہو گئے تھے۔ مگر رسُول اِس بات کو سُن کر کہ وُہ قیامت کا انکار کرنے پر آمادہ ہُوئے جاتے ہیں اُن کو لکھتا ہے کہ اگر مُردے اپنے جسموں کے ساتھ نہیں اُٹھینگے تو مسیح بھی نہیں اُٹھا پر اگر مسیح نہیں جی اُٹھا تو ہماری منادی

بھی بے فائدہ ہے اور تمہارا ایمان بھی بے فائدہ" وغیرہ۔ شاید ان کرنتھیوں میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ اگر قیامت ناممکن ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ہم مسیح کی پَیروی نہیں چھوڑینگے۔ اُس کی تعلیم اور اُس کا نمُونہ ہمارے لئے غنیمت ہے۔ کیونکہ انسان اُس کی تعلیم اور اُس کے نمُونہ کے وسیلے اپنے فرائض کو ادا کرنے کی تحریک پاتا۔ نامناسب جذبات کو اپنے قابُو میں رکھنا سیکھتا اور اپنے خُدا کی عبادت اور خدمت میں مصرُوف رہتا ہے۔ پولُوس اُن کی غلط فہمی کو دُور کرتا ہے اور ایسے الفاظ میں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مسیح نہیں جی اُٹھا تو اُن کا ایمان لانا عبث ہے۔ بلکہ یُوں کہنا چاہیئے۔ کہ مسیحی مذہب بالکل جھُوٹا ہے ✣

مسیحی دین کے مخالف اِس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں

مخالفین دینِ عیسوی نے اِس بات کو خُوب پہچانا ہے۔ یعنی وُہ جانتے ہیں کہ اگر مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا مان لیا جائے تو پھر اس کے ساتھ اور بھی بہت کچھ ماننا پڑیگا۔ لہذا مخالفوں نے طرح طرح کے اعتراض کیئے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ قبل ازیں ہم اِس تواریخی واقعہ کی گواہی پیش کریں اور وُہ دلائل جو مُنصف مزاجوں کے نزدیک کافی و وافی ہیں ہدیہ ناظرین کریں اُن اعتراضوں یا مختلف تاویلوں پر غور کریں جو معترضوں نے اپنے واہمہ سے تجویز کی ہیں اور وُہ پانچ مختلف صُورتوں میں پیش کی جاتی ہیں اُن تاویلوں کے وجُود میں آنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ نکتہ سنج لوگوں نے اِس واقعہ کے حقیقی وزن کو خُوب محسُوس کیا ہے۔ چُنانچہ وُہ جانتے ہیں کہ مسیحی عقیدوں میں یہ عقیدہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو سب سے پُرانا ہے۔ اور کہ اُس نے مسیحی مذہب کو زندہ رکھنے اور دُور دُور تک پھیلانے میں بڑی مدد دی ہے۔ لہذا باتوں باتوں میں اس کو اُڑانا مُشکل کام ہے۔ مثلاً بار صاحب جنہوں نے انجیلوں کے بیانات کی تاویل عقلی طور پر پیش کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا جانتے تھے کہ مسیحی

مذہب بغیر اس اعتقاد کے دُنیا کو فتح کرنے کے لئے ایک قدم نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ گو بار صاحب انجیلی بیانات اور معجزات کی وہمی تاویلیں پیش کرنے میں عجیب دعوؤں اور تھیوریوں کو اختیار کرتے ہیں مگر مسیح کے جی اُٹھنے کے معاملے میں خاموش ہیں۔ اس خاموشی کو دیکھ کر سٹراس صاحب جن کا ذکر اُوپر کئی بار ہو چکا ہے کہتے ہیں کہ بار صاحب اس سخت سوال کو ہاتھ نہیں لگاتے بلکہ اُسے ایک ایسا واقعہ تصوّر کر لیتے ہیں کہ اُس پر بحث نہیں ہو سکتی۔ اور یوں اُس سے درگذر کر کے صرف اُس کے تواریخی نتائج کا سُراغ لگانے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بار صاحب کی خاموشی کسی قدر تجاہلِ عارفانہ کی صورت رکھتی ہو۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ وُہ اس واسطے خاموش رہے کہ وُہ جانتے تھے کہ مسیح کے جی اُٹھنے پر جو حملے اور اعتراض ہو چکے ہیں وُہ ناقابلِ اطمینان ہیں۔ مگر بار صاحب کی سی دُور اندیشی کی توقع ہر معترض اور منکر سے نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا ان لوگوں نے مسیح کے جی اُٹھنے کی مختلف تشریحیں اور تاویلیں پیش کی ہیں تاکہ یہ ثابت کریں کہ وُہ کبھی مُردوں میں سے زندہ نہیں ہُوا۔ پر اس باہمی جنگ و جدل میں یہ تماشا دیکھنے میں آتا ہے کہ جو شرح ایک شخص پیش کرتا ہے۔ دُوسرا اُس کو کاٹ ڈالتا ہے۔ اب ہم اُن تاویلوں پر غور کرینگے۔ وُہ یہ ہیں:۔

تاویلیں ۱۔ کہ مسیح کا جی اُٹھنا محض ایک بنائی ہُوئی بات ہے جس کی بنا جھُوٹ اور چوری پر قائم ہے۔

۲۔ کہ مسیح صلیب پر مرا نہیں تھا بلکہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اور جب ہوش میں آیا تو اپنے شاگردوں کو کئی بار مِلا۔ اور پولُس سے مُلاقات کرنے کے وقت تک زندہ رہا۔ زاں بعد کسی کُنجِ تنہائی میں یا جس طرح بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کشمیر میں جا کر مر گیا۔

۳۔ کہ مسیح کبھی جسم کے ساتھ دکھائی نہیں دیا۔ اُس کے نظارے محض

ذہنی یا وہمی تھے۔ چونکہ شاگرد اپنے اُستاد کی مفارقت سے بیکل ہو رہے تھے اور اُن کا دھیان اُسی طرف لگا ہُوا تھا اور یہ خواہش دامنگیر ہو رہی تھی کہ اُس کے چہرہ کو دیکھیں۔ یہ خیال اُن کے دِل پر ایسا جما کہ وُہ سوچنے لگ گئے کہ ہم نے مسیح کو حقیقت میں دیکھ لیا ہے۔ اُن کا یہ کہنا جھُوٹ بولنا نہ تھا کیونکہ اُنہوں نے اپنے وہم کے تصویر خانہ میں اُس کی صُورت کو ایک طرح ضرور دیکھا۔ گو وُہ صُورت حقیقی مادی صُورت نہ تھی بلکہ ایک وہمی عکس تھا۔ پس یہ لوگ فریب خوردہ تھے۔

۴۔ کہ مسیح کی وفات کے بعد اُس کے بدن کے جو نظارے شاگردوں کو نصیب ہُوئے وُہ کلیۃً طور پر وہمی نہ تھے بلکہ اُن میں کچھ کچھ حقیقت بھی تھی۔ یا یُوں کہیں کہ جو کچھ اُنہوں نے دیکھا وُہ مسیح کا مادی بدن نہ تھا بلکہ وُہ اُس کی جلالی رُوح تھی جس نے اپنے تئیں شاگردوں پر ظاہر کیا تاکہ اُن کے مجروح دِل تسلی اور آرام پائیں۔ گویا یہ آسمانی نظارے تار کی خبریں تھیں جن کا یہ مقصد تھا کہ شاگردوں کو پتہ لگ جائے کہ یہ سب کچھ ٹھیک ہے۔

۵۔ کہ نہ مسیح کا بدن دکھائی دیا اور نہ اُس کی رُوح دکھائی دی۔ بات اصل یہ تھی۔ کہ مسیح کے مصلوب ہونے کے بعد شاگرد یہ منادی کیا کرتے تھے کہ وُہ اب بھی زندہ ہے پر وُہ اس بات پر ایسا زور دیا کرتے تھے کہ اُن کے مبالغہ آمیز کلام سے آخرکار وُہ قصّہ پیدا ہو گیا جسے اُس کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا کہتے ہیں۔ اب ہم نے دیکھا کہ یہ پانچ تاویلیں مسیح کے جی اُٹھنے کے متعلق پیش کی گئی ہیں۔ کیا مناسب نہیں کہ ہم تھوڑی دیر کے لئے اِن پر ترتیب وار غور کر کے دیکھیں کہ ان میں کہاں تک راستی پائی جاتی ہے۔

پہلی تاویل کہ مسیح زندہ نہیں ہُوا۔ بلکہ اُس کی لاش چُرائی گئی

ان میں سے پہلی تاویل یہ بتاتی ہے کہ مسیح تو کبھی مُردوں میں سے نہیں جی اُٹھا تھا بلکہ

وُہ مرنے کے بعد قبر میں پڑا رہا۔ مگر اُس کے شاگردوں نے اُس کی لاش چُرالی اور مشہور کر دیا۔ کہ وُہ مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ واضح ہو کہ یوروپ کے تمام مُنکروں نے اس تاویل کو ناقص بلکہ گندی سمجھ کر ترک کر دیا ہے۔ اور شاید بہتر ہوتا کہ ہم بھی اس کے کمینہ پن کے سبب سے اس کو یہاں جگہ نہ دیتے۔ مگر اس خیال سے کہ شاید کوئی یہ کہے کہ تم نے اس کا جواب دینے کی کوشش اس واسطے نہیں کی کہ تم جانتے ہو کہ تمہارے پاس کوئی معقول جواب نہیں ہے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ چند سطور اس پر تحریر کریں۔ اس الزام کی مدافعت کے لئے ذیل کے دلائل غور طلب ہیں۔

یوروپ کے مُنکروں نے اس تاویل کو ناقص سمجھ کر رد کر دیا ہے

اِس تاویل کی تردید

(۱) ہم پُوچھتے ہیں کہ لاش کو چُرا لے جانے میں شاگردوں کو کون سا فائدہ مدِّ نظر تھا؟ کون سی ضرورت دامنگیر تھی؟ اگر وُہ یہ مانتے تھے کہ وُہ خود بخود اپنی طاقت سے جی اُٹھیگا تو اُنہیں اِس بات کی حاجت ہی نہ تھی کہ اُس کی لاش کو چُرا لائیں۔ پر اگر وُہ یہ نہیں مانتے تھے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ اُس کے جی اُٹھنے کی انتظاری بھی نہیں کرتے تھے۔ اور اگر اس بات کی انتظاری نہیں کرتے تھے تو کیا ضرورت تھی کہ اُس کی لاش کو چُرا لائیں؟ جس طرح اور مُردے دفنائے جاتے ہیں۔ اُسی طرح وُہ بھی دفن کیا گیا تھا۔ جس طرح اور لوگ اِس دُنیا سے کُوچ کرتے ہیں وُہ بھی کُوچ کر گیا تھا۔ پھر اُس کی لاش کو ایک جگہ سے دُوسری جگہ لے جانے میں کیا بہتری مدِّ نظر تھی؟ اس کا جواب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اور وُہ یہ کہ اُس کے شاگرد دُنیا کو فریب دینے پر کمربستہ تھے۔ لیکن ہم پُوچھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے اُن کو کون سے نفع کی اُمید تھی؟ یہودیوں کو غصہ

لاش چُرانے سے اُن کو کچھ فائدہ نہ تھا

دلانے اور گورنمنٹ کا قصور کرنے میں کیا فائدہ متصوّر تھا؟ کیا وُہ روپے یا زر یا عزّت کے بھُوکے تھے؟ سوائے اِن باتوں کے اور کوئی معقول وجہ اُن کے فریب کے لئے نظر نہیں آتی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اِن چیزوں میں سے کوئی چیز اُن کو دستیاب نہ ہُوئی۔ جیسا ہم اُوپر ایک جگہ دکھا چکے ہیں حکامِ وقت اُن کے برخلاف تھے۔ یہودی سردار اُن کی جان کے درپے تھے۔ اربابِ علم و فضل اُن کی بیخ کنی میں لگے ہُوئے تھے اور عام لوگ اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ تاج کے عوض صلیب۔ فارغ البالی کی جگہ تنگدستی۔ عزّت کے لئے بے عزّتی اُن کو نصیب ہُوئی۔ وُہ کون سا لالچ تھا جس کی خاطر اُنہوں نے دین اور دُنیا دونو کھو دیئے؟ ٭

کیا اُن میں ایک بھی فریب سے آزاد نہ تھا

پھر یہ بھی ثابت کرنا چاہیئے کہ وُہ سب کے سب فریبی اور مکّار تھے۔ کہ اُن میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو راستی کا طالب ہوتا۔ کیا اُن میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے مسیح کی باتوں کو اُس کے وعدوں کو اور اُس کی نبوّتوں کو برحق سمجھ کر اُس کی پیروی اختیار کی تھی؟ اور اگر ہم یہ کہیں کہ اُن میں ایسے بھی تھے جو راست گو اور سچائی کے طالب تھے۔ تو ہم پُوچھتے ہیں کہ وُہ کب اِس فریب میں شامل ہوتے؟ ناظرین ہم آپ سے منت کرتے ہیں کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے فرض کیجئے کہ آپ بھی اُس کے شاگردوں میں شامل ہیں اور وُہ یہ مانتے ہیں۔ کہ وُہ اپنے قول کے مطابق تیسرے دِن مُردوں میں سے جی اُٹھیگا۔ فرض کیجئے کہ آپ بھی محبّت یا تعظیم کی راہ سے دیگر شاگردوں کے ساتھ مِل کر اُس کی لاش کو قبر سے نکال لاتے ہیں اور اُسے بڑے ادب اور عزّت کے ساتھ کسی جگہ رکھ دیتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ آپ اُس کی باتوں کو سچ جاننے کے سبب سے اِس بات کے منتظر ہیں کہ وُہ مُردہ لاش جو آپ کے سامنے پڑی ہے تیسرے دِن

ناظرین آپ اپنے تئیں تھوڑی دیر کے لئے اُس کے شاگردوں میں شمار کریں

آپ اُٹھ کھڑی ہوگی۔ فرض کیجئے کہ تیسرا دن آتا اور گزر جاتا ہے مگر لاش نہیں اُٹھتی۔ اب ہم پُوچھتے ہیں کہ اس مایُوسی کی حالت میں آپ کیا کرینگے؟ کیا آپ یہ اشتہار دیتے پھرینگے کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے یا اُس لاش کی طرف متوجّہ ہوکر روتے اور نالہ کرتے ہُوئے یہ کہینگے۔ اَے یسُوع یا تو تُو نے خود دھوکا کھایا یا تُو نے ہمیں قصداً دھوکا دیا۔ دونو حالتوں میں تُو نے ہم کو سخت نقصان پہنچایا۔ ع

گئے دونو جہاں کے کام سے ہم نہ اِدھر کے ہُوئے نہ اُدھر کے ہُوئے

تیری پیروی کے سبب سے ہم مُلکی افسروں اور مذہبی لیڈروں اور اپنے خویش واقارب کی نظروں سے گِر گئے۔ اب سوائے ندامت کے اور کچھ ہمارے حصّہ میں نہیں۔ تیرے وُہ وعدے کہ مَیں آسمان کی بادشاہت قائم کرُونگا اور مَیں مُردوں میں سے جی اُٹھونگا کہاں ہیں؟ اور اب یہ لاش جس میں ذرا حِس وحرکت نہیں پائی جاتی سوائے طمعِ زاغ وزغن ہونے کے اور کسی لائق نہیں ✣

ناموری کا خیال بھی فریب کا مُوجب نہیں ہوسکتا تھا

پھر کیا آپ اِس لئے اِس فریب میں شامل ہوتے کہ آپ کا نام تمام دُنیا میں مشہور ہو جائے۔ بے شک دُنیا میں کوئی مُلک ایسا نہیں جہاں پطرس اور یُوحنّا اور پولُوس کا نام مشہور نہیں۔ پر اُن کو اِس عزّت سے یا اس شہرت سے کیا فائدہ؟ کیا آپ مرنے کے بعد وُہ اپنی تعریف کو سُنتے۔ اور سُن کر خوش ہوتے ہیں؟ اگر وُہ فریبی تھے اور اگر مرنے کے بعد رُوح زندہ رہتی ہے اور اگر اُن کی رُوحیں زندہ ہیں۔ تو اپنی شہرت اور ناموری سے خوش ہونے کی بجائے وُہ اب عقوبتِ دوزخ میں گرفتار ہیں اور ہائے ہائے کہہ کر اپنے اپنے فریب پر ماتم کرتے ہیں۔ پر کوئی شخص شہرت کو دُنیا کی بے عزّتی اور عاقبت کے عذاب سے نہیں خریدتا ✣

وُہ اُس کی لاش کو چُرا ہی نہیں سکتے تھے

(۲) ہم یہ کہتے ہیں کہ وُہ کسی طرح اُس کی لاش کو چُرا ہی نہیں سکتے تھے۔ ہاں اگر وُہ سب مِل کر اِس بات کی کوشش بھی کرتے تو تو بھی کامیاب نہ ہوتے۔ غور فرمائیے ✣

کیونکہ اُن کا شمار تھوڑا اور وُہ پہلے بُزدل تھے

(الف) شاگرد اُس وقت شمار میں بہت تھوڑے تھے اور خود اُن کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت وُہ بڑے بُزدِل اور کم حوصلہ تھے۔ جب مسیح گرفتار کیا گیا اُس وقت وُہ سب اُس کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ پطرس نے تین بار اُس کا انکار کیا۔ صرف یُوحنّا صلیب تک ساتھ گیا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کے ڈر کے مارے یہ شاگرد کئی دِن تک باہر نہ نکلے۔ جب خُداوند ایک مرتبہ بند کمرے میں اُن کے درمیان آ کھڑا ہُوا اُس وقت وُہ اُسے بھُوت سمجھ کر ڈر گئے۔ وُہ اس بند کمرے میں اِس واسطے جمع ہو رہے تھے کہ یہودیوں کے حملے سے ڈرتے تھے۔ کیا ایسے لوگ سپاہیوں کے پہرہ کا مقابلہ کرنے کی جُرات رکھتے تھے۔ شاید اُن میں ایک آدھ ایسی جُرات کرتا تو کرتا مگر وُہ سب کے سب اِس سازش میں نہیں مِل سکتے تھے۔ اور پھر کیا اُن کو اِس بات کا خطرہ نہ تھا۔ کہ اگر ہم میں سے کسی نے راز فاش کر دیا۔ تو ہم سب گرفتار ہو جائینگے ✣

علاوہ بریں قبر کی نگہبانی کے لئے سپاہیوں کا پہرہ موجُود ہے

(ب) پر اگر بفرضِ محال ہم یہ بھی مان لیں کہ اِن چند کم حوصلہ آدمیوں نے لاش چُرانے کی سازش کر لی تھی تو ایک اور مشکل پیش آتی ہے۔ اور وُہ یہ کہ قبر کی نگہبانی کے لئے سپاہیوں کی ایک گارد موجُود تھی۔ اب سپاہی اُن کو لاش چُرانے کی کب مُہلت دینے لگے تھے؟ اگر یہ کہا جائے کہ وُہ سو گئے تھے تو یہ ماننا ناممکن ہے۔ کیونکہ رُومی قانُون کے مطابق جو سپاہی نگہبانی کے کام میں غفلت کرتے تھے وُہ سخت سزا پاتے تھے۔ یاد رہے کہ اُس وقت ساتھ

سپاہیوں کا پہرہ موجود تھا۔ کیا وہ ساٹھوں کے ساٹھوں سو گئے؟ چند سال بعد پولوس اور سیلاس فلپی کے قید خانہ میں ڈالے گئے اور جب مُعجزانہ طور پر اُن کی زنجیریں کٹ گئیں اور جیل کے دروازے کھُل گئے تو داروغہ جیل خودکشی کے لئے تیار ہو گیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ قیدیوں کا اُس کی غفلت سے نکل جانا اُس پر سخت سزا لائیگا۔ مشہور ایچ۔ پی۔ لڈن صاحب اپنے ایسٹر سرمنوں کی پہلی جلد میں پطرس کی زنجیروں کے مُعجزانہ طور پر کٹ جانے کا ذکر کرتے ہُوئے فرماتے ہیں کہ ہیرودیس سنتریوں سے ایسا ناراض ہُوا کہ اُن کو جان سے مار ڈالا۔ تعجب ہے کہ جو سنتری یا سپاہی مسیح کی محافظت کے واسطے مقرر کئے گئے ایسے نڈر تھے کہ سب کے سب سو گئے۔ اور سوئے بھی گھوڑے بیچ کر۔ قبر پر سے ایک بڑا بھاری پتھر جس پر مُہریں لگی ہُوئی تھیں سرکایا جا رہا ہے۔ خاصہ شور ہو رہا ہے۔ خاصی دیر لگ رہی ہے۔ مگر وہ ایسی ہی تانے پڑے ہیں۔ کہ کروٹ تک نہیں بدلتے۔ کون اس بات کو مانیگا؟ اب اگر یہ کہا جائے کہ اگر سپاہی واقعی اپنی غفلت کے سبب سے سزا پاتے تھے۔ اور اگر وہ سپاہی بھی جو مسیح کی قبر کے نگران تھے غافل ہونے کی وجہ سے معرض خطر میں آ سکتے تھے تو اُنہوں نے یہودیوں سے رشوت کیوں لی کیونکہ متی کہتا ہے کہ سردار کاہنوں نے بزرگوں کے ساتھ جمع ہو کر مشورہ کیا اور سپاہیوں کو بہت سا روپیہ دے کر کہا یہ کہہ دینا کہ رات کو جب ہم سو رہے تھے اُس کے شاگرد آکر اُسے چرا لے گئے اور اگر یہ بات حاکم کے کان تک پہنچی تو ہم اُسے سمجھا کر تم کو خطرہ سے بچا لینگے۔ پس اُنہوں نے روپیہ لے کر جیسا سکھایا گیا تھا ویسا ہی کیا۔ اور یہ بات آج تک یہودیوں میں مشہور ہے" (متی ۲۸: ۱۲-۱۵) اب اگر اُنہوں نے اپنے خطرے کو جان بوجھ کر یہ عہد کر لیا کہ ہم کہہ دینگے۔ کہ ہم سو رہے تھے اور اُس کے

شاگرد آکر اُس کی لاش کو چُرا لے گئے۔ تو اُنہوں نے قصداً اپنے اُوپر وہ جُرم لیا جس کی سزا موت تھی۔ یا یُوں کہیں کہ وہ جان بُوجھ کر اپنی مرضی سے دہن اجل میں جا پڑے۔ پر اس کے جواب میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ متی کی اس عبارت کے پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیوں نے یہ رشوت اس واسطے نہیں دی تھی کہ سپاہی حاکم کے سامنے جا کر یہ کہیں بلکہ اس لئے کہ عام لوگوں کو جو انہیں سزا دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے تھے یہ کہیں کہ اُس کی لاش کو اُس کے شاگرد چُرا لے گئے ہیں۔ چنانچہ وہ رشوت دیتے ہُوئے کہتے ہیں "کہ اگر یہ بات حاکم کے کان تک پہنچی ہم اُسے سمجھا کر تم کو خطرہ سے بچا لینگے"۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جب سپاہیوں نے روپیہ لیا تو اُس وقت اُن کو یقین تھا کہ یہ بات حاکم تک نہیں جائیگی۔ پس ہم روپے کیوں ہاتھ سے جانے دیں۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ اُن کا یہ بھی خیال ہو کہ اگر اس معاملے کی حاکم کے سامنے بازپرس ہوئی تو ہم اسی طرح سارا حال صحیح صحیح طور پر اُس کے سامنے بھی بیان کر دینگے۔ (دیکھو متی ۲۸: ۱۱)۔

پس صاف ظاہر ہے کہ ان سپاہیوں کے پہرہ میں سے مسیح کی لاش اُڑا لے جانا ناممکن بلکہ محال تھا۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ یہ عید کا موقعہ تھا کئی لاکھ آدمی موجود تھے

(ج) پھر اس بات پر بھی غور کیجئے کہ یہ موقعہ ایک بڑی عید کا موقعہ تھا۔ کہتے ہیں کہ بیس تیس لاکھ یہودی اس موقعہ پر یروشلیم میں جمع ہُوا کرتے تھے۔ اور وہ سب اپنے دینی رہنماؤں اور پیشواؤں سے پُوری پُوری ہمدردی رکھتے تھے۔ وہ مسیح کی پست حالی کے سبب سے اُسے مسیح موعود نہیں جانتے تھے۔ ان لوگوں سے یروشلیم کے گلی کُوچے بھرے پڑے تھے تعجب ہے کہ ان میں سے بھی کسی نے اُن کو لاش چُراتے نہ دیکھا۔ اور نہ

سے جانتے دیکھا۔ نہیں یہودی خود جانتے تھے کہ لاش چُرائی نہیں گئی۔ چنانچہ جب پطرس اور یُوحنّا نے مسیح کے جی اُٹھنے کی منادی کی تو انہوں نے اُن کو کوڑے لگائے پر یہ نہیں کہا کہ ہم تم کو اس لئے مارتے ہیں کہ تم نے مسیح کی لاش چُرائی اور جُھوٹ سے یہ بات مشہور کر دی کہ وُہ مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ اُنہوں نے استفنس کو سنگسار کیا۔ اور اور مسیحیوں کو ستایا۔ مگر اُن پر کبھی یہ الزام نہ لگایا کہ تم چور ہو۔ تم یسُوع کی لاش چُرا لے گئے۔ اور تم نے جھوٹ مُوٹ یہ بات مشہور کر دی کہ وُہ جی اُٹھا ہے۔ اب مذکورہ بالا

پس ناممکن ہے کہ مسیح کی لاش چُرائی گئی ہو

باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ وُہ تاویل جو یہ کہتی ہے کہ مسیح کبھی زندہ نہیں ہُوا بلکہ اُس کے شاگردوں نے اُس کی لاش چُرا کر مشہور کر دیا کہ وُہ زندہ ہو گیا ہے بالکل بے بُنیاد ہے۔ بلکہ ناپاک ہے کیونکہ وُہ اُن لوگوں پر جنہوں نے سچائی کے لئے اپنی جانیں دے دیں جھوٹ اور فریب کا الزام لگاتی ہے ؂

دُوسری تاویل

دُوسری تاویل جو ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں یہ ہے کہ مسیح مرا نہیں تھا بلکہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ پھر جب کُچھ عرصہ کے بعد اُس کو ہوش آیا تو وُہ اپنے شاگردوں کو مِلا۔ اور چند دِن زندہ رہ کر پھر

طرزِ استدلال

مر گیا اِس تھیوری کے ماننے والے اس طرح استدلال کرتے ہیں۔ صلیبی موت میں خواہ ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں بھی گاڑی جائیں تاہم خون بہت ضائع نہیں ہوتا۔ اور مصلوب کُچھ بُھوک کے مارے اور کُچھ غش سے تڑپ تڑپ کر دیر بعد مرتا ہے۔ اب اگر مسیح صرف چھ گھنٹے کے بعد صلیب سے اُتار گیا تو وُہ مرا نہیں تھا۔ بلکہ غش کے سبب سے بیہوش ہو گیا تھا۔ پس قبر میں تھوڑے عرصہ تک رہنے کے بعد وُہ پھر ہوش میں آگیا۔ بعض کہتے ہیں کہ کسی مرہم کے استعمال سے وُہ چنگا ہو گیا۔ اس دِلچسپ بحث پر ضربتِ عیسوی مصنّفہ اکبر مسیح کا

مطالعہ کرنا چاہیئے۔ ہم یہاں صرف وُہ خیالات پیش کرنا چاہتے ہیں جو ایسی کمزور تاویلوں کی تردید کرتے ہیں ؂

انجیلوں کا صاف بیان اس وہمی تاویل کا مخالف ہے

پہلی بات اِس تاویل کی تردید میں یہ ہے کہ چاروں انجیل نویسوں کی گواہی اِس تاویل کے برخلاف ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ مسیح واقعی مر گیا تھا۔ لِڈن صاحب نے خُوب کہا ہے۔ کہ یہ تو تعجّب کی بات نہیں کہ وُہ صلیب پر فقط چند گھنٹے رہ کر مر گیا۔ تعجّب اس میں ہے کہ وُہ اس سے جلدی کیوں نہ مرا کیونکہ اُس نے مصلوب ہونے سے پہلے سپاہیوں

واقعات ثابت کرتے ہیں کہ وُہ صلیب پر مر گیا تھا

اور عوام کے ہاتھ سے بہت صدمے اُٹھائے تھے۔ پھر ہم پڑھتے ہیں۔ کہ بھالے سے اُس کی پسلی چھیدی گئی۔ کیا وُہ سپاہی کی برچھی کھانے کے بعد بہت مُدّت تک زندہ رہ سکتا تھا؟ ہم کو انجیل نویس صاف بتاتے ہیں کہ سپاہیوں نے اُس کی ٹانگوں کو بالکل نہ توڑا کیونکہ وُہ پہلے ہی سے مر گیا تھا۔ اور کہ پلاطُوس نے لاش کو نیچے اُترنے نہ دیا جب تک کہ صُوبہ دار سے دریافت نہ کر لیا کہ وُہ فی الواقع مر گیا ہے۔ پر اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ جب وُہ صلیب پر سے اُتار گیا اُس وقت زندہ تھا۔ تو ایک اور بات سامنے آتی ہے جو اُسے مُدّت تک زندہ رہنے نہ دیتی اور وُہ یہ کہ جب یُوسف ارمتیہ اور نکودیمس نے اُس پر خوشبوئیاں ملنی شروع کیں۔ اگر وُہ اُس وقت زندہ ہوتا تو دم گُھٹ کر مر جاتا۔ کیونکہ لِکھا ہے کہ وُہ کوئی پچّاس سیر مُر اور عود اپنے ساتھ لائے تاکہ ان چیزوں کو اُس کے جسم پر ملیں اور پھر اُس کے بعد یہودی دستُور کے مطابق اُس کو کفن پہنایا۔ یعنی اُس کا مُنہ سر سب کچھ لپیٹ دیا۔ یہ ساری باتیں دیکھ کر حیرت آتی ہے کہ لوگ کیوں اِس سیدھے سادے بیان کو قبول نہیں

کمنے ۔ مورخ صاف بتاتے ہیں کہ وُہ مر گیا تھا۔ دُشمنوں کا بھالا صاف کہے دیتا ہے کہ وُہ مر گیا تھا۔ پچاس سیر مُر اور عود گواہی دیتے ہیں کہ وُہ مر گیا تھا۔ کفن اور قبر پُکار رہے ہیں کہ وُہ مر گیا تھا۔ اُس کے زمانہ کے تمام یہودی کہتے ہیں کہ وُہ مر گیا تھا۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہودیوں نے گو اور کئی طرح سے شاگردوں پر حملہ کیا مگر کبھی یہ نہیں کہا کہ یسُوع مسیح صلیب پر کبھی مرا نہیں تھا۔ بلکہ صرف بیہوش ہو گیا تھا۔ اب یہ سب گواہ گواہی دیتے ہیں کہ وُہ مر گیا تھا۔ مگر ہمارے بعض مہربان دوست اس بات کو نہیں مانتے حالانکہ خود اُس وقت موجود نہ تھے۔ بروس صاحب نے اس موقعہ پر جو کلام سٹراس کی تحریر سے اقتباس کیا ہے غور کے لائق ہے۔ سٹراس کا نام اِس کتاب میں بار

سٹراس اس تاویل کا مخالف ہے

بار آ چکا ہے یہ شخص مسیحی نہ تھا۔ بلکہ مسیحی مذہب کا بڑا دُشمن تھا۔ اور مسیح کے جی اُٹھنے کا قائل نہ تھا۔ مگر تاہم اِس تاویل کا مخالف تھا۔ چنانچہ وُہ کہتا ہے "یہ ناممکن ہے کہ وُہ شخص جو کہ ادھ مُوا سا قبر میں سے نکلا تھا جو بیمار اور کمزور آدمی کی طرح لڑکھڑا کر چلتا پھرتا تھا۔ جسے حکیم کے علاج کی ضرورت تھی۔ جو مرہم پٹی اور طاقت وغیرہ کا محتاج تھا اور جو آخرکار اپنی تکلیفوں سے مغلوب ہو ہی گیا ہاں یہ ناممکن ہے کہ ایسا شخص شاگردوں

سٹراس کے یہ الفاظ واقعی پُر معنی ہیں

پر یہ اثر پیدا کرتا کہ وُہ اُسے موت اور قبر کا فاتح اور زندگی کا شہزادہ سمجھنے لگ جاتے۔ پر ہم دیکھتے ہیں کہ یہی عقیدہ اُن کی آئندہ خدمت کی تہ میں تھا۔ پس اگر وُہ صرف غش سے ہوش میں آتا۔ تو اس سے وُہ اثر بھی جاتا رہتا جو اُس نے پہلے اپنی زندگی اور موت کے وسیلے اُن پر ڈالا تھا۔ اِس قسم کی زندگی شاید زیادہ سے زیادہ غم پیدا کرتی لیکن کسی طرح سے اُن کے غم کو سرگرمی میں تبدیل نہیں کر

سکتی تھی۔ اور نہ تعظیم و عبادت میں"۔

ان دِنوں اِس خیال کو بیدار مغز اشخاص بہت کم مانتے ہیں۔ اور

پس مسیح صلیب سے زندہ نہیں اُترا

جو خیالات ہم اُوپر عرض کر چکے ہیں اُن پر غور کرنے سے ہر منصف مزاج شخص کو ماننا پڑتا ہے۔ کہ کوئی بات اس بے بُنیاد تاوِیل کی تائید نہیں کرتی۔ پس مسیح صلیب پر سے زِندہ نہیں اُترا تھا۔

تیسری تاوِیل

اب ہم تیسری تاوِیل کی طرف رجُوع کرتے ہیں۔ یہ تاوِیل ظاہر کرتی ہے کہ ہمارا خُداوند کبھی مُردوں میں سے زندہ نہیں ہُوا تھا۔ پر شاگرد مدت تک اُس کی نسبت سوچتے رہے اور آخرکار اُن کے ذہن پر اُس کی صُورت ایسی نقش ہو گئی کہ وُہ خیال کرنے لگ گئے کہ وُہ مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ یا یُوں کہیں کہ اُس کی تصویر اُن کے سامنے کھنچ گئی۔

رینان کا خیال کہ مسیح کی دید کے نظارے وہم سے پیدا ہوئے تھے

اس دعوے کو رینان کے الفاظ میں یُوں ادا کر سکتے ہیں "سرگرمی اور محبت کے لئے کوئی قید نہیں۔ یہ دونو صفتیں ناممکن باتوں کو بھی ہلکا جانتی ہیں اور اُمید منقطع کرنے کے عوض حقیقی باتوں میں بھی تصرف کر بیٹھتی ہیں۔ لہٰذا کئی باتیں جو اُستاد نے کہی تھیں اِس معنی میں لی گئیں کہ وُہ قبر میں سے نِکل آئیگا علاوہ بریں یہ اعتقاد اُن لوگوں کی طبیعت سے ایک خاص مناسبت رکھتا تھا۔ پس شاگردوں کا ایمان اِس قسم کا قصہ بآسانی ایجاد کر سکتا تھا۔ حنوک اور الیاس جیسے بڑے بڑے نبیوں نے کبھی موت کا مزہ نہیں چکھا تھا پس جو کچھ اُن کے تجربہ سے گُذرا تھا ضرُوری امر تھا کہ یسُوع کے تجربے سے بھی گُذرے۔ موت کا کسی بالیاقت یا کسی کشادہ دِل شخص کو مارنا ایسا پُر حماقت کام معلوم ہوتا ہے کہ لوگ نیچر کی ایسی غلطی کو مانتے نہیں

سکتے۔ بہادر اشخاص کبھی نہیں مرتے۔ اس بزرگ اُستاد نے اُس دائرے
کو جس کا مرکز وُہ آپ ہی تھا خوشی اور اُمید سے معمور کر رکھا تھا"۔
"پس اُس کے شاگرد یہ دیکھ سکتے تھے۔ کہ وُہ قبر میں پڑا سڑا
کرے"، مطلب رینان کا یہ ہے کہ اوّل تو مسیح کے کلام ہی میں بعض
ایسی باتیں پائی جاتی تھیں جن کی یہ تشریح ہو سکتی تھی کہ وُہ مُردوں میں سے
جی اُٹھیگا۔ اور پھر یہودیوں کے بعض نبی ایسے تھے جن کی نسبت مانا
جاتا تھا کہ وُہ کبھی موت کے چنگل میں گرفتار ہی نہیں ہُوئے۔ اب
شاگرد چاہتے تھے کہ اُن کا اُستاد اِن نبیوں سے کسی طرح کم نہ رہے
لہٰذا اِن سب باتوں نے مِل جُل کر یہ اثر پیدا کیا کہ اُنہوں نے اُسے قبر
میں سڑتے دیکھنا گوارا نہ کیا۔ پس اپنے واہمہ میں اُسے زندہ دیکھ کر
مشہور کر دیا کہ وُہ جی اُٹھا ہے۔ گویا جب شاگردوں کی جماعت نے مسیح
کو قبر میں پڑا دیکھا تو اُن میں سے کئی ایک نے کہا کہ ہم رائے پیش کرتے
ہیں کہ یسُوع مُردوں میں نہ رہے۔ دُوسروں نے اس رائے کی تائید کی اور
آخر کار یہ ریزولیوشن پاس ہُوا کہ یسُوع کسی نہ کسی طرح مُردوں میں سے
اُٹھا دیا جائے۔ یُوں معتقدوں کی جماعت مُردے کو زندہ دیکھنے اور ماننے
کے لئے تیار ہو گئی اس پر طرّہ یہ ہُوا کہ جب اُنہوں نے قبر کو خالی دیکھا تو
وُہ اَور بھی دھوکا کھانے کے لئے تیار ہو گئے۔ (لیکن کوئی یہ نہیں بتاتا کہ
قبر کس طرح خالی ہُوئی)، مریم مگدلینی پہلی عورت تھی جس نے یہ رویا
دیکھی۔ وُہ قبر کے پاس کھڑی روتی تھی۔ سو جب اُس نے ذرا سی آہٹ
سُنی اور لوٹ کر نظر ڈالی تو ایک آدمی کو دیکھا۔ اُس سے پُوچھا کہ نعش
کہاں ہے۔ اس سوال کے جواب میں اپنا ہی نام "مریم" سُنا۔ یہ آواز
تھی کہ جس نے بارہا اُس کے بدن میں لرزہ پیدا کر دیا تھا۔ سو اُس نے
سوچا کہ یہ یسُوع کی آواز ہے۔ یُوں محبت کا معجزہ کامل ہو گیا۔ اب

وُہ کہتی ہے کہ مَیں نے اُسے دیکھا اور اُس کی آواز سُنی ہے۔ اَب جب ایک نے
اُس کو دیکھ لیا تو دُوسروں کے لئے اُسے دیکھنا کچھ مُشکل کام نہ تھا پس یہ
رویتیں ایسی متعدی ہو گئیں کہ ایک ایک شاگرد کو یسُوع نظر آنے لگا واضح
ہو کہ اس طرح رینان اور اُس کے ہم مکتب احباب نے مسیح کے جی اُٹھنے کی
نسبت رائے دی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ جہاں جوش اور اُمید اور محبت
جیسی صفتیں موجود ہوتی ہیں وہاں اگر بیرُونی اسباب سے ذرا بھی مدد
ملے تو فوراً جس شخص کو چاہیں اُسی کی پُوری پُوری شکل پیدا ہو جاتی ہے
بلکہ یُوں کہیں کہ وُہ آپ آ کر سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔

سٹراس کا خیال

سٹراس اِس عجیب وقوعہ کو اور ہی طرح حل کرتا ہے
وُہ کہتا ہے کہ پولوس یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ مَیں نے یسُوع مسیح کو مُردوں میں
سے جی اُٹھنے کے بعد دیکھا اور میرا دیکھنا اُسی قسم کا ہے جس قسم کا پہلے
رسُولوں کا تھا۔ لیکن جو نظارہ پولُوس کو نصیب ہُوا وُہ لاریب خیالی تھا
اور پولُوس ایسی طبیعت اور مزاج کا آدمی تھا کہ ایسے خیالی نظاروں کو دیکھنا
اُس کے لئے کچھ مُشکل نہ تھا۔ کیونکہ وُہ خود ہم کو بتاتا ہے کہ ایک طرح کے
وجد کی حالت اُس پر اکثر طاری ہو جاتی تھی (۲ کرنتھی ۱۲: ۱)۔ اب اُس کے اس
قسم کے دعوؤں سے یہ خیال گذرتا ہے کہ وُہ شاید مرگی کی سی کسی بیماری میں گرفتار
تھا اور یہی وُہ سبب تھا جس کی وجہ سے عجیب قسم کے نظارے اُس کی
آنکھوں کے سامنے آتے تھے۔ اور جب وُہ وقت آیا جس وقت اُسے مسیح
کی پیروی کا فیصلہ کرنا پڑا۔ جس وقت طرح طرح کے جذبات اُس کے دل
میں جوش زن تھے۔ جس وقت نئے اور پُرانے خیالوں میں ایک قسم کی جدّوجہد
جاری ہو گئی تھی اُس وقت اُس کے خیالات کا انسانی صورت اختیار کر کے
اُس کے سامنے آ کھڑا ہونا اُس کی طبیعت کے عین مطابق تھا۔ اور جو روشنی
اُس کے تجربے سے ہم کو ملتی ہے اُس کی امداد سے یہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے۔

کہ پہلے رسُولوں اور شاگردوں نے کس طرح مسیح کو زندہ دیکھا یعنی جس طرح
پولُوس نے دیکھا اُسی طرح اُنہوں نے دیکھا۔ مسیح کی مَوت نے اُن شاگردوں
کے ایمان کو ہلا دیا تھا۔ اور اغلب ہے کہ اُس وقت اُن کے دِلوں میں یہ تحریک
پیدا ہُوئی ہو کہ کسی نہ کسی طرح اُس نقص پر جو مسیح کی مَوت سے برپا ہُوا ہے
غلبہ پانا ضرُوری امر ہے اور اس کے ساتھ جب اُنہوں نے نوِشتوں کی چھان
بین شروع کی تو وہاں اس قسم کے نوشتے پائے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ
مسیح مَوت کا شکار تو ہوگا۔ مگر مَوت اُس پر غالب نہ رہیگی۔ یُوں اُنہوں نے
مَوت اور جی اُٹھنے کے ہر دو واقعات کو مسیح کے تجربہ میں شامل کر دیا پس
جب یسُوع مر گیا تو اُنہوں نے یہ انتظاری شروع کی کہ وُہ نوِشتوں کے
مُطابق جی بھی اُٹھیگا۔ اَب جبکہ وُہ ایسے واقعہ کے ظہُور کے دل وجان سے
مُنتظِر تھے اُس وقت اُن کے انتظار میں سے مسیح کے جی اُٹھنے کے وُہ نظارے
پیدا ہُوئے جو انجیلوں میں مندرج ہیں ٭

اس تاویل کی تردید یہ حل یا شرحِ سٹراس کی طرف سے ہے۔ پر اس تاویل
پر بھی بڑے حملے کئے گئے ہیں اور اس کی کمزوریاں فاش کی گئی ہیں پہلی بات
اس کے برخلاف یہ ہے کہ رینان اور سٹراس کی تھیوری کے مطابق بہت وقت
کی ضرُورت تھی کیونکہ قلیل سے عرصہ میں شاگردوں کے دل اِس قسم کے وہمی
نظاروں کے دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے تھے لیکن انجیل نویسوں کے
بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح اپنی وفات سے کُل تین دن بعد اُن کو نظر
آنے لگ گیا۔ اَب اگر مسیح ایسا جلد نظر آنے لگ گیا جیسا کہ انجیلوں کے
بیان سے عیاں ہے تو وہمی نظاروں والے خیال پر ایک یہ اعتراض قائم
ہوتا ہے کہ یہ وقت ایسا نہ تھا کہ وہمی رویتیں یا نظارے نظر آتے کیونکہ
شاگرد اس وقت انجیلوں کے بیان کے مطابق شکستہ خاطر اور غم کے
بھنور میں مُبتلا تھے۔ چنانچہ سب انجیلیں اُن کی اس حالت پر گواہی دیتی

ہیں۔ مثلاً متّی کہتا ہے کہ جب مسیح شاگردوں کو گلیل میں مِلا تو ”بعض نے
شک کیا“۔ (متّی ۲۸: ۱۷) مرقس کہتا ہے کہ جب شاگردوں نے مریم
مگدلینی سے سُنا کہ مسیح زندہ ہے اور مَیں نے اُسے دیکھا ہے تو ”اُنہوں
نے یقین نہ کیا“۔ لُوقا بتاتا ہے کہ عورتوں کی باتیں شاگردوں کو ”کہانی سی
معلوم ہُوئیں“ (لُوقا ۲۴: ۱۱)۔ یُوحنّا ایک خاص شخص کا ذکر کر کے بتاتا ہے
کہ اُنہوں نے یک بیک مسیح کے جی اُٹھنے کو قبُول نہیں کیا۔ مثلاً وُہ توما
کا ذکر کرتا ہے اور دکھاتا ہے کہ وُہ کس طرح اِس واقعہ کی خبر کو قبُول کرنے
میں محتاط تھا۔ اگر ہم یُوحنّا ۲۰: ۲۴-۲۵ کو پڑھیں تو ہم دیکھینگے کہ
جب اُس کو مسیح کے جی اُٹھنے کی خبر دی گئی تو اُس نے جواب میں کہا ”کہ
جب تک مَیں اُس کے ہاتھوں میں میخوں کے سُوراخ نہ دیکھ لُوں اور میخوں کے
سُوراخوں میں اپنی اُنگلی نہ ڈال لُوں اور اپنا ہاتھ اُس کی پسلی میں نہ ڈال لُوں
ہرگز یقین نہ کرُونگا“۔ اسی طرح عورتیں بھی اُس کے جی اُٹھنے کی مُردوں کی
نسبت کچھ زیادہ مُنتظر نہ تھیں۔ وُہ اُس کی قبر پر اُس کو زندہ دیکھنے نہیں
گئی تھیں بلکہ اُس کی لاش پر عطریات و خوشبُویات مَلنے گئی تھیں۔ اور
انجیلی بیانات کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد مسیح کی صُورت کو
دیکھ کر کبھی اِس فکر میں پڑ جاتے تھے کہ جو صُورت ہم دیکھ رہے ہیں کیا وُہ
ایک ہوائی نقشہ ہے یا حقیقی صُورت ہے۔ اور کبھی اس بات پر غور کرتے
تھے۔ کہ جس مسیح کی شکل ہم دیکھ رہے ہیں کیا وُہ وہی مسیح ہے جو ہمارے
ساتھ رہا کرتا تھا یا ہم کو کسی اور چیز کی شکل نظر آتی ہے؟ اُنہوں نے
اُسے رُوح یا بھُوت بھی سمجھا اور اُن کا یہ خیال وُہی خیال ہے جو رینان
اور سٹراس کا تھا۔ اَب ہم یہ دیکھ کر کہ وُہ خود رینان اور سٹراس کی طرح
اُن نظاروں کو جو اُنہیں نصیب ہُوئے مشاہدہ کرنے کے بعد یہ سوچتے تھے
کہ وُہ کہیں وہمی نہ ہوں اور اُنہوں نے اپنے وہم کو رد کرنے میں کوئی کسر نہ

چھوڑی اور اس بات کا فیصلہ کرنے ہیں کہ جو نظارے ہم مسیح کی شکل کے دیکھ رہے ہیں وُہ کہیں جھُوٹے نہ ہوں۔ اُنہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ہاں ان سب باتوں کو دیکھ کر ہم کس طرح رینآن اور سٹراس اور اُن کے ہم خیال لوگوں کے اس دعوے کو قبُول کر سکتے ہیں۔ کہ مسیح حقیقت میں زندہ نہیں ہُوا تھا۔ فقط اُس کی صُورت کے وہمی نظارے شاگردوں کی انتظاری کے باعث پیدا ہو گئے تھے؟

دیگر اعتراضات مگر سوائے اعتراضات مذکورہ بالا کے ذیل کی باتیں اس رکیک تاویل کے برخلاف ہیں ÷

(۱) کہ اگر یہ نظارے وہمی ہوتے تو ایسے نہ ہوتے جیسے بیان ہُوئے ہیں۔ جو مسیح اُن کو نظر آتا ہے اُس کی حالتیں اور طریقے اُس مسیح سے جو مرنے سے پہلے اُن کے ساتھ رہتا تھا مختلف تھے۔ اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ نظارے باوجُود عجیب و غریب ہونے کے صاف اور سادا بھی ہیں ÷

(۲) یہ نظارے بہت جلد بند ہو گئے۔ اگر یہ وہم سے پیدا ہُوئے تھے تو چاہئے تھا کہ مدّت تک وہم اپنا کام کرتا رہتا اور مسیح اُن کو ہمیشہ نظر آتا رہتا۔ کیا سبب ہے کہ فقط چند دن تک مسیح کے نظارے اُن کو نصیب ہُوئے اور پھر بند ہو گئے؟ اِس کا اور کوئی جواب نہیں سوائے اس کے کہ مسیح فی الحقیقت جی اُٹھا تھا اور جب جب وُہ اُن کو نظر آیا اُنہوں نے اُس کو دیکھا۔ اور جب وُہ آسمان پر چڑھ گیا تب یہ نظارے بھی بند ہو گئے ÷

(۳) کہ جو تبدیلی شاگردوں کے مزاج میں مسیح کے نظاروں سے فی الفور پیدا ہُوئی وُہ اُس ذہنی حالت کے برخلاف ہے جس سے وہمی نظارے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مسیح اُن کو نظر آیا

تو فوراً اُن کی حالت تبدیل ہو گئی۔ اور اُنہوں نے یسُوع کے مسیحائی درجہ کا صحیح عرفان حاصل کیا اور اُسی وقت سے اُس کے نام پر گواہی دینے کا مصمّم ارادہ اُٹھانا۔ اور یہ ہمت باندھی کہ ہم اپنے خُداوند کے نام کی جو مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ تمام دُنیا میں منادی کرینگے۔ اب اگر اُن کا دماغ یا مزاج اپنی اصلی صحت سے بہ سبب طرح طرح کے غور و فکر کے گرا ہُوا تھا۔ اور وہمی نظاروں کے لئے تیار ہو رہا تھا تو ضرُور تھا کہ وُہ کم از کم کچھ مدّت تک اُسی حالت میں رہتا۔ پس اُن کے مزاج میں جو تبدیلی فی الفور پیدا ہُوئی رینآن اور سٹراس کی تاویل کے برخلاف ہے ÷

چوتھی تاویل اب بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اُوپر کی تاویلوں کو تو ناقص سمجھتے اور اُن کی تردید میں بڑی زبردست دلائل پیش کرتے ہیں۔ مگر یسُوع کے جسم کے حقیقی طور پر جی اُٹھنے کے قائل نہیں۔ مثلاً مرقومہ بالا سطور میں جو تین باتیں رینآن اور سٹراس کی تھیوری کے برخلاف پیش کی گئی ہیں وُہ اسی قماش کے لوگوں میں سے ایک شخص کے قلم سے نکلی ہیں۔ اس کا نام کیم ہے۔ وُہ اور اُس کے ہم خیال اشخاص یہ مانتے ہیں کہ مسیح کے مرنے کے بعد جو نظارے اُس کے جسم کے جی اُٹھنے کے اُس کے شاگردوں نے دیکھے وُہ وہم سے نہیں پیدا ہُوئے تھے بلکہ وُہ سچّے تھے۔ مگر اس معنی میں نہیں کہ مسیح درحقیقت اپنے بدن کے ساتھ جی اُٹھا تھا۔ بلکہ اس معنی میں کہ اُس کی رُوح زندہ تھی اور اُسی رُوح نے وُہ نظارے شاگردوں کو دکھائے جو اُنہوں نے دیکھے تاکہ اُن کے دلوں کو اطمینان حاصل ہو اور وُہ جانیں کہ ہمارا خُداوند زندہ ہے اور موت سے اُس کا وجُود معدُوم نہیں ہُوا ÷

یہ نظارے وہمی نہ تھے۔ یسُوع کی قدرت سے ظاہر ہُوئے تاہم یسُوع کے زندہ بدن کے حقیقی نظارے نہ تھے

اس تاویل یا تشریح کا مطلب ظاہر کرنے کے لئے زیادہ خامہ فرسائی

کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمیں اُمید ہے کہ ناظرین نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس تاویل کے ماننے والے ان کی صداقت اور حقیقت کے قائل ہیں۔ کیونکہ وُہ یہ نہیں مانتے کہ یہ نظارے جو انجیل میں درج ہیں محض وہم سے پیدا ہُوئے مگر وُہ یہ مانتے ہیں۔ اور ہم سے منوانا چاہتے ہیں۔ کہ جو بدن شاگرد دیکھتے تھے وُہ حقیقی بدن نہ تھا لیکن وُہ شاگردوں کے وہم کا نتیجہ بھی نہ تھا کیونکہ یسُوع کی زندہ رُوح نے وُہ نظارے پیدا کئے تھے تاکہ شاگردوں کو معلوم ہو جائے کہ یسُوع فنا نہیں ہُوا بلکہ زندہ ہے ۔

ہم اِس تاویل کو بھی نہیں مانتے

اَب ہم اِس تاویل کو بھی قبول نہیں کر سکتے گو یہ تاویل مسیح کے بدن کے جی اُٹھنے کے اظہاروں کو ایک طرح اُس کی زندہ رُوح کے عمل سے منسُوب کرتی ہے ۔ دراصل یہ تاویل بھی اُسی مُشکل سے پیدا ہوتی ہے جو لوگوں کو سُوپر نیچرل کا مُنکر بناتی ہے۔ اِس تاویل کی تردید میں ذیل کے خیالات پیش کئے جا سکتے ہیں ۔

یہ تاویل بعض فوق العادت باتوں کو مانتی ہے

(۱) اِس تاویل کے ماننے سے اُن لوگوں کو جنہوں نے اس کو تجویز کیا ہے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ اُنہوں نے بدن کے جی اُٹھنے کو قوانین کے برخلاف سمجھ کر یہ تشریح گھڑی ہے ۔ مگر جیسا بدن کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا قوانین قُدرت کے خلاف ہے ۔ ویسا ہی مسیح کی زندہ رُوح کا فوق العادت نظارے پیدا کرنا قوانین قُدرت کے خلاف ہے ۔ پس جب اِس تشریح میں بھی قوانین قُدرت کو پناہ نہیں ملتی تو کیا ضرُورت ہے کہ ہم انجیل کے سادہ بیانات سے خلاف ورزی اختیار کریں اور کلیسیا کی قدیم تشریح اور عقیدے کو رَدّ کریں ۔

یہ تاویل رُوح کو جھُوٹا ٹھہراتی ہے

(۲) یہ شرح مسیح کی رُوح کو جس سے مسیح کے اظہارات منسُوب کئے جاتے ہیں جھُوٹا ٹھہراتی ہے کیونکہ یہ تاویل ایک طرف تو یہ مانتی ہے ۔ کہ جن اظہارات کا ذکر انجیلوں میں پایا جاتا ہے

وُہ مسیح کی رُوح کی قُدرت سے وجُود میں آئے پر دُوسری جانب مسیح کے بدن کے جی اُٹھنے کا انکار بھی کرتی ہے ۔ اَب اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسیح کا بدن نہیں جی اُٹھا تھا ۔ تو اُس کی رُوح نے شاگردوں کی تسلّی کے لئے اور اُن کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ یسُوع فنا نہیں ہُوا بلکہ زندہ ہے مُعجزانہ آواز کے وسیلے یہ خبر کیوں نہ دی کہ اَے شاگردو تُم کو مغمُوم نہیں ہونا چاہیئے ۔ اور نہ گھبرانا چاہیئے تُمہارا اُستاد جو مر گیا تھا اُس کی رُوح اَب تک زندہ ہے ؟ اگر یہ خبر آواز کے وسیلے دی جاتی تو اُس کے شاگرد اُس کے جسم کو زندہ سمجھنے کی غلطی میں گرفتار نہ ہوتے ۔ مگر برعکس اس کے ہم یہ دیکھتے ہیں ۔ کہ آسمان سے جب اُس کی رُوح کے زندہ ہونے کی خبر آتی ہے ۔ تو وُہ ایسے واقعات اور ایسے الفاظ میں آتی ہے جو جسم کے زندہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں ۔ اَب اگر مسیح کا جسم مُردوں میں سے نہیں جی اُٹھا تھا تو واقعی یہ آسمانی تار برقی صداقت کے اظہار کے بالعوض زیادہ تر مغالطہ میں ڈالنے والی تھی ۔

سب سے آسان بات

پس سب سے آسان بات یہ ہے کہ ہم اُس بیان کو سچّا اور راست سمجھیں جو انجیلوں میں مندرج ہے ۔ جس سے بظاہر ہوتا ہے ۔ کہ وہی جسم جو قبر میں رکھا گیا تھا ۔ پھر جی اُٹھا اور شاگردوں کو نظر آیا اَب کیا ہم اس بات کو اس لئے رَدّ کریں کہ مُردہ بدن کا جی اُٹھنا ہماری سمجھ سے باہر ہے ؟ کیا اِس بات کا سمجھنا زیادہ آسان ہے کہ مسیح کی زندہ رُوح خلا میں ایسی شکلیں پیدا کر سکتی تھی ۔ جو مسیح کے مشابہ تھیں ۔ مگر درحقیقت مسیح نہ تھیں ؟ ہماری رائے میں وُہ آسمانی خبر جو زمین پر آ کر ایک جسمانی صُورت اختیار کر سکتی تھی ایسا ہی عجُوبہ تھا ۔ جیسا مُردہ جسم کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا ۔

پانچویں تاویل ۔ اور وُہ فرق جو اُس میں اور باقی تاویلوں میں پایا جاتا ہے

واضح ہو کہ مذکورہ بالا تشریحیں اس بات

کی قائل ہیں کہ شاگردوں کے تجربہ سے کوئی نہ کوئی بات گذری جس سے یہ اعتقاد پیدا ہُوا کہ مسیح کا مُردہ بدن زندہ ہو گیا ہے لیکن آخری تشریح جس کا ذکر ہم اب کرنے لگے ہیں وُہ کسی طرح کے تجربہ کی قائل نہیں یعنی نہ وُہ یہ مانتی ہیں کہ مسیح صلیب پر سے بحالت غش اُترا اور چند عرصہ کے بعد پھر ہوش میں آیا اور اس سے یہ بات مشہور ہو گئی کہ وُہ مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ اور نہ یہ مانتی ہے کہ شاگردوں کے واہمہ نے خیالی مسیح کی شکل اُن کے سامنے پیدا کر دی اور نہ یہ ہی مانتی ہے کہ مسیح کی رُوح نے وُہ نظارے پیدا کئے جو بعد میں اُس کا مُردوں سے جی اُٹھنا سمجھے گئے۔

اِس آخری تاویل کا دعویٰ ہے کہ شاگردوں نے کسی طرح کا نظارہ نہیں دیکھا تھا

اس آخری تاویل کے مطابق کوئی ایسی بات سرزد نہیں ہُوئی بلکہ مسیح مر گیا اور دفن ہُوا اور برابر اپنی قبر میں پڑا رہا۔ پر جب یہ پُوچھا جاتا ہے کہ مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کا اعتقاد کس طرح پیدا ہُوا؟ تو اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ شاگرد اِس بات کو مانتے تھے کہ مسیح جو مصلوب ہُوا ہے۔ اَب بھی زندہ ہے۔ اور وُہ عام لوگوں کی طرح زندہ نہیں بلکہ حنوک اور مُوسیٰ اور الیاس جیسے خاص خاص بزرگوں کے ساتھ زندہ ہے۔ اور فرشتوں کے ساتھ بُود و باش کرتا ہے جس وقت کلوری کا صدمہ ذرا ہلکا ہُوا تو یہ اعتقاد فوراً اُن کے دِل میں پیدا ہُوا۔ اور یہ اعتقاد ایک ایسا اعتقاد ہے جو ہر ایک شخص رکھتا ہے یعنی جب حبیبوں کی جُدائی کا رنج ذرا کم ہو جاتا ہے تو اُس کے بعد یہ خیال پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ کہ ہمارا پیارا فنا نہیں ہُوا بلکہ زندہ ہے۔ یہی حال شاگردوں کا بھی ہُوا۔ بلکہ اُن کو مسیح کے زندہ ہونے کا یقین اَور بھی زیادہ تھا کیونکہ وُہ جانتے تھے کہ وُہ تو ایک بزرگ آدمی ہے جو کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔ یہ سچ ہے کہ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم نے مسیح کو خود دیکھا ہے پر اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ اگر وُہ ایسا نہ کہتے تو کوئی اس بات کو ہرگز ہرگز نہ

مانتا کہ مسیح آسمان پر زندہ موجود ہے۔ کیونکہ اور لوگ مسیح حالات سے ایسے طور پر واقف نہ تھے جس طرح یہ شاگرد تھے۔ پس اُن کا یہ کہنا کہ ہم نے مسیح کو دیکھا ہے اُسی طرح کا تھا۔ جس طرح پولُوس کا یہ دعوےٰ تھا کہ مَیں نے بھی مسیح کو دیکھا ہے۔ مگر پولُس کا مسیح کو دیکھنا رُوحانی قسم کا تھا مگر پولُوس اُس نظارے کو جو اُسے نصیب ہُوا اُن نظاروں کی مانند بتاتا ہے جو اُن شاگردوں کو نصیب ہُوئے۔ پس وُہ نظارے جو شاگردوں کو حاصل ہُوئے پولُوس والے نظارے کی مانند محض رُوحانی تھے۔

اگر یہ نظارے محض رُوحانی تھے تو مسیح کے جی اُٹھنے کی روایت کس طرح پیدا ہُوئی

جب ہم یہ پُوچھتے ہیں کہ اگر یہ نظارے رُوحانی تھے۔ تو پھر یہ عقیدہ کس طرح پیدا ہُوا کہ مسیح مُردوں میں سے بدن کے ساتھ جی اُٹھا؟ اِس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ عقیدہ اِس سبب سے پیدا ہُوا کہ یہُودی اور غیر یہُودی مسیح کے جی اُٹھنے کے ثبوت میں رُوحانی یا وہمی نظاروں کی نسبت زیادہ بہتر اور مضبُوط دلیل طلب کرتے تھے۔

مخالفوں کا جواب

پس جب اُن مسیحیوں نے جو رسُولوں کے شاگرد تھے اس حالت کو دیکھا تو جو کچھ اُنہوں نے رسُولوں سے سُنا تھا اُس کو بدل ڈالا۔ چنانچہ رُوحانی نظاروں کو مادی نظارے بنا دیا۔ اور رسُول اِس بات کو دیکھ کر چُپ رہے اور اِس غلطی کی اصلاح کی طرف بہت توجہ نہ کی۔

اس تاویل کے متعلق دو سوال

اَب اِس تاویل پر بھی دو اعتراض یا دو سوال کئے جا سکتے ہیں۔ اور وُہ یہ ہیں:۔

(۱) کیا یہ تاویل پہلے شاگردوں کی حالت کا صحیح صحیح بیان رقم کرتی ہے؟

(۲) کیا یہ تاویل واقعی زیادہ صحیح حل مسیح کے بدن کے جی اُٹھنے کا

پیش کرتی ہے؟

یہ تاویل یہُودی عقیدے کے خلاف ہے

(۱) پہلے سوال کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ تاویل یہُودی عقیدے کے برخلاف ہے۔ اِس تاویل کے مطابق جو نقشہ آئندہ زندگی کا ہمارے سامنے آتا ہے وُہ اپنی خصُوصیات میں بیگن (بُت پرست) عقیدے کے مطابق ہے اور یہُودی عقیدے کے مطابق نہیں۔ بُت پرست لوگ یہ مانتے تھے۔ کہ جو زندگی قبر کے بعد آتی ہے وُہ خالص رُوحانی زندگی ہے۔ مگر یہُودی یہ مانتے تھے کہ جو زندگی قبر کے پرے ہے وُہ گو جسم کی کمزوریوں سے بری ہے تاہم وُہ انسانی زندگی ہے اور حِسّات سے محسُوس کی جا سکتی ہے ؂

پولُوس کے تجربہ کا صحیح حل

علاوہ بریں پولُوس کے تجربہ کی نظیر جس طرح پیش کی جاتی ہے وُہ طرز بالکل ناقص ہے۔ پولُوس کی شہادت ہمارے لئے بڑی بیش قیمت ہے۔ اوّل اِس لئے کہ وُہ کسی کی سُنی سُنائی بات پیش نہیں کرتا۔ بلکہ جو کچھ خود اُس پر گذرا تھا اُسے پیش کرتا ہے اور پھر اس لئے بیش قیمت ہے کہ اُس کی راست گوئی اور دیانت داری پر کسی طرح کا دھبّہ نہیں اور نہ اُس کی حقیقت شناس قابلیّت پر کوئی شک لا سکتا ہے وُہ صاف بتاتا ہے کہ مَیں نے مسیح کو دیکھا ہے۔ مخالف کہتا ہے کہ ہاں اُس نے اُسے دیکھا مگر رُوحانی طور پر۔ ہم کہتے ہیں کہ کیا وُہ بیانات جو اعمال کی کتاب میں درج ہیں جن میں وُہ مسیح کو دیکھنے کا دعوےٰ کرتا ہے رُوحانی نظاروں کی خبر دیتے ہیں؟ اِس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ اعمال کے وُہ بیانات قابل تسلیم نہیں ہیں۔ اگر ہم اعمال کو بھی چھوڑ دیں تو بھی اُس کے خط اِس بات کی گواہی دینگے۔ مثلاً وُہ اپنے خط کرنتھیوں میں دوبارہ مسیح کے دیکھنے کا ذکر کرتا ہے۔ (۱کرنتھی ۹: ۱ و ۱۵: ۸) اَب ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ پولُوس کے اس دیکھنے سے محض رُوحانی معنی نہیں لئے جا سکتے۔ ذرا

سا غور کرنے سے ہمارا مطلب سمجھ میں آجائیگا۔ پولُوس کی حالت اس وقت نہایت نازک تھی۔ بہت لوگ اُس کی رسالت پر حملہ کرتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ اُسے کچھ اختیار نہیں کہ وُہ انجیل کی نئی نئی تفسیریں پیش کرے۔ کیونکہ اُسے گیارہ رسُولوں کی طرح مسیح کی طرف سے رسُولی اختیار عطا نہیں ہُوا۔ اَب پولُوس اپنے دعوےٰ کی تائید میں منجملہ دیگر باتوں کے ایک یہ بات پیش کرتا ہے کہ "مَیں نے خُداوند کو دیکھا ہے"۔ اب اگر ان الفاظ

پولُوس کی کیا غرض تھی جب اُس نے کہا کہ مَیں نے مسیح کو دیکھا ہے

سے اُس کی مُراد محض رُوحانی اظہار یا دیدار سے تھی تو اس سے دعوےٰ رسالت کو کچھ تقویت نہ پہنچتی کیونکہ اس حالت میں اُس کے مخالف ضرُور کہتے کہ اِس قسم کے رُوحانی یا ذہنی نظارے اپنے اپنے دماغی خیالات کے مطابق ہر شخص کو نصیب ہو سکتے ہیں۔ پر وُہ اُن حقیقی نظاروں کو جو پہلے گیارہ رسُولوں کو نصیب ہُوئے کب پہنچتے ہیں۔ اَب اسی قسم کے حملوں سے اپنے تئیں بچانے کی غرض سے پولُوس نے یہ کہا کہ جس طرح دیگر رسُولوں نے مسیح کو مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد دیکھا اُسی طرح مَیں نے اُس کو دیکھا ہے۔ اُنہوں نے اُسے جسم کے ساتھ دیکھا اُسی طرح مَیں نے اُس کو جسم کے ساتھ دیکھا ہے۔ زمانہ حال کے نکتہ چین اُس مشابہت سے جو اُن نظاروں میں پائی جاتی ہے جو پہلے گیارہ رسُولوں اور شاگردوں کو اور پھر پولُوس کو نصیب ہُوئے یہ کام لیتے ہیں کہ پہلے شاگردوں کے نظاروں کو کھینچ کھانچ کر پولُوس کے فرضی رُوحانی نظارے کی مانند گردانتے ہیں۔ مگر بیچارا پولُوس اپنے دعوے کی مضبُوطی اور تقویّت کے لئے یہ دکھانا چاہتا تھا کہ زندہ مسیح کا جو دیدار مجھ کو حاصل ہُوا ہے وُہ بہر نہج اُسی طرح کا مادی اور فزیکل تھا جیسا وُہ جو پطرس اور دیگر شاگردوں کو نصیب ہُوا۔ وُہ یہ مانتا تھا کہ اگر اُن شاگردوں نے زندہ مسیح کے جسم کو

مخالف بات کو اُلٹ دیتے ہیں

اپنی آنکھ سے دیکھا اور دعوے کرتا تھا کہ اُسی طرح میں نے مجسّم مسیح کو دیکھا ہے۔ مگر مسیحی مذہب کے بے شمار مخالف اپنی مطلب براری کے لئے بات کو بالکل اُلٹ دیتے ہیں قبل ازیں کہ ہم پولُس کے نظارے کو رُوحانی یا ذہنی یا وہمی نظارہ قرار دیں زیبا ہے کہ ہم اُس کے خطُوط اور اعمال کی کتاب کا مطالعہ غور و فکر کے ساتھ کریں اور دیکھیں کہ وہ شخص جس نے اپنی گواہی کے لئے اپنی جان دے دی جس کی دماغی قوتیں برقرار تھیں۔ جو علم و فضل سے بہرہ ور تھا وُہ اس نظارے کی نسبت کیا کہتا ہے ⁂

(۲) اور پھر جب ہم دُوسرے سوال کی طرف رُخ کرتے اور پُوچھتے ہیں کہ اگر مسیح زندہ نہیں ہُوا تھا۔ اگر وُہ نظارے جو شاگردوں کو نصیب ہُوئے محض ذہنی یا رُوحانی تھے تو یہ اعتقاد کس طرح پھیل گیا کہ وُہ مُردوں میں سے اُسی بدن کے ساتھ جی اُٹھا جس بدن کے ساتھ مصلوب ہُوا؟ تو اس کے جواب میں جو کُچھ کہا جاتا ہے۔ وُہ بھی تسلّی بخش نہیں ہے ⁂

دُوسرے سوال کا جواب جو مخالفوں کی طرف سے مِلتا ہے ذرا بھی تسلّی بخش نہیں

اَب جو کُچھ اس دُوسرے سوال کے جواب میں کہا جاتا ہے اُس کا لبِ لُباب یہ ہے کہ مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی روایت اِس اعتقاد سے پیدا ہُوئی۔ کہ مسیح مصلوب ہونے کے بعد فنا نہیں ہُوا۔ بلکہ زندہ رہا۔ یعنی مخالف مسیح کے جیتے رہنے کے عقیدے سے اُس کے بدن کے جی اُٹھنے کی روایت پیدا کرتے ہیں اور یہ نہیں مانتے کہ اُس کے بدن کے جی اُٹھنے کے سبب سے اُس کی دائمی حیات کا عقیدہ پیدا ہُوا۔ اسی طرح مخالف اُس کے مُعجزوں کے ساتھ زبردستی کرتے ہیں۔ چنانچہ وُہ کہتے ہیں کہ یسُوع سے مُعجزے اس واسطے منسُوب کئے گئے کہ لوگ اُسے یہُودی نبوّت کا مسیحا مانتے تھے۔ مگر یہ نہیں دیکھتے کہ لوگوں نے اُسے یہُودی

نبوّت کا مسیحا اس لئے مانا کہ اُس نے بڑے بڑے مُعجزات کر دکھائے۔ اور خود دعوے کیا کہ مجھے میرے کاموں (مُعجزوں) کے سبب سے قبُول کرو۔ یہ بات غور طلب ہے کہ مخالفوں کی باتوں میں آپ ہی اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً سٹراس مسیح کے مُعجزوں کی نسبت تو یہ کہتا ہے کہ یہ مُعجزے اُس سے اس واسطے منسُوب کئے گئے کہ شاگرد اُسے مسیح موعُود مانتے تھے۔ یعنی اِس اعتقاد سے مُعجزات پیدا ہُوئے نہ کہ مُعجزات سے اعتقاد پر جب مسیح کے جی اُٹھنے کی طرف رُخ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ عقیدہ کبھی پیدا نہ ہوتا۔ اگر کسی نہ کسی طرح کا نظارہ شاگردوں کو حاصل نہ ہوتا پر اُس کے زعم میں جو نظارہ اُن کو نصیب ہُوا وُہ وہ رویت تھی جو انہیں کے دماغ کی خاص حالت نے اُن کے لئے پیدا کر دی اَب اِس موقعہ کے بارے میں وُہ صاف اقبال کرتا ہے کہ اُن کے کسی پہلے اعتقاد سے جی اُٹھنے کی روایت پیدا نہیں ہُوئی۔ بلکہ جی اُٹھنے کے نظاروں نے (خواہ وُہ وہمی ہی سہی) اُس کے جی اُٹھنے کی روایت پیدا کی اَب ہم دیکھتے ہیں کہ سٹراس ایک جگہ اعتقاد کو مسیحی مُعجزات کے پیدا ہونے کی وجہ مانتا ہے۔ اور دُوسری جگہ یعنی مسیح کے جی اُٹھنے کے معاملے میں اس ترتیب کو اُلٹ دیتا ہے اور ماننے لگ جاتا ہے کہ یہ اعتقاد کسی خاص واقعہ سے پیدا ہُوا نہ کہ کسی اعتقاد سے اِس واقعہ کی روایت پیدا ہُوئی۔ ہماری رائے میں اُس کا یہ خیال صحیح ہے۔ اور ہم اُسے تاویل زیر بحث کے جواب میں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس اعتقاد سے کہ مسیح کی رُوح زندہ ہے مسیح کے بدن کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی روایت پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ بلکہ یہ لازمی امر تھا کہ مسیح کے جی اُٹھنے کے نظارے پہلے نصیب ہوتے اور پھر یہ بات مشہور ہوتی کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ پھر اس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ یہ تاویل سب رسُولوں اور شاگردوں کو فریبی بناتی اور

جھوٹا ٹھہراتی ہے۔ کیونکہ اس کے ماننے والے کہتے ہیں کہ شاگردوں نے اس واسطے یہ کہا کہ ہم نے مسیح کو دیکھا ہے کہ اُن کے سُننے والے یقین کریں کہ مسیح فنا نہیں ہُوا بلکہ زندہ ہے کیونکہ اگر وُہ ایسا نہ کہتے تو کوئی اُن کی بات کو نہ مانتا۔ پر کیا رسُول اور شاگرد نہیں جانتے تھے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مسیح مُردوں میں سے اپنے اصلی بدن کے ساتھ جی اُٹھا ہے تو سُننے والے وُہی مطلب سمجھینگے جو ان لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وُہ ہماری گواہی کی بِنا پر یہ ماننے لگ جائینگے کہ جو مسیح مصلوب ہُوا تھا وُہی مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ اگر اُنہوں نے یہ سب باتیں جان کر بڑے زور شور سے یہ منادی کی کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے تو دیدہ و دانستہ لوگوں کو دھوکا دیا۔ اس میں اُن کی سچّائی۔ اُن کی دینداری۔ اُن کی دیانتداری کہاں رہی؟ پس ہم اس تاویل کو بھی نہیں مان سکتے کیونکہ یہ بھی مُشکلات سے پُر ہے ٭

حقیقی شرح کیا ہے

اَب ہم نے دیکھ لیا کہ وُہ تاویلیں جو مخالفوں کی طرف سے مسیح کے مُردوں سے جی اُٹھنے کی روایت کی تشریح کے لئے پیش کی جاتی ہیں کسی طرح صاف اور مُشکلات سے بری نہیں۔ اَب ایک ہی اَور شرح باقی رہ جاتی ہے اور وُہ یہ کہ جیسا انجیلوں میں لکھا ہُوا ہے مسیح اُسی طرح حقیقت میں مُردوں میں سے جی اُٹھا اور اپنے شاگردوں کو دکھائی دیا۔ اَب ہم تھوڑی دیر کے لئے اس بات پر غور کرینگے کہ اس شرح کے ثبُوت میں عمُوماً تین دلیلیں پیش کی جاسکتی ہیں ٭

وُہ دلائل جو مسیح کے جی اُٹھنے کے ثبُوت میں پیش کی جاتی ہیں۔

واضح ہو کہ اِس واقع کے ثبُوت میں عمُوماً تین دلیلیں پیش کی جاسکتی ہیں

(۱) یہ کہ انجیلوں میں صاف اس قسم کی گواہی موجُود ہے کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ٭

(۲) کہ شاگردوں کے مزاج اور اطوار کی تبدیلی اور مسیحی مذہب کے عرُوج اور ترقّی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ٭

(۳) مخالفوں کے مخالفانہ اعتراضوں کی ناکامی سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ تیسری دلیل کے متعلّق اور کچھ نہیں لکھینگے کیونکہ جو کچھ اس کے متعلّق ہمیں رقم کرنا تھا سو ہم کہہ چکے ہیں ٭

(۱) پہلی دلیل کے متعلّق ہم مختصر طور پر یہ دکھائینگے۔ کہ اوّل تو اس بات کا صاف ثبُوت اُن کتابوں میں پایا جاتا ہے جو مسیحی کتابیں کہلاتی ہیں اور دوم یہ ثبُوت اُس گواہی سے ہم پہنچتا ہے جو پہلی صدی کے مسیحیوں سے اِن ڈائرکٹ طور پر ہم تک پہنچتی ہے ٭

جن کتابوں کی اصلیّت پر یورپین معترضوں نے اعتراض نہیں کیا اُن میں مسیح کے جی اُٹھنے کا بیان درج ہے

ہم اُوپر ایک جگہ مسیحی نوشتوں کی اصلیّت اور معتبری پر بحث کر چکے ہیں لہٰذا ضرُورت نہیں کہ اس جگہ پھر اُسی مضمُون پر بہت کچھ تحریر کیا جائے۔ تاہم اس قدر پھر اِس مضمُون پر تحریر کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ کہ پولُس رسُول کا وُہ بیان جو ۱ کرنتھیوں کے ۱۵ باب میں قلمبند ہے اُس پر کسی نے غیر اصلی ہونے کا الزام نہیں لگایا یعنی کرِٹک (نکتہ چیں) مانتے ہیں کہ یہ مقام پولُس کا لکھا ہُوا ہے اِسی طرح مرقس اور لُوقا کو رینان جیسے نکتہ چینوں نے قبُول کیا۔ چُنانچہ رینان مانتا ہے کہ مرقس کی انجیل ایک ایسے شخص کی لکھی ہُوئی ہے جو پطرس کا رفیق تھا اور لُوقا کی انجیل کا مصنّف پولُس کا ساتھی تھا۔ اور کہ اُسی شخص نے اعمال کی کتاب کو بھی تحریر کیا ہے۔ اسی طرح وُہ بحث بھی جو آج کل یُوحنّا کی انجیل کی تصنیف پر ہو رہی ہے اُس کی اصلیّت کی تائید کرتی ہے۔ البتّہ متّی کی انجیل کی نسبت اِس بات پر بحث ہے کہ وُہ کس طرح عبرانی اور یُونانی دونوں زبانوں میں جُدا جُدا مروّج ہُوئی مگر اس بحث سے کلیسیائی روایت

کو ضعف نہیں پہنچا۔ بلکہ فائدہ ہی ہُوا ہے۔ چنانچہ سٹراس جیسے مخالفوں نے اس انجیل کی نسبت یہ رائے دی ہے کہ اس سے مسیح کی زندگی کا کافی پتہ لگ سکتا ہے اور مکاشفات کا حال یہ ہے کہ جو یُوحنّا کی دیگر کتابوں پر حملہ کرتے ہیں وُہ اُس کو اُس کی تصنیف قبُول کرتے اور مانتے ہیں کہ وُہ یروشلیم کی تباہی سے پہلے تحریر کی گئی تھی ؛

نئے عہد نامے میں جگہ جگہ اس کی خبر ملتی ہے

نئے عہد نامہ میں جابجا مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور اگر آپ اس بات کو تحقیق کرنا چاہیں تو آپ کنکارڈنس (کلید الکلام) لے کر اُن مقامات کو نکالیں جہاں مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اگر آپ ایسا کریں۔ تو آپ دیکھینگے کہ رسُول یا مصنّف بہت سے مقاموں میں اِس بات کا ذکر اِس لئے نہیں کرتے کہ لوگوں کو یہ خبر دیں کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے بلکہ اور تعلیموں یا مسئلوں یا فرضوں کا ذکر کرتے ہُوئے اِس واقعہ کا ذکر کر جاتے ہیں کیونکہ اس کا تعلّق اُن تعلیمات و مسائل سے ہوتا ہے جن پر وُہ اُس جگہ لکھ رہے ہیں۔ مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا مسیحی مذہب کی تعلیمات اور مسیحی زندگی سے ایسا گہرا تعلّق رکھتا ہے کہ بات بات پر اُس کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہم یہاں ایسے مقاموں میں گھُسنا نہیں چاہتے۔ پس اِس جگہ ہم فقط انہیں مقاموں پر اکتفا کرینگے۔ جن میں مسیح کے زندہ ہونے اور رسُولوں کو نظر آنے کا ذکر پایا جاتا ہے ؛

کتنی دفعہ مسیح نظر آیا

دس دفعہ انجیلوں میں جی اُٹھنے کے بعد مسیح کے ظاہر ہونے کا ذکر آتا ہے۔ پانچ دفعہ وُہ اُس دن دکھائی دیا جس دن مُردوں میں سے جی اُٹھا اور پانچ دفعہ اُس دن کے بعد اور عرُوج سے پہلے نظر آیا۔ اور پھر صعُود کے بعد ایک دفعہ پولُس کو نظر آیا اور ایک دفعہ بعض کے خیال

کے مطابق یُوحنّا رسُول کو جزیرہ پتمس میں دکھائی دیا (دیکھو متی ۲۸: ۸-۲۰۔ مرقس ۱۶: ۱-۸ لوقا ۲۴: ۱-۱۵ - یوحنّا ۲۰: ۱-۲۹ و ۲۱: ۱-۲۵ - ۱-کرنتھی ۱۵: ۵-۹ - مکاشفات ۱: ۹-۱۸)۔ اب ان تمام مقاموں کے مطالعہ سے بخُوبی ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کا جی اُٹھنا ایک حقیقی واقعہ تھا۔ اس عرصہ میں وُہ اپنے شاگردوں کو دکھائی دیا۔ ایک مرتبہ پولُس کے قول کے مطابق دیکھنے والوں کا شمار قریب پانچ سو کے تھا۔ وُہ اُن سے گفتگو کرتا رہا اور اُن کے ساتھ کھایا پیا۔ اپنے زخموں کے نشان اُنہیں دکھائے۔ اور اُن کو رسُولی خدمت بجالانے یعنی تمام دُنیا میں انجیل سُنانے کا حُکم دیا اور اپنی دائمی حضُوری کے وعدے سے اُن کی تسلّی اور تشفی کی اور حوصلہ بڑھایا ؛

کیا ان بیانوں کی ظاہر ناموافقت سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ واقعہ درُست نہیں ہے

ان مقاموں کی نسبت دو تین باتوں کا ذکر کرنا بہت ضروری معلُوم ہوتا ہے اُن میں سے ایک یہ ہے۔ کہ مخالفوں نے اکثر اوقات اُن وہمی اختلافوں پر بڑا حملہ کیا ہے جو مسیح کے جی اُٹھنے کے بیانات میں اُن کو نظر آئے ہیں ہم اس کی نسبت یہ عرض کرتے ہیں کہ جو بات ہمارے مخالفوں کو ہماری کمزوری کا باعث معلوم ہوتی ہے وہی ہمارے زور کا سبب ہے اگر انجیل نویس ایک ایک شوشے اور نقطے میں موافقت ظاہر کرتے تو ہم کو سازش کا شک گزرتا اور ہم اُن کی گواہی کے قبُول کرنے میں پس و پیش کرتے۔ مگر اُن کی تحریر اس قسم کی موافقت کے داغ سے مبرّہ ہے اُن کے ایک ایک لفظ سے سچّائی اور دیانتداری ٹپکتی ہیں۔ اگر آپ یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا واقعی مختلف انجیلوں کے مختلف بیانوں میں حقیقی اختلاف پایا جاتا ہے تو یہ کام مشکل نہیں تطبیق اناجیل کا ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ جو الزام لگایا جاتا ہے وُہ صحیح ہے یا غلط۔ آپ دیکھینگے کہ اختلاف کی جگہ اُن کے بیانوں میں پُورے درجہ کا اتحاد موجود ہے۔

کیا وقت کافی نہ تھا

بعضوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ جتنا وقت ان نظاروں کو دیا جاتا ہے وُہ ان کے ظاہر ہونے کے لئے کافی نہ تھا پس یہ سچّے نظارے نہیں۔ ہم کہتے ہیں کیا چالیس دِن ان نظاروں کے لئے کافی نہ تھے؟

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ کیوں مسیح اپنے جی اُٹھنے کے بعد سب یہودیوں اور بُت پرستوں کو نظر نہ آیا؟ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ وُہ سب کو دکھائی دے کر ثابت کرتا۔ کہ مَیں مُردوں میں سے جی اُٹھا ہُوں؟

مسیح جی اُٹھنے کے بعد یہودیوں اور غیر قوموں کو کیوں نظر نہ آیا؟

ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ نظارے صرف اُنہیں نصیب ہو سکتے تھے جو ان کے قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔ گو شاگردوں نے پہلے پہل ایسا ظاہر کیا کہ گویا وُہ شک میں ہیں۔ مگر درحقیقت اُن کے دِل ہر طرح کی مخالفت اور بغاوت سے آزاد تھے۔ لہٰذا وُہ اُسے قبول کرنے کو تیار تھے۔ پر اگر وُہ یہودیوں کو نظر آتا تو کیا نتیجہ ہوتا؟ یہ کہ وُہ اُسے پھر صلیب دینے کے لئے تیار ہو جاتے یا کسی اور طرح کا بہتان اُس پر یا اُس کے شاگردوں پر باندھتے اور اگر یہ کہا جائے کہ لازم تھا کہ وُہ جی اُٹھنے کے بعد اپنی قدرت سے اُن کی مخالفت کو مغلوب کرتا تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر اُسے یہ منظور ہوتا کہ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرے تو وُہ پہلے ہی مصلوب کیوں ہوتا؟ یا آسمان ہی سے کیوں آتا؟ یاد رہے کہ وُہ ایمان جو جبر سے پیدا ہوتا ہے وُہ اخلاقی عالم میں کچھ قدر نہیں رکھتا۔ پس خُداوند کو یہ منظور تھا۔ کہ پہلے اُس کے شاگرد اُسے دیکھیں اور اُس کے جی اُٹھنے کی منادی کریں۔ اور پھر اُن کی منادی کے وسیلے سے دُنیا اُس پر ایمان لائے اور یہ سیکھے کہ وُہ فی الحقیقت مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے اور کیا اُس کا یہ ارادہ یا فیصلہ مایوسی میں مبدّل

ہُوا؟ لکھوکھا بنی آدم آج اُنہیں شاگردوں کی منادی کے سبب اس بات کو دِل و جان سے مانتے ہیں کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا اور ہماری سفارش کے لئے ہمیشہ جیتا ہے ۔

مسیح کا بدن جی اُٹھنے کے بعد رُوحانی تھا

علاوہ اِن باتوں کے ایک اَور بات غور کے لائق ہے اور وُہ یہ کہ مخالف یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ ان بیانوں کے پڑھنے سے کہیں تو ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کا بدن بالکل مادّی تھا اور کہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وُہ مادے کے قیود سے بالکل آزاد تھا یعنی کہیں دروازے بند ہیں۔ اور وُہ مکان کے بھیتر چلا آتا ہے۔ اور کہیں وُہ اپنے ہاتھ پاؤں اور پسلی اپنے شاگردوں کو دکھاتا ہے۔ کیا اِن باتوں میں اختلاف نہیں پایا جاتا؟ ہم اس کے جواب میں پہلے تو کہتے ہیں کہ یہ ظاہری اختلاف انجیلی بیانوں کی سچّائی کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ اگر زندہ مسیح کے بدن کے نظارے حقیقت میں ایسے نہ ہوتے جیسے کہ رقم ہیں۔ تو لکھنے والے کبھی یہ اختلاف اپنے بیان میں آنے نہ دیتے۔ بلکہ وُہ اُس کے بدن کو ایسے جلال کے ساتھ پیش کرتے جیسا کہ اُنہوں نے اُس کی صُورت کے تبدیل ہونے کے وقت دیکھا تھا اور پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اُس کا مُبارک بدن اَب رُوحانی ہو گیا تھا۔ جسم اور مادے کی تمام قیدیں دُور ہو گئی تھیں۔ اور پھر یہ بھی یاد رہے۔ کہ اُس کا مُبارک بدن اس بات کی علامت بلکہ نبوّت ہے کہ ہمارے بدن بھی اُسی کی مانند ہو جائینگے۔ اگر جی اُٹھنے کے بعد بھی وُہی نقص ہمیں ستاتے رہیں۔ جو اَب وبالِ جان ہو رہے ہیں تو ہمیں کیا فائدہ؟ مسیح کا رُوحانی بدن ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے بدن کیسے ہونگے۔ وُہ بقا اور جلال اور قُدرت اور پاکیزگی سے آراستہ ہونگے۔

اَب ہم اُس گواہی کا جو چشم دید گواہوں سے ملتی ہے ذکر کر چکے۔ اور جو مُشکلات اُن کے بیانوں سے وابستہ ہیں اُن کا حل بھی کسی قدر

پیش کر دیا گیا ہے۔ اَب یہ دکھائینگے کہ اُس زمانہ کے تمام مسیحی اس واقعہ کو سچّا واقعہ جانتے تھے؟ یہ خیال گو عینی شہادت کی جگہ نہیں رکھتا تاہم اس سے رسُولوں کی گواہی کو بڑی تقویّت پہنچتی ہے ÷

کلیسیائے عامہ کی گواہی جو لوگ اُس زمانہ میں موجود تھے وُہ اِس واقعہ کی سچائی یا جھوٹ کو بخُوبی دریافت کر سکتے تھے۔ اگر اُن کے پاس کافی وجُوہات رسُولوں کی بات کو راست ماننے کے لئے نہ ہوتیں تو وُہ کبھی مسیح پر ایمان نہ لاتے۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ مسیح کا مصلُوب ہونا اور پھر جی اُٹھنا رسُولوں کی منادی کا لب لباب تھا۔ سو اگر کوئی شخص اِس واقعہ کو نادرست سمجھ کر رَدّ کر دیتا تو وُہ مسیح کے سچّے پیروؤں میں شامل نہ ہو سکتا۔ وُہ مسیحی نہیں گردانا جا سکتا تھا۔ پر اگر اُن لوگوں کو مسیح کے جی اُٹھنے کے کافی ثبُوت نہ ملتے تو وُہ کب اپنے مذہبوں کو چھوڑ کر مصلُوب مسیح کی پیروی کرتے؟ کب یہُودی اور بیگن اپنے دینوں کو چھوڑ کر اُس شخص کو اپنا نجات دہندہ قبُول کرتے جو بڑی ذِلّت اور خواری کے ساتھ صلیب پر لٹکایا گیا؟ لیکن تاریخ کیا بتاتی ہے؟ وُہ یہ بتاتی ہے۔ کہ ایک دو نہیں۔ بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں لوگ ایسے تھے۔ جو مسیح کی نسبت یہ مانتے تھے کہ وُہ مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے ÷

کلام الٰہی ہزارہا لوگوں کو ہمارے سامنے لاتا ہے جنہوں نے پنتیکوست کے وقت مسیح کو قبُول کیا۔ اور اگر آپ پطرس کی تقریر کو جو اُس نے اس موقعہ پر کی پڑھیں تو آپ دیکھینگے کہ اُس نے اسی بات کی منادی کی کہ مسیح مارا گیا اور پھر مُردوں میں سے زندہ ہُوا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ یہ عقیدہ اُن لوگوں کے درمیان رفتہ رفتہ برپا نہیں ہُوا تھا۔ بلکہ شروع سے چلا آیا تھا۔ اور اس کا ایک ثبُوت یہ ہے۔ کہ جس دن مسیح مُردوں میں سے زندہ ہُوا۔ مسیحی کلیسیا

نے اُسی دِن کو سبت کی جگہ مقدّس ماننا شروع کر دیا۔ تاکہ اُس کے مُردوں میں سے زندہ ہونے کا نادر واقعہ ہمیشہ یاد رہے۔ پلنی جو ایک غیر قوم مؤرخ ہے کہتا ہے کہ عیسائی اسی دن مسیح کی مدح میں جسے وُہ خُدا سمجھتے ہیں فراہم ہو کر گیت گایا کرتے ہیں۔ اسی طرح سیلسس بھی جو مسیحی مذہب کا مخالف تھا۔ اِس بات پر گواہی دیتا ہے۔ کہ تمام مسیحی اس بات کو مانتے ہیں کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ اَب ان باتوں سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ یہ کہ ان ہزارہا لوگوں کو جنہوں نے مسیح کو قبُول کیا کافی ثبُوت مِل گئے تھے۔ کہ وُہ حقیقت میں مُردوں میں سے زندہ ہو گیا ہے ورنہ وُہ اُس پر کبھی ایمان نہ لاتے ÷

(۲) دُوسری دلیل جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا یہ ہے کہ شاگردوں (اور رسُولوں) کی تبدیلی سے اور مسیحی مذہب کے عُروج پانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا پہلے شاگردوں اور رسُولوں

شاگردوں کی تبدیلی دلیری میں کی تبدیلی دیکھئے۔ ہم اُوپر ایک جگہ کھلا چکے ہیں کہ مسیح کے مصلُوب ہونے کے وقت شاگردوں کی کیا حالت تھی۔ اُن کے حوصلے پست ہو گئے تھے چنانچہ جس وقت مخالفوں نے مسیح کو پکڑا اُس وقت وُہ سب اُس کو چھوڑ کر چلے گئے پطرس نے تین بار اُس کا انکار کیا وغیرہ۔ یہ باتیں مُشتے نمونہ از خروارے کا کام دیتی ہیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب مسیح مصلُوب ہُوا اُس وقت یہ لوگ بھی اپنی اُمیدوں کا فاتحہ پڑھ بیٹھے اُن کو اُس وقت ہرگز ہرگز یہ آس نہ تھی۔ کہ ہماری اُمیدوں کا کملایا ہُوا پھُول پھر کبھی کھلیگا۔ گلیل کے مچھوے جو نہ زر رکھتے تھے اور نہ خاندانی فخر۔ جو نہ علم رکھتے تھے۔ اور نہ کسی طرح کا رُتبہ کب یہ جُرأت کر سکتے تھے۔ کہ یہُودی سرداروں اور رُومی حاکموں سے بے خوف ہو کر انجیل کی منادی کریں؟

ہم اُوپر ایک جگہ دیکھ آئے ہیں کہ وُہ تو مخالفوں کے ڈر کے مارے اپنے مکانوں کے دروازے بند رکھتے تھے۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد اُن میں ایسی تبدیلی آجاتی ہے کہ وُہ اپنے اُستاد کے لئے جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ چُنانچہ وُہ بڑی جماعتوں کے سامنے مسیح کے نام پر گواہی دینے سے نہیں ڈرتے۔ وُہ کوڑوں اور قیدخانوں اور زنجیروں سے خائف نہیں ہوتے اور کئی اُن میں سے اپنے خُداوند کی طرح صلیبی مَوت تک وفادار رہتے ہیں۔ پطرس کو دیکھو کہ وُہ کس دلیری اور شجاعت کے ساتھ پنتیکُست کے روز ہزارہا لوگوں کے مجمعے کے سامنے اپنے خُداوند کے نام پر گواہی دیتا اور یہُودیوں کو اُن کے گُناہ سے مُلزم ٹھہرا رہا ہے پر یہ وُہی پطرس ہے جس نے چند دن ہُوئے تین دفعہ مسیح کا انکار کیا تھا۔ اب یہی پطرس اور یُوحنّا کوڑے کھاتے دھمکائے جاتے۔ قیدخانہ میں نظربند رہتے۔ مگر ایک دم کے لئے اپنے خُداوند کا اور اُس سچّائی کا جو اُس میں ظاہر ہُوئی انکار نہیں کرتے بلکہ جو تکلیفیں اُس کے نام سے اُن پر حادث ہوتی ہیں اُنہیں اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ یہی حال دیگر رسُولوں کا تھا۔ اب یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ اس عجیب تبدیلی کی ضرُور کوئی نہ کوئی معقُول وجہ ہونی چاہیئے۔ ورنہ کب ایسے قلیل عرصہ میں ایسی نادر تبدیلی وقُوع میں آسکتی تھی؟

اور یہ ثبُوت ہے مسیح کے جی اُٹھنے کا

پھر مسیحی بادشاہت کی رُوحانی حقیقت کے سمجھنے میں اُن کے خیالات کا تبدیل ہونا

علاوہ بریں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اسی قلیل عرصہ میں اُن کے اعتقادات میں بھی عجیب تبدیلی پیدا ہُوئی۔ وُہ جب مسیح کے پاس آئے اُس وقت اپنے ہم قوم یہُودیوں کی طرح یہ مانتے تھے کہ مسیح آکر اِس دُنیا میں عجیب شان و شوکت کی بادشاہی قائم کریگا اور یہ خیال

اُن کے دِلوں میں ایسا جاگزین تھا کہ اُس کے مصلوب ہونے بلکہ جی اُٹھنے کے بعد تک بدستُور قائم رہا۔ مگر جب اُس کے جی اُٹھنے کے بعد اُس کی رُوح پاک کے وسیلے اُن کو اس امر میں ہدایت ہُوئی۔ تو اُنہوں نے خُداوند مسیح کی بادشاہت کی رُوحانی خاصیّت کو پہچانا اور دُنیوی شان و شوکت اور کرّوفر کا خیال بالکل کافور ہو گیا۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر مسیح زندہ نہ ہوتا یا مسیح زندہ نہ ہُوا ہوتا یا اگر رُوح القُدس کو زندہ مسیح نے نہ بھیجا ہوتا تو یہ تبدیلی کبھی پیدا نہ ہوتی۔

یہ بھی اُس کے جی اُٹھنے کا ثبُوت ہے

مسیحی مذہب کا پھیلنا مسیح کے جی اُٹھنے کا ثبُوت ہے

پھر یہ بات بھی نظرانداز نہیں کرنی چاہیئے۔ کہ مسیحی مذہب چند سال کے عرصہ میں جابجا پھیل گیا۔ مسیحی علماء اِس بات کو مسیح کے جی اُٹھنے کے متعلق سب سے بڑی دلیل مانتے ہیں اور اُن کا یہ دعوےٰ صحیح بھی ہے کیونکہ ناصرت کے بے برگ و بے پر بڑھئی کی ذلیل مَوت کے بعد اور کونسی بات تھی جو اُس کے مُردہ دعوؤں کو ازسرنو زندہ کرتی اور اُس کے مذہب کو جو اُس کی صلیب کے ساتھ ایک طرح مُلکِ عدم میں جا پہنچا تھا۔ پھر ہستی کی صُورت دکھاتی؟ البتّہ مسیح کی تعلیم اپنی پاکیزگی اور معانی کی گہرائی کے سبب لاثانی ہے۔ واقعی وُہ ایک بے نظیر اُستاد تھا۔ مگر یہ بات کبھی نہیں بھُولنی چاہیئے۔ کہ وُہ اپنی تعلیم کا آپ ہی مرکز تھا۔ اُس کی تعلیم اور اُستادوں کی طرح اُس سے جُدا نہ تھی۔ بلکہ اُس کے کلام میں جہاں معانی زیادہ گہرے ہیں۔ جہاں خیال عقاب کی طرح آسمان پر بلند پروازی کرتا ہے۔ جہاں اُس کے لفظوں سے زیادہ نور کی شعاعیں نِکلتی ہیں وہاں وُہ خود ایسے طور پر اُن باتوں میں مِلا ہُوا ہے کہ اگر ہم اُس کو نکال دیں تو وُہ صداقتیں بھی بے جان ہو جاتی ہے۔ اب ہمارا مطلب اس

سے یہ ہے کہ اگر ایسا شخص جو یہ دعوے کرتا ہے کہ میں دُنیا کا نور ہوں میں
قیامت اور زندگی ہوں۔ میں اِس دُنیا میں ایک بادشاہت قائم
کرنے آیا ہوں۔ میں اور باپ ایک ہیں مجھ سے جُدا تم کچھ نہیں کر سکتے
میرے پاس آؤ کہ میں تم کو آرام دُونگا۔ کوئی میرے بغیر باپ کے پاس
آ نہیں سکتا۔ ہاں اگر ایسا شخص جو اپنی نسبت میں پر ایسا زور دیتا
ہے ذلت کے ساتھ مرے اور مرتے وقت کوئی ایسے ظاہری نتائج اپنے
پیچھے نہ چھوڑے جو اُس کے دعوؤں کی سچائی پر شہادت دیں تو اُس کا مذہب
اور اُس کی تعلیم بھی اُس کی موت کے ساتھ فنا ہو جائینگے اور سوائے اس کے
کہ وُہ جھوٹا اور فریب خوردہ سمجھا جائے اور کچھ اُس کے حق میں نہ کہا جائیگا
اور مسیح کا حال بھی یہی ہوتا اگر وُہ مُردوں میں سے زندہ ہو کر یہ ظاہر نہ کرتا
کہ جو دعوے میں نے کئے ہیں میں اُن کو پُورا کرنے کی قدرت رکھتا ہوں
کیونکہ میں زندہ ہوں۔ ہاں اگر وُہ زندہ ظاہر ہو کر اپنی قدرت کو
مُنکشف نہ فرماتا اور اپنی حضُوری کی برکتوں کا وعدہ اپنے دِل شکستہ
اور غریب شاگردوں سے نہ کرتا تو اُن میں وُہ جوش پیدا نہ ہوتا جس نے
تمام دُنیا کو تہ و بالا کر دیا۔ اسی طرح اگر وُہ زندہ ہو کر اپنی رُوح پاک کو
نہ بھیجتا اور اُن اَن پڑھ شاگردوں کو لمعاتِ حقائق اور انوارِ معارف سے
روشن نہ فرماتا تو ہمیں کب وُہ معرفت کے خزانے نصیب ہوتے جو انجیلوں
اور اعمال اور خطوں اور مکاشفات کی کتابوں میں موجود ہیں اگر وُہ زندہ ہو
کر اُن کو یہ حکم نہ دیتا کہ تمام دُنیا میں جا کر انجیل کی منادی کرو اور میں دُنیا کے
آخر تک تمہارے ساتھ ہوں تو کیا اُن میں وُہ مشنری رُوح پیدا ہوتی
جس کے طفیل سے اُنہوں نے تمام دُنیا میں انجیل کی خوشخبری سُنانے کا
بیڑا اُٹھایا۔ اور کب مسیحی مذہب میں وُہ پھل لگتے جن کے سبب سے
وُہ اب ایک شجرِ پُر ثمر کی طرح لہلہاتا اور لدا ہُوا دکھائی دیتا ہے؟ ہم

بخوفِ طوالت اِس بات پر زیادہ تحریر نہیں کر سکتے۔ پس اتنا ہی کہنا کافی
ہے کہ جو لوگ مسیحی مذہب کی ابتدائی مشنری ترقی پر غور کرتے ہیں اور پہلے
شاگردوں اور رسُولوں کی عجیب تبدیلی اور اُن کے رُوحانی علم کا انصاف سے
موازنہ کرتے ہیں وُہ اِس بات کے قائل ہو جاتے ہیں کہ سوائے مسیح کے
جی اُٹھنے کے اور کوئی واقعہ مسیحی مذہب کو زندہ نہیں کر سکتا تھا۔ اور نہ
اُس کو دُنیا کے ہر کونہ اور گوشے میں پہنچا سکتا تھا۔

مسیحی مذہب کا وجود اور اُس کی تعلیمیں مسیح کے جی اُٹھنے کا ثبوت ہیں

اس کے ساتھ ہی ہم ایک اور بات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اور وُہ یہ کہ
مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا مسیحی مذہب کی جان ہے پس اگر یہ واقعہ
مسیحی مذہب سے نکالا جائے تو مسیحی مذہب وُہ مذہب نہیں رہتا جو نئے
عہدنامہ میں سکھایا گیا ہے اور جس کی منادی رسُول کیا کرتے تھے مطلب
اِس سے یہ ہے۔ کہ اگر مسیح زندہ نہ ہوتا تو مسیحی مذہب پیدا ہی نہ ہوتا۔
اِس بات کی طرف ہم آگے ایک آدھ جگہ اشارہ کر آئے ہیں مگر یہاں کسی
قدر تشریح کے ساتھ دکھانا چاہتے ہیں کہ مسیحی مذہب کے بانی کا زندہ
ہونا اُس کے رگ و ریشہ میں مِلا ہُوا ہے۔ بہت لوگ جو یہ خیال کرتے
ہیں کہ مسیح کے بدن کے قبر میں سے جی اُٹھنے کی کوئی اخلاقی ضرورت نہ
تھی۔ اُن کے نزدیک یہ ماننا کافی ہے کہ مسیح کی رُوح زندہ ہے جو اُس
کی کلیسیا کو تازگی بخشتی ہے۔ اُس کا بے داغ نمونہ زندہ ہے جو لوگوں
کو اِس دُنیا میں زندگی بسر کرنے کا سبق دیتا ہے۔ اُس کی تعلیم زندہ ہے۔
لہٰذا جو شعاعیں ان نورانی مرکزوں سے نکلتی ہیں وُہ دُنیا کیلئے کافی و وافی
ہیں۔ پس اُس کے جسم کے جی اُٹھنے کی مُنحنی سی تعلیم کی کوئی ضرورت نہ تھی۔
مگر یہ حضرات اِس بات کو بُھول جاتے ہیں۔ کہ مسیح دُنیا کا نجات دہندہ
ہونے کا دعوے کرتا ہے۔ اور نجات کے معاملے میں اُس کا مُردوں میں سے

جی اُٹھنا ایک ضروری امر ہے۔ چنانچہ پولُوس رسُول فرماتا ہے "اگر مسیح نہیں جی اُٹھا تو تمہارا ایمان بے فائدہ ہے اور تُم اَب تک اپنے گُناہوں میں گرفتار ہو"۔ ۱-کرنتھی ۱۵: ۱۷) ٭

مسیح کا مُعجزانہ طور پر پیدا ہونا۔ اُس کا بے گُناہ زندگی بسر کرنا۔ اُس کا لوگوں کے گُناہوں کے لئے مارا جانا۔ اُس کا جی اُٹھنا اور آسمان پر چڑھ جانا اور رُوح پاک کو پینتیکوست کے دن نازل فرمانا اور اپنے بندوں کی سفارش کے لئے ہمیشہ تک جینا وُہ صداقتیں ہیں جو انسان کی نجات کے لئے اشد ضرُوری بتائی گئی ہیں۔ اگر ہم ان میں سے کسی بات کو بھی دُور کر دیں۔ تو مسیحی نجات کی کُل عمارت مسمار ہو جائیگی۔ اب دیکھئے کہ مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا باقی صداقتوں کے ساتھ کیسا گہرا تعلق رکھتا ہے ٭

مسیح کا دعویٰ کہ مَیں خُدا کا بیٹا ہُوں مسیح کی بعثت سے ثابت ہوتا ہے

مسیح نے دعوےٰ کیا کہ مَیں خُدا کا بیٹا ہُوں اور انجیل کے بیانوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ ایسے معنی میں اپنے تئیں خُدا کا بیٹا بتاتا ہے کہ اور کوئی مخلُوق یا البشر یا فرشتہ اُس معنی میں اُس کا بیٹا نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ اکلوتا بیٹا ہونے کا دعوےٰ کرتا تھا اور نہ صرف عام لوگوں کے سامنے اور تمام موقعوں پر۔ بلکہ جب سردار کاہن اور شرکائے سنہڈرم کے سامنے اُس سے ایک طرح حلفاً پُوچھا گیا۔ کہ کیا تُو جیسا دعوےٰ کرتا ہے واقعی حق تعالیٰ کا بیٹا ہے تو اُس نے ہر طرح کے خوف سے آزاد ہو کر اس سوال کا جواب اثبات میں دیا۔ اور اس کے ثبُوت میں یہ بات پیش کی کہ جب مَیں مُردوں میں سے جی اُٹھُونگا تو میرا اور باپ کا باہمی رشتہ ثابت ہو جائیگا۔ اور پولُوس رسُول رُومیوں کے خط کے پہلے ہی باب میں اس دعوے کے ثبُوت میں اُس کی بعثت پیش کرتا ہے۔ چنانچہ وُہ کہتا ہے کہ مسیح پاکیزگی

کی رُوح کے اعتبار سے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے سبب سے قُدرت کے ساتھ خُدا کا بیٹا ٹھہرا۔ (رومی ۱: ۴) اَب اگر وہ مُردوں میں سے زندہ نہ ہوتا تو اُس کی اُلوہیّت کبھی ثابت نہ ہوتی بلکہ اُس کی انسانیت پر بھی داغ آتا کیونکہ اُس کی وُہ نبوّتیں جو اُس نے اپنے جی اُٹھنے کے بارے میں بیان فرمائی تھیں جھُوٹی ثابت ہوتیں۔ اور اُس کی نبوی نگاہ میں نقص پایا جاتا اور اُس کی کسی بات کا اعتبار نہ ہو سکتا۔ پر اصل بات یہ ہے کہ اگر وُہ خُدا کا بیٹا نہ تھا تو محض ایک معلّم یا ناصح تھا۔ نجات دہندہ نہ تھا کیونکہ کوئی انسان نجات نہیں دے سکتا۔ یہ کام خُدا کا ہے۔ پر ہم کس طرح جانیں کہ فلاں شخص جو الُوہیّت کا دعوےٰ کرتا ہے وُہ جو کچھ کہتا ہے صحیح کہتا ہے۔ اس دعوے کو پایہ ثبُوت تک پہنچانے کے لئے الٰہی قُدرت کے ایسے اظہار کی ضرُورت ہے جو انسان کی قُدرت سے بعید ہو۔ اب وُہ مطلوب اظہار ہم کو مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے میں مِلتا ہے۔ اور نئے عہد نامہ کے مصنّف اُسے اُس کی اُلوہیّت کے ثبُوت میں پیش کرتے ہیں ٭

مسیح کے کفّارے کی مقبولیّت اس سے ثابت ہوتی ہے

پھر انجیل دعویٰ کرتی ہے کہ مسیح کا کفّارہ انسان کی نجات کے لئے ضرُوری ہے۔ وُہ بتاتی ہے کہ مسیح اِس دُنیا میں اس لئے آیا کہ اپنی جان دے کر ہمیں گُناہ کی سزا اور طاقت سے نجات دے۔ جب وُہ صلیب پر تھا اُس نے کہا "پُورا ہُوا"۔ جس سے یہ مطلب تھا کہ انسان کی نجات کا کام جہاں تک اُس کا تعلّق میرے کفّارے سے ہے پُورا ہو گیا ہے۔ لیکن اگر وُہ یہ دعوے کر کے قبر میں پڑا رہتا تو کون اُس کے کفّارے کو قبُول کرتا اور کون یہ مانتا کہ اُس کی قُربانی خُدا کے حضُور مقبُول ہے؟ پر جب وُہ مُردوں میں سے

مسیح کا جی اُٹھنا اُس کے بندوں کی زندگی کا سرچشمہ ہے

جی اُٹھا تو اِس سرفرازی نے ثابت کر دیا کہ خُدا نے اُس کی قُربانی کو قبُول فرمایا اور

وُہ ہمارا سچّا کفّارہ اور درمیانی ہے پھر جس طرح اُس کی موت میں ہم گناہوں کی نسبت مُردہ سمجھے جاتے اُسی طرح زندہ مسیح کی زندگی سے زندہ سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح زندہ مسیح نے اپنی رُوح پاک اپنے شاگردوں پر نازل فرمائی جو اُن کے تقدیس کے کام کو کمال تک پہنچاتی ہے پر نئے عہد نامے سے صاف ظاہر ہے کہ رُوح القدس کا نزول مسیح کے جی اُٹھنے پر منحصر تھا۔ دُوسرے لفظوں میں یُوں کہیں کہ اگر مسیح زندہ نہ ہوتا تو رُوح القدس پینتیکوست کے دن نازل نہ ہوتی اور دُنیا اُن برکتوں سے محرُوم رہتی جو رُوح پاک کی حضُوری سے صادر ہوتی ہیں ؞

مسیح کی شفاعت اُس کے جی اُٹھنے سے وابستہ ہے

پھر مسیح کی نسبت بتایا گیا ہے کہ وُہ ہماری سفارش کے لئے ہمیشہ جیتا ہے۔ مسیحی تھیالوجی میں مسیح کی شفاعت کا یہ مطلب نہیں کہ وُہ قیامت کے دن وقُوع میں آئیگی۔ کہ اُس دن مسیح خُدا سے کہدیگا کہ فلاں شخص کو بخش دے مسیح کی شفاعت کا کام اُس کے کفّارہ پر مبنی ہے اور اُسی دن سے شروع ہُوا جبکہ وُہ زندہ ہوکر آسمانی قُدس الاقداس میں خُداتعالیٰ کے حضُور جا پہنچا ؞

مسیح کا جی اُٹھنا اُس کے بندوں کے آخری جلال کی خبر دیتا ہے

آخر میں یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ اُس کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا اُس کی دُنیوی پستی کا خاتمہ اور آسمانی سرفرازی اور جلال کا شروع تھا۔ وُہ ازلی بیٹا ہونے کی حیثیت سے ازل سے الٰہی جلال سے ملبّس تھا۔ مگر تجسّم کے وقت اُس نے اپنے تئیں اِس جلال سے خالی کر دیا اور پستی اختیار کی۔ پر جب مُردوں میں سے جی اُٹھا اور آسمان پر چڑھ گیا تو اُس کا آسمانی بدن بھی الٰہی جلال سے بہرہ ور ہُوا۔ اب یہی وُہ جلال ہے جس میں ہماری رُوحوں اور بدنوں کے شامل ہونے کا وعدہ انجیل میں ہم سے کیا گیا ہے۔ اگر مسیح زندہ ہوکر خود اُس جلال میں داخل نہ ہوتا تو ہم کو اُس میں داخل ہونے کی کیا اُمید تھی؟ یاد رہے

کہ یہی زندہ مسیح بادلوں میں پھر آئیگا۔ راج کریگا۔ اور مُردوں اور زندوں کا انصاف کریگا ؞

اب ہم نے دیکھ لیا۔ کہ مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا کس طرح ہر مسیحی تعلیم اور مسئلے کے رگ و ریشے میں گھسا ہُوا ہے۔ اس کے بغیر مسیحی مذہب کچھ بھی نہیں رہتا۔ اور اسی واسطے مخالفوں نے اس پتّھر کو جو گویا کونے کا سرا ہے ہلانے کی کوشش کی ہے۔ مگر ہمیں یقین ہے کہ ان چند سطور کے پڑھنے سے ناظرین پر ثابت ہو گیا ہوگا۔ کہ جو گواہیاں اور دلیلیں اس واقعہ کی صداقت کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں وُہ اُن گواہوں اور دلیلوں سے کسی طرح کم یا کمزور نہیں جو تواریخی واقعات کے ثبوت میں اکثر پیش کی جاتی ہیں۔ بلکہ اُن سے کہیں زور آور ہیں ؞

آخری التماس

اب آخر میں ہماری منّت ہے کہ کیا وُہ جس نے معجزات دکھا کر اپنے تئیں قادر نجات دہندہ ثابت کیا۔ جس نے مُردوں میں سے زندہ ہوکر دکھا دیا کہ مَیں زندگی اور جلال کا سرچشمہ ہُوں۔ اِس لائق نہیں کہ ہم اُس پر ایمان لائیں؟ ہاں اُس نے یہ سب کچھ اسی واسطے کیا کہ ہم اُس کا دامن پکڑیں اور ہمیشہ کی زندگی کے وارث ہوں۔ پیارو "یہ (باتیں)، اِسی لئے لکھی گئی ہیں۔ کہ تُم ایمان لاؤ۔ کہ یسُوع ہی خُدا کا بیٹا مسیح ہے اور ایمان لاکر اُس کے نام میں زندگی پاؤ"۔ آمین ؞

خداوند مسیح کے مُعجزات کی

فہرست مضامین

باب

حصّہ

مُعجزاتِ مسیح

نمبر شمار	مضمون
۱۸	ایک جنم کے اندھے کی آنکھوں کو روشن کرنا
۱۹	سوکھے ہوئے بازو والے شخص کو اچھا کرنا
۲۰	ایک کبڑی عورت کو اچھا کرنا
۲۱	جلندر کی بیماری والے شخص کو اچھا کرنا
۲۲	دس کوڑھیوں کو اچھا کرنا
۲۳	سورفنیکی عورت کی لڑکی کو اچھا کرنا
۲۴	ایک بہرے اور گونگے کو اچھا کرنا
۲۵	چار ہزار کو معجزانہ طور پر کھانا کھلانا
۲۶	بیت صیدا میں ایک اندھے کو بینا کرنا
۲۷	ایک دیوانہ لڑکے کو چنگا کرنا
۲۸	مچھلی کے مُنہ میں درہم کا پانا
۲۹	لعزر کو زندہ کرنا
۳۰	یریحو کے نزدیک دو اندھوں کی آنکھوں کو روشن کرنا
۳۱	بے پھل انجیر کے درخت کا سوکھ جانا
۳۲	ملخس کے کان کو اچھا کرنا
۳۳	مچھلیوں کو پکڑنا
۳۴	معجزات جو صرف متی میں پائے جاتے ہیں
۳۵	دو اندھوں کا دیکھنا متی ۹: ۳۱-۳۷
۳۶	ایک گونگا بدروح کے قبضہ میں " ۹: ۳۲-۳۳
	مچھلی کا درہم " ۱۷: ۲۴-۲۷

معجزات جو صرف مرقس میں پائے جاتے ہیں

اور بہرے کا اچھا ہونا۔ مرقس ۷: ۳۱-۳۷

نمبر شمار	مضمون
۲	اندھے کا بینا ہونا مرقس ۸: ۲۲-۳۶
	معجزات جو صرف لوقا میں پائے جاتے ہیں
۱	مچھلیوں کا پکڑنا لوقا ۵: ۱-۱۱
۲	بیوہ کا لڑکا " ۷: ۱۱-۱۵
۳	کبڑی عورت " ۱۳: ۱۱-۱۵
۴	جلندر والا مریض " ۱۴: ۱-۶
۵	دس کوڑھی " ۱۷: ۱۱-۱۹
۶	ملخس کا کان " ۲۲: ۵۰-۵۱
	معجزات جو صرف یوحنا میں پائے جاتے ہیں
۱	پانی سے مے یوحنا ۲: ۱-۱۱
۲	بادشاہ کے ملازم کا لڑکا " ۴: ۴۶-۵۴
۳	بیت حسدا کا مریض " ۵: ۱-۹
۴	جنم کا اندھا " ~~۹: ۱-۷~~
۵	لعزر کا زندہ ہونا " ۱۱: ۳۸-۴۴
۶	مچھلیوں کا پکڑنا " ۲۱: ۱-۱۴
	معجزات جو صرف متی اور مرقس میں پائے جاتے ہیں
۱	یونانی یا کنعانی عورت کی لڑکی۔ متی ۱۵ باب مرقس ۷ باب
۲	چار ہزار کو کھلانا " ۱۵ باب " ۸ باب
۳	انجیر کے درخت کا سوکھ جانا " ۲۱ باب " ۱۱ باب
	معجزات جو صرف متی اور لوقا میں پائے جاتے ہیں
۱	صوبہ دار کا خادم متی ۸ باب لوقا ۷ باب
۲	اندھے اور گونگے کو بدروح سے شفا دینا۔ متی ۱۲ باب لوقا ۱۱ باب

نمبر شمار	مضمون
	معجزات جو صرف مرقس اور لوقا میں پائے جاتے ہیں
۱	ایک شخص کو جس میں بدروحیں تھیں عبادتخانہ میں اچھا کرنا مرقس ۱ باب لوقا ۴ باب
	معجزات جو متی مرقس اور لوقا میں ملتے ہیں
۱	پطرس کی ساس متی ۸ مرقس ۱ لوقا ۴ باب
۲	طوفان کو بند کرنا ″ ۸ ″ ۴ ″ ۸ ″
۳	گدرینیوں کے دو آدمی جن میں بدروحیں تھیں ″ ۸ ″ ۵ ″ ۸ ″
۴	کوڑھی کو اچھا کرنا۔ ″ ۸ ″ ۱ ″ ۵ ″
۵	یائر کی بیٹی ″ ۹ ″ ۵ ″ ۸ ″
۶	خون بہتی عورت کا شفا پانا ″ ۹ ″ ۵ ″ ۸ ″
۷	مفلوج کا اچھا ہونا ″ ۹ ″ ۲ ″ ۵ ″
۸	سوکھے ہوئے ہاتھ کو اچھا کرنا ″ ۱۲ ″ ۳ ″ ۶ ″
۹	مرگی والے لڑکے کو اچھا کرنا ″ ۱۷ ″ ۹ ″ ۹ ″
۱۰	یریحو کا اندھا ″ ۲۰ ″ ۱۰ ″ ۱۸ ″
	معجزات جو متی مرقس اور یوحنا میں ملتے ہیں
۱	جھیل کے پانی پر چلنا متی ۱۴ مرقس ۶ یوحنا ۶
	معجزات جو متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا میں ملتے ہیں
۱	پانچ ہزار کو کھلانا متی ۱۴ مرقس ۶ لوقا ۹ یوحنا ۶
۲	مردوں میں سے جی اٹھنا ″ ۲۸ ″ ۱۶ ″ ۱۴ ″ ۲۰ اعمال ۱
نوٹ	اس معجزے کا بیان تفسیر میں نہیں دیا گیا۔ وہ مقدمہ کے چھٹے باب میں مفصل درج ہے

معجزاتِ مسیح

پانی کا مے بنانا

یوحنا ۲: ۱-۱۱ آیت

یہ معجزہ مسیح کی خدمت کے شروع میں نہایت ہی موزوں تھا۔ کیونکہ اس سے اس کے کل کام کا مقصد ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ گویا اس کی آیندہ خدمت کی ایک نبوت تھی۔ خداوند مسیح ایک عجیب تبدیلی پیدا کرنے آیا تھا۔ پانی سے مے بنانا اس حقیقی اور سچی تبدیلی کا نمونہ تھا جو اس کی روح پاک کی قدرت سے گنہگار کے دل میں اس وقت واقع ہوتی ہے جبکہ وہ اس پر ایمان لاتا ہے۔ پانی سے مے بنانا گویا ایک ادنیٰ شئے سے افضل شئے بنانا تھا۔ اور جس قدرت کاملہ سے اس نے یہ معجزانہ تبدیلی پیدا کی اسی قدرت سے وہ گناہ آلود طبیعت کی رذالت اور خباثت کو دور کرتا۔ اور اسے الٰہی فرزندی کی فضیلت اور شرافت سے مالامال فرماتا ہے۔

۱۔ پھر تیسرے دن قانائے گلیل میں ایک شادی ہوئی اور یسوع کی ماں وہاں تھی

پھر تیسرے دن۔ یعنے فیلبوس اور نتھانی ایل کے آنے سے

تین دن بعد۔ دو دن میں خُداوند اور اُس کے شاگرد یردن کے کنارے سے
قانائے گلیل میں پہنچ گئے ہونگے ۔

اور یسُوع کی ماں وہاں تھی ۔ علاوہ خُداوند اور اس کے شاگردوں
کے اُس کی ماں بھی وہاں موجُود تھی معلُوم ہوتا ہے کہ یُوسف اُس وقت
زندہ نہ تھا۔ اُس کا آخری ذکر اُس وقت آتا ہے۔ جبکہ مسیح اُس کے ساتھ
ہیکل کو گیا۔ اغلب ہے کہ وُہ اس وقت کے بعد اور مسیح کی خدمت کے
آغاز سے پہلے کسی وقت فوت ہوگیا تھا ۔

اور اُس کے شاگردوں وغیرہ۔ عموماً یہ پانچ شاگرد مُراد لئے جاتے
ہیں ۔ اندریاس ۔ پطرس ۔ فیلبوس ۔ نتھانی ایل۔ اور یُوحنّا۔ اُن دو
شاگردوں میں سے جن کا ذکر (یُوحنّا ۱ : ۳۵ - ۴۰) میں پایا جاتا ہے ۔
ایک یُوحنّا تھا اور دُوسرا اندریاس ۔ اور یہ نتیجہ کہ اُن میں سے ایک یُوحنّا
تھا۔ اُس مفصّل بیان سے مستنبط کیا جاتا ہے جو اس انجیل کے ہر صفحہ سے
مترشح ہے ۔ اور نیز اِس بات سے بھی کہ وُہ اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتا
(دیکھو یُوحنّا ۱۳ : ۲۳ ؛ ۱۸ : ۱۵ و ۱۹ : ۲۶ و ۳۵) اگر یہ قیاس ٹھیک ہے
تو یُوحنّا بچشم خود اُس مُعجزہ کا دیکھنے والا تھا ۔

۲۔ اور یسُوع اور اُس کے شاگردوں کی بھی اس شادی میں دعوت تھی ۔

اُس شادی میں دعوت تھی۔ مسیح کا اس شادی میں آنا بڑی
برکت کا باعث تھا۔ وُہ نہ صرف دُکھ اور غم میں ہمارے ساتھ رہتا
ہے۔ بلکہ ہماری خُوشی اور خرّمی میں بھی ہمارا ساتھ دیتا ہے علاوہ اس
کے اُس کی حضُوری سے شادی کا جواز ثابت اور خاندانی تعلّقات کی
درستی اور عظمت کی تصدیق ہوتی ہے۔ جو لوگ شادی کے رشتہ پر
حرف لاتے ہیں وُہ غلطی میں ہیں۔ جس بے تکلّفی سے مریم ضیافت کے

معاملات میں دست اندازی کرتی ہے (دیکھو آیت ۵) اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ وُہ اپنے میزبان سے گہرا تعلّق اور تعارف رکھتی تھی۔ ممکن ہے کہ وُہ
شادی والوں میں سے کسی فریق کی رشتہ دار ہوگی ۔

جب مے ہو چکی۔ ممکن ہے کہ مسیح اور اُس کے شاگردوں کے
آنے سے مہمانوں کا شمار بڑھ گیا ہو۔ اور اس سبب سے مے کم ہوگئی ہو۔
مریم اس کمی کو دیکھ کر متفکّر ہوئی۔ اور چاہتی تھی کہ ان کی مُشکل کسی طرح
رفع کی جائے۔ لہٰذا:۔

۳۔ جب مے ہو چکی تو یسُوع کی ماں نے اُس سے کہا کہ اُن کے پاس مے نہیں رہی ۔

یسُوع سے کہا۔ اُن کے پاس مے نہیں رہی۔ معلوم نہیں کہ وُہ
کس مقصد سے خُداوند کے پاس آئی۔ اور کیا چاہتی تھی کہ وُہ اُن کے
لئے کرے۔ کیونکہ مسیح کا یہ پہلا مُعجزہ تھا۔ (دیکھو آیت ۱۱) اور مریم
نے اُس کی قُدرتِ اعجاز کا کوئی کرشمہ ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ پس
اُس کو یہ جُرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ کہ وُہ اُس سے یہ کہے۔ کہ تُو اپنی
مُعجزانہ طاقت سے ان کے لئے مے بنا دے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال
ہے کہ گو مسیح نے عام طور پر اپنا جلال ظاہر کرنے کو کوئی مُعجزہ اَب تک
نہیں دکھایا تھا مگر اپنے عزیزوں کے دائرے میں اُس نے کئی مُعجزے
اس غرض سے دکھا دئے تھے کہ وُہ اُس ظاہری مُعجزہ کو قبُول کرنے کے
لئے تیار ہو جائیں ۔ لیکن انجیل کی سادہ بیانی سے خلاف ورزی اختیار
کرنے کی کوئی ضرُورت نہیں ہے۔ کیونکہ اُس میں صاف لکھا ہے
کہ یہ اُس کا پہلا مُعجزہ تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ کس طرح مریم کو مسیح کی
بشارت دی گئی تھی۔ لہٰذا ناممکن نہیں کہ گو اُس نے کوئی مُعجزانہ اظہار
مسیح کی قُدرت کا اَب تک نہ دیکھا تھا۔ تاہم وُہ اُن نشانوں کے سبب سے

اور اُس نبوّت کے کلام کے باعث جو یسُوع کی پیدائش سے وابستہ تھا اِس بات کی قائل تھی کہ وُہ موجودہ مُشکل کو رفع کرنے کی پُوری پُوری قُدرت رکھتا ہے گو اُس نے اَب تک اس قُدرت کو پبلک میں ظاہر کرنا شرُوع نہیں کیا ؞

بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ وُہ اِس لئے اُس کے پاس یہ درخواست کرنے نہیں آئی تھی کہ وُہ مُعجزات طاقت سے مَے کی مقدار بڑھا دے یا اُسے اور کسی طرح پیدا کر دے۔ بلکہ وُہ اِس لئے اُس کے پاس آئی تھی کہ اُس کے ساتھ مشورہ کرے کہ اس موقع پر کیا کِیا جائے کیوں کہ اُس نے اُسے ہمیشہ دانا صلاح کار اور عُمدہ مشیر پایا تھا ؞

پھر کِسی کِسی کا یہ خیال بھی ہے کہ جب اُس نے یہ کہا۔ کہ "اُن کے پاس مے نہیں رہی"۔ تو اس کا یہ مطلب تھا۔ کہ قبل اس کے کہ ہمارے میزبانوں کی یہ مُشکل فاش ہو اور وُہ شرمندگی اُٹھائیں بہتر ہے کہ ہم یہاں سے چلے جائیں ؞

۴۔ یسُوع نے اُس سے کہا۔ اَے عورت مُجھے تجھ سے کیا کام ہے؟ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔

اَے عورت مُجھے تجھ سے کیا کام ہے؟ الفاظ "اَے عورت" عدم تعظیم پر دلالت نہیں کرتے۔ اور نہ اُن سے کسی قسم کی دھمکی یا ملامت کی بُو آتی ہے چُنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وُہ اپنی ماں کو جاں بحق ہونے سے پہلے جو نہایت سنجیدہ وقت تھا۔ انہیں الفاظ سے مخاطب کرتا ہے (یُوحنّا ۱۹: ۲۶) ؞

البتّہ دُوسرے جُملہ کا مطلب اور طرح کا ہے "مُجھے تجھ سے کیا کام"۔ یونانی میں یہ الفاظ آئے ہیں T-iew n i k a i bol- جن کا لفظی ترجمہ یہ ہے "مُجھے اور تُجھے کیا"۔ یہ الفاظ سپچوئیجنٹ

میں استعمال ہُوئے ہیں اور ان کے مقابلہ سے معانی صاف ہو جاتے ہیں۔ دیکھو قاضیوں ۱۱: ۱۲+ ۱سلاطین ۱۷: ۱۸ + ۲سلاطین ۳: ۱۳+ یشوع ۲۲: ۲۴۔ ۲سیموایل ۱۶: ۱۰۔ نیز نئے عہد نامے میں متّی ۸: ۲۹ و مرقس ۱: ۲۴ و لُوقا ۸: ۲۸۔ اِس سے بعض اشخاص نے یہ سمجھا۔ کہ مسیح کا مطلب یہ تھا۔ کہ اگر مے ختم ہو گئی ہے تو ہم کیا کریں۔ یعنے "مُجھے اور تُجھے اِس سے کیا واسطہ۔ ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں کہ اِس تفسیر کی بُنیاد لاعلمی پر قائم ہے۔ یعنے جو لوگ یہ خیال پیش کرتے ہیں وُہ اِس محاورہ کے معانی سے واقف نہیں ہیں۔ صاحب موصُوف یہ تفسیر کرتے ہیں "اِس معاملہ میں مجھے کچھ نہ کہو۔ کیونکہ اِس معاملہ میں مجھ میں اور تُم میں کسی طرح کا اشتراک نہیں ہے کیونکہ اس معاملہ میں ہم جُدا جُدا جگہ پر کھڑے ہیں"۔ گویا اِن لفظوں سے مسیح یہ سکھانا چاہتا تھا۔ کہ جس نیّت اور مقصد سے مَیں اپنی قُدرت کو ظاہر کرنا چاہتا ہُوں اُس کا تعلّق خُون اور گوشت سے نہیں بلکہ اُس کا علاقہ خُدا کی بادشاہت کی ترقّی کے ساتھ ہے۔ کرِیساسٹم صاحب فرماتے ہیں کہ ابھی مریم نے مسیح کی نِسبت ایسا خیال کرنا نہیں سیکھا تھا جیسا اُس کو کرنا چاہیئے تھا۔ بلکہ وُہ خیال کرتی تھی کہ چُونکہ وُہ میرے شِکم سے پیدا ہُوا ہے۔ لہٰذا جس طرح اَور مائیں اپنے بچّوں کو حُکم کیا کرتی ہیں۔ مَیں بھی اُسے حُکم کر سکتی ہُوں اور نہیں جانتی تھی کہ حُکم کرنے کی نِسبت اُس کی تعظیم اور بندگی کرنا زیادہ زیبا ہے ؞

ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ جب ہم اِن لفظوں کو ماقبل کے الفاظ کے ساتھ پڑھتے ہیں تو یہ خیال گُذرتا ہے۔ کہ گویا اُس کی یہ مُراد تھی کہ میرا وقت ابھی بہت دیر بعد آنے والا ہے اور یُوحنّا اکثر اِن الفاظ کو مسیح کی موت یا اُس کے اِس دُنیا سے کُوچ کرنے کی نِسبت استعمال کرتا ہے۔ (یُوحنّا ۷: ۳۰ و

۸: ۲۰ و ۱۲: ۲۳ و ۲۷ و ۱۷: ۱) مگر ایک اور جگہ اِن الفاظ سے قریبی فاصلہ بھی مُراد ہے (یُوحنّا ۷: ۶) اور یہی مطلب یہاں ہے معلُوم ہوتا ہے کہ مریم نے بھی اِن سے دیر کا مطلب نہیں سمجھا اور وقُوعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جو مطلب مریم نے سمجھا وُہی صحیح تھا۔ اُس کے نزدیک مسیح کا یہ مطلب تھا کہ جب تک مے بالکل ختم نہ ہوجائے اُس وقت تک مَیں کچھ نہیں کرسکتا (اگر وُہ مے بنا دیتا۔ تو اگسٹن صاحب کے قول کے مطابق لوگ یہ خیال کرتے کہ پانی تبدیل نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُس میں اَور عناصر ایزاد کئے گئے ہیں) پس مُعجزہ اُس وقت ہونے کو تھا۔ جب اُس میں کسی طرح کے شک اور شُبہ کی جگہ نہ رہتی ؂

۵۔ اُس کی ماں نے خادموں سے کہا۔ جو کچھ یہ تُم سے کہے۔ وُہ کرو۔

اُسے یقین تھا۔ کہ وُہ اُس کی درخواست کو قبُول کریگا۔ اور اُس نے کچھ کچھ یہ بھی جان لیا کہ کِس طرح پُورا کریگا۔ اِسی لئے اُس نے خادموں سے کہا کہ جو کچھ وُہ تُم سے کہے سو کرو۔ اُس کے حُکم کو ماننا گویا مُعجزے کو وجُود میں لانا تھا ؂

۶۔ وہاں یہودیوں کی طہارت کے دستور کے موافق پتھر کے چھ مٹکے رکھّے تھے اور اُن میں دو دو تین تین من کی گنجائش تھی۔

اِس تفصیل سے فریب اور دھوکے کے لئے جگہ نہیں رہتی۔ پہلے یہاں مٹکوں کا بیان ہے یُونانی میں جو لفظ آیا ہے وُہ ὑδρίαι ہے جو ὑδρία کی جمع ہے۔ یہ لفظ ὕδωρ سے مُشتق ہے جس کے معنے پانی کے ہیں۔ یہ برتن شراب کے برتن یا شراب کی صُراحیاں نہ تھیں۔ بلکہ ایسے برتن تھے جن میں پانی بھرا جاتا تھا۔ لہذا یہ اعتراض

نہیں کیا جا سکتا کہ چُونکہ مے کی صُراحیوں میں پانی ڈالا گیا تھا اس لئے پانی میں مے کے برتنوں کی بُو پیدا ہو گئی تھی اور وُہ مے سمجھا گیا۔ اب چُونکہ یہ برتن بالتخصیص پانی کے برتن تھے لہذا اعتراض مذکورہ بالا کے لئے کوئی جگہ نہیں رہتی ؂

۲۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پانی کے مٹکے وہیں موجُود تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنہوں نے کوئی ایسی صلاح نہیں کی تھی کہ ہم پہلے کہیں سے مٹکے لائینگے اور پھر یہ کہینگے کہ ان میں پانی بھرا ہُوا تھا اور اب وُہ پانی مے بن گیا ہے۔ بلکہ یہ مٹکے یہُودیوں کے دستُور کے مطابق پہلے ہی سے وہاں موجُود تھے ؂

۳۔ مقدار بھی دی گئی ہے تاکہ یہ شُبہ نہ رہے کہ تھوڑی سی مے کہیں سے چھپا کر لائے تھے۔ اِس مقدار سے مے کی کثرت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ دو دو تین تین من کی گُنجائش اُن مٹکوں میں تھی ؂

مٹکوں میں پانی بھر دو۔ اِن لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جتنے مسیح کے لئے کام کرنے والے ہیں۔ اُن کا یہ فرض ہے کہ جیسا مسیح کہے ویسا کریں۔ فرائض ہمارے ہیں۔ اور واقعات خُدا کے ہیں۔ (رائل) ہمارا کام ہے مٹکوں میں پانی بھرنا۔ اُس کا کام ہے پانی سے مے بنانا۔

۷۔ یسُوع نے اُن سے کہا مٹکوں میں پانی بھر دو۔ پس اُنہوں نے اُن کو لبالب بھر دیا:۔

اِس سے ظاہر ہے کہ یہ گُمان نہیں ہو سکتا کہ پہلے ہی سے اِن میں مے بھری ہُوئی تھی۔ خادموں نے اُس کے حُکم کو مانا۔ لبالب بھر دیا۔ اُن میں اَور کوئی چیز اب نہیں ڈالی جا سکتی تھی۔

۸۔ پھر اُس نے اُن سے کہا۔ اب نکال کر میر مجلس کے پاس لے جاؤ۔ پس وُہ لے گئے۔ شاید مُعجزہ اِسی وقت واقع ہُوا

وُہ جو انگور پیدا کرتا وُہ جس نے مادہ کو نیستی سے خلق کیا بآسانی ایک قسم کے مادہ کو دُوسری قسم کے مادہ میں تبدیل کر سکتا تھا۔ یہ میر مجلس بھی مہمان تھا۔ اور غالباً اُس وقت ضیافت کا مہتمم تھا۔ مسیح سوشل دستوروں کی تحقیر نہیں کرتا بلکہ ہر شخص کو اُس کا حق دینے کو تیار رہے۔ چُنانچہ وُہ اِس مے کو پہلے میر مجلس کے پاس بھیجتا ہے۔ اِس قسم کے مہتمم یُونانیوں اور رُومیوں میں بھی پائے جاتے تھے۔ (وُلا لے گئے اطاعت) ؎

۹۔ جب میر مجلس نے وُہ پانی چکھا جو مے بن گیا تھا۔

وُہ تو اب پانی نہ تھا۔ بلکہ مے تھی۔ مگر رسُول اسواسطے اُسے پانی کہتا ہے کہ مے بننے سے پہلے وُہ پانی تھا۔ اور نیز اِس لئے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اُن میں شروع ہی سے مے بھری ہُوئی تھی۔ لفظ چکھا غور طلب ہے رُومی کلیسیا کے شرکاء اکثر یہ دلیل دیا کرتے ہیں کہ جس طرح پانی مے بن گیا۔ اسی طرح عشاءِ ربّانی کی روٹی اور وائن مسیح کا گوشت اور خُون بن جاتے ہیں۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ پانی پانی نہ رہا اور اس کا ثبُوت یہ ہے کہ وُہ چکھنے میں مے کا ذائقہ رکھتا تھا۔ کیا اسی طرح روٹی اور وائن کا ذائقہ بھی بدل جاتا ہے؟ ہمارے حواس کی گواہی یہ ہے کہ وُہ نہیں بدلتا ؎

ابھی تک اُس کو اِس بات کا علم نہ تھا کہ یہ مے پانی سے بنی ہے وُہ جیسا اُس کے بیان مابعد سے ظاہر ہوتا ہے یہ خیال کرتا تھا کہ میزبان نے اس کو رکھ چھوڑا ہے لیکن خادم جنہوں نے پانی کنُوئیں سے نکال کر مٹکوں میں بھرا تھا۔ اِس راز سے واقف تھے۔ پس میر مجلس نے دُولھا کو بُلا کر کہا۔

۱۰۔ ہر شخص پہلے اچھّی مے پیش کرتا ہے اور ناقص اُس وقت جب پی کر چھک گئے مگر تُو نے اچھّی مے اب تک رکھ چھوڑی ہے۔

جب پی کر چھک گئے۔ اِن لفظوں سے مسیح پر یہ اعتراض کیا

جاتا ہے کہ اُس نے خُدا کی مرضی کے خلاف کام کیا۔ کیونکہ اوّل تو نشہ بازوں کی مجلس میں آیا اور پھر اُن کو مے بنا کر دی جو اُن کے متوالا پن کو دو بالا کرنے والی تھی ؎

لیکن اِس کا جواب یہ ہے کہ یُونانی لفظ کے معنے ہمیشہ متوالا ہونے کے نہیں ہوتے۔ بلکہ اس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں "سیر ہو کر پی لیا" ؎

۱۔ اِس بات کا کوئی ثبُوت نہیں کہ لوگ اُس وقت متوالے ہو رہے تھے۔ میر مجلس یہ نہیں کہتا کہ ہم اب مخمُور ہو گئے ہیں۔ وُہ صرف نشہ بازوں کی مجلسوں کا معمُولی دستُور بیان کرتا ہے۔ گویا وُہ یہ کہتا ہے کہ "اگر ہم اُن لوگوں کی طرف خیال کریں جو مے خوری کے خُوگر ہوتے ہیں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ جو اچھّی مے ہوتی ہے وُہ اُسے پہلے استعمال کرتے ہیں اور جب مخمُور ہو جاتے ہیں اور اچھّی اور بُری کے ذائقہ میں امتیاز نہیں کر سکتے اُس وقت اُن کو ناقص دی جاتی ہے مگر تُو نے اِس دستُور کے خلاف کیا"۔ پس ضرُور نہیں کہ ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ اِس جگہ جہاں مسیح موجُود تھا لوگ نشہ میں ڈُوبے ہُوئے تھے ؎

۲۔ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسیح نے ایک ایسی شئے بنائی جو متوالا کرنے کی خاصیّت رکھتی تھی۔ پر یہ اعتراض خُدا کی ہر اچھّی نعمت پر ہو سکتا ہے۔ ہر برکت ہمارے لئے آزمائش ہو سکتی ہے اور کثرت پر اعتراض کرنا بھی بے فائدہ ہے۔ کیونکہ وُہ جو بادشاہ ہے بادشاہوں کی طرح دیتا ہے نہ کہ دُنیا کی طرح۔ یہ بھی یاد رہے کہ بہت عُلماء یہ بھی مانتے ہیں کہ مے زیر بحث محض انگُور کا رس تھا ؎

۱۱۔ یہ پہلا مُعجزہ۔ اِن لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ تمام مُعجزات جو اپاکریفل کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور مسیح کی طفولیّت سے منسُوب کئے جاتے ہیں بالکل لغو اور بے بُنیاد ہیں۔ مگر اِس سے پہلے اُس نے کسی

طرح کے مُعجزے دِکھائے ہوتے تو رسُول یہ نہ کہتا کہ یہ اُس کا پہلا مُعجزہ تھا۔ یسُوع نے قانائے گلیل میں دکھا کر اپنا جلال ظاہر کیا۔ یہ الفاظ صرف خُدا کے بیٹے کی نسبت ہی کہے جا سکتے ہیں۔ انسان اپنا جلال ظاہر نہیں کر سکتا۔ اُس کا یہ فرض ہے کہ وُہ خُدا کا جلال ظاہر کرے۔ لفظ جلال بُہت دور ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اُس نے اپنی بڑائی چاہی۔ اس سے وُہ جلال مُراد ہے جو کلمہ بحیثیت نُور ہونے کے رکھتا ہے (یُوحنّا ۱: ۱۴ و متّی ۱۶: ۲۷ و مرقس ۸: ۳۸) ٭

اور اُس کے شاگرد اُس پر ایمان لائے۔ اُوپر بیان ہُوا کہ اُس نے یہ مُعجزہ دکھا کر اپنا جلال ظاہر کیا کہ گویا اس مُعجزے کا یہ مقصد تھا کہ اُس کا جلال ظاہر ہو۔ لیکن ماسوا اس کے ایک اور مقصد بھی تھا۔ اور وُہ یہ کہ اُس کے شاگرد اُس پر ایمان لائیں۔ اب سُوال یہ ہے کہ وُہ تو ایمان لا چُکے تھے اب پھر کس طرح ایمان لائے؟ مطلب یہ ہے کہ اُن کا ایمان مضبُوط ہو اور وُہ ایمان سے ایمان تک ترقّی کریں۔ نہ صرف اُس کو اپنا اُستاد ہی جانیں بلکہ اُسے فطرت اور فِطرت کی طاقتوں کا مالک بھی مانیں ٭

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ مُوسٰی اور مسیح:۔ مُوسٰے کا پہلا مُعجزہ یہ تھا کہ اُس نے پانی سے خُون بنایا۔ مُوسٰے شریعت کو لایا۔ مسیح نے پانی کی مے بنائی۔ فضل مسیح سے ہے۔ مسیح زندگی کا مالک ہے وُہ خوشی اور راحت کو اپنے ساتھ لایا ٭

۲۔ یہ مُعجزہ مسیح کے کام کی پیشین گوئی ہے۔ وُہ ظاہر کرتا ہے کہ وُہ گنہگار دل کو مقدّس۔ بنی آدم کو فرشتے۔ زمین کو آسمان۔ اور اس صحرا کو فردوس بنانے والا ہے ٭

۳۔ اِس شادی سے دُنیا کی خوشی کی بطالت اور بے ثباتی ظاہر ہوتی ہے

دُنیا کی خُوشی کے موقعوں پر محتاجی چھپی ہُوئی ہوتی ہے۔ اس کے مزدن کے ختم ہو جانے کا غم اس کی خوشیوں میں نہاں ہے۔ کیونکہ ایک وقت آتا ہے جب مے ہو چُکتی ہے ٭

۴۔ جب تمام قسم کی خارجی مدد ہماری ضروریات کو رفع کرنے میں قاصر نِکلتی ہے۔ تو وُہ وقت "مسیح کا وقت" ہوتا ہے۔ اُس وقت وُہ ہماری مدد کو آتا ہے ٭

۵۔ مناسب ہے کہ ہماری تمام ضیافتیں مسیح کی حضُوری سے پاک کی جائیں۔ جس جلسہ میں ہم مسیح کو مدعو نہیں کر سکتے وُہ جلسہ قابِلِ اعتراض ہے ٭

۶۔ خُداوند یسُوع مسیح اپنی حضُوری سے شادی کے رشتہ کی عزّت کرتا ہے۔ جس جماعت اور سوسائٹی میں اس مُبارک رشتہ کی عزّت نہیں کی جاتی۔ وُہ سوسائٹی جلد تباہ ہو جاتی ہے۔ وُہ اِس رشتہ کے وسیلہ اپنی عجیب محبّت کو جو کلیسیا سے رکھتا ہے ظاہر کرتا ہے ٭

۷۔ ہر ضرورت اور مُشکل کے وقت لازم ہے کہ ہم مسیح کے پاس آئیں جس طرح مریم آئی۔ مریم کا ایمان غور کے لائق ہے۔ حالانکہ اُس کی درخواست بظاہر قبُول نہ ہُوئی۔ تاہم وُہ مایُوس نہیں ہُوئی۔ بلکہ اُس نے یقین کیا کہ مسیح اپنے وقت پر میری دُعا کا جواب دیگا۔ جس حِلم اور فروتنی سے اُس نے اِس بات کو سہا وُہ بھی قابلِ غور ہے ٭

۸۔ مسیح ہماری ہر طرح کی ضرُورتوں کو رفع کرنے والا ہے۔ وُہ نہ صرف دُکھ میں ہم کو تسلّی دیتا ہے۔ بلکہ ہماری خُوشیوں کی کمیوں کو بھی پُورا کرتا ہے۔ زندگی کی کوئی ضرُورت ایسی نہیں۔ خواہ وُہ شادی سے علاقہ رکھتی ہو خواہ غمی سے جسے وُہ پُورا نہیں کر سکتا ٭

۹۔ اُس کی خود انکاری غور طلب ہے۔ وُہ اپنے لئے کچھ نہیں کرتا۔ لیکن

ہمارے پانی کو ہر روز مے بنانا رہتا ہے ÷

۱۰۔ وُہ فطرت کی طاقتوں پر غالب اور حاکم ہے۔ پانی کو مے بنانا اُسی کا کام ہے

۱۱۔ لیکن اُس کی برکتوں کو حاصل کرنے کے لئے فرمانبرداری کی ضرورت ہے۔ وُہ حُکم دیتا ہے اور اپنے حُکم کا مطلب جانتا ہے۔ نوکر کا صرف یہ کام ہے کہ مالک کے حُکم کی تعمیل کرے ÷

۱۲۔ خُداوند اکثر اپنی عجیب قُدرت کے عمل کو چُھپائے رکھتا ہے۔ اور صرف اُس کے نتیجہ کو ظاہر کرتا ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم (الف) ہر نئی برکت اور ہر نئی ترقّی کا بانی اور مُوجد خُداوند کو سمجھیں۔ (ب) اور جانیں کہ اُس کی قُدرت پر شک لانا بہت نامناسب کام ہے۔ چُونکہ ہم اُس کی قُدرت کے کرشمے دیکھ نہیں سکتے۔ لہٰذا ہم نہیں کہہ سکتے کہ وُہ فلاں کام نہیں کر سکتا ÷

(ج) ہمارا بڑا فرض یہ ہے کہ ہم اُس کی برکتوں کی وجہ دریافت کرنے کی بجائے اُس کی شُکر گُزاری ادا کریں ÷

۱۳۔ دُنیا اپنی اچھّی چیزیں پہلے دیتی ہے۔ اور پھر ناقص۔ لیکن مسیح کی یہ ترتیب نہیں ہے۔ وُہ اپنی برکتیں ادنےٰ درجہ سے شروع کرتا اور اعلیٰ درجہ تک پہنچاتا ہے۔ ہم اچھّی مے اُس کے باپ کی بادشاہت میں پئینگے۔ پہلے صلیب۔ دَوڑ اور لڑائی پھر آرام۔ جلال اور تاج ÷

۱۴۔ خبردار ہم خُدا کی نعمتوں کو نامناسب طَور پر نہ برتیں۔ وُہ متوالا کرنے کو نہیں ہیں ÷

۱۵۔ مسیح اپنا جلال اور اپنی سیرت اپنے کاموں سے ظاہر کرتا ہے۔ اور ہمارے لئے بھی کوئی اَور قانُون نہیں ہے۔ ہم بھی اپنی سیرت اپنے کاموں سے ظاہر کر سکتے ہیں ÷

۱۶۔ کاشکہ اُس کے سارے کام ہمارے ایمان کو بڑھائیں۔ آمین ÷

قانا میں بادشاہ کے ملازم کے بیٹے کو اچھّا کرنا

یُوحنّا ۴: ۴۶-۵۴ آیت

اِس مُعجزے کا بیان تو ۴۶ ویں آیت سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن ۴۳-۴۶ آیات کے پڑھنے سے ایک مُشکل نظر آتی ہے جس کا حل کرنا ضرُوری معلوم ہوتا ہے۔ اِن آیات میں لکھا ہے۔ کہ ”وُہ (یسُوع) گلیل کو گیا۔ کیونکہ یسُوع نے خود گواہی دی۔ کہ نبی اپنے وطن میں عزّت نہیں پاتا۔“ (آیات ۴۳ و ۴۴) اور پھر لکھا ہے۔ کہ ”گلیلیوں نے اُسے قبُول کیا۔“ اَب مُشکل یہ ہے کہ گلیل ہی اُس کا وطن تھا۔ اور اگر وُہ وہاں قبُول کیا گیا۔ تو پھر اس کا یہ قول کہ ”نبی اپنے وطن میں عزّت نہیں پاتا“ کِس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ بعضوں نے اِس مُشکل کو اِس طرح حل کیا ہے کہ چُونکہ وُہ یہُودیہ کے بیت اللّحم میں پَیدا ہُوا۔ اِس لئے یہودیہ اُس کا وطن تھا۔ اور جب وُہ وہاں قبُول نہ کیا گیا تو گلیل کو گیا۔ مگر اس کا کوئی ثبُوت نہیں کہ مسیح یہُودیہ میں قبُول نہیں کیا گیا۔ بلکہ برعکس اس کے ہم جانتے ہیں کہ کئی لوگوں نے یہُودیہ میں بپتسمہ پایا اور اُس کی پیروی اختیار کی۔ بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس درجہ تک قبُول کیا کہ فریسیوں کو بھی خبر ہو گئی۔ اور اسی سبب سے اُس کو گلیل جانا پڑا۔ اسی طرح کی کئی اور تشریحیں بھی کی گئی ہیں۔ لیکن وُہ تسلّی بخش نہیں ہیں۔ سب سے بہتر

خیال یہ ہے کہ جب مسیح نے یہ فرمایا کہ "نبی اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا" تو اس کا اشارہ ناصرت کی ...... طرف تھا۔ پس مطلب یہ ہے کہ مسیح سامریہ سے اپنے وطن ناصرت کو نہ گیا بلکہ گلیل کو روانہ ہوا۔ لفظ وطن انجیل کے کئی اور مقاموں میں بھی ناصرت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس علاقہ کی طرف نہیں کرتا جس میں ناصرت واقع تھا اور گلیل کہلاتا تھا (متی ۱۳: ۵۴، ۵۵ و مرقس ۶: ۱-۴ و لوقا ۴: ۲۳ و ۲۴) ۞

دوسرا سوال یہ برپا ہوتا ہے کہ کیا یہ وہی معجزہ ہے۔ جو متی ۸: ۵ اور لوقا ۷: ۲ میں پایا جاتا ہے؟ بعض بزرگوں (مثلاً ایرینیس وغیرہ) نے ان دونوں بیانوں کو یعنے اُس بیان کو جو یوحنا کی انجیل میں پایا جاتا ہے۔ اور اُس بیان کو جو متی اور لوقا کی انجیل میں پایا جاتا ہے۔ ایک ہی شخص کا بیان قرار دیا ہے۔ لیکن دونوں بیانوں میں کئی ایسے فرق پائے جاتے ہیں جن کے سبب سے ہم اُن دونوں بیانوں کو ایک ہی شخص کا تذکرہ نہیں مان سکتے مثلاً جس صوبہ دار کا بیان متی اور لوقا میں پایا جاتا ہے وُہ غیر قوم تھا۔ اور یہ بادشاہ کا ملازم یہودی تھا۔ وُہ اپنے نوکر کے لئے آیا۔ یہ اپنے بیٹے کے لئے۔ اُس کی درخواست اُس وقت پیش کی گئی جبکہ مسیح کفر نحوم میں داخل ہو رہا تھا۔ مگر اُس نے اپنے بیٹے کی شفا کی التجا قانا میں کی۔ اُس نے اپنی درخواست اَوروں کے ہاتھ بھیجی۔ اِس نے خود آکر کی۔ اُس بیان میں بیماری فالج تھی۔ اِس بیان میں بیماری بُخار کی تھی۔ ماسواء ان ظاہری تفاوتوں کے ایک اَور گہرا فرق بھی پایا جاتا ہے۔ وُہ یہ کہ صُوبہ دار ایک مضبوط ایمان کا نمونہ ہے۔ اور یہ ملازم کمزور ایمان کا۔ وُہ صُوبہ دار یہ مانتا تھا کہ مسیح اگر کہہ دے تو میرا خادم اچھا ہو جائیگا۔ لیکن یہ ملازم بڑی سرگرمی سے یہ منت کرتا ہے کہ مسیح اُس کے ساتھ اُس کے گھر جائے۔ اُس

کے ایمان کی تعریف ہوتی ہے اِس کو ایک ہلکی قسم کی ملامت کی جاتی ہے ۞

لائیٹ فٹ صاحب کا (جن کی رائے ایسے معاملات پر سند سمجھی جاتی ہے) اَور کئی اَور مُفسرین کا یہ گمان ہے کہ یہ ملازم خُوزہ تھا۔ (لوقا ۸: ۳) جس کی بیوی اُن عورتوں میں شامل تھی جنہوں نے اپنے مال سے خُداوند کی خدمت کی۔ یہ خیال ناممکن معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ہیرودیس کے دیوان کے کُل خاندان کا مسیح کے پیرووں میں داخل ہونا کسی ایسے ہی عجیب واقعہ پر مبنی ہو سکتا ہے۔

۴۶ - یسُوع پھر قانائے گلیل میں آیا

مسیح کے قانائے گلیل میں دوبارہ آنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اُس کا شاگرد نتھانی ایل وہاں کا رہنے والا تھا۔ اور نیز ہم پہلے معجزہ میں دیکھ آئے ہیں کہ شاید اُس جگہ مریم کے رشتہ دار بھی رہتے تھے ۞

اور بادشاہ کا ایک ملازم تھا جس کا بیٹا کفرنحوم میں بیمار تھا۔ ہم اس کا ذکر اُوپر کر آئے ہیں کہ وُہ ہیرودیس کا دیوان تھا۔ لائیٹ فٹ صاحب کا خیال ہے کہ اگر یہ شخص خُوزہ نہ تھا تو مناہین ہوگا۔ یاد رہے کہ دونوں خیال صرف گمان ہیں۔ ممکن ہے کہ پہلا گمان صحیح ہو مسیح کے شاگرد فقط غریب ہی نہ تھے بلکہ امیروں اور رئیسوں میں سے بھی تھے ۞

رائل صاحب فرماتے ہیں کہ جو معجزات کفرنحوم میں دکھائے گئے وُہ توجہ طلب ہیں نیز اُن لوگوں کے منصب اور مرتبہ پر غور کرنا چاہیئے جن کے لئے وُہ معجزات کئے گئے اِسی جگہ اُس نے صُوبہ دار کے خادم کو شفا دی۔ (متی ۸: ۵) اور اسی جگہ اُس نے عبادت خانہ کے سردار یائر کی بیٹی کو زندہ کیا (مرقس ۵: ۴۱) اور یہیں اُس نے اِس ملازم کے بیٹے کو چنگا کیا۔ تین مختلف قسم کے لوگوں کے درمیان ایک ایک معجزہ دِکھایا گیا۔ صُوبہ دار ایک غیر قوم شخص تھا اور یائر اعلےٰ درجہ کا کلیسیائی عہدہ رکھنے والا تھا۔ اور یہ ملازم اعلیٰ درجہ کے سرکاری منصب پر ممتاز تھا۔ خُداوند کے یہ الفاظ "اَے کفرنحوم کیا تو آسمان

تک بلند کیا جائیگا"۔ (متی ۱۱: ۲۳) بے جا نہ تھے۔ بیشک کسی اور جگہ کو اتنی بزرگی اور برکت حاصل نہیں ہُوئی ؞

۴۷۔ وُہ یہ سُن کر کہ یسُوع یہودیہ سے گلیل میں آگیا ہے اُس کے پاس گیا اور اُس سے درخواست کرنے لگا کہ چل کر میرے بیٹے کو شفا بخش ......

اِس آیت سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ مسیح کی شہرت تمام گلیل میں ہوگئی تھی۔ کچھ اُس معجزہ کے سبب سے جو اُس نے قانائے گلیل میں دکھایا تھا۔ اور کچھ اُن عجیب کاموں کے سبب سے جو یروشلیم میں کئے گئے تھے۔ جن کو اُن گلیلیوں نے جو عید کی تقریب پر وہاں گئے ہُوئے تھے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ دُوسری بات یہ ہے کہ سب جان گئے تھے کہ مسیح نہ صرف چنگا کرنے کی قُدرت رکھتا ہے۔ بلکہ چاہتا بھی ہے کہ بیماروں کو چنگا کرے ؞

واضح ہو کہ یہ شخص مسیح کے پاس صرف ایک جسمانی ضرُورت کے سبب سے آیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اِس ضرورت کو بھی مسیح ہی رفع کر سکتا تھا۔ تاہم یہ جاننا ضروری ہے کہ رُوحانی ضرُوریات کی شناخت اُس کو اُس کے پاس نہیں لائی تھی۔ کیونکہ خُداوند فرماتا ہے "جب تک تُم نشان اور عجیب کام نہ دیکھوگے۔ ہرگز ایمان نہ لاؤگے"۔ اِن الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ملازم اپنے ہم وطنوں کا ہم خیال تھا۔ اُن کی طرح نشان کا منتظر تھا۔ وُہ اُن سامریوں کی مانند نہ تھا۔ جنھوں نے کوئی نشان طلب نہ کیا۔ بلکہ صرف اُس کا کلام سُن کر اُسے قبُول کیا۔ (یُوحنّا ۴: ۴۱) اس ملازم اور اُس کے ہموطنوں نے مسیح کے جلال کو جو اُس کی شخصیّت اور تعلیم میں جلوہ گر تھا نہ پہچانا اور یہی سبب تھا کہ وُہ مسیح کے ساتھ چلنے پر زور دیتا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ اگر وُہ یہیں سے کہہ دے تو اُس کا کلام شفا بخشنے کے

لئے کافی ہے ؞

۴۸۔ یسُوع نے اُس سے کہا جب تک تُم عجیب کام نہ دیکھو ہرگز ایمان نہ لاؤگے۔

اِن لفظوں میں جیسا اُوپر بیان ہو چُکا یہودیوں کی عام آرزُو اور تمنّا کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ وُہ چاہتے تھے کہ ہم اُس کی مسیحائی کے ثبُوت میں مُعجزے اور نشان دیکھیں۔ مسیح یہ فرماتا ہے کہ کیا تُم بغیر ان مُعجزوں اور نشانوں کے ایمان نہیں لا سکتے؟

یاد رہے کہ مسیح یہاں مُعجزوں کی تحقیر نہیں کرتا بلکہ وُہ یہ چاہتا ہے کہ اُن کا اصل مطلب سمجھا جائے۔ اُن کا مدعا یہ نہیں کہ وُہ زبردستی ایمان پیدا کریں بلکہ یہ کہ اُن لوگوں کے ایمان کو مضبُوط کریں جو خُدا کے رسُول کی تعلیم اور اُس کی صداقت سے مؤثّر ہو چُکے ہیں۔ نیز یہ بات غور طلب ہے کہ گو مسیح کے کلام میں ایک قسم کی دھمکی اور ملامت پائی جاتی ہے۔ تاہم ملازم کی درخواست کے منظُور کرنے کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس قدر ان الفاظ سے ملامت ٹپکتی ہے اُسی قدر یہ اُمّید مترشّح ہے کہ مُعجزہ دکھایا جائیگا کیونکہ وُہ جانتا تھا کہ اُس کے مُعجزہ کو دیکھ کر یہ شخص زندگی کے مالک پر بھروسہ کریگا ؞

۴۹۔ بادشاہ کے ملازم نے اُس سے کہا اَے خُداوند میرے بچّہ کے مرنے سے پہلے چل۔

اِن لفظوں میں اِس ملازم کی سرگرمی آشکارا ہے۔ پر وُہ ابھی مسیح کا مطلب نہیں سمجھا۔ کہ وُہ بغیر جانے کے اُس کے بیٹے کو چنگا کر سکتا ہے۔ وُہ دو قسم کی غلطی میں گرفتار ہے۔ ایک یہ کہ مسیح موت کے بعد زندہ نہیں کر سکتا۔ دوم یہ کہ مسیح یہ نہیں جانتا کہ میرا بیٹا کیسی نازک حالت میں گرفتار ہے۔ اگر جانتا تو اتنی تاخیر نہ کرتا۔ لہذا وُہ زیادہ سرگرمی سے التجا کرتا ہے۔

"اے خداوند میرے بچّہ کے مرنے سے پہلے چل"۔

۵۰۔ یسُوع نے اُس سے کہا جا تیرا بیٹا جیتا ہے۔

اُس شخص نے اُس بات کا یقین کیا۔ یہاں تین باتیں غور طلب ہیں:۔

(۱) مسیح کی مہربانی۔ وُہ اس ملازم کے ایمان کی کمزوری کا چنداں خیال نہیں کرتا۔ بلکہ اُس کے بیٹے کو اچھا کرتا ہے۔

(۲) اُس کی لامحدُود قدرت غور طلب ہے۔ وُہ اپنے کلمے سے بیمار کو اچھا کرتا ہے۔

(۳) اُس ملازم کا بھروسہ غور طلب ہے، اب وُہ کسی طرح کی چُون و چرا نہیں کرتا بلکہ اس بات کا قائل ہو جاتا ہے۔

کہ اُس کا کلام قدرت سے ملبّس ہے۔ دیکھو کس طرح ہمارے ایمان کو بڑھاتا ہے وُہ عجیب طرح سے ہر شخص سے پیش آتا ہے۔ اُس کے ایمان کو تقویّت دینے کے طریقے جُدا جُدا ہیں۔ نکُودیمس۔ سامریہ کی عورت۔ یہ ملازم اس بات کی نظیریں ہیں۔

مُفسّر اِس بات کی طرف ہم کو متوجّہ کرتے ہیں۔ کہ مسیح نے اس معاملہ میں وُہ طریقہ اختیار نہ کیا جو صُوبہ دار کے خادم کو چنگا کرتے وقت اختیار کیا۔ دیکھئے یہ ملازم درخواست کرتا ہے کہ میرے ساتھ چل اور وُہ نہیں جاتا۔ صُوبہ دار کہتا ہے کہ مجھے میرے گھر جانے کی ضرورت نہیں تاہم وُہ اُدھر روانہ ہوتا ہے وُہ اِس ملازم کے گھر اس لئے نہیں جاتا کہ اُس کا ایمان مضبُوط ہو۔ اور صُوبہ دار کے گھر اس لئے جاتا ہے کہ اپنی حضُوری سے اُس کے ایمان کو مُزیّن اور اُس کی فروتنی کو ممتاز کرے۔

پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ مسیح طرفداری کے لوث سے مبرّا ہے۔ جہاں چاہتا ہے وہاں اپنی حکمت کے مطابق جاتا ہے۔ جہاں جانا نہیں چاہتا وہاں اپنی حکمت کے مطابق نہیں جاتا۔

۵۱۔ وُہ راستہ ہی میں تھا۔ یُونانی کا اصل ترجمہ نئے ترجمہ کے حاشیہ میں دیا ہُوا ہے۔ اور وُہ یہ ہے "اُتر ہی رہا تھا"۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قانا، پہاڑی خطّہ تھا۔ اور کفرنحوم میدان میں واقع تھا۔

اُس کے نوکر اُسے ملے اور کہنے لگے کہ تیرا بیٹا جیتا ہے۔

یعنی وُہ جو قریب المرگ تھا۔ اب بیماری کے چنگل سے رہا ہے۔ وُہ جیتا ہے۔

۵۲۔ اُس نے اُن سے پُوچھا کہ اُسے کس وقت سے آرام ہونے لگا تھا؟ مسیح کی بات کا خیال اُس کے دِل پر جما ہُوا تھا۔ اور گو وُہ مسیح کے کلام کی قدرت کو محسُوس بھی کر رہا تھا۔ تاہم اُس کا ایمان ابھی اسی درجہ تک پہنچا تھا کہ مسیح کے کلام سے صرف اتنی توقع رکھتا تھا کہ لڑکے کو شفا بتدریج حاصل ہوگی۔ لہٰذا وُہ یہ کلمات استعمال کرتا ہے "کس وقت سے آرام ہونے لگا"۔ لیکن اس کے نوکر اُسے بتاتے ہیں کہ کل ساتویں گھنٹے کے قریب بُخار نے اُسے بالکل چھوڑ دیا۔

۵۳۔ ساتویں گھنٹے میں۔ شمارِ وقت کے متعلق دو رائیں ہیں۔ (۱) یہ کہ یُوحنّا ہمارے دستُور کے مطابق وقت کا حساب کرتا ہے۔ اور کہ ساتویں گھنٹے سے شام کا ساتواں گھنٹہ مُراد ہے۔ (۲) یہ کہ وُہ یہُودی طریق کے مطابق حساب لگاتا ہے۔ جس کے مطابق وقت ایک بجے کے قریب تھا۔

اُس کی تپ اُتر گئی۔ نہ صرف گھٹنے لگی۔ بلکہ فوراً اور بالکل اُتر گئی۔

۵۳۔ پس باپ جان گیا کہ وُہی وقت تھا۔۔۔۔۔

اور وُہ خود اور اُس کا سارا گھرانا ایمان لایا۔

یہ مسیح کی رحمتوں کی کثرت کا نتیجہ تھا۔ اب اُس نے وُہ برکت جو

سب برکتوں کی سرتاج ہے پائی۔ اُس نے اب نجات کا پیالہ بھی اُس کے ہاتھ سے لیا۔ اور نہ صرف اِسی نے لیا۔ بلکہ اُس کے ساتھ اُس کے گھرانے نے بھی لیا۔ رائل صاحب بڑی خوبی سے بیان کرتے ہیں۔ کہ ہمارے بچےّ بھی نجات میں شامل ہیں۔ ہم اُن کو مسیح کی نعمتوں سے خارج نہیں کر سکتے۔ ملازم کے تجربے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایمان کے درجے ہیں (۱) آغاز (۲) ترقّی۔ (۳) کمال۔ آغاز اُس وقت ہُوا جبکہ یہ شخص مسیح کے پاس آیا۔ ترقّی۔ اُس وقت جبکہ مسیح نے کہا جا تیرا بیٹا جیتا ہے آغاز اُس وقت جبکہ اُس کا بیٹا شفا کی حالت میں اُسے مِلا۔ اب اِس کا ایمان اِس درجہ کو پہنچ گیا۔ کہ وُہ اپنا سب کچُھ اپنے نجات دہندہ کی خاطر دینے کو تیار تھا ؞

۴۔ یہ دُوسرا معجزہ ہے جو یسُوع نے یہُودیہ سے گلیل میں آکر دکھایا۔ تو بھی بہت لوگ یہُودیوں میں سے ایمان نہ لائے۔ سامریہ میں بغیر معجزے کے بہت سے لوگ مسیح کے پاس آئے ؞

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ مسیح کے فضل کی قُدرت ہر مرتبہ اور ہر حالت کے لوگوں میں سے ایمان داروں کو کھینچ لاتی ہے۔ اس انجیل کے شروع میں یعنے پہلے باب میں مچھوے ایمان لاتے ہیں۔ تیسرے باب میں ایک فریسی جو اپنے تئیں راستباز سمجھتا تھا۔ چوتھے باب کے شروع میں ایک گری ہُوئی عورت۔ اور اُس کے آخر میں ایک رئیس ایمان لاتا ہے جو شاہی دربار میں اعلےٰ عہُدہ پر مامُور تھا ؞

۲۔ دُکھ سب پر آتا ہے۔ امیر بھی اس سے مُستثنےٰ نہیں۔ امیر لوگ اِس سے بڑھ کر اور کسی غلطی میں گرفتار نہیں ہو سکتے کہ وُہ یہ سمجھیں کہ ہم پر دُکھ کبھی نہیں آئیگا ؞

۳۔ دُکھ خُدا کی دوا ہے۔ جس سے وُہ کئی رُوحانی بیماروں کو چنگا کرتا ہے

۴۔ محبّت جتنی اعلیٰ طبقہ سے نیچے اُترتی ہے۔ اُتنی ادنےٰ طبقہ سے اُوپر نہیں جاتی۔ ہم کہیں انجیل میں یہ نہیں دیکھتے کہ بیٹے یا بیٹیاں اپنے ماں باپ کی شفا کے لئے مسیح کے پاس آئے ہوں۔ ہمیشہ ماں باپ اپنے بچّوں کے دُکھ کو محسُوس کر کے مسیح کے پاس آتے اور اُن کے لئے دُعا کرتے ہیں۔ جتنی محبّت خُدا ہم سے کرتا ہے ہم میں اُس کا عشرِ عشیر بھی نہیں پایا جاتا ؞

۵۔ ہمارے بچّوں کی کئی صلیبیں ہم کو مسیح کے پاس لاتی ہیں۔ یہی وُہ صلیب تھی جس کے سبب سے مِصر مغلوُب ہُوا۔ یعنے پلوٹھوں کی مَوت نے مصریوں کو مطیع کیا ؞

۶۔ سفارشی دُعا نہ صرف اُسی کے لئے مفید ہوتی جس کے لئے مانگی جاتی بلکہ مانگنے والوں کے لئے بھی برکت کا باعث ٹھہرتی ہے۔ دیکھو اِس باپ نے جو بیٹے کے لئے دُعا کرتا تھا آپ بھی برکت پائی ؞

۷۔ ہم جو کچُھ مانگتے ہیں خُداوند اُس سے زیادہ اور اُس سے بہتر ہم کو عطا فرماتا ہے۔ اِس باپ نے صرف بیٹے کی شفا مانگی تھی لیکن خُداوند نے اُس کے ساتھ اُس کو اور اُس کے تمام گھرانے کو نجات بھی عطا فرمائی۔

۸۔ یاد رکھّو کہ بڑے بڑے آدمی نہ اکیلے بہشت میں جائیں گے اور نہ اکیلے دوزخ میں گھُسینگے اُن کی زندگی کا اثر نیک ہو یا بد اُن کے تمام متعلّقین پر شِدّت سے پڑتا ہے وُہ اپنے تمام گھرانے کو اپنے ایمان یا اپنی بے ایمانی سے مؤثّر کرتے ہیں۔ پس لازم ہے کہ ہم اپنے مرتبے اور عہُدے پر غور کریں۔ ہمارے گھرانوں اور لواحقین کا مستقبل ہمارے ساتھ وابستہ ہے ؞

۹۔ لکھا ہے کہ یہ دُوسرا مُعجزہ تھا جو مسیح نے دکھایا۔ اس بات کے رقم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ خُدا اُن تمام فضل کے وسیلوں اور موقعوں کا حساب رکھتا ہے جو وُہ ہمیں عطا کرتا ہے۔ یہودیوں نے دُوسرا مُعجزہ دیکھا اور پھر بھی اُن میں سے صرف ایک گھرانہ ایمان لایا۔ خُدا نہ صرف اِس بات کا حساب رکھتا ہے کہ سرمن سے کتنے لوگ ایمان لائے۔ بلکہ اس بات کا بھی کہ کتنے سرمن لوگوں نے ضائع کر دئے ❖

۱۰۔ مسیح کے کلام کی قُدرت کیسی بے قیاس ہے۔ اُس کا کلام وہی قُدرت رکھتا ہے جو اُس کی حضُوری رکھتی ہے ❖

۱۱۔ ایمان کے بغیر برکت نہیں ملتی ❖

۱۲۔ ہم انسان کے ساتھ یہ طریقہ کام میں لاتے ہیں کہ پہلے اُسے آزماتے اور پھر اُس پر یقین لاتے ہیں لیکن خُدا کے ساتھ یہ ترتیب بدل جاتی ہے۔ وہاں اِس بات کی ضرُورت ہے کہ پہلے اُس پر بھروسہ کریں۔ اور پھر اُسے آزمائیں ❖

۱۳۔ سچّا ایمان زیادہ مضبُوط ہوتا جاتا ہے۔ اور صرف مسیح اُسے مضبُوط کرتا جاتا ہے۔ نپولین اور ایک سپاہی کا قِصّہ۔ ایک دفعہ نپولین کے ہاتھ سے لگام گِر گئی۔ اور گھوڑا بھاگنے لگا۔ ایک سپاہی دیکھتے ہی دَوڑا اور زِین کو جو اپنی جگہ سے ہِل گئی تھی درُست کر دیا۔ نپولین نے کہا۔ کپتان مَیں آپ کا نہایت مشکُور ہُوں۔ وُہ کپتان نہ تھا مگر اُس نے بادشاہ کی بات قبُول کی۔ اور کہا حضُور کِس رجمنٹ کا۔ بادشاہ خُوش ہُوا۔ اور کہا کہ میرے محافظوں کے دستہ کا۔ اُس نے اُسی وقت جا کر وُہ جگہ اختیار کی۔ لوگوں نے بہُت مخالفت کی۔ پر جب اُس نے اُنگلی سے اشارہ کر کے بتایا کہ مجھے بادشاہ نے مقرّر کیا ہے تو سب چُپ

ہو گئے ❖

۱۴۔ ہمیں اپنے بچّوں کی بہبُودی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس بات کے لئے فکرمند ہونا چاہیئے۔ کہ وُہ مسیح کی شکل میں تبدیل ہوں۔ ہم اُن کے لئے سفارش کریں۔ اور خاموش نہ ہوں۔ جب تک یہ نہ کہے۔ جا تیرا بیٹا جیتا ہے ❖

مچھلیوں کے پکڑنے کا پہلا مُعجزہ

لُوقا ۵: ۱-۱۱ آیت

یہ مُعجزہ رسُولوں کے کام کی گویا ایک پیشین گوئی ہے جو الفاظ کی بجائے مثال کے وسیلے یا فعلوں کی زبان میں بیان کی گئی ہے۔ قبل اِس کے کہ اِس مُعجزہ کی تشریح شرُوع کی جائے۔ ایک دِقّت کا رفع کرنا ضرُوری معلوم ہوتا ہے۔ اور وُہ یہ ہے کہ آیا یہ بیان وُہی بیان ہے جو متّی ۴: ۱۸ اور مرقس ۱: ۱۶-۲۰ آیت میں درج ہے یا اُس سے مختلف ہے مقابلہ کرنے سے بعض بعض باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں۔ جن کے سبب سے کئی مُفسّروں نے اُن کو دو مختلف بیان کہا ہے۔ مثلاً بزرگ اگسٹن کا خیال ہے کہ یہ مُعجزہ متّی اور مرقس کے بیان سے پہلے واقع ہُوا۔ اور خُداوند نے اُس کے وسیلہ شاگردوں کو صرف اتنی بات جتائی کہ تُم آدمیوں کے مچھوے بنوگے

مگر اِس موقع پر اُس نے فقط اُن کے آئندہ کام اور اعلےٰ پیشہ کی نبوّت کی۔ لیکن ابھی اُن کو یہ حکم نہیں دیا کہ اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میرے پیچھے ہو لو۔ پس وُہ اِس مُعجزہ کے بعد بھی اپنے پیشہ ماہی گیری میں مصرُوف رہے۔ اور اُسے قطعی اور آخری طَور پر نہ چھوڑا جب تک کہ اُس نے اُن کو سب کچھ چھوڑنے اور اپنے پیچھے آنے کا وُہ حکم نہ دیا۔ جو متّی ۴: ۱۸ اور مرقس ۱: ۱۶-۲۰ میں قلمبند ہے ۞

لیکن واضح ہو کہ یہ دِقّتیں ایسی نہیں جو رفع نہ ہو سکیں۔ اور ماسوا اِس کے اگر ہم اِن دونوں بیانوں کو مختلف سمجھیں۔ اور کہیں کہ لُوقا ایک اَور وقت کا اور متّی اور مرقس ایک اَور وقت کا ذکر کرتے ہیں تو کئی اَور مُشکلات برپا ہو جائیں گی۔ مثلاً اِس سُوال کا جواب دینا مُشکل ہو جائیگا۔ کہ ایسے سنجیدہ اَور عظیم موقع سے بڑھ کر اور کونسا موقع اُن کو آخری طَور پر بُلانے کے لئے موزُون تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ بات ناممکن نہیں کہ وُہ اُن کو جالوں کے پاس بیٹھے دیکھ کر اور یہ جان کر کہ وُہ مچھوے ہیں اِس اِستعارے کو استعمال کر سکتا تھا۔ "مَیں تم کو آدمیوں کے مچھوے بناؤں گا۔" لیکن ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں کہ اِس مُعجزے کے بعد اِن کلمات کا سُننا اور سب کچھ چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے یسُوع کی پیروی کرنا ایک گونہ لُطف رکھتا تھا۔ کیونکہ اُس نے اُن کو حکم دیا تھا کہ اپنا جال دریا میں ڈالو۔ اور اُنہوں نے اُس کی فرمانبرداری کر کے اُس کی مُعجزانہ قُدرت کا کرشمہ دیکھا۔ اور بہت سی مچھلیاں پکڑی تھیں۔ لہٰذا اُس کا یہ فرمان۔ کہ "مَیں تمہیں آدمیوں کے مچھوے بناؤں گا۔" لیکن ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں کہ اِس مُعجزے کے بعد اِن کلمات کا سُننا اور سب کچھ چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے یسُوع کی پیروی کرنا ایک گونہ لُطف رکھتا تھا۔ کیونکہ اُس نے اُن کو حکم دیا تھا کہ اپنا

جال دریا میں ڈالو۔ اور اُنہوں نے اس کی فرمانبرداری کر کے اُس کی مُعجزانہ قُدرت کا کرشمہ دیکھا۔ اور بہت سی مچھلیاں پکڑی تھیں۔ لہٰذا اس کا یہ فرمان۔ کہ "مَیں تمہیں آدمیوں کے مچھوے بناؤں گا۔" اِس موقعہ پر نہایت پُر مطلب تھا۔ کیونکہ یہ مُعجزہ ظاہر کرتا تھا کہ جس طرح اُنہوں نے اُس کے حکم کی اطاعت سے مچھلیوں کو کثرت سے پکڑا۔ اُسی طرح اگر اُس کے حکم کی تعمیل کرینگے تو آدمیوں کے مچھوے بھی بنیں گے۔ گویا یہ مُعجزہ اُن کو یہ کہہ رہا تھا۔ کہ تُم اپنا پُرانا پیشہ چھوڑ دو۔ اور آدمیوں کے مچھوے بننے کا نیا اور اعلیٰ پیشہ اختیار کرو۔ پس تینوں مقام ایک ہی واقعہ کے ساتھ علاقہ رکھتے ہیں۔ بعض دِقّتیں جو تطبیق طلب ہیں یہ ہیں:-

۱۔ کہ لُوقا اُس شخص کی شفا کا بیان جس پر بدرُوح چڑھی ہُوئی تھی اور جسے مسیح نے کفرنحُوم میں چنگا کیا۔ اِس مُعجزے سے پہلے کرتا ہے۔ حالانکہ مرقس اُس کا ذکر شاگردوں کے بُلانے کے بعد کرتا ہے ۞

۲۔ کہ متّی اور مرقس بیان کرتے ہیں۔ کہ مسیح اُس وقت جھیل کے کنارے پر پھر رہا تھا۔ جب اُس نے اُن کو اپنے پیچھے بُلایا ۞

۳۔ کہ لُوقا اندریاس کا ذکر نہیں کرتا ۞

۴۔ کہ متّی اور مرقس اِس مُعجزہ کا ذکر نہیں کرتے۔ اِن مُشکلات کو اِس طرح حل کر سکتے ہیں:-

۱۔ مرقس نے غالباً بدرُوح والے شخص کا بیان پطرس کی ہدایت کے مطابق ترتیب وقت کے بموجب قلمبند کیا۔ لیکن لُوقا اِس مُعجزہ کو مچھلیوں کے مُعجزہ سے پہلے شاید اِس لئے رقم کرتا ہے کہ جو کچھ ناصرت میں ہُوا اُسے اُن واقعات کے بالمقابل ترتیب دے جو کفرنحوم میں سرزد ہُوئے تا کہ بے ایمانی اور ایمان کو پہلو بہ پہلو رکھ کر اُن کا فرق ظاہر کرے ۞

۲۔ یہ نہیں لکھا کہ مسیح نے اُن کو کنارے پر سے بُلایا۔ صرف یہ لکھا

ہے کہ وُہ کنارے پر جا رہا تھا۔ پس لُوقا کے بیان کو متّی اور مرقس کے بیان کے ساتھ ربط دینے میں کچھ بھی مُشکل نظر نہیں آتی۔ اگر لُوقا یہ نہ بھی بتاتا کہ مسیح تعلیم دینے کے لئے کشتی پر بیٹھا تو ہم کو یہ نتیجہ خود متّی اور مرقس سے نکالنا پڑتا۔ کیونکہ یہ بات قبُول نہیں کی جا سکتی۔ کہ جب پطرس بیٹھا اپنے جال کی مرمّت کر رہا تھا اُس وقت مسیح نے کنارے پر سے اُن کو پُکارا کہ میرے پیچھے ہو لو۔ بلکہ زیادہ تر تسلیم کے لائق یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اُن کے ساتھ کشتی پر موجُود تھا اور وہیں اِس مُعجزہ کے بعد اُن سے کہنے لگا کہ ”مَیں تم کو آدمیوں کے مچھوے بناؤں گا“ سو اَب تُم سب کچھ میرے واسطے چھوڑ دو۔ اور میرے پیچھے پیچھے چلو۔ اور پھر کبھی مُجھ سے جُدا نہ ہو ÷

۳۔ اور اندریاس کا ذکر نہ کرنے کا سبب یہ ہے۔ کہ اِس مُعجزہ میں جس شخص کی طرف زیادہ توجّہ دلانی منظور تھی وُہ پطرس تھا۔ ماسوا اِس کے لُوقا کے بیان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ کشتی میں اور لوگ بھی تھے۔ دیکھو آیات (۲ و ۵ و ۹) اور پھر وُہ رسُولوں کی فہرست میں اندریاس کا نام درج کرتا ہے۔ لُوقا ۶: ۱۴۔ اَب اگر وُہ اُس کے بُلانے کا ذکر نہیں کرتا۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ دُوسرے رسُول متّی اور مرقس اُس کی دعوت کا ذکر کرتے ہیں ÷

۴۔ پھر یہ بات بھی کہ متّی اور مرقس اِس مُعجزہ کو تحریر نہیں کرتے کچھ مُشکل نہیں۔ کیونکہ مسیح نے بے شمار مُعجزے دکھائے۔ اور حواری مجبُور نہ تھے کہ سب کو رقم کریں۔ علاوہ بریں ممکن ہے کہ مرقس جو انجیل پطرس کی زیرِ نگرانی تحریر کرتا ہے شائد اِس لئے اِس مُعجزہ کو درج نہیں کرتا کہ پطرس کی فروتنی اور حُکم مانع ہے کہ اُس کے شخصی احوال قلمبند کئے جائیں۔ چنانچہ وُہ اُس کے پانی پر چلنے کو بھی رقم نہیں کرتا۔ لیکن لُوقا کو کوئی ایسا خیال

روکنے والا نہیں ہے۔ بلکہ وُہ چاہتا ہے کہ اِس واقعہ کو جو خُدا کا جلال اور پطرس کی بزُرگی ظاہر کرتا ہے رقم کرے۔ لہٰذا وُہ اُسے تحریر کرتا ہے۔ اب اِن باتوں سے ظاہر ہے کہ یہ تینوں بیان ایک ہی واقعہ سے علاقہ رکھتے ہیں۔ اور یُوحنّا کی انجیل میں جو بیان شاگردوں کی بُلاہٹ کا پایا جاتا ہے وُہ اُن کی پہلی مُلاقات کا بیان ہے جس کے بعد وُہ اپنے اپنے کاموں میں لگے رہے۔ مگر لُوقا اور متّی اور مرقس کے بیانات سے وُہ گہرا تعلّق ظاہر ہوتا ہے جس کے سبب سے اُنہوں نے اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہمیشہ اُس کے ساتھ رہنا اختیار کیا ÷

۴۔ جب کلام کر چُکا تو شمعون سے کہا گہرے میں لے چل اور تُم شکار کے لئے اپنے جال ڈالو۔

پہلی تین آیتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بھیڑ کے سبب سے خُداوند مسیح کشتی پر سوار ہُوا تاکہ کنارہ سے ذرا الگ ہو کر لوگوں کو تعلیم دینا شروع کرے۔ اور جب اُس کام سے فارغ ہُوا۔ تو پطرس کو حُکم دیا کہ کشتی کو گہرے میں لے چل۔ اور جب وہاں پُہنچے تو حُکم دیا کہ اپنے اپنے جال دریا میں ڈالو۔ اُس کا اصل مطلب یہ تھا کہ اُن مچھوؤں کو مچھلی پکڑنے کے وسیلے اپنی محبّت اور فضل کے جلال میں پھنسائے۔ ٹرنچ صاحب خُوب فرماتے ہیں کہ وُہ جو کمزوروں سے زورآوروں کو شرمندہ کرنے والا ہے خُوب جانتا تھا کہ میری خدمت کے لئے یہی مچھوے موزُوں ہیں تاکہ میری کلیسیا دُنیا کی دانائی اور قدرت پر نہیں بلکہ خُدا کی حکمت اور طاقت پر قائم سمجھی جائے ÷

۵۔ شمعون نے جواب میں کہا اَے اُستاد ہم نے رات بھر محنت کی اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ مگر تیرے کہنے سے جال ڈالتا ہُوں۔ شمعون جواب دیتا ہے۔ کہ ہم نے رات

بھر جو مچھلی پکڑنے کا سب سے اچھا وقت ہے محنت کی لیکن کچھ کامیابی حاصل نہ ہُوئی۔ مگر خیر تیرے حُکم کی تعمیل کے لئے پھر جال ڈالے دیتا ہُوں اَب اِن الفاظ سے پطرس کا یہ مطلب نہیں کہ مَیں جو ماہی گیری کے فن میں مشّاق ہُوں خُوب جانتا ہُوں کہ اَب جال ڈالنا عبث ہے مگر چُونکہ تُو کہتا ہے اس لئے مَیں پھر ڈال دیتا ہُوں گو اس سے کُچھ فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ برعکس اِس کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وُہ یسُوع مسیح کے کلام پر بھروسہ رکھتا تھا کیونکہ یہ اُن کی پہلی ملاقات نہ تھی بلکہ وُہ مدّت سے ایک دُوسرے کو خُوب جانتے تھے لہٰذا وُہ اس اُمّید اور ایمان سے جال ڈالتا ہے کہ مسیح کے کلام سے اُن کی محنت برومند ہوگی۔

۶۔ یہ کِیا اور مچھلیوں کا بڑا غول گھیر لائے اور اُن کے جال پھٹنے لگے۔

اَب سُوال یہ برپا ہوتا ہے۔ کہ آیا یہ مُعجزہ مسیح کی عالم الغیبی کا مُعجزہ تھا۔ یا اُس کی قُدرتِ کاملہ کا مُعجزہ تھا۔ کیا یہ جان کر کہ فلاں جگہ مچھلیوں کا غول مَوجُود ہے۔ اور اگر وہاں جال ڈالا جائے تو مچھلیاں کثرت سے پکڑی جائینگی۔ اُس نے جال ڈالنے کا حُکم دیا؟ یا اُس نے اپنی قُدرت سے مچھلیوں کو وہاں پہنچا دیا؟ مُفسّرین پچھلی رائے کو ترجیح دیتے ہیں مگر دُوسرا خیال بھی خارج نہیں کِیا جاسکتا۔ لیکن معترض یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ اِس میں مُعجزہ کی کون سی بات ہے کیونکہ جال اگر سمندر میں ڈالا جائے تو مچھلیاں اُس میں ضرُور پھنسیں گی۔ اگر ایک جگہ نہ پھنسیں تو دُوسری جگہ پھنسیں گی۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ مُعجزہ اِس بات میں ہے۔ کہ یہ عجیب نتیجہ آناً فاناً مسیح کے کہنے کے مطابق سرزد ہُوا۔ مُعجزہ دکھانے والے کے کلام اور اظہارِ واقعات میں جو مطابقت پائی جاتی ہے وُہی مُعجزہ ہے۔ یعنی جیسا اُس نے کہا ویسا ہی ہو گیا۔ مُعجزہ انسان کی قُدرت سے بلند اور بالا ہوتا ہے۔ کوئی شخص

مچھلیوں کا ایک غول ایک جگہ سے دُوسری جگہ اپنے کلام کے زور سے نہیں پہنچا سکتا۔ مسیح کے اختیار میں تمام اشیاء ہیں۔ بحری اور بری سب چیزیں اُس کے حُکم کے تابع ہیں۔ (زبُور ۸: ۶و ۸)۔

۷۔ اور اُنہوں نے اپنے شریکوں کو جو دُوسری کشتی پر تھے اشارہ کِیا کہ آؤ ہماری مدد کرو پس اُنہوں نے آکر دونوں کشتیاں یہاں تک بھر دیں کہ ڈوبنے لگیں۔

اپنے شریکوں کو۔ یُوحنّا آیت ۱۰۔ جو دُوسری کشتی پر تھے اشارہ کِیا۔ بعض کا (بارن صاحب کا) خیال ہے۔ کہ اشارہ اس واسطے کیا کہ اُن کی کشتی بہت دُور تھی۔ اور آواز سے اُنہیں نہیں بُلا سکتے تھے۔ لیکن بعض یہ خیال کرتے ہیں (لینگی)، کہ متّی اور مرقس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کشتیاں اس قدر نزدیک تھیں کہ بولنے کی ضرُورت نہ تھی۔ سو اُنہوں نے صرف اشارہ کرکے اُنہیں بُلا لیا۔ علاوہ بریں دُوسری کشتی والوں کی آنکھ بھی اِس طرف لگی ہُوئی تھی کیونکہ وُہ اُس عجیب کرامات کو جو پطرس کی کشتی پر ہورہی تھی دیکھ رہے تھے۔ اور چُونکہ اُن کی توجّہ اِدھر لگی ہُوئی تھی۔ اِس لئے صرف اشارہ کی ضرُورت تھی۔

دونوں کشتیاں یہاں تک بھر دیں کہ ڈوبنے لگیں۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ وُہ ڈُوب گئی تھیں مطلب صرف یہ ہے کہ مچھلیوں کا بوجھ اتنا تھا کہ کشتیاں ڈُوبنے کے خطرہ میں تھیں۔ اِس میں کوئی مبالغہ نہیں۔

۸۔ شمعون پطرس یہ دیکھ کر یسُوع کے پاؤں میں گرا اور کہا اَے خُداوند! میرے پاس سے چلا جا کیونکہ مَیں گُناہ گار آدمی ہُوں۔

پطرس اَب اُس کے دام محبّت میں گرفتار ہو گیا۔ بُرُگ کمری سا سٹم کا یہ خیال نہایت غور طلب ہے۔ کہ مسیح لوگوں کو اپنے پاس لانے کے فن میں خُوب ماہر ہے۔ وُہ عموماً لوگوں کو اُن کے پیشہ کے

وسیلہ اپنے قدموں میں کھینچ لاتا ہے۔ مجُوسیوں کو ستارہ کے ذریعہ اور مچھوُوں کو مچھلیوں کے وسیلہ۔ کیا پطرس نے اِس مُعجزہ میں کسی طرح کا دھوکا کھایا؟ نہیں۔ کیونکہ یہ مُعجزہ اُس کے لئے ایسا مُعجزہ تھا کہ اس میں اُس کے لئے دھوکا کھانے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس مُعجزہ کی تاثیر اُس پر ایسی ہُوئی کہ آگے کبھی ایسی نہیں ہُوئی تھی۔

۱۔ یہ مُعجزہ اُس کے پیشہ سے علاقہ رکھتا تھا۔

۲۔ اُس کی کشتی پر واقع ہُوا تھا۔

۳۔ اُسی کا جال استعمال کیا گیا تھا۔

۴۔ اُسی کی بے پھل محنت کے بعد واقع ہُوا تھا۔

۵۔ اور خود اُس کی آنکھوں کے سامنے واقع ہُوا تھا۔ (لینگی)

لہٰذا اُس نے اس مُعجزے کو جو ایسے گہرے طَور پر اُس کے شخصی حالات کے ساتھ وابستہ تھا بہت اچھّی طرح محسُوس کیا۔ پس وُہ حیرت اور شُکر گُزاری سے معمُور ہو کر اُس کے پاؤں میں گر پڑا۔

اُس کے پاؤں میں گِرا۔ یہ فعل سجدہ کرنے اور دُعا مانگنے کا معمُولی طریقہ تھا۔ اَب پطرس اُس کی قُدرت اور حکمت کا قائل ہو گیا۔ اور اُس کی حیرت اور شُکر گُزاری کے ساتھ یہ ادراک بھی مخلُوط ہے کہ جس شخص کے سامنے مَیں سر بسجُود ہُوں وُہ ایسا بزُرگ اور پاک اور عالی جاہ ہے کہ مَیں اُس کے ساتھ نہیں رہ سکتا لہٰذا وُہ کہتا ہے:۔

اَے خُداوند میرے پاس سے چلا جا۔ کیوں کہ مَیں گناہ گار آدمی ہُوں۔ ایسے موقعوں پر بناوٹ کی باتوں کو جگہ نہیں مِلتی بلکہ انسان اپنے دِل کی تہ سے بولتا ہے۔ اور اُس کے دل کی وُہ باتیں جو چھپی ہُوئی ہوتی ہیں روشن ہو جاتی ہیں۔ اور اُن میں سے ایک یہ بات ہے کہ انسان اِس بات کی طبعی شناخت رکھتا ہے کہ مجھ میں

اور خدا میں ایک وسیع فاصلہ حائل ہے۔ (خرُوج ۲۰: ۱۸ و ۱۹ + قاضیوں ۱۳: ۲۲ و ۶: ۲۲ و ۲۳ + دانی ایل ۱۰: ۱۷۔ یسعیاہ ۶: ۵) اِس اقرار میں کسی خاص قسم کے گُناہ کی طرف اشارہ نہیں۔ مُراد صرف یہ ہے کہ اَب پطرس اپنی ذاتی بُرائی اور نالائقی کو پہچاننے لگ گیا وُہ اَب خُداوند مسیح کی عظمت اور قدسیّت کو محسُوس کرتا ہے اور بڑے حلم اور فروتنی سے عرض کرتا ہے کہ مَیں اِس لائق نہیں کہ تُو میرے ساتھ رہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ وُہ مسیح سے چلے جانے کی درخواست اِس لئے نہیں کرتا کہ اُس کے دِل میں مسیح کی محبّت اور عزّت کا خیال نہیں محبّت اور عزّت اُس کے دِل میں تھی۔ مگر جب خُدا کے ساتھ اِس طرح آمنا سامنا ہوتا ہے تو اَیسے کلمات بے ساختہ مُنہ سے نِکل جاتے ہیں۔ یہی حال پطرس کا ہُوا جو اِس سے پہلے مسیح کی خصلت اور شخصیّت سے کماحقّہٗ طَور پر واقف نہ تھا۔ یہ نکتہ بھی غور طلب ہے کہ انسان اور خُدا کے درمیان جو فاصلہ حائل ہے اُسے یسُوع دُور کرتا ہے۔ جس طرح انسانیّت اور اُلوہیّت اُس کی شخصیّت میں باہم مِلتی ہیں اُسی طرح وُہ انسان اور خُدا کو مِلاتا ہے۔ خُدا کی حضُوری جو گُناہگار کے لئے بھسم کرنے والی آگ ہے۔ ایمان دار کے لئے مسیح میں بڑی برکت کا باعث ہوتی ہے۔

۹۔ کیونکہ مچھلیوں کے اِس شکار سے ..... الخ۔ یہ حیرت مسیح کے اظہارِ قُدرت کے وسیلہ پَیدا ہُوئی اور اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ نہ صرف پطرس بلکہ اندریاس۔ یعقُوب اور یُوحنّا اُس کی خدمت اور رہبری کے لئے تیار کئے گئے۔

۱۰۔ یسُوع نے شمعُون سے کہا خوف نہ کر۔ اَب سے تُو آدمیوں کا شکار کیا کرے گا۔

خوف نہ کر۔ وُہ پطرس کے خوف آمیز خیالات کو جو اُس کی عظمت اور بزُرگی کے مشاہدہ سے اُس کے دِل میں پَیدا ہُوئے تھے۔ اِن لفظوں سے

دِھیما کرتا ہے۔ اور اُسے جتاتا ہے کہ بجائے اِس کے کہ مَیں تجھ سے جُدا ہُوں۔ اَب تجھے ہمیشہ میرے ساتھ رہنا ہوگا۔ اور

اَب سے تُو آدمیوں کو شکار کیا کریگا۔ ٹرنچ صاحب کا خیال جو ذیل کے الفاظ میں درج ہے نہایت نادر ہے۔ خُدا کے نبی اور اُس کے خادم اپنے عُہدہ پر معمُور ہونے سے پہلے ہمیشہ کچُھ اِسی قسم کے تجربہ سے گُزر کرتے اُن کا تقرر کسی ظاہری رسم کے مطابق نہیں ہوتا اور نہ ہمیشہ ایک ہی صُورت میں انجام پاتا ہے تاہم سب کو اپنے عُہدے کے فرائض ادا کرنے سے پہلے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وُہ جو زمینی ہے آسمانی کی تاب نہیں لا سکتا بلکہ اُس کے سامنے زرد رُو ہو جاتا ہے۔ اِس موقعہ پر انسان اپنی ناچیز حالت کو اور اپنی بدی کو پہچانتا۔ اور اس درجہ تک پہچانتا ہے کہ آگے کبھی اُسے ایسی شناخت نصیب نہ ہُوئی تھی۔ اور یہ عرفان اُس کو اِس لئے بخشا جاتا ہے۔ کہ جو کام اُس میں خُدا کی طرف سے ہونے والا ہے وُہ انسان کا نہ سمجھا جائے۔ بلکہ پُورے پُورے طَور پر خُدا کا مانا جائے۔ دیکھو خروج ۴: ۱۰-۱۷۔ یسعیاہ ۶ باب یرمیاہ ۱: ۴-۱۰ + قاضی ۶: ۱۱-۲۳ + اعمال ۹: ۳-۹ + پطرس کو آدمیوں کا مچھوا بننے کے کام پر مامُور ہونا تھا۔ لہذا ضرُوری تھا کہ وُہ بھی اِس عجیب تجربہ کی راہ سے گُزرے:-

آدمیوں کا شکار کیا کرے گا۔ دُوسرے انجیل نویسوں کے مطابق یہ مطلب اِس طرح ادا کیا گیا ہے۔ مَیں تجھے آدمیوں کا مچھوا بناؤنگا۔ وُہ اپنے وعدہ کو اُسی فن کی اصطلاح میں ادا کرتا ہے جس سے پطرس بخُوبی واقف ہے ÷

اِس کام کو جو اَب پطرس کو مِلا۔ اُس کے پہلے پیشہ پر دو طرح کی فضیلت تھی۔ اوّل۔ کہ وُہ اَب مچھلیوں کا نہیں۔ بلکہ آدمیوں کا شکار کرنے کو تھا۔ دوم۔ آدمیوں کو مچھلیوں کی طرح مَوت کے لئے نہیں بلکہ

زندگی کے لئے پکڑنے کو تھا۔ جولئین جو ایک بے دین شخص تھا۔ طنزاً کہا کرتا تھا۔ مسیح نے اچھا کام اپنے شاگردوں کے سپُرد کیا کہ اُنہیں مچھوا بنایا۔ جس طرح مچھوا مچھلیوں کو پانی سے جو اُن کی زندگی کے لئے لابد ہے نکال کر جان سے مار دیتا ہے اسی طرح یہ رسُول بھی لوگوں کو مَوت کے لئے بُلاتے پھرتے ہیں۔ لیکن مفسّر بیان کرتے ہیں (ٹرنچ) کہ جس لفظ کا ترجمہ شکار کرنا کیا گیا ہے۔ اُس کے اصل معنی "کسی شئے کو زندہ پکڑنے کے ہیں"۔ لہذا مسیح بنی آدم کو مَوت کے لئے نہیں بُلاتا بلکہ دُنیا کی امواج اور گُناہ کے طوفان اور آزمائشوں کے تلاطم سے بچا کر کنارِ سلامت تک پُہنچانے کے لئے بُلاتا ہے۔ خُدا کی قید میں گرفتار ہونا۔ اُس آزادی سے جو دُکھ سے بھرپُور ہو ہزار درجہ اچھّا ہے۔ یہ قید گویا گُناہ سے آزاد اور خُدا کا غُلام بننے کا نام ہے ÷

کلام کی منادی کی نسبت بھی یہاں ایک نُکتہ قابل غور ہے۔ اور وُہ یہ ہے۔ کہ مچھوا نہیں جانتا کہ کیسی اور کتنی مچھلیاں اُس کے جال میں آئینگی۔ بلکہ وُہ اِس اعتقاد سے اپنا جال دریا میں ڈال ڈالتا ہے کہ کامیابی خُدا کی طرف سے آئیگی۔ یہی اصُولِ انجیل کی منادی پر صادق آتا ہے۔ اِس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ ماہی گیری کا کام حِکمت اور ہوشیاری کا کام ہے سختی اور جبر کا کام نہیں ہے ÷

۱۱۔ وُہ کشتیوں کو کنارے پر لے آئے اَور سب کُچھ چھوڑ کر اُس کے پیچھے ہو لئے۔ اَب جو کُچھ اُنہوں نے چھوڑا وُہ اگرچہ بہت نہ تھا۔ تاہم وُہ اُن کا سب کُچھ تھا جتنا اُنہوں نے چھوڑا۔ اِتنا ہی اُن کے پاس تھا۔ اور وُہ سب کُچھ اُس کی خاطر چھوڑا۔ اِس سے اُن کی وُہ محبّت ظاہر ہوتی ہے جو وُہ مسیح کے ساتھ رکھتے تھے اور نیز اُن کی وُہ رضامندی ثابت ہوتی ہے جس کے سبب سے مسیح کے

لئے خود انکاری کے کام کرنے کو تیار تھے اور یہ خُوبیاں اُسی قدر ظاہر اور ثابت ہوتی ہیں۔ جس قدر بڑے بڑے محلّوں اور کثیر دَولت کے چھوڑنے سے ہوتیں ہیں۔ مسیح یہی چاہتا ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے۔ خواہ وُہ تھوڑا ہو یا بہت ہم اُسے چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ جس وقت وُہ ہمیں ایسا کرنے کا حُکم دے۔ (بارن) چھوڑنا چھوڑی ہُوئی شئے کی زیادتی یا کمی پر مُنحصر نہیں۔ بلکہ اُس نیّت پر مُنحصر ہے جس سے وُہ شئے چھوڑی جاتی ہے۔ (ٹرنچ) ایک شخص اپنی جھونپڑی کو اُسی قدر پیار کرتا ہے جس قدر دُوسرا اپنے محل کو کرتا ہے۔ دیکھو زبدی اپنے بیٹوں کے بغیر بیت حسدا کو (مرقس ۱: ۲۰) اور مسیح اُس کے ساتھ کفر نحُوم کو جاتا ہے۔ وُہ ہمیشہ اُس کے ساتھ رہتے ہیں۔ زبدی بھی نمُونہ کے لائق باپ تھا ❖

نصیحتیں اَور مفید اشارے

۱۔ مسیح اُن کو برکت دیتا۔ اور اُن پر اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے جو بیکار اور سُست نہیں رہتے بلکہ اپنے کام میں مشغُول ہوتے ہیں۔ دیکھو گڈریئے اپنی بھیڑوں کو چراتے تھے۔ عورت پانی بھرتی تھی۔ پطرس اور دیگر شاگرد جالوں کی مرمّت کرتے تھے۔ جب خُداوند مسیح اُن پر ظاہر ہُوا ❖

۲۔ مسیح اپنے لوگوں کو اپنی عجیب قُدرت کے پرتَو سے لبسا اوقات سمندر کی گہری جگہوں میں مالامال کیا کرتا ہے ❖

۳۔ اُس کے وعدوں پر ایمان لانا وعدوں کی برکتوں سے برومند ہونا ہے۔ کیا پطرس نے گہرے میں جال ڈال کر شرمندگی اُٹھائی؟

۴۔ دُنیوی برکتیں بھی اُسی سے ہیں۔ ہمارے پیشوں میں بھی وُہی ہم کو کامیابی کے تاج سے آراستہ کرتا ہے ❖

۵۔ مسیح کی حضُوری کا بڑا کام یہ ہے۔ کہ وُہ ہماری بدی کو ہم پر ظاہر کرتی ہے۔ دیکھو زکی کا حال۔ پطرس کا حال ❖

۶۔ وُہی لوگ مسیح کی خِدمت اچھّی طرح بجالاتے ہیں۔ جو اپنی گُنہگاری اور مسیح کی قُدسیّت کو پہچانتے ہیں ❖

۷۔ جب ہماری بدی ہم پر ظاہر ہو جائے تو ہماری اصل جگہ مسیح کے قدم ہیں۔ وہیں ہم کو پطرس کی طرح گِرنا چاہئے ❖

۸۔ مسیح کے حُکموں پر ہمیں بعض اوقات اپنے سالہا سال کے تجربہ کو بھی قُربان کرنا پڑتا ہے ❖

۹۔ زبدی کی روِش غور طلب ہے۔ اُس نے اپنے بیٹوں کو یہ نہیں کہا۔ کہ تم کیا بے وقُوفی کرتے ہو۔ اپنا کام چھوڑ کر کہاں جاتے ہو تمہاری عقل کہاں چرنے گئی ہے۔ مسیح کی پَیروی میں کیا دھرا ہے؟ ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ ہم بھی اپنے بچّوں کو مسیح کی خِدمت اختیار کرنے سے نہ روکیں۔ کیا سب ماں باپ زبدی کی طرح اپنے بچّوں کو اجازت دینے کے لئے تیار ہیں ❖

۱۰۔ سب کچھ چھوڑے بغیر مسیح کی خدمت نہیں ہو سکتی۔ دیکھو اِس دولتمند کا حال جو ہمیشہ کی زندگی کی تلاش میں تھا۔ جب اِس سے یہ کہا گیا۔ کہ اپنا سب کچھ بیچ کر اور غریبوں کو دے کر میری پَیروی کر۔ تو وُہ غمگین ہو کر واپس چلا گیا ❖

۱۱۔ ہماری کامیابی کے لئے اُس خُداوند کی ضرُورت ہے۔ جو ہر وقت ہمارے ساتھ حاضر رہے اور ہماری کامیابی کا یہ نتیجہ ہونا چاہئے۔ کہ ہم اَور بھی زیادہ کمالیّت کے ساتھ اُس کی پَیروی کریں ❖

۱۲۔ سب منّاد اور خادمانِ دین اور اُستاد ایک ہی خدمت میں شریک ہیں۔ ہم خدمت ہیں۔ پس ایک دُوسرے کی مدد کریں ❖

۱۳- خُداوند مسیح اپنے شاگردوں کو اور خصُوصاً اپنے خادموں کو خود ڈھونڈتا ہے۔ وُہ اُن کے آپ آنے کی انتظاری نہیں کرتا۔ "تم نے مُجھ کو نہیں چُنا۔ مَیں نے تم کو چُنا ہے" ٭

۱۴- مسیح کی حضُوری کا یہ نشان ہے۔ کہ دُعا کی رُوح پَیدا ہوتی۔ اور فروتنی کا مزاج بڑھ جاتا ہے۔ پطرس کی روِش سے یہ باتیں روشن ہیں ٭

۱۵- ایمان کی زندگی میں کیسی منزلیں آتی ہیں۔ کبھی مایُوسی سے حیرت پَیدا ہوتی ہے۔ کبھی محتاجی سے اُور نصیب ہوتی ہے کبھی خوشی سے دہشت اور کبھی دہشت سے اُمّید بر آمد ہوتی ہے ٭

۱۶- وُہی جو مسیح کا گرفتار ہے۔ دُوسروں کو گرفتار کر سکتا ہے۔ آدمیوں کا مچھوا بننے کا کوئی اور ڈھنگ نہیں ہے ٭

۱۷- غور کرو کہ آدمی مسیح کے آنے سے پہلے کیا ہوتا ہے۔ اور جس وقت وُہ آجاتا ہے تب کیا ہو جاتا ہے۔ پطرس کیا تھا اور کیا ہو گیا ٭

طُوفان کو بند کرنا

متّی ۸ : ۲۳ – ۲۷ و مرقس ۴ : ۳۵ – ۴۱ لُوقا ۸ : ۲۲ - ۲۵

مذکورہ بالا تینوں حواری اِس تاریخ کو قلمبند کرتے ہیں۔ اور اِس امر میں متفق ہیں کہ یہ مُعجزہ گراسینیوں کے اُس شخص کے شفایاب ہونے سے جس پر دیو چڑھا تھا پہلے واقع ہُوا۔ شاید یہ اُسی شام کو واقع ہُوا جس شام کو مسیح نے وُہ تمثیلات بیان فرمائیں جو متّی کے تیرھویں باب میں درج ہیں (مرقس باب ۴ کے ساتھ) بِھیڑ کے ساتھ کلام کرنے کے بعد وُہ شور و غوغا سے بچنے کے لئے دُوسری جانب تنہائی میں جانا چاہتا تھا۔ لہٰذا کشتی پر سوار ہو کر اُدھر روانہ ہُوا۔ پر ابھی راہ ہی میں تھا۔ کہ وُہ طوفان آیا جس کے مُعجزانہ طَور پر تھمنے کا ذکر اِس بیان میں پایا جاتا ہے ٭

متّی ۸ : ۲۳ آیت۔ جب وُہ کِشتی پر چڑھا تو اُس کے شاگرد اُس کے ساتھ ہو لئے۔

شاید اس کِشتی میں بادبان نہ تھے۔ اور ممکن ہے کہ وُہ زیادہ تر مچھلی پکڑنے کے کام آتی ہوگی۔ وُہ اُس پر سوار ہُوا۔ اور اُس کے شاگرد بھی اُس کے ساتھ ہو لئے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اُس کشتی پر سوار تھے اور کئی دُوسری کِشتیوں پر جن کا ذکر مرقس ۴: ۳۶ میں آتا ہے۔ یہاں شاگردوں سے مُراد صِرف بارہ رسُول ہی نہیں۔ بلکہ اَور لوگ بھی جو اُس کے پَیرو تھے (دیکھو متّی ۵: ۱) ٭

۲۴۔ اور دیکھو جھیل میں ایسا بڑا طُوفان آیا کہ کشتی لہروں میں چھپ گئی۔ دیکھو۔ متّی اکثر اِس لفظ کو کسی عجیب واقعہ کے بیان کرنے سے پہلے استعمال کرتا ہے۔ تاکہ توجہ اِس طرف کی جائے۔ طُوفان۔ اصل لفظ کے معنے ہلنے اور جنبش کھانے کے ہیں۔ اور وُہ لفظ اکثر زلزلہ کے لئے آتا ہے۔ مگر یہاں طُوفان سے مُراد ہے۔ جو زلزلہ کی طرح لوگوں کے گھروں کو ہلا دیتا ہے۔ لُوقا میں جو لفظ مستعمل ہے وُہ خاص طُوفان یا ہَوا کے لئے آتا ہے۔ یہ ہوا وادیوں میں سے جو جھیل کے کناروں پر واقع ہیں آتی ہے۔ ایک سیّاح بیان کرتا ہے "دِن بھر کوئی جھونکا ہَوا کا نہ آیا۔ اور گرمی آگ کی بھٹّی کی طرح جلا رہی تھی۔ مگر اُس وقت ٹھنڈی سی ہَوا سطح مرتفع سے آنے لگی۔ اور وادیوں میں سے گُذر کر جھیل کی طرف جُھکی ہُوئی ہیں سطح آب کو جُنبش میں لانے لگی۔ اندھیرا بڑھ گیا۔ اور ہَوا نے رفتہ رفتہ طوفان کی شکل اختیار کرنی شروع کی جھیل کی سطح گویا کف کی چادر بن گئی۔ سفید رنگ کی لہریں کنارے پر بڑے زور کے ساتھ ٹکر کھاتی تھیں۔ اب ہَوا کی ملائم آواز ایک ہولناک اور حیرت افزا شور میں تبدیل ہوگئی۔ جو ہَوا کی سرسراہٹ اور پانی کی حرکت سے پیدا ہُوا۔ کچھ فاصلہ پر ایک چھوٹا سا ڈونگا دِکھائی دِیا۔ جو لہروں کے تھپیڑوں سے تہ و بالا ہو رہا تھا۔ اور پھر اُس غبار میں غائب ہو گیا"۔

چُونکہ یہ جھیل بحرِ اعظم کی سطح سے بہت نیچے ہے۔ لہٰذا ہَوا بہت گرم ہوتی ہے۔ اور رقیق ہو کر اکثر اُوپر چڑھ جاتی ہے۔ اور پھر خلا کو بھرنے کے لئے مشرق اور مغرب کی سطح مرتفع سے ٹھنڈی ہَوا زور و شور سے آتی ہے۔ (این امریکن کامنٹری آن دی نیو ٹیسٹیمنٹ)

کِشتی لہروں میں چھپ گئی مگر وُہ سوتا تھا"۔ یہ مطلب نہیں کہ وُہ کِشتی پانی سے بالکل بھر گئی۔ کیونکہ ایسا ہوتا تو ڈُوب جاتی۔ یُونانی

فعل استمرار کو ظاہر کرتا ہے (امریکن کامنٹری) یعنے مطلب یہ ہے کہ چھپی جاتی تھی۔ مرقس کہتا ہے۔ کہ "کشتی پانی سے بھری جاتی تھی"۔ اور لُوقا بتاتا ہے کہ "وُہ خطرے میں تھی"۔

کِشتی اُس وقت درحقیقت خطرے میں تھی۔ ورنہ جو بچپن سے اُس جھیل کے تمام حالات سے واقف تھے کبھی نہ گھبراتے۔ اور کبھی مسیح کے پاس نہ آتے۔

لیکن وُہ سوتا تھا" لفظ وہ پُرزور ہے۔ مرقس بتاتا ہے۔ کہ "وہ پیچھے کی طرف خود گدّی پر سو رہا تھا"۔ کیسا عجیب سماں ہے۔ مسیح گدّی پر سر رکھے سو رہا ہے۔ اور آندھی زور و شور سے چل رہی ہے۔ اور اپنے تھپیڑوں سے کِشتی کو تہ و بالا کر رہی ہے۔

وُہ اُس روز کے کام سے تھک کر سو رہا تھا۔ مگر یُوناہ کی طرح نہیں۔ یُوناہ ایک خراب ضمیر کے ساتھ سوتا تھا۔ مگر مسیح پاک ضمیر کے ساتھ۔ یُوناہ خطرہ کا باعث تھا۔ مسیح خطرے سے بچانے کا وسیلہ ہُوا۔

یہاں یہ بتانا مناسب ہے۔ کہ یہ مُعجزہ ایک حقیقی تاریخی واقعہ ہے۔ مسیح نے درحقیقت طُوفان کو تھمایا۔ بعض کی رائے ہے کہ مسیح نے اُس طُوفان کو جو شاگردوں کے دِل میں دہشت سے پیدا ہو گیا تھا تھما دیا۔ اور اُن کے ایمان کو ایسا مضبُوط کر دیا۔ کہ ظاہری طُوفان اُن کی نظر میں طوفان نہ رہا۔ نہ پھر اُن کے کان میں اُس کی ہولناک آواز آئی۔ اور کہ انجیل نویسوں نے اسی امن کو نیچر کا امن کہا ہے۔ پر درحقیقت مُراد اُس امن سے ہے جو اُس کے کلام نے اُن کے دِل میں پیدا کیا۔ لیکن یاد رہے کہ اگر شاگرد ایسی غلطی کرتے یعنے دِل کے امن کو نیچر کی قوّتوں کا امن کہتے تو یہ غلطی مسیح سے چھپی نہ رہتی۔ ماسوا اِس کے یہ اثر اُن پر نہیں ہو سکتا تھا جو ایمان نہیں لائے تھے اور شاگرد نہ تھے۔ مگر اِس امن کے قائل کیا شاگرد اور کیا غیر شاگرد سب تھے۔

۲۵- اُنہوں نے پاس آکر اُسے جگایا اور کہا اَے خُداوند ہمیں بچا! ہم ہلاک ہُوئے جاتے ہیں۔

معلُوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اُسے کُچھ عرصہ کے بعد جگایا۔ اور دہشت بھری آوازوں کے ساتھ جگایا۔ مثلاً لُوقا بتاتا ہے کہ اُنہوں نے کہا۔ صاحب! صاحب! ہم ہلاک ہُوئے جاتے ہیں۔ اور، مرقس کے الفاظ سے کسی قدر خفگی بھی ٹپکتی ہے۔ اَے اُستاد کیا تُجھے فِکر نہیں کہ ہم ہلاک ہُوئے جاتے ہیں۔ اِس "ہم" میں خُداوند بھی شامل تھا۔ متّی "خُداوند" اور مرقس "اُستاد" اور لُوقا "صاحب صاحب" کہتا ہے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انجیل نویس ہمیشہ وُہی الفاظ جو استعمال کئے گئے رقم کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ کئی بار آزادگی کے ساتھ مطلب کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیتے ہیں۔ ہم ہلاک ہُوئے جاتے ہیں مُراد جسمانی ہلاکت یا یُوں کہیں کہ نیچرل موت سے ہے۔

۲۶- اُس نے اُن کو کہا اَے کم اعتقادو! ڈرتے کیوں ہو؟ تب اُس نے اُٹھ کر ہوا اور پانی کو ڈانٹا اور بڑا اَمن ہو گیا۔

اَب متّی سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ گویا دھمکی پہلے دی گئی۔ اور طُوفان پیچھے فرو ہُوا۔ مگر مرقس اور لُوقا سے معلُوم ہوتا ہے کہ گویا طُوفان پہلے تھمایا گیا۔ اور جِھڑکی پیچھے دی گئی۔ اغلب ہے کہ خُداوند پہلے اور پیچھے دو مرتبہ اُن کے ساتھ ہمکلام ہُوا۔ پہلے جاگ کر اُن کی طرف مخاطب ہُوا۔ اور پھر طُوفان کو ہلکا کرنے کے بعد اُن کے ایمان کی کمی کے باعث دوبارہ اُن کو دھمکانے لگا۔ یاد رہے کہ وُہ اُن کو بےایمان نہیں کہتا۔ بلکہ متّی کے بیان کے مطابق "کم اعتقاد" کہتا ہے۔ وُہ ایمان سے خالی نہ تھے۔ چُنانچہ ہم اُن کی بےاعتقادی میں بھی اُن کا اعتقاد چمکتا ہُوا دیکھتے ہیں۔ یعنے وُہ اپنے خطرے کے وقت خُداوند ہی کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں۔

تاکہ اُس سے مدد کی استدعا کریں۔ لُوقا کہتا ہے کہ خُداوند نے فرمایا۔ "تمہارا ایمان کہاں گیا؟" ایمان تو اُن میں تھا۔ لیکن اُس وقت اُن کے ایمان کا ایسا حال تھا۔ جیسا اُس ہتھیار کا جسے سپاہی رکھ کر بُھول جاتا ہے اور وقت پر کام میں نہیں لاتا۔ اَب سوال یہ ہے۔ کہ کس بات میں اُن کی کم اعتقادی پائی گئی؟ کیا اِس بات میں کہ اُنہوں نے مسیح سے مدد مانگی؟ نہیں یہ تو عین ایمان کی بات تھی۔ کم اعتقادی اس میں تھی۔ کہ اُنہوں نے نہایت دہشت کھائی۔ اور خیال کیا کہ وُہ کشتی جس پر خُداوند سو رہا تھا تباہ ہو جائیگی۔ ڈرتے کیوں ہو۔ اصل کے مطابق "کیوں بُزدِلی کرتے ہو"۔ یہ ایک ناقص اور نامردانہ خوف تھا۔

تب اُس نے اُٹھ کر ہوا اور پانی کو ڈانٹا اور بڑا اَمن ہو گیا۔

یہ الفاظ بڑے توجّہ طلب ہیں۔ کیونکہ اُن سے وُہ طریقہ ظاہر ہوتا ہے جس سے خُداوند نے اُس طُوفان کو فرو کیا۔ متّی کہتا ہے کہ "پانی کو جِھڑکا" اور مرقس اِس طرح بیان کرتا ہے۔ کہ گویا مسیح نے سمندر سے مخاطب ہو کر کہا "چُپ رہ۔ تھم جا"۔ مسیح لہروں سے یُوں خطاب کرتا ہے جس طرح کوئی کسی شخص سے کیا کرتا ہے۔ ٹرینچ صاحب کہتے ہیں۔ کہ یہ کلام گویائی کا یا فصاحت کا طرز بیان نہیں۔ خُداوند اِن لہروں میں شیطان کو یا یُوں کہیں کہ اُس کی قُدرت کو دیکھتا ہے جس کے سبب سے فطرت کی طاقتوں میں بےانتظامی اور ابتری پیدا ہو رہی ہے۔ وُہ اِن تمام بےترتیبیوں کا مُوجد ایک شخص کو سمجھتا ہے۔ خُداوند ایک اَور جگہ بھی انہیں لفظوں کو استعمال کرتا ہے اُس موقعہ پر بخار کی طرف متوجّہ ہو کر اُسے جِھڑکا تھا (لُوقا ۴: ۳۹) اور وہاں بھی یہی تفسیر کام آتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ عین اِس شور و غوغا کے درمیان فطرت مسیح کا حُکم مانتی ہے۔ کیونکہ وُہ جو کامل انسان ہے اِسی لئے آیا کہ فطرت پر انسان کی حکومت قائم کرے نیچر کا یہ کام تھا کہ

اُس کی باندی ہو کر رہے ۔ لیکن وُہ بدی کی قدرت کے قبضہ میں آ کر بجائے
خدمت اور مدد کے بارہا اُس کو نقصان پہنچاتی ہے ۔ لیکن اُس کو کھانے
کے لیئے مسیح کا جو گُناہ سے بری ہے ایک لفظ کافی ہے ۔ مُوسےٰ کی طرح اُس کو
اِس بات کی ضرورت نہیں کہ وُہ اپنا عصا بڑھائے ۔ اُس کا کہنا ہی کافی
تھا ۔ بس اُس کی آواز سُن کر ہوا بند ہوگئی اور بڑا امن ہوگیا ۔" یہ بات
بھی غور طلب ہے ۔ کہ فوق الانسانی قُدرت کے اظہاروں میں اُس کی
انسانیت جلوہ گر دکھائی دیتی ہے ۔ وُہی جو جاگ کر ایسا کام کرتا ہے جو
انسان نہیں کر سکتا تھک کر سو بھی جاتا ہے ۔

۲۷ ۔ لوگ تعجب کر کے کہنے لگے یہ کس طرح کا آدمی ہے کہ ہوا اور پانی بھی اُس کا حکم مانتے ہیں ۔

یہ الفاظ اُس تاثیر کو ظاہر کرتے ہیں ۔ جو اِس معجزہ کے سبب سے
لوگوں پر ہُوئی ۔ اُنہوں نے آگے کبھی ایسا معجزہ نہ دیکھا تھا ۔ اور اس اثر
کا سبب یہ تھا ۔ کہ وُہ سمندر کے نظاروں اور طوفان کی بلاخیز آفتوں کا
تجربہ رکھتے تھے ۔ سو اُنہوں نے محسوس کیا ۔ کہ سوائے خُدا کی قُدرت کے
اور کوئی طوفان کو تھما نہیں سکتا تھا ۔ اور شاید یہ اثر اُن پر بھی جو دوسری
کشتیوں پر تھے پیدا ہُوا ہوگا ۔ یہ کلمات تعجب آمیز کلمات ہیں ۔ زبُور
نویس بھی کچھ اسی طرح کہتا ہے ۔ زبُور ۸۹ : ۹ ۔ غرض اِس معجزہ کی یہ بھی
کہ خُداوند اُن شاگردوں پر ظاہر فرمائے کہ ہر خطرے سے محافظت اور نجات
پانا میری حضوری پر منحصر ہے ۔ نیز وُہ چاہتا تھا کہ یہ خطرہ اُن کے ایمان کو
مضبوط کرے کیونکہ بُزرگ کری سا سٹم کے قول کے مطابق اُن کو ایمان کے
اکھاڑے میں پہلوان بننا تھا ۔

اور یہ بات کہ اُس کی حضوری تمام خطرات سے آزاد کرتی ہے نہ صرف
بیرونی طوفانوں پر صادق آتی ہے ۔ بلکہ مسیح جو سلامتی کا شہزادہ ہے اِس

معجزہ کے وسیلہ یہ کہہ رہا ہے کہ دِل کے اندر جو طوفان جاری ہیں اُن کو بھی
یُوں ہی تھما سکتا ہوں ۔ علاوہ بریں کلیسیا کی محافظت بھی اسی پر منحصر
ہے ۔ وُہ بارہا خطروں میں اور طرح طرح کی آزمائشوں میں گرفتار ہُوئی اور
ہوتی ہے ۔ مگر اُن لہروں اور موجوں سے اُس کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا ۔
کیونکہ مسیح اُس میں موجود ہے ۔

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱ ۔ مسیح ہمارے کمزور ایمان کو خطروں کی جگہ لے جاتا ہے ۔ اور وہاں اُسے
آخر تک خطرے کا مقابلہ کرنے دیتا ۔ اور پھر ایک طرح ہمارے ایمان کی
نکتہ چینی کرتا ہے تاکہ اُسے حلیم بنائے اور تمام کمزوریوں سے آزاد کرے ۔

۲ ۔ شاگردوں پر واجب ہے ۔ کہ جہاں مسیح لے جائے اُس کے ساتھ جائیں
اُن کا فرض ہے (ا) کہ ہر راہ میں اُس کی پیروی کریں ۔ (ب) ہر دُکھ میں
اُس کی مدد کی التجا کریں ۔ (ج) اور ہر چھٹکارے کے بعد اُس کا جلال
ظاہر کریں ۔

۳ ۔ مسیح کا سونا ہماری دین داری اور ایمان کی آزمائش ہے ۔ اور اُس کا
سوتے سے جاگنا اُس کی قادرِ اُلوہیت کے جلال کا ایک نیا اظہار ہے ۔

۴ ۔ تمہارا ایمان کہاں ہے ؟ اب بھی سوال کیا جا سکتا ہے مثلاً (ا) یہ
سوال زندگی کے متعلق کیا جا سکتا ہے ۔ (ب) ضمیر کے متعلق کیا جا سکتا
ہے ۔ (ج) حالتِ زمانہ کے متعلق کیا جا سکتا ہے ۔

۵ ۔ یسُوع مسیح سمندر کا ستارہ ۔ اور بادبان ۔ اور لنگر ۔ اور لائٹ ہاؤس
اور بادِ شرط ہے ۔

۶ ۔ جہاں مسیح ہے وہاں خطرہ ہوتا ہے ۔ بلکہ اُس جگہ کی نسبت جہاں وُہ
نہیں ہے زیادہ ہوتا ہے مگر ہلاکت کے لیئے نہیں ۔ پر آزمائش کے

لئے ہوتا ہے ❖

۷ - شاگردوں کی اور مسیح کی روش کا مقابلہ کرو۔ وُہ اُس کی ملامت کرتے ہیں۔ حالانکہ ابھی اُنہوں نے اُس کی قُدرت کو کام کرنے نہیں دیا لیکن وُہ اُس وقت ملامت کرتا ہے جب پہلے طُوفان کو تھما دیتا ہے ❖

۸ - دیکھو مسیح خطرہ میں کیا روش اختیار کرتا ہے۔ (الف) طُوفان کو شدّت سے چلنے دیتا ہے (ب) اور آپ ایسا بن جاتا ہے کہ گویا کچھ خبر ہی نہیں (ج) کہ گویا طُوفان کا کچھ علاج ہی نہیں ہے۔ مگر آخرکار جاگتا اور سارے طُوفان کو دفع کرتا ہے ❖

۹ - پر وُہ کیوں سوتا ہے (الف) تاکہ ہم جاگیں اور اپنی ناتوانی کو پہچانیں (ب) تاکہ اُس کی قُدرت کا کرشمہ حاصل کریں۔ (ج) تاکہ اُس کی مدد کے لئے دُعا مانگنا سیکھیں۔ (د) تاکہ آخرکار اُس کی حمد اور تعریف ہو ❖

۱۰ - جتنی صلیب بڑی ہوتی ہے اُتنی ہی دُعا سرگرم ہوتی ہے ❖

۱۱ - انسان کو نیچر پر حکمرانی کرنا اور اُسے اپنی اطاعت میں لانا تھا لیکن طُوفان اور آندھیاں آب اُس سے سرکش ہیں اور اس سرکشی سے انسان کی سرکشی ظاہر ہوتی ہے اگر وُہ اُن شرارت کے طُوفانوں اور آندھیوں میں جو اُس کی سرکشی سے پیدا ہُوئے۔ مُبتلا نہ ہوتا۔ تو نیچر اُس سے باغی نہ ہوتی۔ گُنہگار انسان کے مقابلہ میں مسیح کامل انسان کو دیکھو کہ کس طرح نیچر اُس کے تابع ہے۔ اُس کی سکُون دلی اور شاگردوں کی گھبراہٹ۔ اُس کا اپنے اُوپر قابُو رکھنا۔ اور اُن کا بے قابُو ہو جانا۔ اُس کا نیچر کی طاقتوں پر مسلّط ہونا۔ اور اُن کا اُس کے خطروں سے خائف و نالاں ہونا۔ اس فرق کو ظاہر کرتا ہے۔

۱۲ - مسیح یسُوع سمندر کی طُغیانی اور طُوفان کی شدّت کو روکتا ہے۔

کیونکہ اُس پر حاکم ہے۔ کوئی ایسا طُوفان نہیں جسے وُہ روک نہ سکے خواہ وُہ (الف) فطرت میں نمایاں ہو (ب) تاریخ میں ہو (ج) خواہ کلیسیا کی تاریخ میں ہو (د) خواہ گھر میں ہو۔ (ہ) یا دِل میں ہو ❖

۱۳ - اگر خُداوند مسیح ہمارے ساتھ ہو۔ تو ہم کبھی ہلاک نہ ہوں گے۔ کلیسیا کا جہاز بارہا ایذاؤں اور آزمائشوں کے طُوفان میں مُبتلا ہُوا۔ مگر وُہ ہمیشہ اُسے بچاتا رہا ❖

۱۴ - طُوفان ہم کو دُعا مانگنا سکھاتا ہے۔ اور مسیح کو ظاہر کرتا ہے۔ (الف) وُہ ظاہر کرتا ہے کہ مسیح سچّا اور پاک انسان ہے (ب) کہ وُہ دانا اور مہربان خُداوند ہے۔ (ج) کہ وُہ قادر اور واجب الاطاعت ابنِ خُدا ہے ❖

۱۵ - انسان کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وُہ خطرے کو اس بات کا نشان سمجھتا ہے کہ خُدا میری پروا نہیں کرتا ❖

۱۶ - طُوفان کے بعد ہمیشہ امن ہے۔ اور یہی خُدا کے بندوں کی آزمائشوں کا حال ہے۔ اُن کی آزمائشوں کے بعد ہمیشہ شانتی آتی ہے ❖

۱۷ - مسیح کمزور سے کمزور ایمان کی کبھی بے قدری نہیں کرتا ❖

گدرینیوں کے مُلک میں دو شخصوں کو جن میں بدرُوحیں تھیں اچھا کرنا

متّی ۸: ۲۸-۳۴ و مرقس ۵: ۱-۲۰

لُوقا ۸: ۲۶-۳۹

اگرچہ پچھلے مُعجزہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خُداوند فطرت کی طاقتوں پر مسلّط ہے تو اس مُعجزے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وُہ بدرُوحوں پر بھی کامل اختیار رکھتا ہے۔ یہ مُعجزہ پچھلے مُعجزے سے بھی زیادہ عجیب اور پُرقدرت مُعجزہ ہے۔ اِس میں ہمارا خُداوند اپنے تئیں سلامتی کا شہزادہ ثابت کرتا ہے۔ یہاں وُہ اُس تلاطم اور طُوفان اور فساد کو فرو کرتا ہے جو انسان کے اندر بدی کے بانی کے سبب سے پیدا ہوتا ہے ؛

۲۸۔ جب وُہ اُس پار گدرینیوں کے مُلک میں پہنچا

پُرانے ترجمہ میں "گرگسینیوں" آیا ہے۔ اور مرقس اور لُوقا میں اسے "گراسینیوں" کا مُلک کہا ہے۔ لیکن پُرانے نسخوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ "گدرینیوں" کا لفظ متّی میں اور "گراسینیوں" کا مرقس اور لُوقا میں صحیح ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ فرق کس طرح پیدا ہُوا۔ ٹامسن صاحب

بیان کرتے ہیں۔ کہ جب مَیں نے اس مُلک کی سَیر کی تو جھیل کے مشرقی کنارے پر اور قریباً اُس کے وسط میں ایک گاؤں دیکھا جس کے اِردگرد بہت سی قبریں موجُود تھیں۔ اور اُس کے پاس ایک کرّاڑا بھی واقع تھا۔ اس گاؤں کا نام گراسا ہے۔ اور اس کا وقوع بعینہٖ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اِس مُعجزہ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ ایک شہر اَور بھی اسی نام کا تھا۔ مگر وُہ قریباً تیس ۳۰ میل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ پس یہ گاؤں گراسا نامی جو اَب معلوم ہُوا ہے وہی جگہ ہے جس سے "گراسینیوں" کا لفظ نِکلا ہے۔ لیکن پھر یہ سوال برپا ہوتا ہے کہ گدرینیوں کا لفظ کِس طرح پیدا ہُوا۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ایک شہر گدارا بھی تھا وُہ اِس جھیل سے جنُوب مشرق کی طرف چند میل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ اور چونکہ یہ دستُور تھا کہ بڑے شہر کے اِردگِرد کے دیہات اُس سے علاقہ رکھا کرتے تھے پس ہم قیاس کرتے ہیں اور یہ قیاس نادرست نہیں کہ گراسا گدارا سے علاقہ رکھتا تھا اور اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اُس علاقہ کے باشندے کبھی گراسینی اور کبھی گدرینی کہلاتے ہونگے۔ اَب ایک اور سوال حل طلب یہ ہے کہ گراسینیوں کا لفظ کس طرح داخل ہو گیا۔ اس کی نسبت بعض عُلماء کا یہ خیال ہے کہ شاید یہ نام جرجاسیوں سے جس کی ایک شکل گرگاسیوں بھی ہوسکتی ہے پیدا ہُوا ہے (پیدائش ۱۰: ۱۶ و استثنا ۷: ۱ و یشوع ۳: ۱۰) یعنے لکھتے وقت کاتبوں نے یُوں ہی سمجھا اور یُوں ہی نقل کر دیا۔ مگر آر۔ بنجن صاحب کہتے ہیں کہ گرگاسہ نامی ایک شہر بھی جھیل کے قریب آباد تھا۔ لیکن اُن کا یہ قول بعض علماء کی دانست میں قبُول کرنے کے لائق نہیں۔ کیونکہ وُہ "گرگاسینیوں" کے نام کو جغرافیہ کے اعتبار سے ترجیح دیتے ہیں نہ کہ کسی کرٹیکل وجہ سے۔ اور پھر وُہ خود ہی بیان کرتے ہیں کہ اُن کے زمانہ میں ایسے نُسخے موجُود تھے جن میں گدرینیوں کا لفظ داخل تھا۔ (دیکھو

پھر بعض عُلماء کا خیال ہے۔ کہ گرگاسینیوں۔ گراسینیوں کا دُوسرا تلفظ ہے:۔

تو دو آدمی جن میں بدرُوحیں تھیں۔ قبروں سے نِکل کر اُس سے ملے مرقس اور لُوقا میں صرف ایک شخص کا ذکر ہے۔ بُزرگ کری ساسٹم اور اگسٹن کے خیال کے مطابق ان میں سے ایک دُوسرے کی نسبت زیادہ توجّہ کے لائق تھا۔ مرقس اور لُوقا زیادہ تفصیل سے اِس تاریخ کو رقم کرتے ہیں۔ اور صرف اُسی شخص کا ذکر کرتے جس کی حالت دُوسرے شخص کی حالت سے زیادہ ردّی اور اُبھری ہُوئی تھی تاکہ اُن کا بیان زیادہ زندہ اور پُراثر معلُوم ہو۔ ایک امریکن کامنٹری میں اِس دِقت کو رفع کرنے کے لئے ایک مثال دی ہُوئی ہے۔ مفسّر بیان کرتا ہے۔ کہ ۱۸۲۴ء میں ایک شخص جس کا نام (LAJAYETTE) تھا۔ مُلک یُونائیٹڈ سٹیٹس میں سیر کے لئے آیا۔ اُس کے ساتھ اُس کا بیٹا بھی تھا۔ اور ہر جگہ لوگوں نے بڑی شان اور تپاک سے اُن کی آؤ بھگت کی۔ اَب بعض مؤرّخ اِس واقعہ کو فقط (LAJAYETTE) کی زندگی کا ایک مشہُور واقعہ گردان سکتے ہیں۔ پر اگر اَور لکھنے والے اپنی تحریر میں اِس سیر کو اور اُس اعزاز و امتیاز کو جس سے لوگوں نے انہیں قبُول کیا دو شخصوں سے منسُوب کریں۔ یعنے (LAJAYETTE) اور اُس کے بیٹے سے تو کیا اِس میں کسی طرح کا جُھوٹ یا خلاف سمجھا جائیگا؟

دو آدمی جن میں بدرُوحیں تھیں۔ اس کی نسبت بڑا غور طلب سوال یہ ہے کہ وُہ بدرُوحیں جن کا ذکر انجیل میں آتا ہے۔ درحقیقت مُوجُود تھیں۔ یا نہیں؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ حال حقیقی اور تواریخی ہے اور اِس کے ثبُوت میں یہ دلیلیں پیش کی جاتی ہیں:۔

۱۔ اناجیل کے مُصنّف ہمیشہ ان کو حقیقی واقعات سمجھتے ہیں۔ اور ہمیشہ ایسے ہی پیرایہ میں پیش کرتے ہیں:۔

۲۔ انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خُداوند خود بھی اِن واقعات کو حقیقی سمجھتا ہے۔ بلکہ بدرُوحوں سے مخاطب ہو کر کلام کرتا ہے۔ اور اُن میں اور اُن اشخاص میں جن کے اندر وُہ مُوجُود تھیں امتیاز کرتا ہے (مرقس ۱: ۲۵) اور نہ صرف عوام کے سامنے ایسا کرتا ہے بلکہ تخلیہ میں بھی یعنے اپنے شاگردوں کے محدُود دائرے کے اندر بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ چُنانچہ ایک جگہ وُہ فرماتا ہے کہ "یہ قسم دُعا کے سوا کسی اور طرح نہیں نکل سکتی" (مرقس ۹: ۲۹):۔

۳۔ علاوہ بریں ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح اُن کے وجُود کی حقیقت پر دیگر صداقتوں اور دلیلوں کو قائم کرتا ہے۔ (لُوقا ۱۰: ۱۷-۲۰) مثلاً جب اُس کے شاگرد اِس بات پر فخر کرتے ہیں۔ کہ بدرُوحیں ہماری سُنتی ہیں۔ تو وُہ اس کے جواب میں کہتا ہے۔ کہ "میں نے شیطان کو آسمان سے بجلی کی طرح گرتے دیکھا" اَب اِس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس نے یہاں شاگردوں کے بدرُوحوں کو نکالنے کے کام کو شیطان کی قُدرت کے تنزّل سے مربُوط کیا ہے:۔

یہ لوگ جن میں بدرُوحیں تھیں۔ فوق العادت علم کے ساتھ کلام کرتے۔ اور یسُوع مسیح کو خُدا کا بیٹا تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اُس نے اُن کو گواہی دینے سے روکا۔ شاید اس لئے کہ اُس کے دُشمنوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے۔ کہ اُس میں اور بدرُوحوں کے سردار میں کسی طرح کا رابطہ اور تعلّق ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کے مخالفوں نے بعد میں یہ الزام اُس پر لگایا بھی حالانکہ کوئی وجہ معقُول اُن کے پاس ایسا کرنے کے لئے نہ تھی۔ (متّی ۱۲: ۲۴) پر گو اُس نے اُن کی گواہی کو روکا۔ تاہم اُن کی گواہی سے ایسا عِلم ظاہر ہوتا ہے جو انسانی علم سے بڑھ کر ہے۔ اِس بات پر ذیل کے اعتراض کئے گئے ہیں:۔

۱۔ کہ بدرُوحوں کے گرفتاروں کی علامتیں بہت درجہ تک بعض جسمی اور دماغی امراض کی علامتوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔ مثلاً مِرگی اور مالیخولیا کی علامتوں سے۔ لہٰذا ان لوگوں میں بدرُوحیں نہ تھیں۔ بلکہ وُہ صرف بیماری

کے پنجہ میں گرفتار تھے۔ ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ ناممکن نہیں۔ کہ بدرُوحوں کے دخُول کے بعد اس قسم کی بیماریاں پَیدا ہوگئی ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگ پہلے ان امراض میں گرفتار ہُوئے ہوں۔ اور پھر انہیں عارضوں نے اُن کو اس قابل بنادیا کہ بدرُوحوں کے قبضہ میں آجائیں غالباً یہی وجہ ہے۔ کہ بدرُوحوں کی موجُودگی کے ساتھ ساتھ جسم اور دماغ کے امراض کا بھی ذکر آتا ہے۔ تاہم یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ ان دونوں باتوں میں یعنے بدرُوحوں کے دخل اور دماغی بیماریوں کی موجُودگی میں برابر امتیاز کیا جاتا ہے۔ (دیکھو متّی ۴: ۲۴ و ۸: ۱۶ و مرقس ۱: ۳۲) اور غالباً یہی سبب ہے۔ کہ لفظ "اچھّا" ان کے بارے میں استعمال کیا گیا ہے اور اس ربط کے سبب سے جو بدرُوحوں کے داخل ہونے اور امراض کے پہلے یا بعد میں پَیدا ہونے میں پایا جاتا تھا یہ محاورہ رائج ہُوا۔ تجھ میں بدرُوح ہے (یُوحنّا ۷: ۲۰ و ۸: ۴۸-۵۲ و ۱۰: ۲۰) جس کا یہ مطلب ہے۔ کہ تُو پاگل ہوگیا ہے۔ پس وُہ جن میں بدرُوحیں تھیں۔ درحقیقت دماغی قوّتوں کے پایہ سے گرے ہُوئے تھے۔ خواہ ہم اس فتور کو بدرُوحوں کے دخُول کا نتیجہ مانیں۔ یا یہ تسلیم کریں۔ کہ اس فتور کے سبب سے بدرُوحیں داخل ہُوئیں۔ مگر یُوحنّا ۱۰: ۲۰ میں ان دونوں میں صریح فرق کیا گیا ہے "اور بہتوں نے اُن میں سے کہا۔ کیا اُس کے ساتھ ایک دیو ہے۔ اور وُہ سڑی ہے"۔ پس کوئی ضرُورت نہیں ہے۔ کہ نوشتوں کے صاف بیان سے خلاف وَرزی اختیار کی جائے۔ ماسوا اِس کے اِس مُعجزہ میں بدرُوحوں کا سؤروں کے غول میں جانا بجائے خود ایک اَور دلیل ہے۔ جو ہمارے خیال کو ثابت کرتی ہے۔ یعنے اگر بدرُوحوں کا وجُود نہ تھا۔ تو کس طرح آناً فاناً میں اُن کے دخُول کے بعد سؤروں کا ویسا ہی حال ہوگیا۔ جیسا کہ اُن اشخاص کا تھا جن میں بدرُوحیں تھیں۔ اور کس طرح یہ تبدیلی اُن پر حادث ہُوئی۔

جس حال کہ بدرُوحیں کچھ بھی نہ تھیں؟

۲۔ لوگ اکثر یہ حل پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ بدرُوحیں تو کوئی حقیقی وجُود نہ رکھتی تھیں۔ اور نہ یسُوع اور اُس کے شاگرد ہی اُن کے وجُود کے قائل تھے۔ مگر چُونکہ یہ خیال اُس زمانہ کے لوگوں کے درمیان رائج تھا سو یسُوع مسیح نے بھی روکنا نہ چاہا۔ بلکہ اُسے مُروّج رہنے دیا۔ تاکہ اُن کو ان امراض سے جلد شفا دے سکے۔ کیونکہ اگر وُہ اُن کے عقیدوں کی تردید کرتا تو شاید وُہ اُس کے پاس نہ آتے اور نہ اُس کے شفابخش علاج سے مستفیض ہوتے۔ پس اگر مسیح رُوح کو یہ کہتا ہے کہ باہر نکل آ۔ تو وُہ صرف مریض کے خیال اور وہم کے مطابق بولتا ہے تاکہ وُہ جلد شفا پائے پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ اُس زمانہ کے لوگوں کی غلطی تھی تو بڑی بھاری غلطی تھی اور ہو نہیں سکتا کہ مسیح اِس غلطی کو مُروّج رہنے دیتا جبکہ اُس کا کام ہی یہ تھا کہ اس قسم کی بطالتوں کو دُور کرے۔ اور نہ ہم اس بات کو طبّی بناء پر قبُول کرسکتے ہیں۔ کیونکہ اہل طبابت بھی یہ نہیں بتاتے کہ پاگلوں کی شفا کے لئے یہ ضرُوری امر ہے کہ جو وہم اُن کے دماغ میں سمایا ہُوا ہے اُس پر آمنّا و صدقنا کہا جائے۔ کیونکہ جس بات کی ضرُورت ہے وُہ یہ ہے۔ کہ اُن کی توجّہ دُوسری طرف لگائی جائے۔ علاوہ بریں ایسے دعوؤں سے مسیح کے کلام کی صداقت کو بڑی زک پہنچتی ہے۔ ہماری رائے میں خُداوند کی طرف سے جس کا کلام سچّائی ہے اور جو خود سچّائی ہے ایسا بے ضرر فریب بھی ناقابلِ تسلیم ہے۔

۳۔ اور پھر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کا کیا سبب ہے کہ یہ اظہارات صرف اُس وقت سرزد ہُوئے جبکہ مسیح اِس دُنیا میں تھا۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ کوئی پختہ ثبُوت نہیں دیا جا سکتا کہ وُہ اب واقع نہیں ہوتے۔ اور اُن کے وقُوع کی نفی کو کامل یقین کے ساتھ پیش نہ کرنا

معترض کے اعتراض کو ضعیف کر دیتا ہے۔ پر ہم اس بات کی بھی دلیل رکھتے ہیں کہ کیوں وُہ اُس وقت سرزد ہُوئے اور کیوں بآسانی معلُوم کئے گئے۔ سبب یہ تھا۔ کہ ازلی کلمے نے اُس وقت اپنے تئیں جسم میں ظاہر کیا تھا۔ سو اُس وقت وُہ لڑائی جو خُدا اور شیطان میں برابر چلی آئی ہے زیادہ روشن ہو گئی تھی تاکہ یہ بات خُوب ثابت ہو جائے کہ جو بدرُوحیں خُدا کے برخلاف صف آراء ہیں وُہ اُس کے مقابلہ میں ہرگز قائم نہیں رہ سکتی ہیں (مقابلہ کرو متی ۴ باب شیطان کا جسم میں نمُودار ہونا)۔

۴۔ پھر ایک یہ اعتراض ہے۔ کہ یہ معاملہ فی نفسہ ایسا دقیق ہے کہ اُس کا سمجھنا مُشکل ہے۔ پر کیا ہم اور مُشکل باتوں کو تسلیم نہیں کرتے؟ مثلاً کیا ہم مسیح کی شخصیّت میں انسانی اور الٰہی ذاتوں کے میل کو۔ اور رُوح پاک کے انسانی رُوح پر اثر کرنے کو۔ اور دماغ اور جسم کے ربط کو نہیں مانتے۔ یہ تمام باتیں مُشکل ہیں۔ تاہم یہ سب سچّی حقیقتیں ہیں۔

پس بدرُوحوں کی قُدرت کے اظہارات جو انجیل میں مندرج ہیں۔ حقائقِ نفس الامری ہیں۔ اور اگر ہم ان کو تواریخی حقیقتیں تسلیم کریں تو وُہ نہ صرف ہمارے لئے عجیب واقعات ہونگے۔ بلکہ نصیحت خیز واقعات ہوں گے۔ اور ہم محسُوس کرینگے کہ مسیح اور اُس کے شاگردوں کے وسیلہ بدرُوحوں کا نکالا جانا انجیل اور نجات دہندہ کی نیکی اور خُوبی پر دلالت کرتا ہے۔ اور اُس کے منجانب اللہ ہونے کا ایک عُمدہ ثبُوت ہے۔ اور اِس بات کی بھی پُرتاثیر دلیل ہے کہ ہمارے خُداوند نے شیطان پر فتح پائی۔ ماسوا اس کے اِس شرح سے نوشتوں کی کلام کی سادگی میں جو عام و خاص کے فائدے کے لئے تحریر ہُوئے ہیں فرق نہیں آتا۔

۵۔ یُوحنّا ان اظہاروں کا ذکر کیوں نہیں کرتا؟ یہ سچ ہے کہ وُہ اِس قسم کے واقعات کو درج نہیں کرتا۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ وُہ ان کی طرف

اشارہ کرتا ہے (یُوحنّا ۷: ۲۰ و ۸: ۴۸-۵۲ و ۱۰: ۲۰) پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وُہ خُداوند کی خدمت کے بہت تھوڑے واقعات کو اپنی انجیل میں درج کرتا ہے۔ اور جو درج کرتا ہے وُہ بھی ایسے ہیں جن سے مسیح کو یہُودیوں کے سامنے کسی عجیب تقریر کا موقعہ مِلا۔

اِن بدرُوحوں کا ذکر پُرانے عہدنامے اور اپاکرفا اور مشنا میں نہیں آیا ہے۔ لیکن یُوسیفس ان کا ذکر کرتا ہے۔

یہ خیال کرنا کہ یہ لوگ جن میں بدرُوحیں تھیں ضرور شریر ہونگے۔ اور اُن کی شرارت کے سبب سے شیطان نے اُن پر غلبہ پایا۔ اور انہیں اپنے بس میں لایا صحیح نہیں ہے۔ گو اِس بات کا بھی اِنکار نہیں کرنا چاہئے کہ وُہ گنہگار تھے۔ اِنکار اس بات کا ہے کہ اُن کی بدکاری کے سبب سے شیطان اُن میں آیا۔ پس بجائے اس کے کہ ہم یہ خیال کریں کہ وُہ اَوروں کی نسبت زیادہ بدکار تھے۔ ہم یہ کہیں کہ وُہ زیادہ بدنصیب اور مصیبت زدہ تھے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وُہ جو سب سے بدکار اور شیطان کے کارندے اور غُلام بنی آدم میں گُذرے ہیں مثلاً جھُوٹے نبی اور مخالفانِ مسیح اُن کی نسبت کبھی ایسی عبارت استعمال نہیں کی گئی جس طرح ان دیوزدوں کے بارے میں کی گئی ہے۔ مثلاً ہم پڑھتے ہیں کہ یہوداہ کے دِل میں شیطان سمایا۔ (یُوحنّا ۱۳: ۲۷) مگر یہوداہ کا اس بدرُوح (شیطان) کے بس میں آنا اَور قسم کا تھا۔ (ٹرنچ)

اور پھر اِس کے متعلّق یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اور وُہ یہ کہ ان بدرُوحوں کے مارے ہُوئے لوگوں میں اپنے دُکھ کا ادراک اور احساس پایا جاتا ہے۔ جیسے اُنہوں نے اپنی مرضی سے اختیار نہیں کیا وُہ دُوسرے کے قابو میں ہیں۔ اور دُکھ کی پہچان اور اس سے آزاد ہونے کی خواہش وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن کے سبب سے وُہ مسیح کی شفا بخش طاقت سے

بہرہ اندوز ہُوئے۔ اِس کے بغیر وُہ شیاطین کی طرح جو بدی میں کامل ہیں۔ اور جن میں کوئی ایسا وصف نہیں پایا جاتا جس کی بناء پر فضل اپنا کام اُن میں کر سکے کبھی مسیح سے فائدہ نہ اُٹھاتے۔ پس جس طرح اوروں کی حالت میں ویسا ہی اِن کی حالت میں بھی ایمان شفا کی شرط تھا۔ بس ان میں اعلےٰ زندگی کا ایک چنگارہ باقی تھا جو اُس وقت جبکہ وُہ مسیح سے نہ ملے تھے بُجھنے پر تھا۔ مگر جب مسیح سے مُلاقات ہُوئی تو اُسے زندگی کے مالک نے اپنی رحمت کی ہوا سے پھر جلتے ہُوئے شُعلہ میں تبدیل کر دیا۔

قبروں سے نِکل کر اُسے مِلے۔ یا تو وُہ قبروں میں لوگوں کے خوف کے مارے چلے گئے تھے۔ اور یا اُن کی دیوانگی کے اشتداد نے اُنہیں وہاں پہنچا دیا تھا۔ یہ جگہیں جو غاروں اور چٹانوں میں پائی جاتی تھیں اور قبرستان کا کام دیتی تھیں شاید اِن دیوانہ لوگوں کے مذاق اور حال سے زیادہ مناسبت رکھتی تھیں سو وُہ یہاں خوش تھے۔ گو کوئی یہُودی صحت اور دماغ کی دُرستی کی حالت میں قبرستان میں رہنا پسند نہ کرتا۔ کیونکہ رسمی شریعت کے مطابق وُہ ایسی جگہ رہنے سے ناپاک ہو جاتا۔ اِس قسم کی چٹانی قبریں اب بھی اُن پہاڑوں میں بکثرت ملتی ہیں جو جھیل کے جنوبی حِصّہ کے مشرق میں واقع ہیں۔ لُوقا کہتا ہے "اُس شہر کا ایک مرد" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وُہ بدرُوح کا شکار اُس شہر کا باشندہ تھا۔

وُہ ایسے تُند مزاج تھے۔ کہ کوئی اُس راستہ سے گذر نہیں سکتا تھا۔ یعنے اُس راستہ سے جو قبروں کے نزدیک سے گُزرتا تھا۔ یہ دونو مُصیبت زدہ اپنے معمُول کے مطابق مسیح اور اُس کے ساتھیوں پر لپکے جس طرح اَور لوگوں پر حملہ کیا کرتے تھے۔ مرقس اور لُوقا اُن میں سے ایک خاص شخص کے حالات اضافہ کرتے ہیں۔ لُوقا بتاتا ہے۔ کہ وُہ مُدّت سے دیو کے بس میں تھا۔ اور نہ کپڑا پہنتا اور نہ گھر میں رہتا تھا۔ مرقس کہتا ہے۔

کہ "اب کوئی اُسے زنجیروں سے بھی نہیں باندھ سکتا تھا۔ کیونکہ وُہ بار بار بیڑیوں اور زنجیروں سے باندھا گیا تھا۔ لیکن اُس نے زنجیروں کو توڑا اور بیڑیوں کے ٹُکڑے ٹُکڑے کئے تھے۔ اور کوئی اُسے قابُو میں نہیں لا سکتا تھا۔ اور وُہ ہمیشہ رات دن قبروں اور پہاڑوں میں چِلّاتا۔ اور اپنے تئیں پتھروں سے زخمی کرتا تھا"۔ اِس سارے بیان سے اُس کی ساری حالت بد کی غائت ظاہر ہوتی ہے۔

۲۹۔ دیکھو۔ توجّہ کھینچنے کے لئے۔ جیسا کہ ۲۴ آیت میں ہے۔

اُنہوں نے چِلّا کر کہا اَے خُدا کے بیٹے ہمیں تجھ سے
کیا کام؟ کیا تو اِس لئے یہاں آیا ہے کہ وقت سے
پہلے ہمیں عذاب میں ڈالے؟

بعض نُسخوں میں خُدا کے بیٹے کی جگہ یسُوع آیا ہے۔ مگر یہ ٹھیک نہیں۔ معلُوم ہوتا ہے کہ مرقس اور لُوقا میں یسُوع لکھا دیکھ کر یہاں بھی کاتبوں نے یسُوع لِکھ دیا۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ آدمی وُہی بات کہتے ہیں۔ جو بدرُوحیں سوچتی اور خیال کرتی ہیں پر ہم یہ نہیں جانتے کہ یہ بدرُوحیں کِس درجہ تک سوچتی اور سمجھتی تھیں۔ ممکن ہے کہ اُنہوں نے "خُدا کے بیٹے" کے مطلب کو پُورے پُورے طور پر نہیں سمجھا تھا۔ جیسا کہ اُن کے سردار شیطان نے نہیں سمجھا تھا۔ مُقابلہ کرو ۴: ۳) مرقس ۳: ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا وُہ ہمیشہ اُس کو اُس نام سے پُکارا کرتی تھیں لیکن ممکن ہے۔ کہ مرقس ہمارے خُداوند کی خدمت کے کسی خاص حِصّہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ہمیں تجُھ سے کیا کام؟ یہ پھر ویسا ہی محاورہ ہے۔ جیسا کہ مَے کے مُعجزہ میں آیا تھا۔ یُونانی میں ہے "ہم کو کیا اور تجُھ کو کیا" مطلب یہ ہے۔ کہ ہم میں اور تجُھ میں کسی طرح کی شرکت نہیں ہے۔ آیا ان الفاظ میں دھمکی ہوتی ہے۔ یا نہیں ہوتی ہے۔ اِس سوال کا جواب طریق بیان اور

لہجہ پر موقُوف ہے۔ اور نیز اُس تعلّق پر جو فریقین کے درمیان پایا جاتا ہے؛
کیا تُو اس لئے یہاں آیا ہے۔ کہ وقت سے پہلے ہمیں عذاب میں ڈالے؟ وقت سے مُراد موقعہ اور موسم ہے۔ ان بدرُوحوں کا یہ خیال تھا۔ کہ ایک نہائت سخت عذاب کسی اگلے زمانہ میں ہم پر حادث ہونے والا ہے۔ سو وُہ ڈرتی تھیں۔ کہ کہیں خُدا کا بیٹا ہم کو وُہ شدید عذاب نہ دے۔ ہم یہُوداہ ۶ آیت سے سیکھتے ہیں۔ کہ یہی وُہ زمانہ ہے۔ جب کہ روزِ عظیم کو عدالت ہوگی جس کے بعد شیطان اور اُس کے خادم رات دِن ہمیشہ عذاب میں رہینگے۔ (مکاشفات ۲۰: ۱۰) اور نقصان پہنچانے کی تمام قُدرت اُن سے چھینی جائیگی۔ تمام نوشتے اِس سے مطابقت رکھتے ہیں کیونکہ وُہ بتاتے ہیں کہ فرشتوں کی عدالت ہونے والی ہے (۱۔ کرنتھیوں ۶: ۳) ان دیوزدہ لوگوں کی روش غور طلب ہے کیسی مختلف حالتیں اُس سے ظاہر ہوتی ہیں۔ پہلے وُہ بڑی تندی سے یسُوع اور اُس کے شاگردوں پر لپکتے ہیں۔ اور جب نزدیک آتے ہیں تو گر کر اُسے سجدہ کرتے ہیں۔ (مرقس ۵: ۶) کبھی وُہ دہشت اور نفرت سے بھرا ہُوا کلام کرتے ہیں۔ اور کبھی اپنی تکلیف اور عذاب کو محسُوس کرتے ہیں۔ اور کبھی اُس ہولناک ہستی کی طرف سے بولتے ہیں جو اُن پر مسلّط ہے؛

مرقس اور لُوقا سے معلوم ہوتا ہے۔ (مرقس ۵: ۸ و لُوقا ۸: ۲۹) کہ خُداوند مسیح نے حُکم کیا تھا۔ کہ بدرُوح نِکل جائے لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ پہلی مرتبہ کہنے سے نہیں نِکلی۔ اِس کا کیا جواب ہے؟ اِس کا یہ جواب ہے۔ کہ اگر وُہ چاہتا۔ تو اُسے فوراً نکال دیتا۔ مگر دیگر تمام حالتوں کے موجُود رہنے سے ممکن تھا کہ اُس شخص کو نقصان پہنچتا۔ (مقابلہ کرو مرقس ۹: ۲۴) اِس دانا حکیم نے جیسا مناسب سمجھا۔ ویسا ہی اپنی حِکمت۔ قُدرت اور محبّت کے مطابق کیا؛

مرقس اور لُوقا یہ بھی بتاتے ہیں۔ کہ مسیح نے نام پُوچھا۔ کیوں؟ بعض کا خیال ہے کہ اِس لئے پُوچھا کہ نجات کی کثرت اور بہتات ظاہر ہو اور نجات دینے والے کی عظمت معلوم ہو۔ کہ کیسا بڑا دشمن تھا جس پر اُس نے فتح پائی۔ ٹرنچ صاحب کا خیال ہے کہ شائد یہ سوال اُس شخص سے جس میں بدرُوحیں تھیں کیا گیا کہ وُہ یہ سوال سُن کر اپنے حافظہ کی تازگی حاصل کرے۔ اور اُس کی شخصیّت کی پہچان اُس کے دِل میں پیدا ہو۔ اور وُہ مانے کہ مَیں وُہ شخص ہُوں جو پہلے بدرُوحوں کی قُدرت سے آزاد تھا اور اب بھی اِس قدر اُن کے اختیار میں نہیں کہ رِہا نہ ہو سکوں۔ گویا یہ سوال اِس لئے کیا گیا تھا کہ اُس کا علاج جلد ہو جائے۔ اور وُہ فٹ نوٹ میں (Somnambulism سوتے ہُوئے چلنے پھرنے کی بیماری) کی مثال دیتے ہیں۔ اِس مرض میں جب اور ادویات کارگر نہیں ہوتی ہیں تو بسا اوقات نام لے کر پُکارنے سے رات کو چلنے والے مریض کو خود شناسی کی حالت میں واپس لاتے ہیں۔ پر اس سوال کا جواب بدرُوح دیتی ہے؛

اس کا نام تمن (لشکر) تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ گویا نہ صرف ایک طرف سے بلکہ اُس مُصیبت زدہ شخص پر ہر جانب سے حملہ ہوتا تھا۔ کبھی ایک مخالف طاقت سے ستایا جاتا تھا۔ اور کبھی دُوسری سے۔ پس اُس کی بربادی کامِل تھی۔ ایک لشکر اُس پر حُکمرانی کرتا تھا۔

۳۰۔ اُن سے کُچھ دُور بہت سے سؤروں کا غول

چر رہا تھا۔ مرقس اور لُوقا کہتے ہیں کہ "وہاں" چر رہا تھا۔ لُوقا یہ بھی اضافہ کرتا ہے کہ پہاڑ پر چر رہا تھا۔ مگر متّی کہتا ہے "بہت دُور"۔ یہ محاورہ ایسا ہے جس کے صحیح معنے تحقیق کرنا وقت کے موجُودہ حالات پر مُنحصر ہوتا ہے۔ یعنے جیسی حالت ہوتی ہے۔ اُس کے

مطابق نزدیک یا دُور کے معنے لئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک کمرہ میں دو شخص بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ مگر چُونکہ اسی کمرے میں ایک اَور شخص بھی موجود ہے۔ لہٰذا اُن میں سے ایک دُوسرے سے کہتا ہے۔ ذرا آہستہ باتیں کرو ورنہ وُہ سُن لیگا۔ وُہ اِس کے جواب میں کہتا ہے۔ نہیں۔ وُہ بہت دُور ہے۔ حالانکہ وُہ تینوں ایک ہی کمرہ میں بیٹھے ہُوئے ہیں۔ پس متّی کے یہ الفاظ لُوقا اور مرقس کی مخالفت نہیں کرتے۔ تو بھی وُہ سؤر اتنے نزدیک نہ تھے کہ ان دیوانوں کی آواز کو سُن کر یا اُن کی حرکات کو دیکھ کر کُود پڑتے۔ پس یہ کہنا کہ ان سؤروں میں کوئی رُوح خارج سے داخل نہیں ہُوئی تھی۔ لہٰذا وُہ یا تو اِس سبب سے بھاگ گئے کہ یہ دیوانے اُن کے درمیان جا گھُسے تھے۔ اور یا اِس لئے کہ اُن کی دیوانگی کے نعرے سُن کر اُنہوں نے خوف کھایا درُست نہیں ایسے اوہام فاسدہ کے لئے عبارت کی صفائی اور سادگی کوئی جگہ نہیں چھوڑتی۔

بڑا غول۔ مرقس جو مفصّل بیان کے لئے یکتا ہے بتاتا ہے کہ وُہ شمار میں قریباً دو ہزار تھے۔

۳۱۔ پس بدرُوحوں نے اُس کی مِنّت کر کے کہا۔ کہ اگر تُو ہم کو نِکالتا ہے۔ تو ہمیں سُؤروں کے غول میں بھیج دے۔

متّی اِس جگہ یہ نہیں کہتا کہ وُہ بدرُوحیں دو تھیں۔ اور کہ ان دونو شخصوں میں ایک ایک پائی جاتی تھی۔ وُہ تعداد کی نسبت کُچھ نہیں کہتا۔ لیکن مرقس اور لُوقا بتاتے ہیں۔ کہ اُس شخص میں جس کا ذکر وُہ کرتے ہیں "لِگّن" یعنے لشکر تھا۔ رُومیوں کا لِگّن یا لشکر اُن ایّام میں چھ ہزار مردوں سے مشتمل ہوتا تھا۔

دُوسرے حواری یہ بھی بتاتے ہیں کہ اِن بدرُوحوں نے اُس کی مِنّت کی کہ اُنہیں اتھاہ گڑھے میں نہ گرائے۔ اتھاہ گڑھے سے مُراد دوزخ ہے۔

(مکاشفات ۹: ۱۱ و ۲۰: ۳) بدرُوحیں بھی اپنے نفع اور نُقصان کو سمجھتی ہیں جس طرح کہ آدمی سمجھتا ہے۔ (لینگی)

۳۲۔ اُس نے اُن سے کہا جاؤ۔ وُہ نِکل کر سُؤروں کے اندر چلی گئیں۔ اور دیکھو سارا غول کڑاڑے پر سے جھپٹ کر جھیل میں جا پڑا۔ اور پانی میں ڈُوب مرا۔

اُس نے اُن سے کہا کہ جاؤ۔ اکثر یہ سُوال کِیا جاتا ہے۔ کہ کیا اِس قدر مفید اور کار آمد مال کو برباد کرنا مناسب تھا؟ اس کا جواب اکثر یہ دیا جاتا ہے۔ کہ یہ سؤر یہُودیوں کے تھے۔ مگر شریعت کی رُو سے یہُودیوں کو جائز نہ تھا کہ سُؤر رکھّیں اور چُونکہ اُن کو فقیہوں نے منع کیا تھا۔ مگر وُہ شنوا نہ ہُوئے۔ اس لئے اُن کے سؤر ضبط کئے گئے لیکن اس سُوال کا جواب کہ مسیح نے کیوں اُن کو سؤروں میں گھُسنے کی اجازت دی؟ ایک اَور سُوال اِس سلسلہ میں کیا جاسکتا ہے۔ اور وُہ یہ ہے۔ کہ اُس نے کیوں اُنہیں آدمیوں کے اندر گھُسنے کی اجازت نہ دی؟ یاد رہے کہ مسیح اپنی شاہانہ طاقت اور اختیار کے مطابق سب کام کرتا ہے۔ اور جو سبق ہم اِس سے سیکھتے ہیں۔ وُہ ایسا ضرُوری اور عظیم سبق ہے کہ اُس کے سکھانے کے لئے اِتنے مال کو تصدّق کرنا غیر واجب نہ تھا۔ انسان سؤر سے زیادہ بُزرگ اور زیادہ بیش قیمت ہے۔ پس اُس کی جان بچانے کے لئے سُؤروں کو برباد کرنا نُقصان کا باعث نہ تھا۔ علاوہ بریں یہ واقع اُس شخص کے لئے جس نے رِہائی پائی تھی اور معنوں میں بھی مفید تھا۔ سُؤروں کی تباہی میں اُس نے دیکھا کہ اَب جہنّم کی طاقتیں مجھے چھوڑ گئی ہیں۔ پس یہ واقع اُس کے لئے اُس کی آزادی کی گویا ظاہری گواہی اور ثبُوت تھا۔ اور پھر نہ صرف اُس کے لئے بلکہ تمام مُلک کے لئے اُس کا شفا پانا مفید تھا

اور اگر مالکوں کے مال کے نقصان کا خیال کیا جائے۔ تو اِس کا کیا جواب ہے کہ ہزاروں مریاں اور طُوفان مواشی اور کھیتوں کو برباد کر جاتے ہیں ٭

ان یہُودیوں کے نقصان کو دیکھ کر آج کل بھی بہت لوگ بے چین ہو رہے ہیں۔ اور مسیح خُداوند پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اُس نے اُن غریب یہُودیوں کا مُفت میں اتنا نقصان کیا۔ اُن میں سے ایک مرزا غُلام احمد قادیانی ہیں۔ اُن کی مُشکلات کو مسٹر اکبر مسیح صاحب نے اچھی طرح حل کر دیا ہے جن کے مضامین ترقی میں چھپتے رہے ہیں ٭

پھر یہ بھی پُوچھا جاتا ہے۔ کہ کیوں ان بدرُوحوں نے سُوّروں کے غول میں گھستے ہی اُن کو برباد کر ڈالا؟ شاید اُنہوں نے اپنے کینے اور غُصّے سے ایسا کیا۔ کہ سؤروں کے مالک اپنا نقصان دیکھ کر مسیح سے مخالفت کریں۔ اور اُسے اپنے مُلک سے نکال دیں۔ جیسا کہ اُنہوں نے بعد میں کیا ٭

دیکھو۔ سؤر جو حیوان تھے۔ اور پانی میں جانے سے بہت ڈرتے تھے۔ بدرُوحوں کے سبب سے پانی میں کُود پڑے۔ اِس سے پھر یہی نتیجہ نِکلتا ہے۔ کہ بدرُوحوں کا آدمیوں میں داخل ہونا ایک حقیقی امر تھا۔ نہ کہ مالیخولیا یا مرگی۔ اِس جگہ ایک اَور سوال پیدا ہوتا ہے۔ جو نہایت غور اور تشریح طلب ہے۔ اور وُہ یہ ہے کہ کیا رُوحانی زندگی حیوانی زندگی پر کچُھ اثر کر سکتی ہے؟ خیال تو ایسا گزرتا ہے کہ حیوانی زندگی رُوحانی زندگی کو قبُول کرنے کی سمائی نہیں رکھتی۔ کیونکہ اُس کے حرکات کے اظہار کے لئے ضرُوری اعضا نہیں رکھتی ہے۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ رُوحانی اور اخلاقی مخلُوقات میں اور حیوانات مُطلق میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ تاہم یہ مُشکل ایسی نہیں کہ جو حل نہ ہو سکے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا وُہ یہ مانتے ہیں کہ ادنیٰ درجہ کی بادشاہت

یعنی حیوانات کی بادشاہت ایسے طَور پر محدُود ہے کہ اعلےٰ درجہ کی بادشاہت کی تاثیروں سے مؤثّر نہیں ہو سکتی۔ پر گہری تحقیقات اِس خیال کے برخلاف ہے۔ اب جب یہ کہا جاتا ہے کہ رُوحانی زندگی کا اثر حیوانی زندگی پر پڑ سکتا ہے۔ تو یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دونوں طبقوں کی حدِ فاصل ٹُوٹ جاتی ہے۔ بلکہ یہ کہ نیکی اور بدی دونو قسم کی حالتوں کا اثر حیوانی طبقات پر پڑتا ہے۔ نوشتے اِس کی تصدیق کرتے ہیں (پیدائش ۳: ۱۷ اور رُومی ۸: ۱۸-۲۰) ٭

۳۳ و ۳۴۔ اور دیکھو سارا شہر یسُوع سے مِلنے کو نِکلا۔ اور اُسے دیکھ کر مِنّت کی۔ کہ ہماری سرحدّوں سے باہر چلا جا۔

دیکھو۔ کیونکہ شہر کا نِکل آنا بھی ایک تعجّب خیز واقعہ تھا ٭

سارا شہر۔ ایک عام محاورہ ہے۔ جو ہم ہمیشہ استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ کسی قدر مُبالغہ کی بُو دیتا ہے۔ لُوقا بتاتا ہے۔ کہ چرانے والوں نے جا کر نہ صرف بستی کے لوگوں کو بلکہ شہر کی نواحی میں خبر دی۔ چنانچہ شہر اور آس پاس کے مُلک کے لوگ بھی اُس پاس آئے۔ مرقس بتاتا ہے۔ کہ دیہات میں بھی خبر دی گئی۔ اور سب اُس کے پاس آئے۔ اور یہ دونو حواری بتلاتے ہیں۔ کہ اُنہوں نے اُس شخص کو جس پر بدرُوحیں تھیں۔ کپڑا پہنے اور ہوشیار اور یسُوع کے پاؤں کے پاس بیٹھا دیکھا۔ اور ڈر گئے ٭

اَب سوال یہ ہے۔ کہ کیوں ان لوگوں نے مسیح سے درخواست کی۔ کہ اُن کو چھوڑ کر چلا جائے۔ شاید کچُھ تو اِس لئے کہ اُس وقت اُن کے مال کا نقصان ہو گیا تھا۔ اور وُہ ڈرتے تھے۔ کہ اگر یہ شخص یہاں رہا تو نوشامد اور نقصان بھی ہو گا۔ اور کچُھ اِس لئے کہ اُس کی الٰہی قُدرت کا

اظہار دیکھ کر اور اپنی گنہگاری کو پہچان کر اُنہوں نے کچھ اسی قسم کا خیال کیا جس طرح پطرس نے کیا تھا۔ یعنے اُنہوں نے اپنے کو اُس پاک شخص کی قُربت میں رہنے کے قابل نہ پایا۔ لیکن پطرس میں اور اُن میں فرق یہ تھا کہ اُن کو زیادہ تر خیال نقصان کا تھا۔ وُہ سوچتے تھے کہ اگر ایسا شخص ہمارے پاس رہا تو ہمارا نُقصان ہمیشہ ہوتا رہیگا۔ بڑے حِلم سے خُداوند نے اُن کی سرحدوں کو چھوڑا۔ تاہم وُہ اُن کے لئے اپنے پیچھے ایک عمدہ اور لائق اُستاد چھوڑ گیا۔ یعنے وُہی شخص جس کو اُس نے اچھّا کیا تھا۔ مرقس اور لُوقا سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وُہ شخص جو بد رُوحوں سے آزاد کیا گیا تھا۔ چاہتا تھا۔ کہ مسیح کے ساتھ رہے۔ مگر خُداوند نے اُسے فرمایا۔ کہ اپنے گھر جا۔ اور خُداوند نے جو بڑے کام تیرے ساتھ کئے۔ اور جو رحم تجھ پر کیا اُس کا بیان لوگوں سے کر۔ اور وُہ گیا۔ اور اُن بڑے کاموں کو جو یسُوع نے اُس کے ساتھ کئے تھے تمام شہر میں سُنایا۔ یہ شخص اُس کی قُدرت اور رحمت کا مُحکم ستُون تھا جو اُن کے درمیان قائم کیا گیا مرقس بتاتا ہے کہ دکپلس میں اُس نے مسیح کا نام سُنایا۔ مسیح نے اُس جگہ کو پھر کچھ عرصہ کے بعد دیکھا۔ (متّی ۱۵: ۲۹) ٭

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ جب اسرائیل غیر قوموں کے ساتھ ملتے ہیں۔ تو بد رُوحوں کو ایک خاص جگہ اپنا مسکن بنانے کے لئے مِل جاتی ہے ٭

۲۔ جس طرح شیطان اور بد رُوحیں مسیح کی پہلی آمد کے وقت چِلّائے۔ اُسی طرح اُس کی دُوسری آمد کے وقت چِلّائینگے۔ مکاشفات ۱۲: ۱۲

۳۔ حیوان اور انسان اور بد رُوحیں سب مسیح کے زیر فرمان ہیں ٭

۴۔ شیطانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب وُہ اَوروں کو عذاب دینے سے

رَدّ کی جاتی ہے۔ تو اُسے اپنا عذاب سمجھتی ہے۔ کیا ہم اَوروں کو ستاتے ہیں۔ یا اُن کے دُکھ سے خُوش ہوتے ہیں؟ پیارے ناظر خُوش ہونا تو بجائے خود اُس سے غافل رہنا بھی معیُوب ہے ٭

۵۔ رُوح کے نقصان کی مانند اَور کوئی نقصان نہیں ہے۔ پس رُوح خواہ کیسی قیمت سے بچائی جائے ہم اُسے گراں نہ سمجھیں ٭

۶۔ ہم یہاں سرگرمی کے ساتھ دُعا مانگنے کی ایک مثال پاتے ہیں۔ تو بھی اُسے دُعا نہیں کہہ سکتے۔ اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جو چیز مانگی گئی وُہ بھی دی گئی۔ مگر باوجُود اِس درخواست اور اجابت کے ہم اِس مانگنے کو وُہ دُعا نہیں کہہ سکتے۔ جسے خُدا پسند اَور قبُول فرماتا ہے۔ پس ہم ہوشیار رہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری دُعائیں محض خود غرضی کی خواہشوں سے پیدا ہوں۔ اور ایک دینداد اور پُر محبّت اور پُر بھروسہ دل سے نہ نِکلیں آیت ۳۱ ٭

۷۔ اکثر خُدا کے بندوں کی دُعا کا جواب نہیں مِلتا۔ پر یہ انکار اُن کے لئے برکت کا باعث ہوتا ہے۔ برخلاف اِس کے ہم دیکھتے ہیں کہ بارہا شیطان (ایُّوب ۱: ۱۱) اَور اُس کے خادموں کی درخواستوں کا جواب اُن کی مرضی کے مطابق دیا جاتا ہے۔ مگر یہ منظُوری اُن کے نقصان اَور زیان کا باعث ہوتی ہے ٭

۸۔ جسے مسیح نے بچایا۔ ضرُور ہے۔ کہ وُہ اُس کے پاؤں کے پاس بیٹھے جو اُس کے بچائے ہوُئے ہیں وُہ اَور کچھ نہیں چاہتے۔ سوائے اس کے کہ اُس کے ساتھ رہیں۔ دیکھو اُس شخص نے جو بد رُوح سے چھُڑایا گیا ایسا ہی کیا ٭

۹۔ خُداوند کے بندے کئی خیالات کے سبب سے اُس کے پاس رہتے ہیں۔ (۱) وُہ ڈرتے ہیں کہ کہیں پھر اپنی پہلی بُری حالت میں گرفتار نہ

ہوجائیں۔ اُس کی قُربت میں رہائی ہے۔ (۲) شُکر گزاری کے سبب سے (۳) اُس کی خُوبی کے جلال اور جمال کے سبب سے ✤

۱۰۔ لیکن کئی موقعہ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جب اُس کی صحبت چھوڑ کر میدان جنگ میں اُترنا پڑتا ہے۔ دُعا اور کام دونو باتیں مسیحی زندگی کے لئے ضرُوری عنصر ہیں۔ اُس شخص کو حُکم مِلا کہ وُہ اپنے وطن کے لوگوں کو خُدا کے کاموں سے مطلع کرے ✤

۱۱۔ کلیسیا کے معاملات کی بگڑی ہُوئی حالت کی تصویر۔ (۱) اخلاق بگڑ جاتا ہے۔ سؤروں کی انسانوں کی نِسبت زیادہ قدر کی جاتی ہے انسان چھوڑے یا رّد کئے جاتے ہیں۔ (۲) غلط حکمت عملی اختیار کی جاتی ہے تاکہ ترقی ہو۔ سؤروں کے مالکوں نے نامناسب تجارت اختیار کی۔ (۳) زندگی کے اصُولوں میں فرق آجاتا ہے۔ بدرُوحوں کو ترجیح دی جاتی اور مسیح رّد کیا جاتا ہے۔ (۴) دین بگڑ جاتا ہے۔ مسیح کو دُعاؤں سے نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اب بھی لوگ مسیح کو رّد کرتے۔ اور قبُول نہیں کرتے کیونکہ جانتے ہیں۔ کہ اگر اُس کی صحبت قبُول کریں۔ تو کئی بُری عادتوں کو چھوڑنا پڑیگا ✤

۱۲۔ یہ اہلِ گدارا کی آزمائش کا وقت تھا۔ یعنی یہ دریافت کرنا تھا کہ آیا آسمان اُن کے خیالات میں مقدّم ہے یا دُنیا۔ اِس آزمائش میں وُہ کم نکلے۔ دُنیا کے نقصان نے اُن کے دِل پر اثر کیا۔ کیونکہ اُنہیں اپنی قوم کے ایک آدمی کی شفا اور صحت کا خیال کچھ بھی نہ تھا ✤

۱۳۔ بے دین دینداروں کی صحبت پسند نہیں کرتے۔ وُہ یہی چاہتے ہیں کہ وُہ چلے جائیں ✤

۱۴۔ مسیح یہاں ایک منّاد چھوڑتا ہے۔ اور وُہ وہی ہے جسے اُس نے اچھّا کیا تھا ✤

۱۵۔ جو کوئی دُنیا کی چیزوں کو پیار کرتا۔ مسیح بہت دیر تک اُس کے دِل میں نہیں رہیگا نہ صرف گدارا سے بلکہ دِلوں سے بھی جاتا رہیگا ✤

۱۶۔ خُدا کی مہربانی صرف اُس کی ظاہری مہربانیوں کے کاموں میں نہیں ہوتی بلکہ نقصانوں میں بھی ہوتی ہے ✤

۱۷۔ خُدا ناشُکروں کے پاس بھی منّاد بھیجتا ہے ✤

۱۸۔ مختلف موقعے اور صُورتیں جن میں مسیح رّد کیا گیا۔ (۱) ناصرت سے حسد کی وجہ سے۔ (۲) گدارا سے جس کی وجہ خودغرضی اور کینہ وری تھی۔ سامریہ سے۔ وجہ مجذُوبیّت۔ (۴) گلیل سے۔ وجہ مجذُوبیّت اور حکمت عملی۔ (۵) یروشلیم سے۔ وجہ سخت دِلی ✤

۱۹۔ یقین ہے کہ بےشمار لوگ انجیل کو قبُول کریں۔ بشرطیکہ مسیح اُن کے بٹوے اور باورچی خانہ میں دست اندازی نہ کرے۔ اگر مسیح اُن کو تمام اشیاء اُن کی حسب مرضی دیتا جائے۔ تو وُہ اِس قسم کے دینے کی برداشت بخُوبی کرینگے۔ پر اگر وُہ کسی طرح کا نقصان پہنچائے۔ تو فوراً کہہ دینگے۔ کہ مسیح اور انجیل اور سب کچھ جو مسیح سے علاقہ رکھتا ہے۔ اگر ہم کو چھوڑ جائے۔ تو اچھّا ہے ✤

۲۰۔ لُوقا میں ہے۔ کہ مسیح نے اُس کو جو بدرُوح سے رِہا ہُوا تھا۔ یہ حُکم کیا۔ کہ جا۔ اور خُدا نے جو بڑے کام تجھ سے کئے ہیں "سُنا"۔ اور پھر لِکھا ہے۔ کہ وُہ گیا۔ اور اُن بڑے کاموں کو جو یسُوع نے اُس کے ساتھ کئے تھے۔ تمام شہر میں سُنایا۔ خُدا کے بڑے کام یسُوع کے بڑے کام ہیں۔ خُدا میں اور اُس میں کچھ فرق نہیں ✤

یائیر کی لڑکی کو زِندہ کرنا

متی ۹: ۱۸ و ۱۹ اور ۲۳ - ۲۵ تک - مرقس ۵: ۲۲-۲۴
اور ۳۵-۴۳ تک - لُوقا ۸: ۴۱ و ۴۲ اور ۴۹ - ۵۶ تک

مرقس اور لُوقا اِس مُعجزے کو ایسے طَور پر بیان کرتے ہیں جِس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وُہ اُس وقت واقع ہُوا جبکہ اُس نے گدارا کے مُلک کو اُس جگہ کے لوگوں کی درخواست کے مطابق چھوڑ دِیا۔ لیکن متّی اُس واقعہ کو اور اِس مُعجزے کے بیان کے درمیان کئی اور واقعات درج کرتا ہے۔ مثلاً مفلُوج کو اچھّا کرنا۔ متّی کو بُلانا۔ اور فریسیوں کے ساتھ بعض باتوں پر گفتگو کرنا۔ لیکن تطبیق دہندوں کی رائے کے مطابق صرف فریسیوں کے ساتھ باتیں کرنا اِس مُعجزے سے پہلے واقع ہُوا۔ (متّی ۹: ۱۰-۱۷)

متّی آیت ۱۸ - اور وُہ اُن سے یہ باتیں کہہ ہی رہا تھا۔

اِن لفظوں سے معلُوم ہوتا ہے۔ کہ اِس سردار نے عین اُس وقت درخواست کی جبکہ وُہ یُوحنّا اور فریسیوں کے شاگردوں سے باتیں کر رہا تھا۔ (مقابلہ کرو آیت ۱۴ کے ساتھ) پس یہ مُعجزات کفرنحوم میں واقع ہُوئے۔

دیکھو ایک سردار نے آکر اُسے سجدہ کیا۔ اور کہا۔ میری بیٹی ابھی مری ہے۔ لیکن تُو چل کر اپنا ہاتھ اُس پر رکھ۔ تو وُہ زِندہ ہو جائیگی۔

ایک سردار نے آکر اُسے سجدہ کیا۔ لفظ سردار اکیلا صاف مطلب بیان نہیں کرتا۔ کیونکہ اُس سے مُراد سنہڈرم کا ممبر بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ نکودیمس یہُودیوں کا سردار کہلاتا تھا۔ (یُوحنّا ۳: ۱) مگر مرقس

بتاتا ہے کہ وُہ عبادت خانہ کے سرداروں میں سے ایک تھا۔ عبادت خانہ کے سردار عبادت کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ (اعمال ۱۳: ۱۵) اور لوگوں کے سوشل رشتوں اور چال و چلن پر بھی اُن کا اثر پڑتا تھا۔ پس یہ شخص عزّت والا آدمی تھا۔ لُوقا اور مرقس بتاتے ہیں کہ اُس کا نام یائیر تھا۔ اور وُہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ وُہ عبادت خانہ کا سردار تھا۔ اِس میں شک نہیں کہ یہ عبادت خانہ کفرنحوم کا تھا۔ جہاں اُس وقت مسیح موجُود تھا۔ (متّی ۹: ۱)۔ اور غالباً یہ سردار اُن لوگوں میں شامل تھا۔ جو بعد میں صُوبہ دار کی سفارش کے لئے مسیح کے پاس آئے۔ (لُوقا ۷: ۲۳) متّی شائد اِس واسطے اُس کا مفصّل حال نہیں لکھتا۔ کہ وُہ صرف اصل واقعہ کو بیان کرنا چاہتا ہے۔

اُسے سجدہ کیا۔ مرقس اور لُوقا کہتے ہیں۔ کہ وُہ اُس کے قدموں پر گرا۔ یہ گویا حد درجہ کی تعظیم کا اظہار تھا۔ واضح ہو کہ اِس شخص کی تکلیف اُسے مسیح کے پاس لائی۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ ملازم کے بیٹے کے اچھّا ہونے (لُوقا ۴: ۳۱-۴۴) اور مفلوج کے شفا پانے (لُوقا ۵: ۱۲-۲۶) اور صُوبہ دار کے لڑکے کے تندرُست ہونے (لُوقا ۷: ۱-۱۰) کے واقعات نے جو کفرنحوم میں سرزد ہُوئے اُس پر کچھ اثر پیدا نہ کیا۔ مگر اب جبکہ خود ضرُورت میں مُبتلا ہُوا تو اُس نے ان باتوں کو یاد کیا۔ اور دلیر ہو کر مسیح کے پاس آیا۔ اور اُس کے سامنے گرا اور اُسے اپنے دُکھ سے آگاہ کیا۔

میری بیٹی ابھی مری ہے۔ وغیرہ۔ مرقس بیان کرتا ہے۔ کہ اُس نے یہ الفاظ بڑی مِنّت اور حاجت کے ساتھ کہے۔ علاوہ بریں مرقس سے یہ بھی معلُوم ہوتا ہے۔ کہ وُہ لڑکی ایک چھوٹی سی لڑکی تھی جو ابھی مری نہیں تھی بلکہ قریب المرگ تھی اور لُوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ اُس کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اور عمر میں بارہ برس کی تھی۔ ان باتوں کی تفصیل کا ظاہر کرنا لُوقا کے پیشہ طبابت سے مناسبت رکھتا ہے۔ پھر یہ بات بھی غور طلب ہے۔ کہ

اِس بیان میں دو دفعہ بارہ کا عدد مذکور ہُوا ہے۔ یہ لڑکی بارہ برس کی تھی اَور ایک عورت کا خُون بارہ برس سے جاری تھا۔ اگر کسی نے فریب دینے کو یہ معجزہ گھڑا ہوتا تو وُہ اِن دونو مُعجزوں میں اِس عددی مشابہت کو ہرگز نہ رہنے دیتا۔ مرقس کی طرح لُوقا بھی یہی خبر دیتا ہے۔ کہ لڑکی مری نہیں تھی پر مرنے پر تھی۔ (مرقس ۵: ۲۳ + لُوقا ۸: ۴۲) اب متّی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا سردار کہتا ہے۔ کہ لڑکی مرگئی ہے۔ پر مرقس اَور لُوقا سے معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ ابھی نہیں مری تھی۔ بلکہ قریبُ المرگ تھی۔ اَور باقی بیان بھی مرقس اَور لُوقا کی تائید کرتا ہے۔ کیا اِن دونوں بیانوں میں اختلاف نہیں ہے؟ نہیں اِن میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ جس وقت یائیر نے اُسے چھوڑا اُس وقت وُہ قریبُ المرگ تھی۔ اَور وُہ جانتا تھا کہ تھوڑے عرصہ کے بعد کام تمام ہو جائیگا۔ پس جس وقت وُہ مسیح کے ساتھ باتیں کرتا تھا۔ اُسے یہ خیال تھا۔ کہ لڑکی شائد اَب مرگئی ہوگی۔ مگر چُونکہ پُختہ طَور پر نہیں جانتا تھا۔ کہ وُہ مرگئی ہے۔ لہذا کبھی اُسے مُردہ اور کبھی قریبُ المرگ بتاتا ہے۔ اِس معاملہ کو جو عین ہمارے دستور اَور تجربہ کے مطابق ہے۔ اختلاف کہنا بڑے تعجّب کی بات ہے۔ وُہ مضطرب حالت میں تھا۔ اَور بولنے سے پہلے اپنے الفاظ کو میزانِ حقیقت میں تول نہیں سکتا تھا۔

لیکن تُو چل کر اپنا ہاتھ اُس پر رکھ۔ تو وُہ زندہ ہو جائیگی شائد یائیر خیال کرتا تھا۔ کہ یہ ضرُوری امر ہے۔ کہ یسُوع آئے۔ اور لڑکی کے جسم کو چھُوئے۔ جیسا کہ اُسی شہر کے بادشاہ کا ملازم خیال کرتا تھا۔ (یُوحنّا ۴: ۴۷ و ۴۹) لیکن صُوبہ دار زیادہ صحیح خیال کا آدمی تھا۔ (لُوقا ۸: ۸)۔ وہ دُعا ایمان اور بے اعتقادی کا عجیب مرکب ہے۔ وُہ خیال کرتا تھا کہ اُس کا جانا ہی لڑکی کی شفا کے لئے ضرُوری ہے۔ لیکن مسیح راستہ میں دیر لگاتا

ہے۔ جس سے اُس کا فکر اور تردّد اَور بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔

۱۹۔ یسُوع اُٹھ کر اپنے شاگردوں سمیت اُس کے پیچھے ہولیا۔

مرقس اَور لُوقا یہ بتاتے ہیں۔ کہ نہ صرف اُس کے شاگرد بلکہ اَور لوگ بھی اُس کے پیچھے ہولئے۔ تاکہ دیکھیں کہ اُس کے جانے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ اِس موقع پر ایک اَور مُعجزہ سرزد ہُوا یعنی اُس عورت نے شفا پائی جس کے بارہ برس سے خُون جاری تھا۔ لیکن اُس مُعجزہ کا بیان علیحدہ کیا جائیگا۔ کیونکہ وُہ ایک علیحدہ واقعہ ہے گو اُس کا تعلّق ایک طرح اِس سے بھی ہے۔ کیونکہ اُس سے اِس سردار پر ایک عجیب اثر پیدا ہوتا ہے اُس کی لڑکی قریبُ المرگ تھی اور اُس کا ایک ایک دم باپ کے لئے غنیمت تھا پس وُہ چاہتا تھا کہ مسیح جلد جائے اَور اُس لڑکی کو شفا بخشے۔ لیکن وُہ تاخیر کرتا ہے چنانچہ وُہ ٹھہر جاتا ہے اور اپنے شاگردوں سے یہ استفسار کرتا ہے مُجھے کس نے چھُوا اور پھر اُس عورت سے ہم کلام ہوتا ہے۔ پس اِن باتوں کے سبب خاصی دیر لگ جاتی ہے یہ دیر اِس سردار کے ایمان کی آزمائش تھی لیکن وُہ اِس آزمائش میں پُورا اُترتا ہے۔ کیونکہ گو دیر ہو رہی ہے تاہم وُہ صبر کرتا ہے اور مسیح کے وقت کا منتظر کھڑا ہے۔ مرقس اور لُوقا سے معلُوم ہوتا ہے۔ کہ جب مسیح اُس عورت سے کلام کر رہا تھا۔ اُس وقت اُسے لڑکی کے مرجانے کی خبر پہنچی لُوقا بیان کرتا ہے کہ فقط ایک نوکر آیا۔ مرقس سے معلُوم ہوتا ہے کہ کئی لوگ اُس کے پاس یہ خبر لائے۔ اِس بیان میں بھی اختلاف کو جگہ نہیں کیونکہ لُوقا اُس شخص کا ذکر کرتا ہے جو خاص طَور پر پیغام کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا۔ اَور مرقس اُس کے ساتھ اَور لوگوں کو بھی شامل کر دیتا ہے جو آپ ہی آپ اُس خاص نوکر کے ساتھ چلے آئے تھے۔ بُری خبر کے پہنچانے میں لوگ خود بخود شامل ہو جاتے ہیں۔ اُنھوں نے آکر اُس سے کہا۔ تیری بیٹی مر گئی۔

اُستاد کو کیوں تکلیف دیتا ہے"۔ (مرقس ۵: ۳۵ و لُوقا ۸: ۴۹) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وُہ اپنے خاندان کی صلاح اور رضامندی سے آیا تھا۔ (دلینگی) اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ گو وُہ یہ ایمان تو رکھتے تھے کہ مسیح زندگی کے کمزور سے شُعلہ کو بھی زور آور بنا سکتا ہے۔ پر یہ ایمان نہیں رکھتے تھے کہ اُس میں یہ طاقت بھی ہے کہ بُجھی ہُوئی آگ کو پھر روشن اور زندہ کرے۔ پس اب اُن کی اُمید منقطع ہو گئی تھی۔ اور باپ کی اُمّید بھی جاتی رہتی اگر خداوند مسیح ہمّت بخش الفاظ سے اُس کی طرف مخاطب نہ ہوتا۔ اگر اُس کا ایمان بھی جاتا رہتا تو معجزہ وقوع میں نہ آتا کیونکہ ایمان شرط ہے۔ سو مسیح نے اُس کے ایمان کو سنبھالا جب اُس نے یہ تسلّی بخش الفاظ اُس کے سامنے بیان فرمائے "خوف نہ کر۔ صرف اعتقاد رکھ۔ وُہ بچ جائے گی"۔ (لُوقا ۸: ۵۰) اور لکھا ہے۔ کہ اُس نے یہ الفاظ نوکروں کا پیغام سُنتے ہی کہے۔ لُوقا کہتا ہے۔ یسُوع نے سُن کر اُسے جواب دیا۔ کہ خوف نہ کر وغیرہ"۔ صحیح ترجمہ یہ ہے۔ "جُوں ہی یسُوع نے سُنا"۔ کیونکہ یُونانی میں ان الفاظ پر زور ہے مرقس کہتا ہے۔ کہ نوکروں نے جو بات کہی یسُوع نے اُس کی طرف کچھ توجّہ نہ کی۔ (مرقس ۵: ۳۶) مطلب یہ ہے۔ کہ مسیح نے فوراً اُس کے ایمان کو مضبُوط کیا اور اُس کے دِل کو ڈھارس دی ٭

۲۳ و ۲۴۔ اور جب یسُوع سردار کے گھر میں آیا۔ اور بانسلی بجانے والوں کو اور بِھیڑ کو غُل مچاتے دیکھا۔ تو کہا ہٹ جاؤ۔ کیونکہ لڑکی مری نہیں بلکہ سوتی ہے۔ وُہ اُس پر ہنسنے لگے۔

یہ بیان گویا مشرقی مستُورات کی ایک فوٹو ہے۔ مرنے والے کی چارپائی کے ارد گرد اُس کے رشتہ دار اور احباب جمع ہیں۔ اور جُونہی

رُوح بدن سے جُدا ہوتی ہے۔ تُوں ہی آہ و بکا کا شور اور گریہ وزاری کا غُل شروع ہو جاتا ہے۔ اِس اظہارِ غم میں مدد دینے کے لئے بعض بعض عورتیں اُجرت پر بُلائی جاتی ہیں۔ اور بعض صاحبِ توفیق گویّوں کو بھی بُلاتے ہیں جو دِل سوز مرثیہ گاتے ہیں۔ (یرمیاہ ۹: ۱۷ و ۱۶: ۶ + حزقی ایل ۲۴: ۱۷ + عاموس ۵: ۱۶ + ۲۔ تواریخ ۳۵: ۲۵) سیّاحوں نے آج کل بھی اِس قسم کے دستُورات کو مصر اور فلسطین میں مُروّج پایا ہے ٭

پس بانسلی بجانے والے اور غُل مچانے والے وُہ لوگ تھے۔ جو اُجرت لے کر ماتم اور غم کی رسُومات کو ادا کیا کرتے تھے۔ (پنجابی سیاپا اور جاجک اِس کی نظیریں ہیں) اُس نے اُن کو کہا کہ ہٹ جاؤ۔ اوّل اِس لئے کہ اِس موقع پر اُن کی ضرورت نہ تھی۔ وُہ آگے چل کر اِفتّح کا لفظ استعمال کرتا ہے (مرقس ۷: ۳۴) جب اُس نے یہ لفظ کہا تو اُس کی رُوح پھر آئی اور وُہ اُسی دم اُٹھی۔ مرقس میں ہے کہ چلنے پھرنے لگی (مرقس ۵: ۴۲) یسُوع نے حکم دیا کہ اُسے کھانے کو دو (لُوقا ۸: ۵۵) یہ حُکم اِس لئے دیا کہ اُس کی طاقت بڑھے۔ اور کوئی اشتباہ اِس قسم کا نہ رہے کہ وُہ زندہ نہیں ہُوئی۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وُہ رُوح ہے (لُوقا ۲۴: ۴۱۔ یُوحنّا ۲۱: ۵ + اعمال ۱۰: ۴۱) زندگی کا مالک مسیح ہے۔ اور زندگی اُس سے آتی ہے مگر فضل کے وسائل اُس زندگی کو مضبُوط کرتے ہیں۔ لُوقا میں یہ حُکم بھی ہے کہ یہ ماجرا کسی سے بیان نہ کیا جائے ٭

اُس نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُس کا ہاتھ پکڑا۔ مُردہ لاش کو چھُونا۔ کوڑھی کو چھُونے یا خُون والی عورت کو ہاتھ لگانے کی مانند شریعت کی رُو سے اعلےٰ درجہ کی ناپاکی کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ لیکن مسیح بجائے اِس کے کہ اُن کو چھُو کر ناپاک ہو اُن کو پاک کرتا ہے ٭

دیکھو خُون بہتی ہُوئی عورت سے ظاہر ہے۔ قرار طلب کیا گیا۔ مگر

یائر کو تاکید کی گئی کہ کسی سے معجزے کا ذکر نہ کرے۔ پر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس معجزے کا بالکل بیان نہ کیا جائے۔ بلکہ یہ کہ فی الفور ہر کس و ناکس کے سامنے عام طور پر چرچا نہ کیا جائے۔ کیونکہ اگر کیا جاتا تو ان معجزوں کے وسیلے جو علی التواتر وقوع میں آ رہے تھے بڑی تحریک پیدا ہوتی ؂

اس موقع پر اس بات کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مُردوں کو زندہ کرنے کے معجزوں میں خداوند کی قدرت زیادہ ظاہر ہوئی کیونکہ مُردوں کو زندہ کرنا ایسا اظہار قوتِ اعجاز کا ہے کہ اس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں رہتا۔ بیماری اور صحت میں تو ایک قسم کا نیچرل تعلق پایا جاتا ہے یعنی اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بیماری کے بعد صحت آتی ہے۔ اور طوفان کے بعد امن کی حالت نمودار ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ اگر خداوند اپنے معجزے سے طوفان کو بند نہ کرتا تو فطرت خود بخود کچھ عرصہ کے بعد اس کو تھما دیتی۔ لیکن موت اور زندگی نیستی اور ہستی میں کوئی ایسا نیچرل رشتہ نہیں پایا جاتا۔ پس مُردوں میں سے زندہ کرنا ایسا کام تھا جو اور معجزوں کی نسبت زیادہ نیچر کے انتظام سے برتر تھا اور یہی سبب ہے کہ ان معجزوں پر دشمنوں نے زیادہ حملے کئے ہیں ؂

دوسری بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ مُردوں میں سے زندہ کرنے کے سب معجزے ایک ہی قسم کے نہ تھے بلکہ طرح طرح کے تھے۔ اور ان سے مسیح کی قدرت کے مختلف درجے ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً جس وقت یہ معجزہ سرزد ہوا اس وقت روح تن سے ابھی جدا ہوئی تھی۔ جب بیوہ کا لڑکا زندہ کیا گیا اس وقت روح کو بدن سے پرواز کئے زیادہ وقت گزر گیا تھا۔ اور جب لعزر زندہ کیا گیا اس وقت چار دن گزر گئے تھے۔ مسیح موت کے ہر درجہ میں ہم کو جلا سکتا ہے ؂

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ یائر اور بیمار عورت کے ایمان کا مقابلہ بڑا نصیحت خیز سبق ہے۔ یائر بڑی دلیری سے آتا ہے اور بظاہر اس کا ایمان بڑا مضبوط معلوم ہوتا ہے۔ مگر در حقیقت کمزور ہے۔ عورت ڈرتی ہوئی آتی ہے مگر اس کا ایمان بہت مضبوط ہے۔ کلیسیا میں بہت لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں جن کا ایمان یا تو یائر کے ایمان کی مانند یا اس بیمار عورت کے ایمان کی مانند ہوتا ہے ؂

۲۔ ان دونوں معجزوں کا ذکر جو ایک ہی بیان میں منسلک ہے ان معجزوں کی صداقت پر دال ہے۔ کیونکہ کوئی فریبی ان معجزوں کو اس طرح آپس میں نہ ملاتا ؂

۳۔ لعزر کے جلائے جانے کے ساتھ مقابلہ۔ مسیح اس موقعہ پر بھی یعنے لعزر کی بیماری کے وقت بھی مدد پہنچانے میں دیر کرتا ہے۔ دونوں حالتوں میں نیند کو آنے کی مہلت دیتا ہے۔ دونوں حالتوں میں موت کو نیند سے تشبیہ دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی تین انجیلوں کا مسیح یوحنا کی انجیل کے مسیح سے مختلف نہیں ہے ؂

۴۔ غمزدہ ماں باپ کے لئے مسیح سب پناہ گاہوں سے بڑی اور محفوظ پناہ گاہ ہے ؂

۵۔ مسیح ایمان کی کاملیت کو نہیں بلکہ اس کی سچائی کو دیکھتا ہے ؂

۶۔ خوف مت کھا صرف اعتقاد رکھ۔ یہ بات جو اس سے طلب کی جاتی ہے۔ (۱) حیرت انگیز ہے کیونکہ لڑکی مر چکی ہے تاہم مسیح کہتا ہے خوف مت کھا۔ (۲) مگر واجب ہے۔ (۳) ممکن ہے (۴) فائدہ بخش ہے ؂

۷۔ پانچ اور باتیں سیکھتے ہیں۔ (۱) منّت کرنے والا ایمان قبول کیا جاتا ہے۔ (۲) سرگرم ایمان کی آزمائش کی جاتی ہے۔ (۳) کمزور ایمان کی تقویّت کی جاتی ہے۔ (۴) مُحکم ایمان پر کامیابی کا تاج رکھّا جاتا ہے (۵) شُکرگُزار ایمان کامل کیا جاتا ہے۔ اور ان سب برکتوں کا بانی مسیح ہے ⁘

۸۔ سونا مَوت کا نمُونہ ہے۔ (۱) پہلے تکان آتی ہے۔ (۲) پھر آرام آتا ہے۔ (۳) پھر بیداری آتی ہے۔ جس طرح مسیح جسمانی مَوت سے زندہ کرتا ہے اُسی طرح وُہ رُوحانی مَوت سے زندہ اور غفلت کی نیند سے بیدار کرتا ہے ⁘

۹۔ مسیح زِندوں اور مُردوں کا بادشاہ ہے ⁘

۱۰۔ لوگ مسیح اور اُس کے شاگردوں پر ہنسی کرتے ہیں۔ لیکن اُن کی ہنسی مسیحیوں کو اچھّے کاموں سے نہ روکے۔ دیکھو یہاں لوگوں کی ہنسی سے مسیح زندہ کرنے کے اچھّے کام سے نہ رُکا ⁘

۱۱۔ ان مُصیبت زدوں کی حالت سے پولُوس کی تعلیم کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ (رُومیوں ۵: ۳) +

۱۲۔ دیکھو مسیح کی رزّاقی کوئی بات نہیں بھُولتی خواہ وُہ کیسی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو۔ اُس نے اُس لڑکی کو زندہ کرنے کے بعد اِس بات کو بھی یاد رکھّا کہ اُسے کھانے کی ضرُورت ہوگی۔ مسیح نہ صرف بڑے بڑے کام و فرائض ادا کرتا بلکہ چھوٹے کاموں کو بھی نہیں بھُولتا ⁘

۱۳۔ جو رُوحانی زندگی پاتے ہیں اُن کے لئے ضرُور ہے کہ وُہ وُہ غذا کھاتے رہیں جو اُن کی زندگی کو برقرار رکھتی ہے۔ خوراک وُہ فضل کے وسیلے ہیں جو خداوند نے مقرّر کئے ہیں۔ زندگی کا چشمہ اور مُوجد مسیح ہے ہم اُسی سے اپنی زندگی پاتے ہیں۔ پر اُس زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے اُس نے

فضل کے وسائل عطا فرمائے ہیں۔ مثلاً کلام۔ دُعا۔ سکرامنٹ وغیرہ ⁘

۱۴۔ وُہ سردار اپنی بیٹی کے زندہ ہونے کے بعد ایمان لایا۔ اغلب ہے کہ اِس کے بعد اُس نے اپنی زندگی خُدا کے جلال اور بنی آدم کی خدمت میں صرف کی ہو ہمارا کیا حال ہے؟ رُوحانی مَوت سے جینے کے بعد ہم نے اپنی زندگی سے کیا کیا۔ ہماری شفاؤں کے بعد ہماری طرف سے کیا واقع ہُوا ⁘

۱۵۔ مسیح میں سب کے لئے کافی برکتیں ہیں ⁘

۱۶۔ ہمیں صرف زِندگی ہی نہیں بلکہ طاقتور زندگی چاہئے ⁘

بارہ برس کی بیمار عورت کو اچھّا کرنا

متّی ۹: ۲۰-۲۲۔ مرقس ۵: ۲۵-۳۴۔ لُوقا ۸: ۴۳-۴۸۔

ہم نے پچھلے مُعجزہ کے مطالعہ میں دیکھا کہ اِس عورت کا بیان اُن تینوں بیانات میں جو پہلی تین انجیلوں میں پائے جاتے ہیں گُندھا ہُوا ہے۔ مرقس اور لُوقا میں اِس کا بیان مفصّل پایا جاتا ہے۔ اور متّی میں اختصار کے ساتھ۔ مگر تینوں بیانوں کے ملانے سے کُل حال معلوم ہوجاتا ہے جب خُداوند یائر کے یہاں اُس کی لڑکی کو زندہ کرنے جا رہا تھا۔ اُس وقت راستے میں یہ مُعجزہ سرزد ہُوا ⁘

ہم نے دیکھا کہ جب وُہ یائر کے گھر کی طرف روانہ ہُوا تو لوگ یہ دیکھ کر کہ وُہ اُس کی مُردہ یا مرنے والی لڑکی کو اچھا کرنے چلا ہے اُس کے پیچھے ہو لئے اور اُس پر گرے پڑتے تھے۔ اُس وقت ایک عورت نے پیچھے آکر اُس کی پوشاک کا کنارہ چھُوا (متّی ۹: ۲۰)۔

مرقس کہتا ہے پیچھے آکر (۱) شائد اِس لئے کہ وُہ اُس سے ڈرتی تھی (۲) یا اِس لئے کہ بیماری کے سبب اُس سے شرم کھاتی تھی۔ اور یہ خیال دامنگیر تھا کہ اگر ظاہر ہو گئی تو مجُھے شرمندگی اُٹھانی پڑیگی (۳) یا شائد وہ یہ سوچتی تھی کہ میری بیماری اَوروں کو ناپاک کر دے گی اور لوگ مجُھے دیکھ کر جھڑکیں گے اَور غُصّے ہوں گے (احبار ۱۵: ۲۵) مرقس اِس کا اِس طرح بیان کرتا ہے:۔

مرقس ۵: ۲۵و۲۶ پھر ایک عورت جس کے بارہ برس سے خُون جاری تھا۔ اور کئی طبیبوں سے بڑی تکلیف اُٹھا چکی تھی اور اپنا سب مال خرچ کرکے بھی اُسے کچُھ فائدہ نہ ہُوا تھا بلکہ زیادہ بیمار ہو گئی تھی۔

بارہ برس تک اس عورت نے حکیموں کا علاج کیا۔ مگر بجائے فائدہ کے اُس کا مرض اور بڑھتا گیا۔ اور اِس علاج معالجہ میں جو کچُھ اُس کے پاس تھا وُہ سب صرف ہو گیا۔ اور اب غریبی اور افلاس کی حالت میں مُبتلا تھی۔ اُس کا سب مال ضائع ہو گیا۔ مگر مرض کو کچُھ فائدہ نہ ہُوا۔

ایک سرمن سے جو غلطی سے امبروز صاحب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لعزر کی بہن مارتھا تھی۔ ایک اَور کہانی یہ کہتی ہے کہ وُہ ویرونیکا تھی۔ (نکودیمس کی انجیل)، یوسی بی اَس اپنی تاریخ کلیسیا میں پنیل کے دو بُتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک مسیح کا تھا اور دُوسرا

اس عورت کا جو اُس کے پاؤں کے پاس سر بسجُود تھا۔ یہ بُت قیصریہ پنیئس میں تھے۔ اور کہتے ہیں کہ اس عورت نے شُکر گزُاری کی راہ سے کھڑے کئے تھے۔ اَور یہ روایت کہ یہ بُت اِسی واقعہ سے متعلّق ہیں اِس قدر مروّج تھی کہ جولین نے عداوت سے اُن کو گڑوا دیا اور یوسی بی اَس کہتا ہے کہ مَیں نے خود اپنی آنکھوں سے اُن کو دیکھا مگر پھر بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وُہ درحقیقت اسی عورت کے بنائے ہُوئے تھے۔ یا خاص اِسی مطلب کے لئے بنائے گئے تھے۔ (ٹرنچ)

متّی ۹: ۲۱۔ وُہ اپنے جی میں کہتی تھی کہ اگر صرف اُس کی پوشاک ہی چھُولوں گی تو اچھّی ہو جاؤنگی

جیسا ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں مرقس بتاتا ہے کہ یہ عورت یسُوع کا حال سُن کر بھیڑ میں اُس کے پیچھے سے آئی" اور اُس کی پوشاک کو چھُوا۔ اِس عورت کا ایمان غور طلب ہے۔ اُس کا وُہ ایمان جس کی وجہ سے اُس نے اُس کی پوشاک کا کنارہ چھُوا سچّا ایمان تھا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ مسیح نے کہا کہ "تیرے ایمان نے تجُھے اچھّا کیا" (متّی ۹: ۲۲) تاہم اُس کی قُدرت کی شفا بخش تاثیر کی نسبت جو خیال اُس کے دِل میں تھا اُس میں کسی قدر غلطی بھی مشتمل تھی۔ وُہ یہ نہیں جانتی تھی کہ مسیح تو اپنی پاک مرضی کی قُدرت سے صحت اور شفا بخشتا ہے۔ برعکس اِس کے وُہ یہ سوچتی تھی کہ شائد اُس کے جسم میں اَور نیز اُس جگہ جہاں وُہ کھڑا ہوتا ہے۔ کچُھ ایسی جادُو بھری تاثیر پائی جاتی ہے کہ اگر مَیں اُس کا دامن چھُولُوں تو اچھّی ہو جاؤں گی۔ دُوسری بات غور طلب یہ ہے کہ ہم یہ خیال نہ کریں کہ اُس نے اُس کا دامن اِس لئے چھُوا کہ اُس کے بدن کو نہیں چھُو سکتی تھی۔ بلکہ اِس لئے کہ وُہ اُس دامن کو خاص قُدرت کا مصدر تصوّر کرتی تھی۔ یہُودیوں کے دامن میں نیلی مغزی لگی ہُوئی ہوتی تھی اور وُہ خُدا کے خاص حُکم سے لگائی جاتی تھی۔ اَور مقصد اُس کا یہ تھا کہ

یہودیوں کو یاد دلائے کہ وُہ خُدا کے بندے ہیں اور اُس کے احکام کا بجالانا اُن پر فرض ہے (گنتی ۱۵: ۳۷-۴۰ + استثنا ۲۲: ۱۲) اب یہ بات بڑی عزّت کا باعث سمجھی جاتی تھی اور جو لوگ چاہتے تھے کہ دیندار کہلائیں وُہ اُس دامن کو بڑا چوڑا بنایا کرتے تھے۔ (دیکھو فریسیوں کا حال متّی ۲۳: ۵) گو اس عورت کا ایمان ایک طرح ناکامل تھا تاہم سچّا تھا۔ اور اسی لئے وُہ اُس کی مایُوسی کا باعث نہ ہُوا بلکہ اُس کے لئے وُہ برکت لایا جس برکت کی وُہ متلاشی تھی ؎

شفا بخش معجزوں کی یہ خاصیت تھی کہ شفا دینے اور شفا پانے والے میں کسی نہ کسی طرح کا تعلّق یا اتّصال یا ربط پایا جائے خواہ وُہ کیسا ہی خفیف کیوں نہ ہو۔ مثلاً پطرس کا سایہ (اعمال ۵: ۱۵) پولُوس کا رومال (اعمال ۱۹: ۱۲) نیز دیکھو متّی ۱۴: ۳۶- مرقس ۶: ۵۶- لُوقا ۶: ۱۹ ؎

۲۲- یسُوع نے پھر کر...... پس وُہ عورت اُسی گھڑی اچھّی ہو گئی۔

مرقس بتاتا ہے کہ اُس کا خُون فوراً بند ہو گیا اور اُس نے اپنے بدن میں معلوم کیا کہ میں نے اِس آفت سے شفا پائی" جس برکت کی وُہ جو یاں تھی وُہ (۱) اُس کو مل گئی (۲) فوراً مل گئی (۳) کامل طور پر مل گئی (۴) اُس نے جان لیا کہ مجھ کو مل گئی۔ مرقس اِس موقعہ پر یہ خبر دیتا ہے۔ کہ:-

یسُوع نے فی الفور اپنے میں معلُوم کر کے کہ مُجھ میں سے قوّت نکلی۔ اُس بِھیڑ میں پیچھے مُڑ کر کہا کس نے میری پوشاک چھُوئی ؟ (مرقس ۵: ۳۰) بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو خیال یہ عورت اُس کی شفا بخش قُدرت کی نسبت رکھتی تھی وُہ صحیح تھا۔ یعنی یہ کہ بغیر ارادہ اُس میں سے قُدرت نکلتی تھی۔ لیکن ہم یہ نہیں مان سکتے کہ اُس کی قُدرت کا یہ خرُوج اُس کی مرضی کی اجازت کے بغیر واقع ہُوا تھا۔ کیونکہ جیسا اور موقع پر ہُوا ویسا ہی اِس موقع پر بھی ہُوا۔ دُوسرے موقع کے بارہ میں

لکھا ہے کہ لوگ اُس کے چھُونے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ قُدرت اُس سے نِکلتی اور سب کو شِفا بخشتی تھی (لُوقا ۶: ۱۹) مگر اِس موقع سے صاف ظاہر ہے کہ وُہ جانتا تھا کہ قُدرت مجھ سے نکلتی ہے اگر ہم یہ مان لیں کہ قُدرت خود بخود اُس سے نکلتی تھی اور بیماروں کو اچھّا کرتی تھی حالانکہ وُہ اُن کی رُوحانی حالت سے واقف نہ تھا تو ہم اُن اخلاقی مطالب کو کھو دینگے جو سب باتوں سے زیادہ ضروری ہیں ؎

کِس نے میری پوشاک چھُوئی۔ لوگ اِس سوال کو دلیل کے طور پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گویا یہ شفا اُس کے بے جانے وجُود میں آئی۔ اور نیز یہ مطلب نکالتے ہیں کہ وُہ اُس شخص کو جس نے اُس کا دامن چھُوا نہیں جانتا تھا۔ کیونکہ اگر جانتا تو کیوں ایسا سوال کرتا اور اگر جان بُوجھ کر اُس نے یہ سوال کیا تو یہ صداقت کے خلاف تھا۔ اِس کا جواب یہ ہے :-

۱- کہ وُہ جو نتھانی ایل کو اپنی عالم الغیبی سے دیکھ سکتا تھا اور اس بات کا محتاج نہ تھا کہ کوئی اُس کو آدمی کا حال بتائے کیونکہ خود جانتا تھا کہ انسان میں کیا ہے۔ مُمکن نہیں کہ اس عورت اور اُس کے احوال سے ناواقف ہو ؎

۲- اور یہ سوال کہ اگر وُہ جانتا تھا کہ مُجھے کس نے چھُوا تو اُس نے کیوں یہ سوال کیا لاجواب نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اُس نے اِس لئے یہ سوال کیا کہ اُسے ایک عمدہ مطلب مدِ نظر تھا۔ اور وُہ اس عورت کے سارے قصّے سے بخُوبی ظاہر ہوتا ہے۔ اگر اُس کا شفا پانا مخفی رہتا اور وُہ برملا اقرار نہ کرتی کہ اُس نے مسیح کے طفیل سے صحت پائی ہے تو یہ شفا اُس کے لئے اور اُس کی رُوحانی زندگی کے لئے ایسی مفید نہ ہوتی جیسی اَب ہُوئی جبکہ اُس نے برملا اُس کے سامنے کانپتے اور ڈرتے ہُوئے آ کر اور اُس کے پاؤں

پر گر کر اقرار کیا۔ اگر وُہ چُپ رہتی تو یہ باطل خیال لوگوں کے درمیان مروّج ہونا کہ بغیر اُس کے جاننے اور ارادہ کرنے کے خود بخود اُس کے جسم سے شفا دینے والی طاقت برآمد ہوتی ہے۔ بس اُس نے اِس لئے یہ سوال کیا کہ اُس سے اقرار کرائے تاکہ اُس کا باطل خیال دُور اور اُس کا ایمان مضبوط کیا جائے اور شکرگزاری کی رُوح بڑھائی جائے۔

۳۔ پھر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسیح کا ایسا ظاہر کرنا کہ مَیں نہیں جانتا کہ مجھے کِس نے چھُوا حالانکہ وُہ جانتا تھا کہ کِس نے چھُوا ہے صداقت کے خلاف ہے۔ ہماری رائے میں یہ اعتراض بھی وقعت کے لائق نہیں اگر باپ اپنے بچّوں میں سے کسی کو قصور کرتے دیکھ کر چُپ رہے اور بچّے سے پُوچھے کہ یہ کام کس نے کیا ہے اور اُس کی غرض اُس سے یہ ہو کہ اُس کے مُنہ سے قصور کا اقرار کرائے تو کون اس باپ کو یہ کہیگا کہ اُس نے صداقت کے خلاف کام کیا ہے؟ کیا خُدا نے صداقت کے خلاف کام کیا جب اُس نے آدم سے پُوچھا "تو کہاں ہے؟" یا الیشع جھُوٹ بولا جب اُس نے جیحازی سے سوال کیا۔ "اَے جیحازی تُو کہاں سے آیا ہے"؟ (۲ سلاطین ۵: ۲۵)۔ "حالانکہ اُس کا دِل تمام راستے میں اُس کے ساتھ رہا۔" اب اِن دونوں حالتوں میں ایک اخلاقی غرض پائی جاتی تھی۔ جس کے سبب سے یہ سوال کئے گئے تھے اور وُہ یہ کہ جو قصور آدم اور جیحازی کر چکے تھے اگر اُس کا اقرار کیا جاتا اور وُہ پچھتاتے تو اُن کا قصور معاف کیا جاتا۔ مگر اُنھوں نے اِس موقع کو کھو دیا۔ لیکن اس عورت نے جس کا قصور بہت ہی خفیف تھا موقع کو نہ کھویا اُس کو فضل عطا کیا گیا کہ وُہ اس موقعہ کو کام میں لائے۔

(وُہ تمام تفسیریں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اُس عورت کا چھپنا اُس کے ایمان کی خُوبی پر دلالت کرتا ہے اور کہ اُس نے یہ کام اِس واسطے چھپ کر کیا کہ وُہ اپنی تعریف کروانا نہیں چاہتی تھی۔ بے بُنیاد ہیں)

لیکن اِس سوال سے کئی پُرمطلب اور پُرمعنی خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ صرف اُسی نے ایمان کے ہاتھ سے چھُوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت لوگ اُس پر گرے پڑتے تھے اور اُس کے ساتھ مس بھی پیدا کرتے تھے مگر اُن کو کچھ فائدہ نہ ہُوا۔ جسم کا مس وُہ شئے نہیں جس کی ضرورت ہم کو ہے۔ بلکہ ہمارا ایمان وُہ شئے ہے جو ہمیں حقیقی طور پر مسیح سے ملاتا ہے۔ اُسی سے مسیح کی قدرت اور ہماری ضرورت میں ربط پیدا ہوتا ہے۔ کلیسیا میں بھی بہت لوگ اُس پر گرے پڑتے ہیں۔ نام اور رسُوم کے وسیلے اُس کے نزدیک آتے ہیں لیکن یہ اتصال خارجی ہے وُہ ایمان سے نہیں آتے اور اس لئے زندگی اور حقیقی شفا بھی نہیں پاتے ہیں۔

یاد رہے کہ قدرت کا نِکلنا کسی برقی رَو کی مانند نہیں تھا۔ کہ خواہ وُہ چاہتا یا نہ چاہتا یہ قدرت ضرور اُس سے برآمد ہوتی۔ کوئی قدرت اُس سے نہیں نکلتی جب تک وُہ نہیں چاہتا کہ نکلے۔ مگر وُہ ہمیشہ مدد کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور جہاں کہیں اُس کو ایمان اور بھروسہ دکھائی دیتا ہے وہاں مدد کرنے کو تیار رہے اور یہ بات کہ مسیح خداوند سے قدرت نکلتی ہے۔ حیران کرنے والی بات نہیں ہے جس طرح رُوح پاک باپ سے نِکلتی ہے اُسی طرح یہ قدرت مسیح سے برآمد ہوتی ہے۔ (یُوحنّا ۱۵: ۲۶)

مرقس ۵: ۳۱۔ اُس کے شاگردوں نے اُس سے کہا۔ تُو دیکھتا ہے کہ بھیڑ تجھ پر گری پڑتی ہے پھر تُو کہتا ہے کہ مجھے کِس نے چھُوا؟

لُوقا بتاتا ہے کہ جب لوگ انکار کرنے لگے تب پطرس اور اُس کے دیگر ساتھیوں نے یہ بات کہی اور وُہ یہ بھی بتاتا ہے کہ یسُوع نے یہ سُن کر

پھر کہا کہ کسی نے مجھے چھُوا ہے کیونکہ قوّت مجھ سے نکلی ہے۔ پطرس کا یہ جواب عین اُس کی عادت اور طبیعت کے موافق تھا۔ وُہ ابھی تک یہ خیال کرتا ہے کہ شائد کسی نے اتفاقیہ طور پر اُس کو چھُو لیا ہے۔ وُہ ابھی ایمان کے مس کو اتفاقی اور ظاہری مس سے امتیاز نہیں کر سکتا۔ دیکھو ممکن ہے کہ کئی ایسے شاگرد جو ہر وقت مسیح کے ساتھ رہتے ہیں وُہ ظاہری اور باطنی۔ رسمی اور ایمانی مس میں امتیاز نہ کریں ✤

اُس نے چاروں طرف نگاہ کی تاکہ جس نے یہ کام کیا تھا اُسے دیکھے (مرقس ۵: ۳۲) متی اِن تمام باتوں کی نسبت خاموش ہے۔ وُہ صرف اِتنا بتاتا ہے کہ مسیح نے اُس عورت سے جبکہ وُہ ظاہر ہو گئی کیا کہا ✤

وُہ عورت جو کچھ اُس سے ہُوا تھا محسُوس کر کے ڈرتی اور کانپتی ہُوئی آئی اور اُس کے آگے گِر پڑی اور سارا حال سچ سچ اُس سے کہہ دِیا۔ (مرقس ۵: ۳۳) ✤

لُوقا بتاتا ہے کہ جب اُس عورت نے دیکھا کہ مَیں چھپ نہیں سکتی تو اُس نے اقرار کیا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کا انکار جس میں وُہ اَوروں کے ساتھ شریک تھی اُس کو چھپا نہیں سکتا۔ اُس نے محسُوس کیا کہ مَیں اُس کی نگاہ کی برداشت نہیں کر سکتی اور نہ اُس سے بچ سکتی ہُوں کیونکہ مرقس بتاتا ہے۔ کہ اُس نے چاروں طرف نگاہ کی تاکہ جس نے اُسے چھُوا اُسے (ضمیر مؤنث) دیکھے"۔ غالباً اُس کی آنکھ اُس پر جا لگی اور اُس نے معلوم کیا کہ مسیح نے مجھے پہچان لیا ہے اور اب اُس سے چھپنا ناممکن ہے۔ لہٰذا اُس نے ساری سرگذشت کا علانیہ اقرار کیا ✤

دیکھو وُہ کس طرح آتی ہے۔ ڈرتی اور کانپتی ہُوئی اور اُس کے پاؤں پر گر پڑتی ہے اور اُسے بتاتی ہے کہ وُہ کس طرح آئی اور کس طرح

اُس کو چھُوا اور کیونکر شفا پائی۔ ایک دِیندار بزرگ اِس سے عُمدہ مطلب نکالتے ہیں۔ وُہ اُس عجیب طریق کا جس سے خُداوند مسیح دُنیاوی برکتوں سے رُوحانی برکتوں تک پہنچاتا ہے ذکر کرتے ہیں۔ اگر وُہ چھوڑ دی جاتی کہ خُفیہ طور پر چلی جائے تو نیم برکت لے کر جاتی۔ وُہ شرم کے مارے اقرار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر خُداوند اُس کو خاموش رہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ گو اپنی مہربانی اور ہمدردی سے جہاں تک ممکن ہے اُس کو شرمندگی کی کاوش سے بھی بچاتا ہے۔ چُنانچہ وُہ اُس کا حال شفا کے پہلے نہیں بلکہ اُس کے بعد ظاہر ہونے دیتا ہے اور اقرار کے تنگ راستہ میں اُس کی مدد کرتا اور بڑی نرمی سے اُس سے اقرار کراتا ہے پر اس اقرار سے اُسے بالکل بری نہیں کرتا کیونکہ اس پر اُس کا نئی زندگی میں پیدا ہونا مُنحصر تھا ✤

...... بیٹی تیرے ایمان سے تجھے شفا مِلی۔ سلامت جا اور اپنی بیماری سے بچی رہ۔ (مرقس ۵: ۳۴) اور اَب وُہ اُسے اپنی فضل آمیز آواز کے ساتھ رُخصت کرتا ہے۔ چُنانچہ فرماتا ہے۔ تیرے ایمان سے تجھے شفا مِلی۔ سلامت جا۔ اس جگہ ہم پر ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان اور برکتِ مطلُوبہ میں کیا تعلّق ہے۔ مسیح کہتا ہے۔ تیرے ایمان سے تجھے شفا مِلی۔ مگر یاد رہے کہ ایمان اچھّا کرنے والا نہ تھا۔ اچھّا کرنے والا مسیح تھا۔ جیسا ہم کہتے ہیں کہ ہم ایمان سے راست باز ٹھہرتے ہیں۔ حالانکہ راست باز ٹھہرانے والا مسیح اور اُس کا کام ہے۔ پس ایمان وسیلہ ہے۔ وُہ رُوح کا داہنا ہاتھ ہے جو خُدا کی برکتوں کو لیتا ہے ✤

سلامت جا۔ اور اپنی اِس بیماری سے بچی رہ۔ یُونانی میں ہے "سلامتی میں جا اور اپنی آفت سے بچی رہ"۔ اس کا صرف یہی

مطلب نہیں کہ خُدا کی برکتوں کے ساتھ جا۔ بلکہ یہ کہ آگے کو اپنی زندگی سلامتی میں بسر کر۔ سلامتی میں رہا کر ؎

اِس مُعجزے سے علامتی معنی بھی نکالے گئے ہیں۔ مثلاً عورت کی بیماری سے گُناہ کے خُون کا بہنا مُراد لی گئی ہے۔ اور حکیموں سے مُراد فیلسوف اور دُنیا کے دانا لئے گئے ہیں۔ کہ اُن کی ادویات یعنے اُن کے طریقے اور فلسفہ اُس خُون کو جو انسان کے دِل سے جاری ہے بند نہ کر سکے۔ اَور کہ مسیح کے دامن کو چھُونا اُس کے مجسّم ہونے پر ایمان لانا ہے۔ کیونکہ وُہ اپنے تجسّم کے وسیلہ انسان سے مس پیدا کرتا ہے۔ اور اس سے وُہ شفا فوراً پیدا ہوتی ہے جسے اَور تمام ادویات پیدا نہیں کر سکتی ہیں۔ اور اگر ہم اِس بات کو بھی زیرِ نظر رکھّیں کہ کِس طرح اُس کی ناپاکی اُس کو مسیح سے دُور رکھتی تھی۔ تو ہم یہ جان لیں گے کہ اِسی طرح گُنہگار اپنی گُنہگاری کی غلاظت کے سبب ڈرتا ہُوا فضل کے تخت کے نزدیک آتا ہے کیونکہ نہیں جانتا کہ وہاں کیا سلُوک اُس کے ساتھ کیا جائے گا۔ مگر جب وہاں آتا ہے تو قبُول کیا جاتا ہے اور اُس کے شکُوک رفع ہوتے اور تسلّی بخش کلام کے ساتھ اُس کی ہمّت بڑھائی جاتی ہے ؎

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱ ۔ مسیح زیادہ تر ایمان کی کثرت اور زور کی طرف چنداں نگاہ نہیں کرتا۔ وُہ بیشتر اُس کی سچّائی کو دیکھتا ہے ؎

۲ ۔ ایمان کے کرتب (۱) وُہ کیسی جُرأت کرتا ہے۔ اور (۲) کیا کچھ حاصل کرتا ہے ؎

۳ ۔ مسیح ہماری چھپی ہُوئی بیماریوں کا حکیم ہے ؎

۴ ۔ بہت لوگ مسیح کے اِرد گرد موجُود ہیں اور اُس پر گِرے پڑتے ہیں پر جو ایمان سے چھُوتے ہیں بہت تھوڑے ہیں ؎

۵ ۔ چھپا ہُوا ایمان ظاہر ہونا چاہیئے (۱) خُداوند کے جلال کے لئے۔ (۲) اپنے ثبُوت کے لئے۔ (۳) اَوروں کی ہمّت اَور تسلّی کے لئے ؎

۶ ۔ مسیح کے مزاج کی مضبُوطی اَور متانت قابلِ غور ہے (۱) لوگ گِرے پڑتے ہیں اَور وُہ صبر کرتا ہے۔ اُس کے مزاج میں کدُورت نہیں آتی۔ (۲) شاگرد اُس کی بات کاٹتے ہیں۔ تاہم اُس کے مزاج میں فتُور نہیں آتا۔ عورت گھبراتی ہے مگر وُہ اُس کی گھبراہٹ سے خود نہیں گھبراتا۔ (۴) یائر حیران اَور ششدر ہے لیکن اُس کا مُبارک چہرہ کوئی آثار حیرانی کے ظاہر نہیں کرتا ؎

۷ ۔ مسیح دِلوں کا جانچنے والا ہے اور ہم کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے جو اُس سے چھپا رہے +

۸ ۔ خُدا اپنے بندوں کو بعض اوقات شرمندہ ہونے دیتا تاکہ بعد میں اُن کو زیادہ عزّت ملے ؎

۹ ۔ اس عورت کا ایمان (۱) سب معمُولی کوششوں کی ناکامی کے بعد پیدا ہُوا۔ یعنے تجربہ کا ایمان تھا مرقس ۵: ۲۶ (۲) ڈر اور شرمندگی پر غالب آتا ہے۔ (۳) اجنبیوں کے گروہ کو چیر کر نِکل جاتا ہے۔ (۴) فوراً اور ہمیشہ کے لئے شفا پاتا ہے۔ (۵) نجات دہندہ کی قبُولیت سے بہرہ وَر ہوتا ہے۔ (۶) اَور خُوشی اَور شادمانی کے تاج سے آراستہ کیا جاتا ہے ؎

دو اندھوں کی آنکھوں کو بینا کرنا

متیّ ۹ : ۲۷ - ۳۱

اِس مُعجزے میں دو اندھوں کی آنکھوں کو روشن کرنے کا بیان پایا جاتا ہے - اور یہ اپنی قسم کے مُعجزات کے درمیان پہلا مُعجزہ ہے - مسیح نے کئی اندھوں کو بینائی دی (متیّ ۱۲ : ۲۲ و ۲۰ : ۳۰ و ۲۱ : ۱۴ و یُوحنا ۹)۔ پھر اسی قسم کے کئی اَور مُعجزوں کا اشارہ بھی پایا جاتا ہے - ٹرینچ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مشرقی ممالک میں مغربی ممالک کی نسبت یہ بیماری زیادہ پائی جاتی ہے - اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں گرد زیادہ ہوتی ہے اور لوگ رات کو اوس میں سوتے اور اندھیرے گھروں سے چمکتی ہُوئی روشنی میں یک بیک باہر نکل آتے ہیں۔ اور اُن کے سر کا لباس ایسا ہوتا ہے جو اُن کو سُورج کی گرمی سے نہیں بچاتا۔ چُونکہ یہ بیماری مشرق میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اندھوں کے لئے خاص قسم کے قواعد بیان کئے گئے ہیں (احبار ۱۹ : ۱۴ و استثنا ۲۷ : ۱۸)۔

متیّ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا یہ مُعجزہ فوراً یائر کی بیٹی کے زندہ ہونے کے بعد وقُوع میں آیا۔ اَور جیروم صاحب اس کی تائید کرتے ہیں۔ تو بھی ہم اس بات پر بہت زور نہیں دے سکتے - یہ مُعجزہ صرف متیّ میں پایا جاتا ہے۔

۲۷ - جب یسُوع وہاں سے آگے بڑھا تو دو اندھے اُس کے پیچھے یہ پُکارتے ہُوئے چلے کہ اَے ابنِ داؤد ہم پر رحم کر۔ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ مُعجزہ

اُس وقت سرزد ہُوا جبکہ وُہ یائر کے مکان سے نِکلا - یہ اندھے غالباً راستے میں بیٹھے ہوں گے (مقابلہ کرو لُوقا ۱۸ : ۳۵ - ۳۷) جب اُسے آتے دیکھا تو اُس کے پیچھے پیچھے چلے اَور یہ کہہ کر پُکارنے لگے ابنِ داؤد ہم پر رحم کر۔ "ابنِ داؤد" سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ اُسے مسیح سمجھتے تھے - اور اگر یہ پُوچھا جائے کہ جس حال اَور لوگ اُس کو مسیح نہیں جانتے تھے اُنہوں نے کیونکر جان لیا کہ وُہ مسیح موعود ہے - اس کا یہ جواب ہے کہ اِس زمانہ میں کیوں اسی طرح کا فرق پایا جاتا ہے؟ بعض اُس کو مسیح جانتے ہیں اور بعض نہیں جانتے ہیں - پس جیسا اب ہے ویسا ہی اُس وقت بھی تھا "ہم پر رحم کر"۔ یا ہم پر ترس کھا۔ دونو خیال اُن کے الفاظ میں شامل ہیں۔ رحمت سے مراد مہربانی ہے جو خُدا ہم پر بلا استحقاق سابقہ نازل فرماتا ہے اور ترس کھانے سے وُہ اظہارِ ہمدردی مراد ہے جو بعض موقعوں پر ہمارے ابنائے جنس کی دردناک حالت ہم سے طلب کرتی ہے - یہاں شائد دُوسرا خیال زیادہ موزُوں ہے۔

۲۸ - جب وُہ گھر میں پہنچا تو وُہ اندھے اُس کے پاس آئے - اَور یسُوع نے اُن سے کہا - کیا تُم کو اعتقاد ہے کہ میں یہ کرسکتا ہُوں؟ اُنہوں نے اُس سے کہا - ہاں خُداوند۔

ہم دیکھتے ہیں کہ خُداوند نے اُن کی پہلی عرض پر اُن کی درخواست قبُول نہیں کی۔ بلکہ اُن کے ایمان کی آزمائش کُچھ کُچھ اُسی طَور پر کی جس طَور پر کنعانی عورت کی کی - گو ان کی آزمائش اُس درجہ تک شدید نہ تھی اُس نے پہلے اُن کی درخواست کی طرف توجّہ نہ کی - بلکہ اُن کو چلّانے دیا اور آپ آگے آگے چلتا گیا - مگر جب وُہ پُکارتے پُکارتے اُس کے پیچھے اُس گھر میں داخل ہو گئے جہاں وُہ خود داخل ہُوا تو اُن کی صداقت اَور

سرگرمی پُورے طور پر ثابت ہوگئی اور اُس نے اُن کو برکت دی۔ اور اُس دیر سے اُن کے ایمان کو تقویت پہنچی۔ گھر شاید متّی کا (آیت ۲۳) یا پطرس کا (متّی ۸ : ۱۴) یا شاید کسی اَور کا ہوگا جہاں مسیح عموماً رہا کرتا تھا (متّی ۱۳ : ۱ و ۳۶ اَور ۱۷ : ۲۵)۔

کیا تُم کو اعتقاد ہے کہ مَیں یہ کر سکتا ہُوں؟ اِس سُوال سے اُس ایمان کی ترقّی ہُوئی جو اُنہوں نے مانگنے اور پیروی کرنے کے وسیلے ظاہر کیا۔ خُداوند مسیح اُس جگہ جہاں ایمان ہے معجزہ دکھانے کے لئے تیار ہے (مقابلہ کرو آیات ۲ و ۲۲ اَور ۱۳ : ۵۸) تاہم یہ کلّیہ طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اُس نے بغیر ایمان کے کبھی کوئی معجزہ نہیں کیا یا نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ ایسی مثالیں بھی ہیں جہاں ایمان نہ تھا اَور معجزہ واقع ہُوا۔ مثلاً نائن کی بیوہ کا لڑکا زندہ کیا گیا۔ اور ملخس کا کان لگایا گیا۔ امریکن کامنٹری۔

ھاں اَے خُداوند۔ شاید لفظ خُداوند یہاں تعظیم کے لئے استعمال ہُوا ہے۔

۲۹۔ تب اُس نے اُن کی آنکھیں چھُو کر کہا۔ تُمہارے اعتقاد کے موافق تُمہارے لئے ہو۔

غالباً یہی ایک موقعہ ہے جہاں اُس نے اندھوں کی آنکھ کو چھُو کر اچھّا کیا۔ دُوسری جگہ ہم اُس کو وسائل استعمال کرتے دیکھتے ہیں مثلاً مٹّی کو تھُوک سے گُوندھ کر (یُوحنّا ۹ : ۶ و ۷) یا صرف اپنی تھُوک ہی کو کام میں لاتا تھا۔ اُس نے کسی جگہ صرف کہنے سے کسی کی آنکھیں نہیں کھولیں۔ گو ایسا کرنا اُس کے لئے مُشکل نہ تھا۔ ہاتھ سے چھُونا محبّت کا کام تھا۔

تُمہارے اعتقاد کے موافق تُمہارے لئے ہو۔ یہ الفاظ

بھی ہم کو وُہ گہرا رشتہ دکھاتے ہیں جو ایمان اور خُدا کی بخشش میں پایا جاتا ہے۔ ایمان ہر برکت کے حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ ایک جرمن مُصنّف اُسے ڈول سے تشبیہ دیتا ہے۔ جس کے وسیلے خُدا کی رحمت کے دریا سے آبِ حیات نکالا جاتا ہے۔ اور کالون صاحب اُسے ہٹوے سے تشبیہ دیتا ہے جو خود تو گراں قیمت نہیں ہوتا۔ مگر اُس شئے کے سبب سے جو اُس میں پائی جاتی ہے اپنے رکھنے والے کو دولت مند بناتا ہے۔ (ٹرینچ و امریکن کامنٹری)۔

۳۰۔ اور اُن کی آنکھیں کھُل گئیں اَور یسُوع نے اُن کو تاکید کرکے کہا۔ خبردار کوئی اس بات کو نہ جانے۔ ہمیں یہ معلُوم نہیں کہ جسمانی آنکھوں کے ساتھ اُن کی رُوحانی آنکھیں بھی روشن ہُوئیں یا نہیں۔

اور یسُوع نے اُن کو تاکید کرکے کہا۔ خبردار کوئی اس بات کو نہ جانے۔ جس لفظ کا ترجمہ "تاکید کرکے کہا" کیا گیا ہے وُہ عجیب لفظ ہے۔ اُس کے لفظی معنے غرّانے کے ہیں۔ مگر وُہ کئی معنوں میں استعمال ہُوا ہے۔ مثلاً (۱) دھمکیوں سے حُکم دینا (۲) بڑی تاکید سے کسی بات کا حُکم کرنا۔ جیسا یہاں مُراد ہے (۳) غُل مچاتے ہُوئے غصّہ ہونا (مرقس ۱۴ : ۵) (۴) رُوح میں کراہنا جیسا کہ ہمارے خُداوند نے لعزر کی قبر پر کیا (یُوحنّا ۱۱ : ۳۳ و ۳۸) (متّی کیمبرج سیریز) مطلب خُداوند کا یہ ہوگا کہ اگر تُم اس کا ذکر کروگے تو مَیں بہت ناخوش ہُونگا۔ اور اس بات کو خُفیہ رکھنے کا سبب یہ تھا کہ وُہ اُسے یسُوع مسیح کہہ کہہ کر پُکار رہے تھے۔ اَور اس سے لوگوں میں تحریک اَور مخالفت کے پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔ مگر باوجُود اس تاکید کے اُنہوں نے اُس کا حُکم توڑ ڈالا۔

۳۱- مگر اُنہوں نے نکل کر اُس تمام علاقہ میں اُس کی شہرت پھیلا دی۔

بعض اشخاص نے خصوصاً رومن کیتھولک لوگوں نے ان دو شخصوں کی نافرمانی کے لئے عذر پیش کئے ہیں اور کہا ہے کہ ایسا کرنا اُن کے لئے نیچرل تھا۔ اور کہ اُنہوں نے غالباً اس لئے ایسا کیا کہ اُس کی بزرگی اور جلال ظاہر ہو۔ تاہم یہ اُن کا قصور تھا جس طرح ایک سادہ اور بے عذر اور پُر محبت فرمانبرداری اُس کو خوش کرتی ہے اور کوئی بات نہیں کرتی ✣

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱- ہم مرض اور ہم آزار اشخاص کو ہم آواز ہو کر دُعا مانگنی چاہئے۔ یہ دو اندھے مل کر دُعا مانگتے تھے ✣

۲- مسیح ہمارے ایمان کی مضبوطی اور ثابت قدمی کو دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے ✣

۳- مسیح ہر مرض کا حکیم ہے۔ اُس کی قدرت میں کبھی زوال نہیں آتا۔

۴- اندھوں کا بیان ہمارا نمونہ ہے۔ اُن کا ایمان (۱) ضرورت کے احساس سے پیدا ہوا۔ (۲) وہ بے بنیاد نہ تھا بلکہ ایک شخص "ابنِ داؤد" پر تھا۔ جس کی نسبت وہ فیصلہ کر چکے تھے۔ کہ وہ ہماری آنکھوں کو روشن کریگا۔ (۳) وہ ایمان اُس کی قدرت کے کافی اور وافی ہونے کو پہچانتا تھا۔ (۴) اُن کا ایمان اُس کی قوت کو لیتا اور اپنے کام میں لاتا ہے ✣

۵- اُن کی دُعا۔ (۱) سادہ (۲) سرگرم (۳) پُر اصرار (۴) متحد۔ (۵) پُر مطلب (۶) پُر تعظیم تھی ✣

۶- مسیح کا ایک سوال۔ کیا تم اعتقاد رکھتے ہو؟ ہزاروں دُعائیں کی جاتی ہیں۔ کوئی اس بات کی شکایت نہیں کر سکتا کہ ہمارے گرجوں

اور میٹنگوں میں دُعائیں نہیں کی جاتی ہیں۔ شکایت اس بات کی ہے کہ وہ دُعائیں جواب نہیں لاتی ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ یسوع مسیح کے سوال کا سچا جواب نہیں دیا جاتا۔ وہ پوچھتا ہے کیا تم اعتقاد رکھتے ہو؟ کیا ہم اُسے یہ جواب دیتے ہیں کہ اے خداوند ہم اعتقاد رکھتے ہیں ✣

۷- جنہوں نے نئی پیدائش نہیں پائی وہ بھی اندھے ہیں۔ مسیح اُن کو بھی بصارت دے سکتا ہے ✣

۸- ہمارا اعتقاد خدا کی برکتوں کی سمائی کا پیمانہ ہے ✣

۹- اگر مسیح ہمیں خاموش ہونے کو کہے تو ہمیں خاموش رہنا چاہئے اور جب وہ بولنے کو کہے تو بولنا چاہئے۔ کیونکہ اُسے فرمانبرداری پسند ہے "حکم ماننا قربانی سے بہتر ہے" ✣

مفلوج کو شفا بخشنا

متی ۹: ۲-۸ مرقس ۲: ۱-۱۲ لوقا ۵: ۱۷-۲۶

یہ معجزہ اُس وقت واقع ہوا جبکہ خداوند کفرنحوم میں تعلیم دے رہا تھا۔ اس موقعہ پر لوقا ہمیں بتاتا ہے کہ فریسی اور شرع کے معلم جو گلیل کے گاؤں اور یہودیہ اور یروشلیم سے آئے تھے بیٹھے اُس کا کلام سُن رہے تھے۔ ان لوگوں کے سبب اور لوگ بھی کثرت سے جمع ہو گئے تھے یہاں تک کہ گھر کو جو راستے آتے تھے وہ اژدحام کے سبب بند ہو گئے تھے۔ چنانچہ مرقس کہتا ہے کہ "اتنے آدمی جمع ہو گئے کہ دروازہ کے

پاس بھی جگہ نہ رہی"۔ پس مسیح تک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ نہ تھا۔ (متّی ۹ : ۲ ، ۶ و ۷) متّی اس واقعہ کا صرف مختصر سا حال تحریر کرتا ہے۔ لیکن مرقس اور لوقا مفصّل بیان کرتے ہیں ؎

۲۔ اور دیکھو لوگ ایک مفلوج کو چارپائی پر پڑا ہوا اُس کے پاس لائے۔

لوقا یہ بھی بتاتا ہے کہ "خداوند کی قدرت شفا بخشنے کو اُس کے ساتھ تھی"۔ مرقس کہتا ہے کہ "چار آدمیوں سے اُٹھوا کر اُس کے پاس لائے۔ مگر جب وہ بھیڑ کے سبب سے اُس کے نزدیک نہ آسکے تو انہوں نے اُس چھت کو جہاں وہ تھا کھول دیا۔ اور اُسے اُدھیڑ کر اُس چارپائی کو جس پر مفلوج لیٹا تھا لٹکا دیا"۔ لوقا بیان کرتا ہے کہ "جب بھیڑ کے سبب سے اُس کو اندر لے جانے کی راہ نہ پائی تو کوٹھے پر چڑھ کر کھپریل میں سے اُس کو کھٹولے سمیت بیچ میں یسوع کے سامنے اُتار دیا" ؎

اِس بیان میں کئی باتیں غور طلب ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ چارپائی ایسی نہ تھی جیسی ہندوستان میں استعمال کی جاتی ہے۔ پس جسے کھٹولا کہا ہے وہ چیز ایک قسم کا گدّا یا چٹائی تھی جو سونے کے لئے استعمال کی جاتی تھی اور زمین پر بچھائی جاتی تھی۔ (دیکھو تفسیر کیمبرج سیریز) یا ممکن ہے کہ انہوں نے اُس وقت کوئی لکڑی کا تختہ استعمال کیا ہو اور اُس پر اُسے رکھ کر لائے ہوں۔ غرضیکہ یہ چیز جسے انہوں نے نیچے لٹکایا ہندوستانی تخت یا چارپائی کی طرح نہ تھی۔ دوسری بات توجہ طلب یہ ہے کہ انہوں نے کس طرح چھت کو پھاڑا۔ اور اس مفلوج کو لٹکایا۔ اوّل یہ یاد رہے کہ کوٹھے کی چھت پر جانا مشکل نہ تھا کیونکہ ان مکانوں میں عموماً سیڑھیاں باہر کی طرف لگی ہوئی ہوتی تھیں۔ دوئم چھت

اینٹوں کی بنی ہوئی ہوتی تھی اور اُسے اُکھیڑنا مشکل نہ تھا۔ مرقس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِس معاملہ میں دو کام اُن کو کرنے پڑے (۱) اینٹیں اُکھیڑنی پڑیں۔ (۲) کچھ مٹی اُٹھانی پڑی اور اِس قسم کا کام فلسطین میں غیر معمولی نہ تھا۔ ٹامسن صاحب بیان کرتے ہیں کہ اِس قسم کی باتیں یعنے چھت میں چھید کرنا وغیرہ معمولی باتیں ہیں جو ملک فلسطین میں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ اور اگر کوئی پوچھے کہ اگر یہ معمولی سی بات تھی تو یہاں اس کا ذکر کیوں کیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اس کا ذکر اس واسطے نہیں کیا گیا کہ وہ ایک عجیب کام تھا۔ بلکہ اس واسطے کہ اُن لوگوں کی پھرتی اور تیزی ظاہر ہو جو اُن کے ایمان سے پیدا ہوئی تھی۔ بہت مفسّروں کی رائے ہے کہ یہ مکان غالباً بالاخانہ تھا جو عموماً تمام مکان کے رقبہ کی وسعت کے برابر ہوتا تھا۔ (ٹرینچ کیمبرج کامنٹری مرقس و لوقا) پس یہاں لوگ بآسانی اُس کے سُننے کو جمع ہو سکتے تھے۔ کئی اور تشریحیں پیش کی گئی ہیں جن کا ذکر ٹرینچ صاحب اپنی کتاب میں کرتے ہیں۔ (۱) یہ کہ جس جگہ سے وہ لٹکایا گیا وہ ایک جھروکا تھا جسے انہوں نے توڑ پھوڑ کر زیادہ فراخ کر لیا تھا۔ (۲ سلاطین ۱ : ۲) (۲) کہ وہ صحن میں بیٹھا ہوا تھا جس کے اِردگرد مشرقی طرز کے مطابق گھر بنے ہوئے تھے۔ اور جھولے کے مارے ہوئے کو چھت پر سے اُس صحن میں لٹکایا۔ اور جو مکان توڑا گیا وہ صرف "آڑ کی دیوار تھی" جو (استثنا ۲۲ : ۸) کے مطابق یہودیوں کے گھروں کی چھتوں پر بنی ہوئی ہوتی تھی۔ اور بعض کا خیال ہے کہ سائبان لگا ہوا تھا اُسے ہٹا دیا۔ لیکن مرقس کی عبارت ایسی صاف ہے کہ اس قسم کے قیاسوں کی جگہ نہیں رہتی۔ وہاں صاف چھت کو کھولنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ پس پہلی شرح زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے ؎

۲۔ یسُوع نے اُن کا ایمان دیکھ کر مفلُوج سے کہا۔ بیٹا خاطر جمع رکھ۔ تیرے گُناہ مُعاف ہُوئے

اُن کا ایمان۔ اِس میں البتّہ مفلُوج کا ایمان بھی شامل ہے۔ کیونکہ گُناہوں کی مُعافی کے واسطے ایمان کا ہونا لابدی امر ہے۔ اور اگر اُس میں ایمان نہ ہوتا تو وُہ گُناہوں کی مغفرت حاصل نہ کرتا۔ اُن کا وُہ ایمان جس نے مسیح کی توجّہ اپنی طرف کھینچی اِس بات سے ظاہر ہُوا کہ وُہ رُکاوٹوں پر غالب آیا اور مُشکلات سے پست ہمّت نہ ہُوا۔ اور خُداوند جو انسان کی ہر ضرُورت کی طرف دھیان رکھتا ہے اُن کی غیر معمُولی مداخلت سے جو اُس کے کام میں خلل انداز ہُوئی خفا نہیں ہُوا۔ بلکہ اُس مریض سے بڑی التفات اور تلطّف سے متکلّم ہُوا۔ بیٹا خاطر جمع رکھ۔ ان الفاظ سے مریض کی ہمّت بڑھائی گئی۔ اور مسیح کی محبّت اور ہمدردی ظاہر ہُوئی۔ وُہ بھی خُون بہنے والی عورت کی طرح جسے مسیح نے بیٹی کہہ کر پُکارا تھا لےپالک ہونے کے رشتہ میں داخل ہوتا ہے ٭

تیرے گُناہ مُعاف ہُوئے۔ فعل ماضی سے معلُوم ہوتا ہے کہ اُس کو گُناہوں کی مُعافی کی اُمید یا خوشخبری نہیں دی گئی بلکہ اُس کے گُناہ مُعاف کئے گئے۔ بعض نے اُس کو فعل حال مانا ہے جس کے مطابق ترجمہ یہ ہوگا "تیرے گُناہ مُعاف ہو رہے ہیں"۔ یُونانی عبارت کے قرینے سے تاکید لفظ مُعاف ہونے پر ہے۔ اغلب ہے کہ اِس مفلُوج کی بیماری کسی بدعادت سے پیدا ہُوئی ہوگی عیّاشی اور گُناہ آلُود زندگی سے اکثر کئی قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اِس آدمی کے ساتھ اُس شخص کی حالت کا مقابلہ کرنا چاہیئے جس کا ذکر یُوحنّا ۵ باب میں آتا ہے جسے بیت حسدا کے حوض پر مسیح نے اچھّا کیا۔ اُسے خُداوند

نے کہا "دیکھ تُو تندرُست ہو گیا ہے پھر گُناہ نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ تجھ پر اس سے بھی زیادہ آفت آئے"۔ ناممکن نہیں کہ اِس مفلُوج کا دل اُس گُناہ کی یاد میں جس کا نتیجہ اور سزا وُہ اپنی بیماری کو سمجھتا تھا نااُمید اور شکستہ ہو رہا تھا۔ سو مسیح کے الفاظ جو اَوروں کے لئے حیرت کا سبب تھے اُس کے لئے نہایت موزُوں اور تسلّی کا باعث تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بیماری اُس کے کسی خاص گُناہ کا نتیجہ نہ ہو۔ مگر اُس کی مُردہ ضمیر کو زندہ یا بیدار کرنے کا باعث ہُوئی ہو۔ تنبیہ۔ گو بعض گُناہوں کے ارتکاب سے مُہلک بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ تاہم ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تمام بیماریاں اور نقصان گُناہوں کی سزا ہوتے ہیں مسیح نے ہمیں اِس راز سے آگاہ کر دیا۔ (یُوحنّا ۹: ۳ و لُوقا ۱۳: ۲۰) ٭

ٹرنچ صاحب کا خیال ہے کہ وُہ اس وقت اپنے گُناہ کو سوچ رہا تھا۔ اور ضرور اُس کے بُشرے سے اُس کی شکستہ دِلی کے آثار ہویدا ہوں گے۔ یا کوئی دُودِ فغاں سے بھرا ہُوا گرم نالہ اُس کے تائب دِل سے برآمد ہُوا ہوگا۔ جس کے سبب سے یہ الفاظ مسیح کی زبان حقائق ترجمان سے نکلے۔ وُہ اِس امر کی طرف بھی ہمیں متوجّہ کرتے ہیں کہ دیگر مریضوں کی حالتوں میں مُعافی کا اظہار شفا کے بعد ہُوا ہے جیسا کہ بیت حسدا کے بیمار کو اچھّا کرنے کی حالت میں دیکھا جاتا ہے مگر یہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ گُناہ کی بخشش کا یقین پہلے دلایا جاتا اور اُس کے بعد اُس کو بیماری سے صحت عطا کی جاتی ہے۔ اور اِس کا سبب وُہ یہ بتاتے ہیں۔ کہ اُس کی بیماری اور گُناہ میں ایسا گہرا تعلّق تھا کہ اگر پہلے مغفرت کی تسلّی بخش آواز اُس کے کان میں نہ آتی تو وُہ جسمانی صحت کی برکت کو قبُول نہ کرسکتا ٭

۳۔ اور دیکھو بعض فقیہوں نے اپنے دِل میں کہا

یہ کفر بکتا ہے۔ فقیہہ وہ لوگ تھے جنہیں لوقا شرع کے معلم کہتا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں۔ وہ جگہ جگہ سے یہاں حاضر ہوئے تھے۔ پس یہاں نکتہ چینیوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ اور اُن میں سے ان شرع کے معلموں نے خداوند کے یہ الفاظ سن کر اپنے دل میں فتوئی کفر لگانا شروع کیا۔ لوقا اور مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوچتے تھے کہ سوائے خدا کے اور کوئی گناہ معاف نہیں کرسکتا ÷

یونانی میں جو لفظ کفر کے لئے آیا ہے اُس کے معنے کسی سے بے ادبی سے بولنے یا ضرر رسانی کی نیت سے کسی کی بابت کچھ کہنے یا کسی کی بدنامی کرنے کے ہیں۔ جیسا رومی ۳: ۸ - ۱ پطرس ۴: ۴ اور طیطس ۳: ۲ میں آیا ہے۔ مگر بعد میں جو کچھ خدا کی شان کے خلاف کہا جاتا تھا وہ کفر کہلاتا تھا۔ یہاں یہ فقیہہ اس واسطے اُس پر کفر کا الزام لگاتے ہیں۔ کہ وہ اُس قدرت اور اختیار کا دعوےٰ کرتا ہے جو خدا کے ساتھ خاص ہے۔ گناہ کو معاف کرنا خدا کا حق ہے۔ انسان گناہ معاف نہیں کرسکتا کیونکہ انسان کا گناہ نہیں کیا جاتا ہے۔ گناہ خدا کا کیا جاتا ہے۔ ٹرینچ صاحب کا یہ خیال نہایت درست ہے کہ جس اصول پر انہوں نے یہ فتوےٰ لگایا وہ بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ کوئی انسان گناہوں کی معافی کا بغیر کفر میں مبتلا ہوئے دعوےٰ نہیں کرسکتا مگر اُن کی غلطی اِس بات میں تھی کہ وہ اِس اصول کو اُس پر چسپاں کرتے ہیں جو اِس فتوے کے لائق نہ تھا۔ اگرچہ وہ اس وقت اپنے تئیں ابنِ آدم کہتا ہے۔ مگر یہ ابنِ آدم وہی ہے جو اپنے تئیں خدا کا بیٹا بھی کہتا ہے۔ اگر مسیح انسان سے بڑھ کر نہ تھا۔ اگر اُس میں الوہیت نہ تھی تو وہ کسی طرح اِس فتوئی سے بچ نہیں سکتا۔ جواب اکثر یہ دیا جاتا ہے کہ وہ اُس اختیار کا دعوےٰ کرتا ہے جو اُسے دیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ اُسی اختیار کے موافق

گناہوں کو معاف کرتا تھا۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ اختیار ایسا ہے جو خدا کے ساتھ خاص ہے اور انسان کو نہیں دیا جاسکتا۔ انسان زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اَے شخص مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ تجھے خبر دوں کہ تیرے گناہ خدا نے معاف کردئے ہیں۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ تیرے گناہ معاف کرنے کا مجھے اختیار ہے ایک مفسّر کہتا ہے کہ وہ جس نے یہ کلمات استعمال کئے اگر باپ کا اِکلوتا بیٹا نہ تھا۔ یعنی خدائیت کے تمام حقوق میں اُس کا شریک نہ تھا۔ تو اُس نے ضرور کفر بکا جیسا کہ اُن لوگوں نے اُس کے کلام کی نسبت خیال کیا ÷

۴۔ یسوع نے اُن کے خیال معلوم کرکے کہا کہ
تم کیوں اپنے دلوں میں بُرے خیال لاتے ہو۔

لفظی ترجمہ ہے۔ اُن کے خیال دیکھ کر کہا۔ مفلوج اور اُس کے مددگاروں کا ایمان اُن کے کاموں سے دیکھا گیا۔ مگر جن خیالات نے ابھی لفظی لباس پہن کر اپنے تئیں ظاہر نہ کیا تھا اُن کے جاننے کے لئے انسانی علم سے زیادہ علم کی ضرورت تھی۔ (لوقا ۶: ۸ و ۹: ۴۷ - مرقس ۱۲: ۱۵ یوحنا ۲: ۲۴ و ۴: ۲۹) مرقس بتاتا ہے۔ کہ "فوراً مسیح نے اپنی روح سے معلوم کرکے کہ وہ اپنے دلوں میں ایسا سوچتے ہیں۔ اُن سے کہا۔ تم کیوں اپنے دلوں میں ایسا سوچتے ہو"۔ اپنی روح سے معلوم کرکے یہ الفاظ ضرورت کے بغیر داخل نہیں کئے گئے۔ اُس کا علم یہاں روح سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اُس نے اُن کے خیالات اُن پر ظاہر کئے۔ اور ایسا کرکے پہلے اُن کو یہ جتایا کہ جو کچھ تم مجھے سمجھتے ہو میں اُس سے بڑھ کر ہوں۔ کیونکہ دل کے خیالات میرے سامنے کھلے اور روشن ہیں۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی یاد دلایا کہ فقط خدا ہی دلوں

کو جانچتا ہے (۱سموئیل ۱۶: ۷ + ۱۔تواریخ ۲۸: ۹ + ۲۔تواریخ ۶: ۱۳ - یرمیاہ ۱۷: ۱۰) پس وُہ جس کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے وُہ دِل کے خیالوں اور ارادوں کو جانتا ہے۔ (عبرانی ۴: ۱۲) کیونکہ وُہ الٰہی کلمہ ہے۔

خُداوند اُنہیں کہتا ہے "تُم کیوں اپنے دِلوں میں بُرے خیال لاتے ہو" ان لفظوں سے بخوبی ظاہر ہے کہ اُس پر کُفر کا الزام لگانا بجائے خود کُفر بکنا ہے۔ نیز ان الفاظ سے ایک قسم کی شکایت ٹپکتی ہے۔ یا یُوں کہیں کہ وُہ یہ شکایت کرتا ہے کہ تُم جو مُجھ پر خُدائی دعوے کے سبب کُفر گوئی کا الزام لگاتے ہو بُرا کرتے ہو۔

۵۔ آسان کیا ہے یہ کہنا کہ تیرے گُناہ مُعاف ہُوئے یا یہ کہنا کہ اُٹھ اور چل پھر۔

ہر کوئی بآسانی کہہ سکتا ہے "تیرے گُناہ مُعاف ہُوئے"۔ مگر اِس بات کا ثبُوت نہیں دے سکتا کہ مَیں ایسا کرنے کی قُدرت بھی رکھتا ہُوں۔ کیونکہ کوئی شخص اپنے کلام کی قُدرت سے کسی مفلوج کو اُٹھنے اور پھرنے کی طاقت نہیں دے سکتا۔ گُناہوں کا مُعاف کرنا بڑا مُشکل کام ہے۔ مگر چُونکہ اس کا ثبُوت اِس دُنیا میں نہیں بلکہ آسمان میں ملیگا۔ اِس لئے جو چاہے سو گُناہوں کے مُعاف کرنے کا دعوےٰ کر سکتا ہے۔ مگر فالج کو دُور کرنا ایسا کام ہے جس کا ثبُوت اِسی دُنیا میں طلب کیا جاتا ہے۔ اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا "اُٹھ اور چل پھر"۔ جب تک کہ چلنے اور پھرنے کی طاقت دینے پر قادر نہ ہو۔ پس خُداوند کا مطلب یہ ہے کہ جو کُچھ مَیں اِس مفلوج کے اُٹھنے اور چلنے اور پھرنے کے بارے میں کہتا ہُوں تُم اُس کی سچّائی دیکھ کر یہ نتیجہ نکالو کہ جو مفلوج کو شفا دینے کی قُدرت رکھتا ہے وُہ اپنے دعوے کے مطابق گُناہوں کے مُعاف کرنے کی بھی قُدرت رکھتا ہے۔ مقابلہ گُناہ مُعاف کرنے اور

مفلُوج کو شفا دینے میں نہیں ہے۔ مقابلہ دعوے میں ہے یعنی کیا مُعاف کرنے کا دعوےٰ کرنا آسان ہے یا مفلُوج کو شفا دینے کا دعوےٰ کرنا۔ (ٹرنچ اور کیمبرج سیریز تفسیر مرقس) آج کل لوگ اکثر کہا کرتے ہیں کہ مسیح لوگوں کو قائل کرنے کے لئے مُعجزوں پر تکیہ نہیں کیا کرتا تھا۔ لیکن یہاں وُہ بڑی وضاحت سے اپنے مُعجزوں کی طرف اشارہ کرتا اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مُعجزات اُس کی تعلیم کی صداقت کو قائم کرنے کے وسائل ہیں۔

۶۔ لیکن اِس لئے کہ تُم جان لو کہ ابنِ آدم کو زمین پر گُناہ مُعاف کرنے کا اختیار ہے (اُس نے اُس مفلُوج سے کہا) اُٹھ کر اپنی چارپائی اُٹھا اور اپنے گھر چلا جا۔

اِبنِ آدم۔ اِس لفظ کا اطلاق عام طور پر ہر انسان پر ہو سکتا ہے (ایُّوب ۲۵: ۶) اور ایک خاص معنیٰ میں پُرانے عہد میں ۹۰ مرتبہ حزقی ایل کے حق میں کہا گیا ہے۔ لیکن اُس نے خود کبھی اُس کو اپنے حق میں استعمال نہیں کیا۔ نئے عہد نامہ میں اِس لفظ کو ۸۰ مرتبہ سے زیادہ مسیح نے استعمال کیا ہے۔ اور ہر مرتبہ اس نام کو اپنے اُوپر چسپاں کیا ہے۔ سوائے اُن مقامات کے کہ جن میں اُس کی سرفرازی کا ذکر آتا ہے (اعمال ۷: ۵۶۔ مکاشفات ۱: ۱۳ و ۱۴: ۱۴) مسیح کا یہ خاص لقب دانی ایل ۷: ۱۳ سے لیا گیا ہے۔ وہاں "یہ لفظ انسان کی پستی پر دلالت کرتا ہے"۔ اور نتیجہ اِس سے یہ نکلتا ہے کہ خُداوند اِس لفظ کو اِس لئے استعمال کرتا ہے کہ اس سے یہ صداقت ظاہر ہو کہ چُونکہ اُس نے ہمارا جسم اختیار کیا ہے اِس لئے خُدا نے اُس کو بہت ہی سرفراز کیا (فلپی ۲: ۵ - ۱۱) (کیمبرج سیریز تفسیر لُوقا)۔ جب تک خُداوند دُنیا میں رہا اُس نے

اور کوئی لقب اِس کثرت اور خوشی سے استعمال نہ کیا جیسا یہ لقب۔
وُہ محدُود معنی میں کسی آدمی کا بیٹا نہ تھا۔ بلکہ عام اور وسیع معنی میں
ابنِ آدم تھا۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ جو ازل سے خُدا کا بیٹا
تھا اس دُنیا میں ابنِ آدم بن کر آیا۔ یعنے دُوسرا آدم۔ ہماری نوع کا
دُوسرا سر اور ہماری انسانیّت کا سرتاج۔ (کیمبرج مرقس کی تفسیر)

زمین پر گناہ مُعاف کرنے کا اختیار ہے۔ اگر اس کو
زمین پر گناہ مُعاف کرنے کا اختیار ہے تو لازمی نتیجہ اِس دعوے کا یہ
ہے کہ آسمان پر بھی گناہ مُعاف کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ وہی اختیار
اپنے ساتھ زمین پر لایا۔ کیونکہ اگر آسمان پر گناہ مُعاف کرنے کی طاقت
نہیں رکھتا تو زمین پر مُعاف کرنے کی طاقت رکھنا عبث ہے۔

اِس جگہ ایک بات تنقیح طلب ہے۔ اور وُہ یہ کہ یسُوع مسیح
اِس جگہ وُہ طاقت اپنی طرف منسُوب کرتا ہے جو خُدا کے ساتھ خاص
ہے۔ یعنی گُناہوں کو مُعاف کرنے کی طاقت۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہم
یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خطاب ایسا استعمال کرتا ہے جو انسانیّت پر دلالت
کرتا ہے۔ یعنی اپنے تئیں ابنِ آدم کہتا ہے۔ اِس سبب سے بعضوں
کو یہ دِقت پیش آئی ہے کہ یہاں اُس کی اُلوہیّت کی کوئی دلیل نہیں
مِلتی۔ مگر یہ مُشکل اُسی وقت مُشکل سمجھی جائیگی جب یہ ثابت کیا جائیگا
کہ وُہ جو ابنِ آدم اور ابنِ اللہ دو نو نام رکھتا ہے یہ اختیار نہیں رکھتا
ہے کہ جس نام کو چاہے اُسے استعمال کرے۔ اور نہ شائد یہ ہی دکھایا
جا سکتا ہے کہ وُہ ہمیشہ اُن ناموں کے استعمال کرنے میں یہ بات
مدِّ نظر رکھتا تھا کہ جب اُلوہیّت کا کوئی کام کیا کرتا تھا تو اُس وقت
اپنے تئیں ابنِ اللہ کہا کرتا تھا۔ اور جب انسانیّت کے کام کرتا
تھا تو اُس وقت ابنِ آدم کہا کرتا تھا۔ ہماری رائے میں پُرانے بزرگوں

کا یہ حل واجب التسلیم ہے کہ وُہ جس میں دونوں ذاتیں پائی جاتی ہیں یہ
اختیار رکھتا ہے کہ اگر چاہے تو نام ایک ذات کو ظاہر کرنیوالا استعمال
کرے اور کام دُوسری ذات سے علاقہ رکھنے والا کرے۔ یُوحنّا ۵: ۲۲
آیت میں خُداوند فرماتا ہے "کیونکہ باپ کسی کی عدالت بھی نہیں
کرتا۔ بلکہ اُس نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپُرد کیا ہے"۔ اگر
اِن الفاظ کو آیت ۲۵ سے مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ خُداوند اپنے
تئیں خُدا کا بیٹا کہتا ہے۔ پس اِس لئے کہ وُہ خُدا کا بیٹا ہے جلانے
اور عدالت کرنے کا کام جو صرف خُدا کے بیٹے کا کام ہے آیت ۲۷ میں
انسان کے بیٹے کے ساتھ منسُوب کیا گیا ہے "بلکہ اُسے عدالت کرنے
کا بھی اختیار بخشا اِس لئے کہ وُہ آدم زاد (ابن آدم) ہے"۔ جس طرح
ابنِ اللہ کو عدالت کرنے کا اختیار دیا گیا ہے کہ وُہ ابنِ آدم ہے۔ اِسی طرح
ابنِ اللہ کو زمین پر اختیار ہے کہ گناہ مُعاف کرے کیونکہ وُہ ابنِ آدم ہے۔

۷۔ وُہ اُٹھ کر اپنے گھر چلا گیا۔ جب اُس نے ملائمت اور
محبّت کے ساتھ اُس کو یہ حُکم دیا ہوگا کہ اپنا کھٹولا اُٹھا کر چلا جا اُس
وقت لوگوں کے دِلوں میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہُوئے ہونگے۔
کئی اُمّید رکھتے ہوں گے اور کئی نا اُمّید ہوں گے۔ لیکن جب وُہ
اپنا بستر اُٹھا کر چل پڑا ہوگا اُس وقت کیسا خیال اُن کے دل میں
پیدا ہُوا ہوگا۔ فقیہہ شرمندہ ہُوئے ہوں گے۔ مگر مفلُوج خُدا کا
جلال ظاہر کرتا اور تعریف کے گیت گاتا ہُوا چلا گیا (لُوقا ۵: ۲۵)۔
تینوں انجیلیں اُس کے کھٹولا اُٹھانے کا ذِکر کرتی ہیں۔ اسواسطے
کہ اُس کی پہلی ناتوانی اور نئی طاقت کا فرق نظر آئے۔ جس چیز نے
پہلے اُسے اُٹھا رکھا تھا اب وُہ اُسے اُٹھائے ہُوئے ہے۔ پہلے جو شے
اُس کی بیماری کا نشان اور ثبوت تھی وُہی اب اُس کی صحت اور

طاقت کا ثبُوت ہے ؛

۸ - لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے - اور خُدا کی تمجید کرنے لگے جس نے آدمیوں کو ایسا اختیار بخشا

مرقس اور لُوقا بیان کرتے ہیں کہ "وُہ سب حیران ہو گئے" مرقس بتاتا ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ "ہم نے ایسا کبھی نہیں دیکھا۔" اور لُوقا "آج ہم نے عجیب باتیں دیکھیں" ؛

یہ حیرت جو اُن پر چھا گئی وُہ وُہی بے آرامی تھی جو گنہگاروں کے دل میں جاگ اُٹھتی ہے جب کہ کوئی بات یا اور کوئی واقعہ اُن کو خُدا کی حضُوری کے قریب کھینچ لاتا ہے - لیکن یہ خوف جلد تعریف میں تبدیل ہو گیا اور وُہ خُدا کی بڑائی کرنے لگے جس نے آدمیوں کو ایسا اختیار بخشا چُونکہ وُہ مسیح کو آدمی سمجھتے تھے اس لئے یہ اُن کے لئے دُرست تھا کہ وُہ خُدا کی بڑائی کرتے - اور غالباً اُنہوں نے اُس اختیار اور قُدرت کو مسیح کا نہیں سمجھا بلکہ یہی خیال کیا کہ خُدا ایسی طاقت آدمیوں کو بخشتا ہے فریسیوں پر جو اثر ہُوا اُس کا بیان نہیں پایا جاتا - غالباً اِس لئے کہ اُن پر نیک اثر نہ ہُوا - مگر عام لوگوں پر جو سچّائی کے قبُول کرنے میں ایسے سخت دل نہ تھے نیک اثر ہُوا - چنانچہ اُنہوں نے خُدا کا جلال اور بڑائی ظاہر کی ؛

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱ - پانچ باتیں غور طلب ہیں (۱) بیمار کی حالت - (۲) لوگوں کا ایمان - (۳) مسیح کے ہاتھ سے اُس کا شفا پانا - (۴) فقیہوں کا تعصّب - (۵) بھیڑ کی تعریف -

۲ - مفلُوج اور اُس کے دوست - (۱) بیمار کی حالت - بیماری نے

اُس کو کام اور زندگی کے لُطف سے محرُوم کر دیا تھا - (۲) لوگ جو اُس کو لائے - (الف) مسیح کی قُدرت اور رضامندی کے قائل تھے - (ب) مُشکلات پر غالب آنے والے تھے - (ج) اُنہوں نے وُہ ہمدردی اور محبّت ظاہر کی جو ایمان سے پَیدا ہوتی ہے - مسیح پر سچّا ایمان لانا ہمیشہ ارد گرد کے تباہ ہوتے ہُوئے گُناہگاروں سے ہمدردی پَیدا کرتا ہے ؛

۳ - مسیح کے پاس آنا - (۱) ایک نئے رشتہ میں شامل ہوتا ہے "بیٹا" (۲) ہمّت بخش الفاظ سُنتا ہے "خاطر جمع رکھ"۔ (۳) گُناہوں کی مُعافی پاتا ہے - "تیرے گُناہ مُعاف ہُوئے" ؛

(۴) مسیح کی اُلوہیت دو باتوں سے ثابت ہے - (۱) فقیہوں کے دِلوں کے حال جاننے سے - (۲) گُناہ مُعاف کرنے سے ؛

۵ - تعصّب بُری شَے ہے - وُہ قُوّتِ فیصلہ کو خراب کرتا - اور جذبات کو بگاڑتا ہے - یہی تعصّب یہودی قوم کی آخری بربادی کا باعث تھا۔

۶ - مسیح نے یہاں ایک طرح گُناہ اور دُکھ کا تعلّق ظاہر کیا ہے - مگر وُہ ہمیشہ ایسا نہیں کرتا - دیکھو لُوقا ۱۳: ۵ و یُوحنّا ۹: ۳ - یہاں وُہ بات جو ظاہر پر نظر کرنے والوں کو نا معلوم تھی اُسے معلوم ہو گئی جو دِلوں کو جانچنے والا ہے - یہُودی دُکھ اور گُناہ کو مترادف سمجھتے تھے - اگرچہ ہر دُکھ کو گُناہ کی سزا سمجھنا صحیح نہیں - تاہم یہ غلطی اتنی بُری نہیں جتنی وُہ بے پروائی جو محض کام کے عیسائیوں میں پائی جاتی ہے جو کبھی اپنے گُناہ آلُود کاموں میں خُدا کی سزا کا ہاتھ نہیں دیکھتے ؛

۷ - یہ مفلُوج شمعُون کی نبوّت کا ثبُوت ہے - لُوقا ۲: ۳۴) ایک قسم کے لوگوں کے لئے مسیح اُمّید کی چٹان ہے - اور دُوسری قسم کے لوگوں کے لئے ٹھوکر کھلانے والا پتّھر ؛

۸- مسیح کے پاس آنے کا راستہ کبھی بند نہیں ہوتا ✣

۹- دوستی کا اور کوئی کام اِس سے بڑھ کر نہیں کہ ہم اپنے دوستوں کو جو بیمار ہیں مسیح کے پاس لائیں ✣

۱۰- مسیح (۱) دِلوں کا جانچنے والا - (۲) بیماروں کا حکیم - (۳) ہمیشہ کی زندگی کا مالک ہے ✣

۱۱- گُناہ کی مُعافی - اس کی تین منزلیں ہیں - (۱) جب انسان اُس کی تلاش کرتا ہے - (۲) جب وُہ یہ مانتا یا ایمان لاتا ہے کہ مسیح یہ برکت دینے والا ہے - (۳) جبکہ وُہ اُسے پاتا ہے ✣

۱۲- بیماری اکثر برکت کا باعث ہوتی ہے - (۱) کیونکہ وُہ ہم پر ہماری حالت ظاہر کرتی ہے - (۲) اُس کے وسیلے رُوحوں کے حکیم کا عِلم حاصل ہوتا ہے - (۳) مسیحی برکت کو استعمال کرنے کا عِلم حاصل ہوتا ہے - (۴) خُداوند کی تعریف کرنے کا علم حاصل ہوتا ہے ✣

۱۳- "ہم نے آج عجیب باتیں دیکھی ہیں"۔ کیا ہم اُس کی عجیب باتوں کو دیکھ کر صرف اظہارِ خیال پر اکتفا کرتے ہیں - یا دُوسرا قدم یعنی حمد اور تعریف کا بھی اُٹھاتے ہیں ✣

۱۴- ہمارے خُداوند کے تمام مُعجزات کے لئے یہ مُعجزہ ایک کلید ہے کیونکہ یہاں اعضا کا شفا پانا صاف صاف دل کے شفا پانے پر قائم ہے ✣

۱۵- ایمان نئی برکتوں کا مُوجد ہے - ایمان نئی ہمّت کا سرچشمہ ہے - دیکھو اس کے دوست کس طرح اور کس جُرأت کے ساتھ آئے ✣

۱۶- مسیح جب کسی کلیسیا یا کِسی گھر میں آتا ہے - تو وہاں وُہ چھپا نہیں رہ سکتا ✣

۱۷- مسیح کی عالم الغیبی - (۱) تسلّی کا سرچشمہ ہے - (۲) پر اسی طرح ہیبت کا

چشمہ بھی ہے ✣

۱۸- گُناہ کی مُعافی کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ انسان اپنی جسمانی تکلیف کی نسبت اپنے گُناہوں کے لئے زیادہ فکرمند ہو جاتا ہے

۱۹- نئی پیدائش بھی مُعجزہ ہے - اور ضرور ہے کہ اُس کی تاثیر بھی زندگی میں نمایاں ہو ✣

۲۰- (۱) مسیح کے خیال میں اندرونی مُعجزہ مُشکل تھا کیونکہ وُہ بیرونی کی گویا ایک شرط تھا - مگر فقیہوں کے نزدیک آسان تھا - (۲) اُن کے نزدیک وُہ مُشکل تھا جو بیرونی تھا - (۳) دونوں مُشکل تھے کیونکہ دونو انسان کے لئے ناممکن تھے ✣

۲۱- (۱) سب عیسائیوں کا فرض ہے کہ بیماروں کی خبرداری کریں ✣
(۲) " " " " " کہ اَوروں کو مسیح کے پاس لائیں

۲۲- مسیح کے پاس آؤ خواہ دروازے سے آؤ خواہ چھت پر سے آؤ ✣

۲۳- سفارشی دُعا کو بھی دیکھو

۲۴- اگر شفا پانے کے ساتھ خُدا سے میل پانے کا یقین بھی دِل میں پیدا ہو تو یہ واقعی ہمارے لئے بڑی برکت ہے ✣

۲۵- دُوسروں کی برکتیں ہمارے حسد کا مُوجب نہ ہوں بلکہ خُدا کی تعریف کا باعث ٹھہریں ✣

ایک کوڑھی کو پاک صاف کرنا

متی ۸: ۱-۴ و مرقس ۱: ۴۰-۴۵ و لوقا ۵: ۱۲-۱۴

۱- جب وُہ اُس پہاڑ سے اُترا تو بہت سی بھیڑ اُس کے پیچھے ہولی ؛-

ٹرنچ صاحب کے مطابق یہ مُعجزہ پہاڑی وعظ کے بعد سرزد ہُوا لیکن بعض مُفسروں کے خیال میں مرقس اور لُوقا کی عبارتوں کے قرینے سے ایسا معلوم ہوتا ہے (گو پُختہ طور پر نہیں کہہ سکتے) کہ یہ مُعجزہ پہاڑی وعظ سے پہلے واقع ہُوا۔ پہلی رائے زیادہ قابل تسلیم معلوم ہوتی ہے کیونکہ اُس کے مطابق ظاہر ہوتا ہے کہ اُس نے اپنی تعلیم کی صحت اور صداقت کو اُن مُعجزوں کے وسیلے ثابت کیا جو اُس نے پہاڑی وعظ کے بعد کر دکھائے۔ لُوقا ہم کو بتاتا ہے کہ یہ مُعجزہ ایک شہر میں ہُوا جو غالباً گلیل کا کوئی شہر تھا ؛

۲- اور دیکھو ایک کوڑھی نے پاس آ کر اُسے سجدہ کیا اور کہا اَے خُداوند اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے ۔

ایک کوڑھی نے ۔ اِس بیماری کی نسبت غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ کئی باتیں توجّہ طلب ہیں :-

۱- ایک مُصنّف بیان کرتا ہے کہ یہ بیماری مصریوں اور اسرائیلیوں میں عام تھی۔ مصر کی آب و ہوا اِس بیماری کے حق میں مُضر تھی۔ اور ممکن ہے سٹریبو اور ٹیسٹیس کے گمان کے مطابق اسرائیلیوں کے اجسام میں

جو مصر میں بہت دن رہے تھے اِس بیماری کی رغبت پیدا ہو گئی ہو ؛

۲- کوڑھ مختلف اقسام کے ہوتے ہیں ۔ اور جو قسم بنی اسرائیل کے درمیان پائی جاتی تھی وُہ سفید رنگ کی ہوتی تھی۔ اور وُہ ایک چھوٹے سے داغ یا آماس سے شروع ہوتی تھی۔ وُہ پہلے جلد سے ذرا نیچے دکھائی دیتی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد بال سفید ہونے اور داغ پھیلنے اور کچّا چمڑہ دکھائی دینے لگ جاتا تھا۔ شدید بعض حالتوں میں جا بجا بلکہ تمام جسم پر کھریا مٹی کی سی سفیدی نمودار ہو جاتی تھی۔ اور بعض حالتوں میں بال اور ناخن گر جاتے تھے بلکہ دماغی قوتوں میں بھی فرق آ جاتا تھا اور بدبُودار پیپ بالوں پر جمع ہو جاتی اور ناک سے بہ نکلتی تھی۔ پر یہ ضروری بات نہیں کہ یہ تمام علامتیں اُس کوڑھ میں پائی جاتی ہوں جس کا ذکر بائبل میں آتا ہے ؛

۳- گو کئی پُشتوں تک یہ بیماری پیچھا کرتی تھی تاہم یہ ثابت نہیں کہ وُہ متعدی بیماری تھی۔ (ٹرنچ) لیس کوڑھیوں کے دُور رہنے کے متعلق جو ہدایتیں پائی جاتی ہیں۔ اور اُن کا خود ناپاک ناپاک کہہ کر پُکارنا اِس سبب سے نہ تھا کہ اَوروں کو اُن کی بیماری لگ جانے کا خطرہ تھا۔ بلکہ اِس سبب سے کہ وُہ ناپاک ہو جاتے تھے۔ جس طرح مُردہ بدن یا دیگر ممنوعہ اشیاء کے چھُونے سے ناپاک ہو جاتے تھے۔ کوڑھ گویا ایک زندہ مَوت تھی جو کوڑھیوں کے ننگے سروں پھٹے ہُوئے اور ڈھنپے ہُوئے لبوں سے ظاہر ہوتی تھی۔ (دیکھو احبار ۱۳ و ۱۴ ابواب)

۴- یہ بیماری گُناہ کی بدی کی علامت تھی۔ لوگ اُس کے چھُونے سے ناپاک ہو جاتے تھے۔ بعض نے اِس پر یہ بحث کی ہے کہ اُن کو چھُونے کی ممانعت صرف سینیٹری یعنے حفظانِ صحت کے اصُول پر کی گئی تھی اور نہ کہ اِس لئے کہ یہ بیماری گُناہ کی بُرائی اور بدی کی علامت تھی۔ وُہ خیال

کرتے تھے کہ یہ بیماری متعدّی تھی ⁘

اِس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ وُہ متعدّی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ کیونکہ جہاں مُوسیٰ کی شریعت رائج نہ تھی وہاں کوڑھیوں سے اس قسم کی جُدائی اختیار نہیں کی جاتی تھی جیسی کہ بنی اسرائیل میں کی جاتی تھی۔ مثلاً نعمان آرامی فوجوں پر حُکمران تھا۔ (۲ سلاطین ۵: ۱) ⁘

اور پھر اُن جگھوں میں بھی جہاں مُوسوی شریعت کا عمل درآمد تھا یہ قوانین پردیسی اور مُسافروں پر چسپاں نہیں کئے جاتے تھے۔ اگر یہ بیماری متعدّی سمجھی جاتی تو اُن کو اِن قیُود سے آزاد کرنا اُن کے اور بنی اسرائیل دونوں کے لئے غیر مفید ہوتا ماسوائے اس کے کاہنوں کو چھُونا اور امتحان کرنا پڑتا تھا۔ اگر یہ مرض متعدّی سمجھا جاتا تو اُن کو چھُونے کی کیوں اجازت دی جاتی۔ اور پھر رسمی ناپاکی جو اِس کے چھُونے سے پیدا ہوتی تھی اُس کے سب رسُوم ایسے تھے جیسے مَوت کے۔ پھر بیماری جب سارے بدن میں پھیل جاتی تھی تو مجزُوم صاف سمجھا جاتا تھا (احبار ۱۳: ۱۲-۱۷) ⁘

۵۔ یہ بیماری لاعلاج تھی۔ انسان کی حکمت کی ادویات سے اچھّی نہیں ہوتی تھی۔ مگر کبھی کبھی کسی شخص میں یا اُس کی اولاد میں خود بخود جاتی رہتی تھی ⁘

اِن ساری باتوں سے بخُوبی روشن ہے کہ کوڑھ علامتی طور پر گُناہ کی ناپاکی اور گھنونا پن کو ظاہر کرتا تھا۔ اور اس بیماری سے بڑھ کر اور کوئی بیماری گُناہ کی عمدہ علامت نہیں ہو سکتی تھی ⁘

سجدہ کیا۔ اِس سے ہم یہ دعوےٰ نہیں کر سکتے کہ اُس نے اُسے خُدا سمجھ کر سجدہ کیا۔ بلکہ یہ کہ وُہ آداب بجالایا اور بڑی عاجزی اور تعظیم سے اُس کو سلام کیا۔ تینوں انجیلوں کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے

کہ اُس نے کیا کیا۔ بڑی سرگرمی سے منّت کرتا ہُوا آیا۔ گھٹنوں پر گِرا سجدہ کیا۔ اور پھر مُنہ کے بل گِر پڑا ⁘

اَور کہا اَے خُداوند۔ سپچواجنٹ میں لفظ خُداوند یہُوواہ کے لئے استعمال ہُوا ہے۔ اَور خطُوط میں یہ لفظ مسیح کے لئے آیا ہے جہاں اِس کے وسیلے اُس کی اُلوہیّت کا اقرار کیا جاتا ہے۔ لیکن یُونانی میں تعظیم کے لئے آتا ہے۔ اَور مساوی ہمارے جناب یا صاحب کے ہوتا ہے۔ (متی ۱۳: ۲۷: ۲۱: ۳۰ و ۲۷: ۶۳) مگر جو بزُرگی اِس لفظ کے استعمال سے متکلم کی طرف سے مخاطب کو دی جاتی تھی وُہ عبارت کے تعلّق اَور قرینے سے ثابت ہو جاتی تھی ⁘

اگر تُو چاہے تو مُجھے پاک صاف کر سکتا ہے۔ اُس نے یہ نہیں کہا کہ اگر تُو کر سکتا ہے تو مُجھے پاک صاف کر۔ اُسے اُس کی قُدرت پر شک نہیں تھا۔ اُس کو خیال اُس کی رضامندی کا تھا۔ وُہ اُسی طرح دُعا کرتا ہے جس طرح اُن برکتوں کے لئے کرنی چاہئے جن کے لئے کوئی صاف وعدہ خُدا کے کلام میں نہیں پایا جاتا۔ مگر ہم اکثر رُوحانی برکتوں کے لئے بھی یہی کہا کرتے ہیں۔ اگر تیری مرضی ہو حالانکہ اُن کی نسبت اُس کی رضامندی پر کسی طرح کا شک نہیں ⁘

پاک صاف کر سکتا ہے۔ وُہ نہیں کہتا کہ اگر تُو چاہے تو مُجھے شفا دے سکتا ہے۔ وُہ پاک و صاف کرنے کو شفا سمجھتا ہے۔ کیونکہ اُس کی بیماری غلاظت اور ناپاکی کی صُورت رکھتی تھی۔ اور اُس نے اُس کو رسمی شریعت کی رُو سے ناپاک بنا دیا تھا۔ اُس شخص کا ایمان مضبُوط تھا۔

۳۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے چھُوا اور کہا مَیں چاہتا ہُوں تُو پاک صاف ہو جا۔ وُہ فوراً کوڑھ سے پاک صاف ہو گیا۔

خُداوند نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اُسے چھُوا۔ اِس سے دیکھنے والے متعجّب ہُوئے ہوں گے۔ کیونکہ کوڑھی کو چھُونا گویا رسمی ناپاکی میں گرفتار ہونا تھا۔ مگر مسیح جب چھُوتا ہے تو وُہ ہماری ناپاکیوں میں گرفتار نہیں ہوتا بلکہ اپنی پاکیزگی سے ہم کو پاک کرتا ہے۔ اِس فعل سے البتہ رسمی شریعت کی حرف شکنی ہُوئی۔ مگر اُس کی رُوح نہیں ٹُوٹی (احبار ۱۳: ۴۶ و گنتی ۵: ۲) لوگوں کو کوڑھیوں کی مس کی ناپاکی سے بچانے کے لئے یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وُہ اُنہیں جب تک اُن کی بیماری آخری درجہ تک نہ پہنچے علیٰحدہ رکھیں۔ اُس وقت تک کوڑھیوں میں اور مُردوں میں کچھ فرق نہ تھا۔ اور جب وُہ پبلک میں آتے تھے تو ناپاک ناپاک پُکارتے ہُوئے آتے تھے۔ مگر یسُوع کے حق میں یہ بات اَور معنی رکھتی تھی۔ وُہ شریعت کا خُداوند ہے۔ شریعت کا بنانے والا ہے۔ اَور وُہ اُس الٰہی اور ازلی رحمت کے قانُون کی پیروی کرتا ہے جو لکھی ہُوئی شریعت کی نسبت بزرگ تر اور قدیم تر قانُون ہے۔ اسی طرح ایلیاہ اور الیشع مُردوں کے چھُونے سے پرہیز نہیں کرتے۔ (۱- سلاطین ۱۷: ۲۱ و ۲- سلاطین ۴: ۳۴)۔

اُس کا کوڑھی کو چھُونا اور ناپاک نہ ہونا اِس بات کی علامت ہے کہ وُہ ہماری انسانیّت کو اپنے اُوپر لے کر ناپاک نہیں ہوتا ہے (کیمبرج لُوقا)۔

مَیں چاہتا ہوں کہ تُو پاک صاف ہو جا۔ یہ الفاظ وُہی ہیں جو اُس کی درخواست میں شامل تھے۔ اُس کی دُعا کا جواب اُس کی درخواست میں داخل تھا۔ قبُول ہونے والی دُعائیں اِس قسم کی ہوتی ہیں اُن میں وُہی باتیں مانگی جاتی ہیں جو باپ کی مرضی کے مطابق ہوتی ہیں اَور جو وُہ ہم کو دینے کے لئے خوش ہے۔ پُرانے عہد میں اور نئے میں بھی مسیح

کو چھوڑ کر باقی سب ہمیشہ مُعجزے کی قُدرت اور جلال کو خُدا سے منسُوب کرتے ہیں۔ مگر مسیح اکیلا اِس قسم کی عبارت استعمال کرتا ہے "مَیں چاہتا ہُوں تُو پاک صاف ہو جا"۔ "مَیں حُکم دیتا ہُوں" کہ تُو اس میں سے نِکل آ"۔ "مَیں تجھے کہتا ہُوں۔ اُٹھ"۔ ان معاملات پر بہت بحث ہُوئی ہے کہ آیا وہ جنہوں نے جسمانی شفا پائی۔ رُوحانی برکتوں سے بھی بہرہ ور ہُوئے یا نہیں؟ کئی لوگوں کی نسبت یہ بات صاف ہے کہ اُنہوں نے رُوح کی شفا نہیں پائی۔ لیکن کئی ایک نے جسمانی شفا کے وسیلے اُس کی مُعافی بخش قُدرت کو بھی دیکھا اور گُناہوں کی مغفرت سے مالامال ہُوئے۔ لیکن اِس کوڑھی کی نسبت ہم فیصلہ نہیں کر سکتے کہ آیا اُس نے رُوحانی نعمت پائی یا نہ پائی۔ اور یہ نُکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شرُوع میں ہمارا خُداوند خُوشی سے ایمان کی دُعاؤں کے جواب میں جلد جلد مُعجزے دکھایا کرتا تھا۔ لیکن جب لوگوں نے ایمان چھوڑ دیا تو ایمان کی کمی کے سبب سے اُس کے پچھلے مُعجزات دیر دیر میں ہونے لگے۔ (مرقس ۶: ۵) (متّی ۱۳: ۵۸) لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وُہ اِس کوڑھی کی دُعا کے سُننے میں ذرا دیر نہیں کرتا۔ جب گُنہگار دِل سے چلّاتا ہے تو جواب فوراً آتا ہے "مَیں چاہتا ہُوں کہ تیرے گُناہ دُور کئے جائیں"۔ (۲- سیموایل ۱۲: ۱۳ کیمبرج لُوقا)۔

۱۴- یسُوع نے اُس سے کہا خبردار کسی سے نہ کہنا بلکہ جا کر اپنے تئیں کاہن کو دِکھا اور جو نذر مُوسیٰ نے مقرّر کی ہے اُسے گذران تاکہ اُن کے لئے گواہی ہو۔

خبردار کسی سے نہ کہنا۔ مقابلہ کرو مرقس کے الفاظ کے ساتھ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑے تشدّد کے ساتھ اُس کو تاکید کی گئی اس پر دیکھو کیمبرج مرقس کی تفسیر)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح اس جگہ اس

کوڑھی کو منع کرتا ہے کہ وُہ اِس کی خبر کسی کو نہ دے۔ اِس ممانعت کا کیا سبب ہے؟

۱۔ اِس لئے کہ وُہ یروشلیم میں جا کر اپنے تئیں دکھلانے میں دیر نہ کرے کیونکہ وُہ چاہتا ہے کہ قبل اس کے کہ کاہن مُعجزے کا حال سُنیں۔ وُہ شخص اُن کے پاس جائے کیونکہ اگر دیر کرتا تو ممکن تھا کہ وُہ حسد کے مارے اُس کے پاک ہونے کا انکار کرتے اور کہتے کہ وُہ اچھا نہیں ہُوا ۔

۲۔ شائد اِس لئے کہ اُس شخص کا ذاتی نقصان نہ ہو۔ یعنے لوگوں کو اُس معجزے پر بہت سا چرچا اور طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرتے دیکھ کر اُس کی باطنی شکر گذاری میں کسی طرح کا فرق نہ آجائے ۔

۳۔ متّی ہم کو بتاتا ہے (متّی ۱۲: ۱۵-۲۱ مقابلہ کرو ساتھ فلپّی ۲: ۶-۷ اور عبرانی ۵: ۵ اور یُوحنّا ۸: ۳۶ کے) کہ یسعیاہ نبی کی نبوّت کے مطابق (دیکھو یسعیاہ ۴۲: ۲) اُس کی خدمت ہر طرح کے شور و غوغا سے آزاد ہونی چاہئے تھی ۔

۴۔ وُہ صرف اسی لئے نہیں آیا تھا کہ حکیم بنے یا اچنبے کرنے والا سمجھا جائے۔ بلکہ وُہ رُوحوں کو اپنے مکاشفے اور اپنے نمُونہ اور اپنی مَوت کے وسیلے بچانے کو آیا تھا۔ (کیمبرج سیریز لُوقا)، مگر خطرہ تھا کہ اُس کے مُعجزات کی خبر سُن کر لوگوں میں ایک طرح کا اشتعال پیدا ہو۔ اور وُہ خیال کریں کہ وُہ اُن کے خیالات کے مطابق اپنی بادشاہی قائم کرنے پر ہے (یُوحنّا ۶: ۱۴) اور یہ بھی ممکن تھا کہ وُہ ان باتوں کے سبب سے یہُودی سرداروں اور رُومی حکّام کو مخالفت پر برانگیختہ کرتے اور اُس کی تعلیم کی آزادی میں مخلّ ہوتے۔ اور ہم دیکھتے ہیں (مرقس ۱: ۴۵ بمقابلہ لُوقا ۵: ۱۵) کہ اس کوڑھی نے اُس کے حُکم کو نظر انداز کر کے یہ نتیجہ واقعی پیدا کر دیا مرقس ۵: ۱۹ اور لُوقا ۸: ۳۹

ہیں جو احکام پائے جاتے ہیں وُہ قاعدہ کُلّیہ کو ثابت کرتے ہیں کیونکہ وُہ خاص حالتوں پر دلالت کرتے ہیں۔ پس اگر ہم ان جگھوں میں یہ پڑھتے ہیں کہ مسیح خود شہرت کا حُکم دیتا ہے۔ تو اس کا سبب یہ ہے کہ جھیل کے جنوب مغرب میں یہ خطرہ نہ تھا کہ لوگ اُسے جبراً بادشاہ بنائیں۔ بلکہ وہاں اَور قسم کی غلطیاں اُس کی نسبت رائج تھیں جن کا سدھارنا اور اصلاح کرنا ضروری تھا ۔

جاکر اپنے تئیں کاہن کو دکھا۔ زور "دکھا" پر ہے۔ کیونکہ کاہن کے پاس فقط صحت کی خبر بھیجنا کافی نہ تھا۔ "دیکھنے" کے سوائے اَور کوئی بات کاہن کو قائل نہیں کر سکتی تھی۔ اِس بات کے علم کے لئے کہ کاہن کس طرح کوڑھیوں کے پاک صاف ہونے کا اعلان کیا کرتے تھے احبار باب ۱۴ پڑھنا چاہیئے ۔

اَور جو نذر مُوسیٰ نے مُقرّر کی ہے۔ احبار ۱۴: ۴-۱۰ میں اِس کا ذکر آتا ہے۔ اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کیا خرچ اس موقع پر اُٹھانا پڑتا تھا ۔

تاکہ اُن کے لئے گواہی ہو۔ لوگوں پر نہ کہ کاہنوں پر۔ کیونکہ اُنہیں تو نذر گذراننے سے پہلے ہی ماننا پڑتا تھا۔ کہ آدمی پاک صاف ہو گیا ہے۔ لیکن لوگوں پر قُربانی دینے کے بعد یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ فلاں شخص جو پہلے کوڑھی تھا اَب پاک صاف ہو گیا ہے۔ پس اِس شخص کا قُربانی چڑھانا لوگوں کے لئے اِس کی صحت کی گواہی تھا۔ ماسوائے اس کے مُوسوی شریعت کی پابندی بھی ضروری تھی۔ کیونکہ مسیح کے مخالف اب اُسے اس قصُور سے متہم کرنے لگ گئے تھے۔ ٹرنچ صاحب بیان کرتے ہیں کہ شائد یہ مقصد بھی ہو گا کہ یہ گواہی بھی اُن کو ملزم ٹھہرائے یعنے اُن کی بے ایمانی پر بھی گواہی دے کہ وُہ مُعجزے دیکھتے ہیں اور پھر ایمان نہیں لاتے ۔

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ چار سوال پُوچھنے کے قابل ہیں۔ (۱) کیا مسیح ہم کو بچا سکتا ہے (۲) کیا مسیح ہم کو بچانا چاہتا ہے۔ (۳) کیا ہم کو بچنے کی ضرورت ہے۔ (۴) اور کیا ہم بچنا چاہتے ہیں۔ شک اگر ہے تو پچھلے سوال پر ہے ÷

۲۔ جو کچھ مسیح نے تمہارے لئے کیا ہے اُس کی منادی شور مچا کر دیا نہ کرو۔ جو لازمی امر ہے سو یہ ہے کہ اُسے خُدا کے حُکموں کے مطابق چل کر ثابت کرو۔ یہ ازحد ضروری ہے ÷

۳۔ کوڑھ۔ (۱) کوڑھی زندہ ہوتا تھا مگر مُردہ کی مانند سمجھا جاتا تھا کیونکہ اُس کی بیماری کا نتیجہ مَوت تھا۔ اُس کا مرض زندگی کے تمام میٹھے چشمے کو زہریلا بناتا تھا۔ وُہ جسم کو رفتہ رفتہ گلا دیتا تھا حتّٰی کہ ایک ایک عضو یکے بعد دیگرے گرنے لگ جاتا تھا۔ ہارڈن اُس کا نقشہ خُوب کھینچتا ہے (دیکھو گنتی ۱۲:۱۲) (۲) یہ بیماری لاعلاج تھی۔ یعنے آدمی اُس کا علاج نہیں کر سکتا تھا۔ (۳) داؤد گُناہ کی بیماری کو کوڑھ کی مانند سمجھتا ہے۔ کیونکہ جب وُہ کہتا ہے کہ مجھے زُوفا سے دھو اور مَیں پاک ہو جاؤں گا (زبور ۵۱:۷) تو وُہ خارجی سے باطنی کی طرف دیکھتا ہے۔ یعنے سچّے لہُو کی طرف جو چھڑکا جاتا ہے دیکھتا ہے۔ پس وُہ یہاں اپنے تئیں رُوحانی کوڑھی تصوّر کرتا ہے۔ وُہ ایسا خیال کرتا ہے کہ اُس کا گُناہ (جب کہ وُہ اُس گُناہ میں زندگی بسر کرتا تھا) مَوت تک پہنچانے والا گُناہ تھا۔ اور محسُوس کرتا ہے کہ مَیں خُدا سے پرلے درجہ کی جُدائی رکھتا ہُوں۔ لہٰذا اِس بات کی ضرورت ہے کہ کامل طور پر خُدا کے نزدیک لایا جاؤں۔ (ٹرینچ) (۴) بعض حالتوں میں

لگ جانے والی بیماری تھی۔ (۵) دُکھ پیدا کرنے والی بیماری تھی ÷

۴۔ مسیح کی مسیحائی کا سب سے بڑا نشان یہ تھا کہ وُہ کوڑھیوں کو پاک صاف کرتا تھا۔ (متّی ۱۱:۵)

۵۔ اُس کوڑھی کی دُعا سچّی دُعا کا نمُونہ ہے سچّی دُعا (۱) فروتن ایمان سے مانگی جاتی۔ (۲) اور جواب کو خُداوند کی مرضی پر چھوڑتی ہے ÷

۶۔ دیکھو گنہگار اور مسیح کا باہمی تعلّق کیا ہے۔ اور کیا ہونا چاہیئے۔ گُناہگار مسیح کے پاس (۱) لاعلاج بیماری کے ساتھ آتا ہے۔ (۲) سرگرم منّت کے ساتھ آتا ہے۔ (۳) روشن ہُوئے ایمان کے ساتھ آتا ہے۔ مسیح اس کو (۱) زور آور بازُو کے ساتھ ملتا ہے۔ (۲) رحم سے بھرے ہُوئے دِل کے ساتھ مِلتا ہے۔ (۳) ایک تاکیدی حُکم کے ساتھ مِلتا ہے۔ خواہ وُہ حُکم بولنے کا ہو یا خاموشی کا ہو ÷

۷۔ گواہی کے لئے بعض اوقات خاموشی ایسی ہی ضروری ہوتی ہے جیسا بولنا ضروری ہوتا ہے۔ دُعا اور کلام دونوں لازمی امر ہیں۔

۸۔ کلام میں خُدا کے برگزیدوں کے لئے بلاہٹ ہے (۱) اپنے تئیں دکھانے کی اور (۲) شُکر کی قربانیاں چڑھانے کی ÷

۹۔ دیکھو مسیح دکھانے پر بہ نسبت بولنے کے زیادہ زور دیتا ہے۔ مسیحی زندگی کا اظہار مسیحی زندگی کی جان ہے۔ پہلے یہ ہو اور پھر بولنا سیکھے گا۔ منادو تمہارا کیا حال ہے؟

۱۰۔ حُکم ماننا قربانی چڑھانے سے بہتر ہے ÷

صُوبہ دار کے خادم کو اچھّا کرنا

متّی ۸:۵-۱۳ و لُوقا ۷:۱-۱۰

ہم اُوپر بتا چُکے ہیں کہ یہ مُعجزہ وہی مُعجزہ نہیں ہے جو یُوحنّا کی انجیل (یُوحنّا ۴:۴۳) میں پایا جاتا ہے۔ اور ہم نے وُہ فرق بھی بتا دیا ہے جس کے سبب سے اِن دونوں واقعات کو جُدا جُدا مُعجزہ سمجھنا چاہئے۔ اِس مُعجزہ کو متّی اور لُوقا دو انجیل نویسوں نے رقم کیا ہے۔ مگر اُن کے بیان میں تطبیق کی ضرُورت معلوم ہوتی ہے متّی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا وُہ خود آیا۔ مگر لُوقا کے بیان سے برعکس اس کے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ خُود نہیں آیا بلکہ اُس نے اور لوگوں کو اُس کے پاس بھیجا۔ واضح ہو کہ لُوقا کا بیان زیادہ مفصّل اور باترتیب ہے۔ مگر متّی کا بیان بہت مختصر سا ہے۔ اَور اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ اُس اُصُول کو کام میں لاتا ہے جس کی رُو سے ہم اُس کام کو جو اَوروں سے کرواتے ہیں اپنا کِیا ہُوا سمجھتے ہیں۔ یہ اصُول تاریخی بیانوں میں جائز مانا جاتا ہے مثلاً جو کُچھ سپاہ کرتی ہے وُہ بادشاہ کا کِیا ہُوا سمجھا جاتا ہے۔ اور ہماری روزمرّہ زندگی کے تعلّقات میں بھی اِس اصُول کے مطابق کارروائی کی جاتی ہے۔ ایک اَور مثال مرقس ۱۰:۳۵ میں بمقابلہ متّی ۲۰:۲ موجُود ہے۔ پھر یُوحنّا ۳:۲۲ میں ہے کہ یسُوع نے بپتسمہ دیا۔ مگر یُوحنّا ۴:۱ میں اس کی یہ شرح پائی جاتی ہے کہ مسیح کے شاگردوں نے بپتسمہ دیا۔ یُوحنّا ۱۹:۱ میں ہے کہ پیلاطس نے اُس کے کوڑے

لگائے حالانکہ اُس نے اپنے ہاتھ سے یہ کام نہیں کا کیا تھا۔ پھر مقابلہ کرو۔ متّی ۱۴:۱۰ مرقس ۶:۲۷ سے ❖

۵۔ اور جب وُہ کفرنحُوم میں داخل ہُوا۔ یہ مُعجزہ پہاڑی وعظ کے بعد واقع ہُوا۔ لُوقا ۷:۱۔ خُداوند اس وقت کفرنحُوم میں رہا کرتا تھا۔ اور یہ مُعجزہ اُس وقت سرزد ہُوا۔ جبکہ وُہ باہر سے کفرنحُوم میں داخل ہو رہا تھا ❖

تو ایک صُوبہ دار اُس کے پاس آیا اور اُس کی مِنّت کرکے کہا :۔

صُوبہ دار۔ یہ خطاب اُن افسروں کا تھا جو رُومی فوج کے سَو سَو سپاہیوں پر حکُومت کیا کرتے تھے یہ عہدہ انگریزی کپتان کے عہُدے کی نسبت زیادہ ذمّہ داری اور فضیلت کا عہُدہ تھا۔ معلوم نہیں یہ صُوبہ دار ہیرودِاس اَنتپاس کا جو گلیل کا تترارک (چوتھائی ملک کا حاکم) تھا۔ یا اُس کا تعلّق اُس رُومی فوج کے ساتھ تھا جو کفرنحُوم میں مقیم تھی۔ کیونکہ رُومی اپنی فوج ایسے صُوبجات میں بھی رکھّا کرتے تھے جو برائے نام خود مختار ہوتے تھے۔ گو یہ صُوبہ دار غیر قوم تھا مگر کئی غیر قوم لوگوں کی طرح یہ بھی بُت پرستی کی خرابی اور بدی کو محسُوس کر رہا تھا۔ اور اسرائیل کے خُدا کی سچّی عبادت سے بہرہ ور تھا یہُودی مذہب نے اُس کی کئی رُوحانی حاجتوں کو رفع کیا۔ اَور کئی ایک کے رفع کرنے کی اُمید اُس کے سامنے رکھّی۔ جتنے صُوبہ داروں کا ذکر نئے عہد نامہ میں آیا ہے وُہ سب اچھّی طرح یاد کئے گئے ہیں (دیکھو متّی ۲۷:۵۴ و اعمال ۱۰:۱ و ۲۷:۴۳) اِس صُوبہ دار نے بھی کرنیلیس کی طرح یہودی مذہب کی فضیلت کو محسُوس کیا۔ اور اغلب ہے کہ وُہ سُن چُکا تھا کہ بادشاہ کے ملازم کا بیٹا کس طرح اچھّا ہُوا۔ اِس

بات کے علم نے دیگر باتوں کے ساتھ مِل کر جو اُس نے مسیح کی نسبت سُنی تھیں اُس کو کامل یقین دلایا کہ یسُوع اُس کے نوکر کو اچھّا کر سکتا ہے۔

اُس کے پاس آیا اور اُس کی مِنّت کر کے کہا جیسا ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں متّی اُس کام کو جو اُس نے دُوسروں کے وسیلے کروایا اُسی سے منسُوب کرتا ہے۔ لیکن لُوقا اِس واقعہ کو مفصّل طور پر تحریر کرتا ہے چُنانچہ اُس کی انجیل میں ہم پڑھتے ہیں کہ اُس نے یہودیوں کے کئی بزرگوں کو اُس کے پاس بھیجا اور اُس سے درخواست کی کہ آکر میرے نوکر کو اچھّا کر۔ وُہ خود مسیح کے پاس نہیں جاتا اور اُس کے نہ جانے کا سبب لُوقا ۷: ۶-۷ میں مذکور ہے۔ اُس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ اِس لئے نہیں گیا کہ اپنے آپ کو اِس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ اُس کے حضُور میں جائے۔ وُہ مسیح کو ایک اعلےٰ اور اپنے آپ کو ایک ادنیٰ دُنیا کا باشندہ سمجھتا تھا۔ لہٰذا وُہ خود نہیں آتا بلکہ یہودیوں کے بزرگوں کو اُس کے پاس بھیجتا ہے۔ یہ بزرگ خُوشی سے اُس کے پاس آتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اِس سفارش کے کام کو بڑی سرگرمی سے انجام دیا۔ مثلاً اُنہوں نے مسیح کی مِنّت کی اور کہا کہ وُہ اِس لائق ہے کہ تُو اُس کی خاطر یہ کرے کیونکہ وُہ ہماری قوم سے محبّت رکھتا ہے اور ہماری قوم کے عبادت خانہ کو بھی بنوایا ہے۔ اِس بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صُوبہ دار غیر قوم میں سے تھا اور اُن لوگوں کے زُمرے میں داخل تھا جنہوں نے یہُودی مذہب کو عام طور پر تو قبُول کر لیا تھا مگر ختنہ نہیں کروایا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ وُہ رُومی تھا پر اِس کا کوئی ثبُوت نہیں کہ رُومیوں میں سے کبھی کسی نے انتپاس کے ماتحت اِس قسم کا عُہدہ اختیار کیا ہو۔ زیادہ قابلِ قبُول یہ ہے کہ وُہ یا تو یُونانی تھا یا آرامی۔ (کیمبرج لُوقا) یہُودیوں نے کہا کہ اُس نے ہمارے

لئے عبادت خانہ بنوایا ہے۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ کفر نحُوم میں اُس کے سوا اور کوئی عبادت خانہ نہ تھا۔ پر یہ کہ جس عبادت خانہ سے یہ لوگ تعلّق رکھتے تھے وُہ اُس نے بنوایا تھا۔ اور تعجّب نہیں کہ وُہ کفر نحُوم میں سب سے بڑا عبادت خانہ ہو۔ اگر کفر نحُوم وہی جگہ ہے جو زمانہ حال میں تلحم کے نام سے موسُوم ہے۔ تو اُس کے کھنڈرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں دو عبادت خانے ہیں جن میں سے ایک کی دیواریں جو سفید پتھر کی بنی ہُوئی ہیں ہیرودیس کے زمانہ سے علاقہ رکھتی ہیں اور ایک اُونچائی پر جھیل کے کنارے کھڑی ہیں۔ ممکن ہے کہ جس عبادت خانہ کا ذکر لُوقا کرتا ہے وُہ یہی عمارت ہو جس کی دیواریں اب تک اُس زمانہ کی خبر دیتی ہیں۔ (کیمبرج) جو پیغام اُس صُوبہ دار نے بزرگوں کے ہاتھ بھیجا یہ تھا۔ کہ:-

۶۔ اَے خُداوند میرا خادم فالج کا مارا گھر میں پڑا ہے۔ اُس نے اُس کو کہا.........

جس لفظ کا ترجمہ متّی میں خادم ہُوا ہے وُہ یُونانی میں پائیس (Pais) ہے۔ جس کے معنے بچّے یا لڑکے کے بھی ہیں۔ رُومیوں۔ یُونانیوں اور عبرانیوں میں نوکر کو لڑکا کہہ کر پُکارنے کا دستُور جاری تھا۔ اِسی طرح انگریزی میں بھی نوکر کو (Boy) کہہ دیا کرتے ہیں۔ مگر اِس جگہ اِس لفظ کا ترجمہ "بیٹا" کرنا مناسب نہیں۔ لُوقا جو لفظ استعمال کرتا ہے وُہ ڈُولاس (Doulos) ہے جس کے معنے غُلام یا بردہ کے ہیں۔ پولُوس اکثر اِس لفظ کو اپنے حق میں استعمال کرتا ہے۔ اور اپنے تئیں مسیح کا غُلام کہتا ہے۔ تاکہ اپنا اور مسیح کا رشتہ ظاہر کرے۔

فالج کا مارا گھر میں پڑا ہے۔ وُہ خاص بیماری جس میں صُوبہ دار

کا نوکر مُبتلا تھا اُس زمانہ میں فالج کی ایک قسم سمجھی جاتی تھی۔ چُونکہ اُس میں بہت تکلیف ہُوا کرتی تھی۔ لہٰذا عالموں کا خیال ہے کہ وُہ بیماری (tetames) ہوگی۔ لُوقا بتاتا ہے کہ وُہ قریبُ المرگ تھا۔ یعنے بستر سے لگا ہُوا تھا۔ وُہ یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ خادم اُس کو عزیز تھا گویا "یہ یہُودیوں کے لئے ایک نمُونہ تھا جنہیں تالمُود نے غلاموں کے لئے ماتم کرنے سے منع کر دیا تھا"۔ (کیمبرج لُوقا)

۷۔ مَیں آکر اُسے شفا دُونگا۔ لفظ مَیں پر زور ہے۔ لُوقا بتاتا ہے کہ جب مسیح یہُودی سرداروں کے ساتھ اُس کے گھر کی طرف چل پڑا۔ تو اُس نے پھر اپنے دوستوں کو اُس کے پاس بھیجا اور کہا کہ مَیں اِس لائق نہیں کہ تُو میری چھت کے نیچے آئے۔ پہلے تو صرف یہی خیال اُس کے دِل میں پَیدا ہُوا کہ یسُوع مسیح ایک نہایت بزُرگ اور پاک شخص ہے۔ اور مَیں ایک ناچیز اور حقیر لبشر ہُوں۔ اِس لئے زیبا نہیں کہ مَیں خود اُس کے پاس جاؤں۔ بہتر ہے کہ یہُودیوں کے بزُرگ جائیں اور ہو سکے تو اُسے اپنے ساتھ لے آئیں۔ مگر اَب ایک نیا خیال اُس کے دِل میں پَیدا ہوتا ہے۔ وُہ یہ کہ وُہ سوچنے لگتا ہے کہ مَیں اِس قابل ہی نہیں کہ یسُوع میرے گھر میں آئے۔ اور نہ اُس کے آنے کی ضرورت ہی ہے۔ کیونکہ اُس کا کلام کافی ہے۔ اس شخص کی سیرت کا ایک ایک عنصر غور کے لائق ہے۔ یعنے اُس کا ایمان اور اُس کی گہری فروتنی توجّہ کے لائق ہے۔ اور اسی طرح اُس کی وُہ محبّت جو وُہ خُدا کے لوگوں سے رکھتا تھا اور فیاّضی۔ اور وُہ ہمدردی جس کے سبب وُہ اپنے غُلام کے لئے فِکرمند تھا۔ (غُلام اُس زمانہ میں اپنے مالکوں کی ہمدردی سے بہت ہی کم بہرہ ور تھے۔) غور کے لائق ہے۔ یہ ساری باتیں ایسے اوصافِ حمیدہ تھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص خُدا کے اُن فرزندوں میں

سے تھا جو دُنیا میں جا بجا پائے جاتے تھے۔ اور جن کو کلیسیا کی پاک رفاقت میں اکٹھا کرنے کے لئے مسیح آیا تھا۔ (یُوحنّا ۱۱: ۵۲)، (ٹرینچ)

۸۔ صُوبہ دار نے جواب میں کہا اَے خُداوند مَیں اِس لائق نہیں کہ تُو میری چھت کے نیچے آئے

گُمان ہے کہ شائد وُہ اِسی لئے اپنے تئیں نالائق سمجھتا تھا کہ وُہ غیر قوم تھا۔ اور یہودیوں کا کسی غیر قوم کے گھر میں گھسنا رسمی شریعت کے مطابق ناپاک سمجھا جاتا تھا۔ مگر سارے بیان کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ اپنے تئیں اخلاقی طَور پر نالائق سمجھتا تھا۔

بلکہ صرف زبان سے کہہ دے تو میرا خادم شفا پا جائیگا۔ فقط ایک لفظ اپنی زبان سے کہہ دے اور میرا خادم شفا پا جائیگا۔ شائد اُس کو یاد ہوگا کہ اسی جگہ بادشاہ کے ملازم کا لڑکا ایک ہی لفظ کے وسیلے شفا پا گیا تھا۔ (یُوحنّا ۴: ۵۰)

۹۔ کیونکہ مَیں بھی دُوسرے کے اختیار میں ہُوں۔ اور سپاہی میرے ماتحت ہیں۔ اور جب ایک سے کہتا ہُوں کہ جا تو وُہ جاتا ہے اور دُوسرے سے کہ آ تو وُہ آتا ہے۔ اور اپنے نوکر سے کہ یہ کر تو وُہ کرتا ہے۔ یہاں وُہ اپنے تجربہ سے ایک مثال پیش کر کے اِس صداقت کو واضح کرتا ہے کہ خُداوند مسیح ما اپنے ایک لفظ ہی سے بیماری کو دُور کر سکتا ہے۔

مَیں بھی دُوسرے کے اختیار میں ہُوں۔ صُوبہ دار سَو سپاہیوں پر حکم کیا کرتا تھا اور ہمارے زمانے کے کپتان کا سا عُہدہ رکھتا تھا۔ اُس کے نیچے ایک سارجنٹ (دیکادارخ) ہُوا کرتا تھا۔ اور اس کے اُوپر ایک کرنل (کلیارخ)

Chiliarch) اور ایک جنرل (ہیگی مان Hegemon)
ہوتا تھا۔ (کیمبرج لُوقا) پس صُوبہ دار ایک ایسا شخص تھا جو حکم کرنا اور حُکم بجالانا دونوں باتیں جانتا تھا۔ اور چُونکہ وُہ مسیح کو آسمانی فوجوں کا حُکمران سمجھتا تھا لہٰذا وُہ اِس بات کا پکّا یقین رکھتا تھا کہ اُس کا ایک لفظ ہی کافی ہے۔ یہاں بیماری ایک شخص تصوّر کی گئی ہے۔ اِسی طرح لُوقا ۴: ۳۹ میں آیا ہے "اُس نے تپ کو جِھڑکا"۔ بعض کا خیال ہے کہ اُس کا مطلب یہ تھا کہ جِس طرح مَیں دُوسروں کے اختیار میں ہُوں اور سپاہی میرے اختیار میں ہیں اُسی طرح مسیح الٰہی حُکم کے ماتحت ہے۔ اور بیماریاں اُس کے حُکم کے ماتحت ہیں۔ لیکن اِس سے زیادہ صحیح یہ خیال ہے کہ الفاظ "مَیں بھی" کا تعلّق الفاظ "سپاہی میرے ماتحت ہیں" کے ساتھ ہے۔ یعنے مَیں بھی اختیار رکھتا ہُوں اور سپاہی میرے زیرِ حُکم ہیں۔ اِسی طرح تُو بھی اختیار رکھتا ہے۔ اور تمام بیماریاں تیرے حُکم کے تابع ہیں ✣

ایک سے کہتا ہُوں کہ جا تو وُہ جاتا ہے اور دُوسرے سے کہ آ تو وُہ آتا ہے۔ یہ الفاظ کامل تعمیل پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنے وُہ یہ کہتا ہے کہ میرے حُکم کی تعمیل میں کسی طرح کی چُون وچرا نہیں کی جاتی ✣

اور جب اپنے نوکر سے کہ یہ کر تو وُہ کرتا ہے۔ نوکر یا غلام غالباً خانگی نوکر سے مُراد ہے معلُوم نہیں کہ اُس کی مُراد اُس نوکر سے ہے جو بیمار ہے یا عام طَور پر کسی اَور غلام کا ذکر کرتا ہے ✣

۱۰۔ یسُوع نے یہ سُن کر تعجّب کیا اور پیچھے آنے والوں سے کہا۔ مَیں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ مَیں نے اِسرائیل میں بھی ایسا ایمان نہیں پایا۔

مسیح نے دو دفعہ تعجّب کیا۔ ایک دفعہ یہاں ایمان کے سبب سے اور ایک دفعہ بے ایمانی کے سبب سے۔ (مرقس ۶: ۶) لازم نہیں کہ ہم اُس کے تعجّب کرنے پر تعجّب کریں۔ اور اس کی تشریح کے لئے اپنی تاویلیں گھڑیں۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ اُلوہیّت کے اعتبار سے اُس میں تعجّب اور حیرت کو جگہ نہ تھی۔ مگر اُس کی انسانیّت میں تعجّب کے لئے راہ تھی۔ اِس سے زیادہ تشریح کا طالب ہونا اُس کے بیان کے زور کو کھو دینا ہے۔ اُس کا تعجّب اِس جگہ بڑا لُطف دے رہا ہے ✣

مَیں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ مَیں نے اِسرائیل میں بھی ایسا ایمان نہیں پایا۔ یہ الفاظ لُوقا اور متّی دونوں میں پائے جاتے ہیں۔ اگسٹن صاحب فرماتے ہیں کہ جو بات اُس نے زیتون میں نہ پائی سو جنگلی انجیر میں پائی۔ ایک اَور غیر قوم کے مضبُوط ایمان کا ذکر (متّی ۱۵: ۲۲) میں پایا جاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جو شخص ایسی خوبصُورت خاکساری اور ایسا مضبُوط ایمان مسیح کی مُعجزانہ قدرت کے بارے میں رکھتا تھا وُہ اُس کی مُعافی بخش قُدرت کا بھی قائل ہوگا۔ یا تھوڑے عرصہ بعد قائل ہو گیا ہوگا۔ (مقابلہ کرو متّی ۵: ۳) کیونکہ خُداوند مسیح اُس کی فروتنی اور خاکساری کے سبب سے تعجّب نہیں کرتا۔ بلکہ ایمان کے سبب سے جو تمام رُوحانی برکتوں کی جڑ ہے۔ (مقابلہ کرو متّی ۱۵: ۲۸ و لُوقا ۱۸: ۸)

۱۱۔ اور مَیں تُم سے کہتا ہُوں کہ بہتیرے پُورب اور پچھّم سے آکر ابرہام اور اضحاق اور یعقُوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہی میں شریک ہونگے

یہ الفاظ جو متّی کی ۱۱ اور ۱۲ آیت میں درج ہیں لُوقا اُس مُعجزے کے ساتھ درج نہیں کرتا بلکہ ایک اَور جگہ بیان کرتا ہے (لُوقا ۱۳: ۲۸) مُمکن ہے کہ اِس جگہ بھی اور لُوقا ۱۳: ۲۸ کے موقع پر بھی مسیح نے یہ الفاظ

کہے ہوں ٭

اَب وُہ یہودیوں کو وُہ بات سُناتا ہے جو وُہ سُننا بہت پسند نہیں کرتے تھے ٭

پُورب اَور پچھّم سے (دیکھو یسعیاہ ۴۵: ۶) یعنے دُنیا کے دُور دراز کناروں سے مُراد ہے دُور دُور کے ممالک سے آئینگے اور آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونگے۔ یہاں اِس بات پر صاف اشارہ ہے کہ مسیحیت تمام قوموں میں پھیل جائیگی ٭

ابراہیم اور اضحاق اور یعقوب کے ساتھ۔ یہودی یہ مانتے تھے کہ ان بزرگوں کی اَولاد سے ہونا مسیح کی بادشاہت کی خوبیوں میں داخل ہونے کی پُختہ دلیل ہے۔ اَور مسیح کی بادشاہت کی خوبیوں میں سے ایک یہ بات سمجھی جاتی تھی کہ اُس میں اعلےٰ درجہ کی ضیافتیں ہُوا کرینگی جن میں یہ بزرگ شامل ہوں گے۔ ربّیوں کی تحریروں سے یہ بات بخُوبی ظاہر ہے (این امریکن کامنٹری متّی پر) یہودی غیر قوموں کے ساتھ کھانے سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ اَور خُداوند یہاں فرماتا ہے کہ یہی غیر قوم بزرگوں کے ساتھ کھانے بیٹھیں گے وُہ ہر طرف سے آئینگے اَور یہودی خارج کئے جائینگے۔ اسی بات پر نبیوں نے بھی اشارہ کیا تھا مگر اسرائیل نے اُن کا مطلب نہ سمجھا ٭

آسمان کی بادشاہی۔ صرف متّی ہی الفاظ "آسمان کی بادشاہی" استعمال کرتا ہے۔ دیگر انجیل نویس یہ محاورہ استعمال نہیں کرتے بلکہ خُدا کی بادشاہی کہتے ہیں۔ لیکن "متّی خُدا کی بادشاہی" کا محاورہ بھی استعمال کرتا ہے۔ یہ محاورہ نیا نہ تھا بلکہ اُس کا تصوّر یہودی تھیوکرسی سے مربُوط تھا۔ تھیوکرسی کے معنے خُدا کی بادشاہی یا حکومت کے ہیں۔ اور زمین کی بادشاہی اُس کا ایک سایہ سا ہے۔ یہ الفاظ مسیح کی حکمرانی پر

دلالت کرتے ہیں۔ (دانی ایل ۷: ۱۴) یسُوع مسیح نے ان الفاظ کو ایک نئے اور گہرے معنے دے دیئے۔ (کیمبرج متّی) متّی تیس ۳۰ مرتبہ سے زیادہ ان الفاظ کو استعمال کرتا ہے۔ واضح ہو کہ "آسمان کی بادشاہی" اَور "خُدا کی بادشاہی" میں کچھ فرق نہیں ہے۔ آسمان جو کہ خُدا کے رہنے کی جگہ ہے بعض اوقات خُدا کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ (دانی ایل ۴: ۲۶ و لُوقا ۱۵: ۱۸ و ۲۱) یہودی لوگ جو کہ خُدا کا نام لینے میں پس و پیش کیا کرتے تھے۔ اکثر اوقات "آسمان" کو اِس نام کی جگہ استعمال کیا کرتے تھے مثلاً ۱۔مکابی ۳: ۵۰ و ۶۰ و ۴: ۵۵) اور تالمُود میں اکثر "آسمان کی بادشاہی" کا محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ متّی جو یہودیوں کے لئے لکھتا ہے اُن کے خیالات کی رعائت کرتا ہے اور زیادہ تر خُدا کی بادشاہی کی جگہ آسمان کی بادشاہی کہتا ہے۔ لفظ آسمان یُونانی میں بصیغہ جمع آیا ہے ٭

"آسمان کی بادشاہی" کا خیال نبیوں کی کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً یسعیاہ اور میکاہ میں اِس بات کی خبر ہے کہ خُدا ایک راستباز بادشاہ کو برپا کرے گا جو اپنے لوگوں کو نجات دیگا اور اقبال مندی سے بہرہ ور فرمائیگا۔ (یسعیاہ ۱: ۹ ۳۹ و ۹: ۶ و ۷ و ۱۱: ۱-۱۰ + میکاہ ۴: ۱-۸) اِس اُمّید کو یرمیاہ اور اُس کے ہمعصروں نے کسی قدر تبدیلی سے بیان کیا ہے۔ (یرمیاہ ۲۳: ۵ و ۶ و حزقی ایل ۳۷: ۲۴) یعنے اُنہوں نے داؤد کے خاندان کی طرف (مقابلہ کرو ۲۔تواریخ ۱۳: ۸) اِس طرح اشارہ کیا ہے کہ وُہ چُنی ہُوئی قوم کے کام کی رہنمائی کریگا۔ لیکن دانی ایل کے زمانہ میں جب کہ اسرائیل رُوحی حالت میں گرفتار تھے۔ یہ یقین دلایا گیا کہ "آسمان کا خُدا" ایک عالمگیر بادشاہی قائم کریگا۔ جس کا بادشاہ "ابن آدم" کا سا ہوگا۔ (دانی ایل ۲: ۴۴ و ۷: ۱۳ و ۱۴) یہ خیال کم از کم چند یہودیوں کے دِلوں میں جوش مارتا رہا۔ تاوقتیکہ اُس نے وُہ صُورت اختیار

نہ کی جو ہم انجیلوں میں پاتے ہیں۔ انجیلوں کے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ دیندار اشخاص نہ صرف "اسرائیل کی تسلّی" کی راہ دیکھتے ہیں اور نہ صرف "یروشلیم کے چھٹکارے" کے منتظر ہیں۔ (لوقا ۲: ۲۵ و ۳۸) بلکہ "خدا کی بادشاہی" کی انتظاری بھی کرتے ہیں۔ جب بپتسمہ دینے والا کہتا ہے کہ "آسمان (خدا) کی بادشاہی نزدیک ہے"۔ تو وہ ایسے طور پر اس خیال کو پیش کرتا ہے کہ گویا اُسے سب سمجھتے ہیں۔ البتہ اُس زمانہ کے یہودی اِس الٰہی حکومت کی خاصیّت کی نسبت طرح طرح کے بے بُنیاد اور وہمی خیالات رکھتے تھے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اِس لفظ کے خاص معنوں کی نسبت صرف نیا عہد نامہ ذمّہ دار ہے۔ اور جو معنے وہ اُسے دیتا ہے وہی ہم کو قبول کرنے چاہئیں۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جو بیان دانی ایل میں درج ہے اُس نے نئے عہد کے زمانہ سے پہلے ہی یہ ماننا سکھا دیا تھا کہ ابنِ آدم جو مسیح بھی کہلاتا ہے خدا کی موعودہ بادشاہی میں راج کریگا۔ کیونکہ یہ بات حنوک کی کتاب میں مندرج ہے۔ اور تالمود "مسیح بادشاہ" کے اشاروں سے پُر ہے۔ ہمارے خداوند نے اِس اعتقاد کی تائید کی۔ (متّی ۱۳: ۴۱ + ۲۵: ۳۱ و ۳۴ + یوحنّا ۱۸: ۳۶) متّی کی انجیل کا یہ بھی ایک مقصد تھا کہ وہ ظاہر کرے کہ کس طرح خداوند یسوع نے "مسیح کی بادشاہی" کی نسبت جس کی انتظاری کی جاتی تھی یہودیوں کی غلط فہمی کو رفع کیا۔ کلیسیا نے بھی اِس لفظ کو مختلف معانی میں استعمال کیا ہے۔ اگر ہم اُس تفسیر میں جو کیمبرج سیریز کے نام سے مشہور ہے متّی ۳: ۲ کا ملاحظہ کریں تو معلوم کریں گے کہ اُس مشہور تفسیر کے مطابق نئے عہد نامہ میں "آسمان کی بادشاہی" سے مفصلہ ذیل معانی لئے جا سکتے ہیں۔ ۱۔ مسیح کی حضوری زمین پر۔ ۲۔ اُس کی دوسری آمد۔ ۳۔ اُس کی تاثیر دل میں۔ ۴۔ مسیحیت۔

(الف) کلیسیا کی صورت۔ (ب) مذہب کی صورت میں۔ ۵۔ ہمیشہ کی زندگی"۔ لیکن یہ بتانا بھی ضروری امر ہے کہ بعض لوگوں کی رائے میں بہت سی غلطیاں مسیحیوں کے درمیان "بادشاہی" کو "کلیسیا" سمجھنے سے برپا ہوئی ہیں۔ مثلاً ایک کامنٹری اِس مضمون پر ایڈرشام کے الفاظ کو اِس طرح نقل کرتی ہے۔ "ہمیں یہ خیال دل سے نکال دینا چاہیئے کہ الفاظ "آسمان کی بادشاہی" کلیسیاء کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ خواہ کلیسیاء سے ظاہری کلیسیاء مراد ہو (جیسا کہ رومن کیتھولک لوگ سمجھتے ہیں) خواہ اُس سے باطنی کلیسیاء مراد ہو۔ (جیسا کہ بعض پراٹسٹنٹ لوگ خیال کرتے ہیں)۔

۱۲۔ مگر بادشاہی کے بیٹے باہر اندھیرے میں ڈالے جائینگے وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا

بادشاہی کے بیٹے۔ عبرانی محاورہ کے مطابق فرزند یا بیٹے سے ایک گہرا تعلّق یا رشتہ ظاہر ہوتا ہے مثلاً بنی بلیعال سے مُراد شرارت کے فرزند ہیں یعنی وہ لوگ جو گویا شرارت سے پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی خاصیّت شرارت کے چشمہ سے اخذ کی تھی۔ اسی طرح نافرمانی کے فرزند (افسی ۲: ۲) غضب کے فرزند (افسی ۲: ۳) اور فرماں برداری کے فرزند (۱۔ پطرس ۱: ۱۴) اِس دُنیا کے فرزند (لوقا ۱۶: ۸) پس "بادشاہی کے بیٹے یا فرزند" ایسا محاورہ ہے جس سے وہ لوگ مُراد ہیں جو پیدائش کے اعتبار سے بادشاہی کے حقوق کا استحقاق رکھتے ہیں۔ خداوند مسیح یہودیوں کو فرماتا ہے کہ وہ جو اجنبی ہیں وہ بادشاہی کی نعمتوں سے متمتع ہوں گے مگر اُس کے اپنے فرزند خارج کئے جائیں گے۔ (مُراد یہودیوں سے ہے) *

باہر اندھیرے میں ڈالے جائیں گے۔ یہ کلام اُس نقشہ سے استعارہ کیا گیا ہے۔ جہاں ایک مکان چراغوں کی روشنی سے بقعۂ نور ہو رہا ہے۔ لیکن اُس کے باہر تاریکی چھائی ہُوئی ہے۔ اگر کوئی شخص اس محل سے نکالا جائے تو وُہ اندرُونی روشنی کے مقابلہ میں بیرُونی تاریکی کی کثرت کو وبالِ جان سمجھیگا۔ (دیکھو متّی ۲۲: ۱۳ و ۲۵: ۳۰۔ یہوداہ ۱۵ اور ۲۔ پطرس ۲: ۱۷ میں "تاریکی کی سیاہی" آیا ہے)

وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ محل کے اندر ضیافت کے سامان اور خُوش گلو لوگوں کی مدح سرائی کے خُوش لحن گیت اپنا لُطف دے رہے ہیں۔ لیکن باہر رونا اور دانت پیسنا گلے کا ہار بن رہا ہے۔ یہ محاورہ چھ مرتبہ متّی میں آیا ہے۔ (متّی ۱۳: ۴۲ و ۵۰ و ۲۲: ۱۳ و ۲۴: ۵۱ و ۲۵: ۳۰) اور لُوقا میں بھی پایا جاتا ہے (لُوقا ۱۳: ۲۸) اور ہمیشہ حرف تعریف اس کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ پس ہمیشہ آنے والی سزا پر دلالت کرتا ہے۔ (امریکن کامنٹری متّی پر)

۱۳۔ اور یسُوع نے صُوبہ دار سے کہا جا جیسا تُو نے اعتقاد کیا تیرے لئے ویسا ہی ہو۔ اور اُسی گھڑی خادم نے شفا پائی۔

کہا جا۔ نہائت محبّت اور دلاسے سے کہا جا۔ نہ کہ دُرشتی اور سختی سے۔ جیسا تیرا ایمان بڑا ہے۔ ویسی ہی بڑی برکت بھی تجھے ملے۔ اُسی گھڑی۔ اس پر زور ہے۔ فوراً۔ اُسی دم۔

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ صُوبہ دار۔ دیکھو (۱) اُس کی سخاوت خدا کے لوگوں پر۔ (لُوقا ۷: ۵)۔ (۲) اُس کی محبّت بھری مہربانی ایک نوکر پر۔ (متّی ۸: ۶ و

لُوقا ۷: ۲) (۳) اپنی نسبت اُس کی نہائت فروتن رائے۔ (متّی ۸: ۸) (۴) اُس کا مسیح پر مضبُوط ایمان رکھنا۔ (متّی ۸: ۸ و ۱۰) (۵) اُس کی درخواست کا ٹھیک مسیح کی مرضی کے مطابق ہونا اور اُس کا علی الفور جواب مِلنا۔ (متّی ۸: ۱۳)

۲۔ خُون ریز لڑائیوں کے پیشواؤں نے بھی بڑی بڑی نذریں مسیح کو چڑھائی ہیں۔ مثلاً یہ صُوبہ دار۔ کرنیلیئس۔ اور وُہ صُوبہ دار جو مسیح کی صلیب کا اہتمام رکھتا تھا۔ (متّی ۲۷: ۵۴) اُس کے مطیع تھے۔

۳۔ جو اپنے نوکروں کی خدمت کرنا نہیں جانتا وُہ اِس لائق نہیں کہ اُس کی خدمت کی جائے۔ بڑائی کا خیال غرُور پیدا نہ کرنے پائے۔ چاہیئے کہ ہم نوکروں پر جب نِگاہ کریں تو اُس وقت یہ یاد رکھیں کہ ہمیں اپنے مالک مسیح پر بھی ایک دِن نظر ڈالنا ہے۔ کوئی نوکر شاید اپنے آقا کی کبھی اتنی پرواہ نہ کرتا جتنی اِس آقا نے اپنے خادم کی کی۔

۴۔ جو اپنے تئیں ہیچ سمجھتے ہیں وہی اَوروں سے حقیقی عزّت پاتے ہیں۔ اَور جو اَوروں سے عزّت پاتے ہیں وہی اپنے تئیں نالائق جانتے ہیں۔ نہ اِس لئے کہ وُہ اپنی لیاقتوں اَور خُوبیوں سے واقف نہیں ہوتے۔ بلکہ اِس لئے کہ وُہ زیادہ تر اپنی نالائقیوں کو دیکھتے ہیں۔ مذہب میں پہلی شے کیا ہے؟ فروتنی۔ دُوسری شے کیا ہے؟ فروتنی۔ تیسری شے کیا ہے؟ فروتنی۔

۵۔ اگرچہ یہ شخص بڑا اعلےٰ مرتبے والا اور عالی جاہ تھا۔ مگر جب اُس نے مسیح کی عظمت اور خُوبی کو دیکھا اور اپنے ناچیزپن کو پہچانا تو کہا کہ "مَیں اِس لائق نہیں"۔ پہلے مسیح کو دیکھو اور پھر

اپنے آپ کو دیکھو تو تُم بھی یہی کہو گے۔ صُوبہ دار کا یہ کہنا گویا سب چیزوں کے لائق ہونے کا ثبوت تھا ٭

۶۔ یہ وُہ شخص تھا جس کی زندگی میں مسیح سے ملاقی ہونے سے پہلے مُبارک بادیوں کے پہلے جُملے پُورے ہونے لگ گئے تھے۔ مگر مسیح نے آکر دُوسرے جُملے بھی پُورے کر دیئے۔ کیونکہ مسیح دونوں جُملوں کو جوڑنے والی کڑی ہے ٭

۷۔ حکُومت اور تابعداری دست بدست چلتی ہیں۔ کاش کہ ہم بھی اپنے خُداوند کے ایسے ہی نوکر ہوں۔ مگر ہماری حالت دِگرگوں ہے۔ وُہ کہتا ہے دُنیا کو چھوڑو۔ ہم دُنیا کی طرف بھاگتے ہیں۔ وُہ کہتا ہے میری طرف آؤ۔ ہم اُس سے بھاگتے ہیں ٭

۸۔ مسیح کئی لوگوں کے گھروں میں جا کر بیٹھا۔ مثلاً ایک مغرور فریسی کے گھر میں گیا۔ مگر اُس کا دِل اُس کی حضُوری سے خالی رہا۔ لیکن اُس صُوبہ دار کے دِل میں اُس نے سکُونت اختیار کی حالانکہ اُس نے اُسے اپنے گھر آنے سے روکا ٭

۹۔ جہاں بچّوں کا سا ایمان اور گہری فروتنی مِل جاتے ہیں۔ وہاں مسیح کا تعجّب کرنا تعجّب کا باعث نہیں ہوتا ٭

۱۰۔ فروتن ایمان۔ (۱) خُداوند کی پاکیزگی اور عظمت کی شناخت سے پیدا ہوتا ہے۔ (۲) ذاتی نالائقی کا احساس اِس کو بڑھاتا ہے (۳) فروتن ایمان مسیح کو تعجّب کرتا ہے۔ (۴) حسبِ خواہش برکت پاتا ہے ٭

۱۱۔ آسمانی برکت ابراہیم اور اضحاق اور یعقوب کا فرزند ہونے پر مُنحصر نہیں۔ کیونکہ میراث موروثی نہیں۔ بلکہ ایمان پر مبنی ہے ٭

کفرنحُوم کے عبادت خانہ میں ایک شخص سے ناپاک رُوح نکالنا

مرقس ۱: ۲۱-۲۶۔ لُوقا ۴: ۳۳-۳۶

۲۱۔ پھر وُہ کفرنحُوم میں داخل ہُوئے۔ لُوقا مسیح کے کفرنحُوم میں داخل ہونے کو اُس کے ناصرت میں رو کیے جانے سے مربُوط کرتا ہے۔ اور متّی ۴: ۱۳ جہاں لکھا ہے کہ وُہ ناصرت چھوڑ کر کفرنحُوم میں جا بسا لُوقا کے بیان کی تائید کرتا ہے۔ واضح ہو کہ مرقس ۱: ۲۱، لُوقا کے بیان کی تردید نہیں کرتا۔ یہاں کوئی پُوچھ سکتا ہے کہ یُوحنّا مسیح کے کفرنحُوم میں رہنے کا حال کس لئے بیان نہیں کرتا؟ اِس کا سبب یہ ہے کہ وُہ مسیح کے گلیلی کام اور رہائش کا بہت تھوڑا بیان کرتا ہے تاہم وُہ اُس کے کفرنحُوم میں رہنے سے بالکل ناواقف نہیں۔ بلکہ وُہ بھی اُس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دیکھو (یُوحنّا ۲: ۱۲، ۶: ۵۹)۔ کئی وجُوہات سے خُداوند مسیح کا کفرنحُوم میں رہنا مفید تھا۔ یہ شہر اُس سڑک پر واقع تھا جو بحیرہ اعظم کو جاتی تھی۔ اور وُہ صور اور صیدا اور عرب اور دمشق کی باہمی تجارت کا مرکز تھا۔ بہت سے لوگ وہاں جمع رہتے تھے۔ اور اس جگہ سے وُہ باسانی یہودیہ، اتوریہ اور گلیل فراز کی طرف انجیل کی منادی کے لئے جا سکتا تھا۔

علاوہ بریں یہاں کاہنوں اور فریسیوں اور فقیہوں کا اتنا زور نہ تھا جتنا یروشلیم میں تھا۔ اور پھر اُس کے شاگرد پطرس کا گھر بھی غالباً اسی جگہ تھا۔ اور وُہ اُس کے گھر میں پناہ گزین ہو سکتا تھا۔ آرام کے لئے اس جھیل کے ساحل سے بڑھ کر اور کوئی جگہ عُمدہ نہ تھی۔ اور خطرہ کے وقت وُہ بآسانی یہاں سے ٹیترارک فلپ کے علاقہ میں جا سکتا تھا۔ ماسوائے اِن تمام وجُوہات کے کفرنحوم کی اخلاقی حالت بگڑی ہُوئی تھی اِس سبب سے بھی اخلاقی امراض کے حکیم نے اسی جگہ کو اپنا مسکن اختیار کیا ہوگا۔ (لینگی) یہ شہر پُرانے عہدنامہ اور اپاکریفا میں مذکُور نہیں ہُوا جھیل کے مغربی ساحل پر گنیسرت کی سرزمین میں واقع تھا۔ (متّی ۴:۱۳۔ یُوحنّا ۶: ۱۷-۲۴) اور اتنا بڑا تھا کہ اُسے شہر کہہ سکتے تھے (متّی ۹: ۱) وُہ محصُول لینے کی جگہ تھی (متّی ۹:۹۔ لُوقا ۵: ۲۷) اور رُومی سپاہیوں کا ایک دستہ بھی اُس میں رہا کرتا تھا۔ (متّی ۸: ۹ لُوقا ۷: ۸) (کیمبرج مرقس)

اور وُہ فی الفور سبت کے دن عبادت خانہ میں جاکر تعلیم دینے لگا۔ اور اس تعلیم میں (دیکھو مرقس ۱: ۱۵) وُہ یُوحنّا بپتسمہ دینے والے کی "توبہ کی منادی" کے علاوہ وقت کے پُورا ہونے کی خبر بھی دیتا تھا۔ اُس کی منادی میں توبہ کرو کیونکہ "وقت نزدیک ہے" نہیں آتا بلکہ اُس کے عوض "وقت پُورا ہو گیا ہے" آتا ہے ماسوائے اس کے وُہ انجیل پر ایمان لانے اور اُسے قبُول کرنے کی تعلیم بھی دیا کرتا تھا۔

۲۲۔ اور لوگ اُس کی تعلیم سے حیران ہُوئے کیونکہ وُہ اُن کو فقیہوں کی طرح نہیں۔ بلکہ صاحبِ اختیار کی طرح تعلیم دیتا تھا۔

لوگ اُس کی تعلیم سے حیران ہوئے۔ ناصرت کی

نسبت اِن لوگوں پر زیادہ اثر ہُوا۔

فقیہوں کی طرح نہیں۔ فقیہوں کا فرقہ پہلے پہل عزرا کے زمانہ میں سربلند ہُوا۔ فقیہہ شریعت کو نقل کیا اور پڑھ کر سُنایا کرتے تھے۔ اور بزُرگوں کی روائتوں کے وسیلہ اُس کی محافظت کیا کرتے تھے۔ (متّی ۱۵: ۲۰) اصل فقیہہ "شمعُون راستباز" کے زمانہ تک موجُود رہے۔ یعنی قبل از مسیح ۳۰۰ سال تک۔ نئے عہد میں اُن کو "عالم شرع" یا "شریعت کے سکھلانے والے" بھی کہا ہے (متّی ۲۲: ۳۵ اور لُوقا ۵: ۱۷) اُن کی تعلیم خارجی وسائل پر مبنی تھی۔ وُہ فقط ربّیوں کے فیصلوں کو پیش کیا کرتے تھے۔ لیکن ہمارے خُداوند کی تعلیم آزادانہ اور با اختیار صُورت میں پیش کی جاتی تھی۔ وُہ نئی اور تازی باتیں بتایا کرتا تھا۔ اُن کا بیان اِن الفاظ سے شرُوع ہُوا کرتا تھا "پچھلوں نے ایسا کہا ہے"۔ مگر مسیح کے یہ الفاظ تھے "میں تم سے یہ کہتا ہُوں"۔ (کیمبرج مرقس)

۲۳۔ اور فی الفور اُن کے عبادت خانہ میں ایک شخص مِلا جس میں ناپاک رُوح تھی۔ وُہ یُوں کہہ کر چِلّایا۔ (مرقس آئت ۲۳) اُس معجزے کی شرح دیکھو جس میں اُن دو شخصوں کا ذکر ہے جن میں بدرُوحیں تھیں۔

۲۴۔ کہ اَے یسُوع ناصری! ہمیں تجھ سے کیا کام؟ کیا تو ہم کو ہلاک کرنے آیا ہے؟ میں تجھے جانتا ہُوں کہ تو کون ہے۔ خُدا کا قدّوس ہے۔ (مرقس ۲۴)

کیا تو ہم کو ہلاک کرنے آیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے

کہ وُہ جو پہلے صیغہ واحد کی صُورت میں متکلّم ہوتا ہے یہاں وہی جمع کے صیغہ میں سُوال کرتا ہے۔ کیا تُو ہمیں ہلاک کرنے آیا ہے۔ ممکن ہے کہ وُہ یہاں بدرُوحوں کی جماعت کا قائم مقام ہو کر کلام کر رہا ہے۔ گویا تمام بدرُوحیں اُس کے وسیلے مسیح سے ڈر رہی ہیں۔ یہ الفاظ بھی شہادت ہیں۔ (۱) اُس مخالفت کی جو بدرُوحوں کی بادشاہت اور مسیح کی بادشاہت میں پائی جاتی ہے۔ (۲) یہ الفاظ مسیح کے کُلّی اختیارات اور فضیلت پر گواہی دیتے ہیں۔ (۳) شیطانی سلطنت کے ضعف اور تنزّل پر دلالت کرتے ہیں۔ (لینگی مرقس)

مَیں تجھے جانتا ہُوں کہ تُو کون ہے خُدا کا قدُّوس ہے۔ جس طرح فرشتوں نے اپنے گیت میں اِس اپنے بادشاہ کو پہچانا (لُوقا ۲: ۱۳ و ۱۴) اُسی طرح یہ بدرُوحیں بھی اُس کو فوراً پہچان لیتی ہیں مگر نااُمّیدی کے نعروں کے ساتھ۔ اُن کی پہچان سے کسی طرح کی اُمّید اور اطاعت مُترشح نہیں بلکہ سخت بغاوت عیاں ہے۔ دیکھو بدرُوحیں بھی اُس کو مانتی اور اُس سے کانپتی ہیں۔ (یعقُوب ۲: ۱۹) فقط انسان اپنے "بادشاہ کو" "اُس کے جمال" میں نہیں پہچانتا ہے۔ (یسعیاہ ۳۳: ۱۷) وُہ دُنیا میں تھا اور دُنیا کو اُس نے بنایا۔ تو بھی دُنیا نے اُسے نہ جانا۔ (یُوحنّا ۱: ۱۰) زمین نے اپنے بادشاہ کو نہ پہچانا لیکن آسمان اور دوزخ اُس پر گواہی دیتے ہیں۔

۲۵۔ یسُوع نے اُسے جھڑک کر کہا چُپ رہ اور اِس میں سے نِکل جا۔

توجّہ طلب بات یہ ہے کہ کیوں خُداوند مسیح اُس کی گواہی کو رَدّ کرتا ہے۔ اِس قسم کی تردید کی اَور بھی مثالیں ہیں۔ (مرقس ۱: ۳۴ و متّی ۸: ۲۹) یہ بیان اُس واقعہ سے مشابہت رکھتا ہے جو پولُوس کے

وقت میں سرزد ہُوا۔ اور جس کا ذکر اعمال ۱۶: ۱۶۔۱۸ میں درج ہے وہاں ہم ایک لڑکی کو دیکھتے ہیں جو ایک بدرُوح کے بس میں تھی۔ وُہ پولُوس اور اُس کے ساتھیوں کے کام پر گواہی دیتی ہے لیکن پولُوس اُس کی گواہی کو قبُول نہیں کرتا۔ اور مسیح کی طرح اُس رُوح کو حُکم کر دیتا ہے کہ اُس لڑکی میں سے نِکل جائے۔ اِس گواہی کو پڑھ کر تعجّب آتا ہے کہ ایسی صریح اور صاف گواہی مسیح کی ذات اور شخصیت کی نسبت ایسے مخالف کی جانب سے آتی ہے۔ توقّع تو یہ تھی کہ یہ بدرُوح اُس کی ذات اور شخصیت کو تاریکی اور غلطی میں ڈالنے کی کوشش کرتی۔ مگر برعکس اس کے اُس کی گواہی بالکل صاف ہے۔ اِس کا کیا سبب ہے؟ ٹرینچ صاحب نے دو خیال اس کے جواب میں پیش کئے ہیں۔ (۱) کہ شائد غُلاموں کی طرح اُس نے ڈر کے مارے خوشامد اور تملّق کی راہ سے ایسا کہا۔ تاکہ اُس کا غضب اور غُصّہ ٹل جائے۔ (۲) یا اِس لئے کہ وُہ ایک اَور طرح اُس کے کام کو نقصان پُہنچائے۔ یعنے جب لوگ اُس کے مُنہ سے صداقت کی بات سُنیں تو وُہ مسیح کی سچّائی پر شک اور شُبہ لائیں۔ ہمارے خُداوند کو اِس قسم کی گواہی کی ضرُورت نہ تھی۔ وُہ جانتا تھا کہ ان بدرُوحوں پر فتح پانا اور اُن کو نکالنا بجائے خود ایک عمدہ اور پُختہ گواہی اُس کے کام کی ہے۔ وُہ ناپاک لبوں سے اپنی تعریف نہیں کرواتا۔ زبُور ۵۰: ۱۶۔

جھڑک کر کہا۔ میکل کی طرح نہیں (یہوداہ ۹) نکالتا۔ بلکہ اُسے اپنے نام سے نکالتا ہے۔

۲۶۔ پس وُہ ناپاک رُوح اُسے مروڑ کر اور بڑی آواز سے چِلّا کر اُس میں سے نِکل گئی۔

کیا اِس بدرُوح نے مسیح کا کہنا مانا؟ معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ گویا نہ مانا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ بڑی آواز سے چِلّا کر اُس میں

سے نکل گئی۔ حالانکہ اُس کا حکم چُپ رہنے کے لئے تھا۔ لیکن مسیح نے اُسے چِلّانے سے نہیں روکا تھا بلکہ بولنے سے روکا تھا۔ پس اُس نے اُس کی عدُول حکمی نہیں کی ؂

ایک اَور نکتہ بھی حل طلب ہے۔ اور وُہ یہ ہے کہ کیا مرقس اَور لُوقا میں اختلاف پایا جاتا ہے؟ کیونکہ مرقس تو کہتا ہے کہ یہ رُوح اُسے مروڑ کر چلی گئی۔ مگر لُوقا کہتا ہے کہ بغیر ضرر پہنچائے اُس میں سے نکل گئی۔ درحقیقت اِن دونوں بیانوں میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے مرقس کا "مروڑنا" لُوقا کے "پٹکنے" کے برابر ہے اور "بے ضرر" سے مُراد یہ ہے کہ اُس نے اُس کو کسی طرح کا دائمی نقصان نہ پہنچایا۔ مرقس ۹: ۲۶ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اِس سے بھی شدید آثار نمایاں ہُوئے۔ جب شیطان دیکھتا ہے کہ اَب فلاں شخص پر اپنا قبضہ نہیں رکھ سکتا اُس وقت وُہ اُسے برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے جس طرح فرعون نے بنی اِسرائیل کو اُس وقت بہت دُکھ پہنچایا جب اُسے یہ یقین ہو گیا کہ اَب یہ میرے قبضہ میں نہیں رہینگے ؂ (ٹرنچ)

دیکھو شیطان کسی کو اتنا دُکھ نہیں دیتا جتنا اُن کو جو اُس کے قبضہ سے ہمیشہ کے لئے نِکل جاتے ہیں۔ متّی کی انجیل میں پہلا مُعجزہ کوڑھی کو چھُو کر اچھّا کرنے کا ہے۔ (متّی ۸: ۱-۴) یُوحنّا کی انجیل میں پہلا مُعجزہ پانی کو مَے بنانے کا ہے۔ (یُوحنّا ۲: ۱-۱۱) مرقس اور لُوقا کا پہلا مُعجزہ (لُوقا ۴: ۳۳-۳۷ و مرقس ۱: ۲۳-۲۶) کفرنحُوم کے عبادت خانہ میں ایک بد رُوح کو نکالنے کا ہے ؂

نصیحتیں اَور مفید اشارے

۱۔ دیکھو کس طرح آسمانی اور شیطانی طاقتیں گرجا میں دوچار ہوتی

ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عبادت خانہ میں مسیح کا اس بد رُوح کے مریض کو اچھّا کرنا ذیل کی باتوں پر دلالت کرتا ہے (۱) اس بات پر کہ مسیح شیطان کی بادشاہت پر غالب آئے گا۔ (۲) کہ وُہ مُصیبت زدوں کو اپنی رحمت سے بچائے گا۔ (۳) کہ وُہ اِس مُعجزہ کے وسیلہ اپنی انجیل کی کامیابی پر مہر کرتا ہے۔ (۴) کہ وُہ دُنیا پر غالب آئیگا ؂

۲۔ ادراکِ انسانی میں رُوحانی فتور کا پیدا ہونا گویا گُناہ کی لعنت کی ایک نظیر ہے۔ (۱) یہ لعنت باغیوں کی بربادی اور اختلاف میں نظر آتی ہے۔ (۲) اُن کی سختی میں دکھائی دیتی ہے۔ (۳) اُن کی نااُمّیدی میں چمکتی ہے۔ (۴) پھر اِس بات میں نمایاں ہوتی ہے کہ وُہ نہ اپنے عذاب کو دیکھتے ہیں اور نہ مسیح کے فضل کو محسُوس کرتے ہیں ؂

۳۔ بدوں کی خاصیّت۔ (۱) اُن میں علم ہوتا ہے مگر محبّت نہیں ہوتی۔ (۲) سچّائی سے نفرت کرتے مگر ساتھ ہی خوشامد کرنے کی عِلّت میں بھی گرفتار ہوتے ہیں۔ خُداوند سے شریر نفرت کرتا ہے۔ مگر جب اُس کے زور آور بازُو کو دیکھتا ہے تو خوشامد اَور تملّق اختیار کرتا ہے۔ (۳) وُہ غرُور سے پُر ہوتے ہیں مگر اُس کے ساتھ ہی بُزدِل بھی ہوتے ہیں۔ اَیسے آدمی اوّل درجہ کے مغرُور ہوتے ہیں۔ پر ذرا سی بات سے ڈر جاتے ہیں۔ گُناہ انسان کو بُزدِل بناتا ہے۔ حتّٰی کہ وُہ ذرا سی بات سے ڈر کر بھاگ جاتا ہے ؂

۴۔ مسیح اور بد رُوح کا مقابلہ۔ مسیح خاموش اَور مطمئن ہے۔ بد رُوح جذبہ میں آئی ہُوئی ہے۔ (۲) اِسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک کے خیالات یکجا مُنجمد اور دُوسرے کے منتشر

ہیں۔(۳) ایک محبّت کی رُوح سے بھرپُور اور دُوسرا دُکھ دینے پر آمادہ ہے۔ (۴) ایک سرفراز ہوتا ہے اور دُوسرا پست۔ (۵) ایک فتح پاتا ہے۔ اور دُوسرا مغلُوب ہوتا ہے ❖

۵۔ مسیح شیطان کے کاموں کو نیست کرنے آیا۔ اسی بیخ کنی میں اُس کا جلال ہے۔ (یُوحنّا ۳:۸) ❖

۶۔ مسیح کے نمُونہ سے سیکھو کہ پبلک عبادت کبھی نظر انداز نہ کی جائے ❖

۷۔ بدرُوحیں گرجے میں بھی گھُس آتی ہیں ❖

۸۔ مسیح شریروں کی گواہی قبوُل نہیں کرتا۔ (زبُور ۵۰:۱۶) ❖

۹۔ دیکھو شیطان مسیح کو قدُّوس جانتا ہے۔ مگر نجات دہندہ نہیں مانتا ❖

۱۰۔ علم اور ایمان میں کیسا فرق ہے۔ یہ بدرُوح مسیح کی ذات اور شخصیّت کا خاصہ علم رکھتی ہے مگر ایمان سے بے بہرہ ہے۔ کیا یہ کہنا بے جا ہے کہ اس طرح کا علم نجات بخش نہیں ہوتا؟ نجات ایمان سے ہے ❖

پطرسؔ کی ساس اور اور بیماروں کو شِفا بخشنا

متّی ۸: ۱۴-۱۷ مرقس ۱: ۲۹-۳۴ لُوقا ۴: ۳۸-۴۰

مرقس اور لُوقا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مُعجزہ پہاڑی وعظ سے پہلے سبت کے دن کفرنحُوم کے عبادت خانہ کو چھوڑنے کے بعد واقع ہُوا۔ لیکن متّی جب ان مُعجزوں کا ذکر کرتا ہے تو وقت اور جگہ کا لحاظ نہیں کرتا۔

متّی ۸: ۱۴۔ اور یسُوع نے پطرس کے گھر میں آکر اُس کی ساس کو تپ میں پڑی دیکھا۔

مرقس اور لُوقا کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مُعجزہ اُس مُعجزہ کے بعد سرزد ہُوا جس کا ذکر ہم نے ابھی ختم کیا ہے۔ یعنے عبادت خانہ میں بدرُوح کو نکالنے کے بعد وُہ پطرس کے گھر میں آیا اور وہاں اُس کی ساس کو اچھّا کیا ❖

پطرس کے گھر میں آکر۔ اندریاس غالباً اپنے بھائی کے گھر میں رہتا تھا۔ اور یعقُوب اور یُوحنّا اس وقت مسیح کے ساتھ اُن کی ملاقات کو آئے ہوں گے۔ پطرس اور اندریاس بیت صیدا (یُوحنّا ۱: ۴۴) کے رہنے والے تھے۔ لیکن اغلب ہے کہ یہاں آبسے ہوں گے۔ یا شائد بیت صیدا کفرنحُوم کے قریب واقعہ ہوگا۔ ایک

خیال یہ بھی ہے کہ بیت صیدا کفرنحُوم کا بندرگاہ تھا ؀

دیکھو اندریاس بڑا تھا۔ وُہی پطرس کو مسیح کے پاس لایا تھا۔ اَور وہی پہلے بُلایا گیا تھا۔ تاہم اُس کا نہ اِس جگہ اور نہ کسی اَور جگہ اتنا ذکر آتا ہے جتنا پطرس کا ؀

اُس کی ساس کو۔ تعجّب ہے کہ رومن کیتھلک اپنے خادمانِ دین کے مجرّد رہنے پر اِس قدر زور دیتے ہیں۔ حالانکہ پطرس جس کا جانشین پوپ سمجھا جاتا ہے خود بیاہا ہُوا آدمی تھا۔ اَور نہ صرف اِس وقت اُس کی جورو جیتی تھی۔ بلکہ اُس وقت بھی جب کہ اپنی رسُولی خدمات کو انجام دے رہا تھا۔ پولُوس کو چھوڑ کر باقی رسُول بیاہے ہُوئے تھے۔ (۱۔کرنتھی ۹:۵)

تپ میں پڑے دیکھا۔ لُوقا بتاتا ہے کہ "بڑی تپ چڑھی تھی"۔ اُس زمانہ میں تپ دو قسموں میں تقسیم کی جاتی تھی۔ اور لُوقا جو طبیب تھا اصطلاحی لفظ "بڑی تپ" استعمال کرتا ہے۔ (کیمبرج لُوقا) اَور بعض کی رائے ہے کہ یہ تپ اپنی علامتوں سے ٹائیفس معلوم ہوتی ہے۔ (کیمبرج متّی) ملیریا فیور یردن کے دہانہ کے نزدیک بسبب دلدل کے عام ہے۔ (ٹامسن امریکن کامنٹری)

۱۵۔ اُس نے اُس کا ہاتھ چھُوا اور تپ اُس پر سے اُتر گئی اور وُہ اُٹھ کھڑی ہُوئی اور اُس کی خدمت کرنے لگی۔

لُوقا بتاتا ہے کہ اُس کی طرف جُھکا اَور تپ کو جھڑکا۔ مرقس اور لُوقا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اُس کی منّت کی کہ وُہ اُسے بُخار سے آزاد کرے ؀

ہمارا خُداوند صرف حُکم کے وسیلے بڑے فاصلہ سے مریضوں کو اچھّا کر دیتا تھا۔ پر عموماً وُہ مریض کو چھُوا کرتا تھا۔ یا ہاتھ سے اُن کو

پکڑا کرتا تھا۔ اور اُس کی یہ غرض تھی کہ یہ بات روشن ہو جائے کہ مُعجزے کی قُدرت کا اصل چشمہ وُہ خود ہے ؀

اَور وُہ اُٹھ کھڑی ہُوئی اَور اُس کی خدمت کرنے لگی۔ مرقس اور لُوقا میں ہے "اُن کی خدمت کرنے لگی"۔ یعنے مسیح کی اور اُس کے رفیقوں کی جو اُس کے ساتھ تھے خدمت کرنے لگی۔ اور اس خدمت سے غالباً مہمان نوازی کے لوازمات کو پُورا کرنا مُراد ہے۔ یعنے وُہ عام طریقہ جس سے عورت اپنے گھر میں اپنی شُکر گزاری ادا کر سکتی ہے۔ جیروم صاحب فرماتے ہیں کہ جس ہاتھ کو چھُوا اور اچھّا کیا تھا۔ وہی اَب خدمت کرنے لگ گیا۔ اَور یہ نمُونہ اُن کے لئے ہے جو رُوحانی طور پر شفا پاتے ہیں۔ چاہیئے کہ وُہ اپنی نئی طاقت کو مسیح اور اُس کے لوگوں کی خدمت میں صَرف کریں۔ دُوسرا خیال غور طلب یہ ہے کہ اُس نے دیر نہیں کی بلکہ فوراً خدمت کرنے لگی۔ واضح ہو کہ سخت بخار کے بعد لوگ کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور فوراً اپنے کاموں میں مصرُوف ہونے کے قابل نہیں ہوتے۔ لیکن یہ شفا ایسی کامل تھی کہ وُہ فوراً کام کرنے لگ گئی۔ طاقت بتدریج نہیں آئی بلکہ اُسی وقت آ گئی۔ پھر یہ بھی غور کے لائق ہے کہ اُس نے خدمت میں تاخیر نہیں کی ؀

یہ مُعجزہ اور اُس سے پہلے مُعجزے ایسے مشہُور ہُوئے کہ شام کے وقت بہت مریض اور بدرُوحوں سے گرفتار اُس سے شفا پانے کے لئے آئے۔ چُنانچہ لکھا ہے:۔

۱۶۔ جب شام ہُوئی تو اُس کے پاس بہت سے لوگوں کو لائے جن میں بدرُوحیں تھیں۔ اُس نے بدرُوحوں کو زبان ہی سے کہہ کر نکال دیا اَور سب بیماروں کو اچھّا کر دیا۔

لُوقا بتاتا ہے کہ "جن کے ہاں طرح طرح کی بیماریوں کے مریض تھے لوگ اُن کو سُورج کے ڈوبنے پر اُس کے پاس لائے"۔

شام کو لائے۔ کیونکہ اُس وقت گرمی کم ہو گئی ہوگی۔ یا شائد اس لئے کہ اُس دن سبت تھا اور یہودیوں کے دستور کے بموجب شام کے وقت سبت ختم ہو جاتا تھا۔ اُس نے بدرُوحوں کو بھی نکالا۔ مگر کلام ہی کے وسیلے۔ دیکھو جس طرح مسیح نے کوڑھ اور تپ والوں کو چھُوا اُس طرح اُن اشخاص کو جن پر بدرُوحیں تھیں کبھی نہیں چھُوا۔

یاد رہے کہ خُداوند مسیح خود سبت کے روز اچھّا کرنے سے پس و پیش نہیں کرتا ہے۔ اُس نے اس سبت کے روز بھی معجزہ کیا۔ اور اس کے بعد بار بار سبت کے دن مُعجزات دکھائے +

رِکٹّو صاحب کا یہ مُبارک خیال بہت خُوب ہے "سُورج جو کہ آج ان مُصیبت زدہ بیماروں کے گروہ کو دُکھ میں مُبتلا دیکھ کر غرُوب ہُوا تھا۔ کل اُنہیں اپنے طلُوع کے وقت تندرُست پاتا ہے"۔

ہمارے خُداوند کے مُعجزے بے شمار تھے۔ جو انجیلوں میں رقم ہیں وُہ مشتے نمونہ از خروارے کا کام دیتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اُس نے بے شمار مُعجزے کئے۔ مثلاً صرف متّی کی انجیل میں دیکھو (۴:۲۴ و ۹:۳۵ و ۱۱:۴ و ۱۲:۱۵ و ۱۴:۱۴ و ۱۴:۳۵ و ۱۵:۳۰ و ۱۹:۲) اِن بے شمار مُعجزوں پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یسُوع کس قدر اَوروں کی بھلائی کے لئے ایسے کام کیا کرتا تھا +

متّی اِس موقع پر ایک نبوّت یسعیاہ کی کتاب سے اقتباس کرتا ہے جس میں چند مُشکلات ہیں جن کا حل کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ وُہ نبوّت یہ ہے۔ "تو بھی اُس نے ہماری مشقّتیں اُٹھالیں اور ہمارے

غموں کو برداشت کیا"۔ (یسعیاہ ۵۳:۴) ان واقعات کی جو الفاظ مذکورہ بالا میں مندرج ہیں نبوّت کی گئی تھی۔ اور وُہ وقت معیّنہ پر پُوری ہُوئی۔ یہ چھٹی نبوّت ہے جو متّی اقتباس کرتا ہے۔ (دیکھو ۱:۲۳ و ۲:۵ و ۱۵: ۲۳ و ۴:۱۴) یسعیاہ ۵۲:۱۳ سے ۵۳:۱۲ تک مسیح کی اُن تکالیف اور دُکھوں سے علاقہ رکھتا ہے۔ جو اُس نے ہمارا عوضی ہو کر ہمارے لئے اُٹھائیں۔ (مقابلہ کرو ۱-پطرس ۲:۲۴) اَب مُشکل یہ ہے کہ پطرس کے مذکورہ بالا مقام کے مطابق تو مسیح گناہوں کا اُٹھانے والا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن متّی اِس جگہ اُسے بیماریوں اور کمزوریوں کا اُٹھانے والا بتاتا ہے ۔ اور متّی اصل کے زیادہ قرین معلوم ہوتا ہے۔ اَب اِس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گویا مسیح نے ہماری کمزوریاں اور بیماریاں جو ہمارے گنُاہوں کی سزا یا نتیجہ ہیں اُٹھالیں۔ متّی اور پطرس میں بظاہر جو فرق معلوم ہوتا ہے وُہ حل ہو جائیگا۔ اگر ہم اِس بات پر غور کریں کہ نوشتوں میں اخلاقی اور جسمانی دُکھ میں بڑا گہرا رشتہ پایا جاتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ قریباً ہر زبان میں ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن کا اطلاق اخلاقی اور جسمانی بدی دونوں پر ہوتا ہے۔ پر مُشکل اِس بات میں ہے کہ مسیح نے یہ بیماریاں اپنے اُوپر کس طرح لے لیں یا اُٹھالیں؟ البتّہ اُس نے بیماروں کی بیماریاں دُور تو کیں مگر اپنے اُوپر نہیں لیں۔

ایک حل اِس مُشکل کا یہ ہے کہ اُس کی محنتیں جو وُہ بیماروں کو اچھّا کرتے وقت اُٹھاتا تھا اس روز دِن کے خاتمہ پر بھی ختم نہ ہُوئیں۔ بلکہ اُس نے غرُوب آفتاب کے بعد بھی اپنا کام جاری رکھّا۔ جس کے سبب سے وُہ تھک گیا اور تھکنے سے اُس کو جو کامل انسان تھا دُکھ پہنچا۔ لہٰذا اِس معنی میں اُس نے اَوروں کی بیماریاں اپنے اُوپر اُٹھالیں

اور اُن کی بیماریوں کو اچھا کرنے کے سبب خود تکان اور ماندگی میں گرفتار ہُوا ۔

۲- ایک شرح یہ پیش کی گئی ہے کہ یہ طاقت اُس کی باطنی بھرپوری سے نکلتی تھی۔ اور جس طرح وہ جسمانی طاقت کو صرف کرنے سے تھک جاتا تھا اُسی طرح رُوحانی طاقت کے صرف کرنے سے رُوحانی طور پر تھک جاتا تھا۔ لہٰذا اِس معنے میں اُس کا تھک جانا گویا بیماروں کی بیماریوں کو اپنے اُوپر اُٹھا لینا تھا۔ ٹرنچ صاحب اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اوّل یہ تعلیم صحیح نہیں اور پھر (۲) یہ ثابت نہیں کہ متّی دیگر معجزوں اور کاموں کو نظرانداز کر دیتا ہے۔ اور فقط اُسی دن کی محنتوں پر یسعیاہ کی نبوّت پر چسپاں کرتا ہے۔ پس جس طرح اُس دن کے مُعجزوں پر یہ نبوّت عائد ہوتی ہے اُسی طرح اور دِنوں کے مُعجزوں پر بھی عائد ہو سکتی ہے۔ مانا کہ یہ دن بڑی تکان اور ماندگی کا دن تھا۔ تو بھی جس طرح اُس دن ہُوا اُسی طرح ہر روز اُن دُکھوں اور بیماریوں کا بوجھ اُس پر گرتا تھا۔ جو وُہ اپنے شفا بخش ہاتھ سے دُور کرتا تھا۔ ٹرنچ صاحب اُس قانُون کا ذکر کرتے ہیں جو مدد پہنچانے میں کام آتا ہے۔ اور وُہ اُصول یہ ہے "تم ایک دُوسرے کا بار اُٹھاؤ"۔ (گلتی ۶: ۲) اگر تُم کسی کا بوجھ اُٹھانا چاہتے ہو تو ضرور ہے کہ تُم خود اُس کے نیچے آؤ۔ اور جس غم کو تسلّی سے مالامال کرنا چاہتے ہو۔ ضرور ہے کہ خود اُس کو محسُوس کرو۔ یہ قانون جو ہمدردی اور رحم کے کاموں میں ظاہر ہوتا ہے خُداوند میں کامل درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ نہ صرف بیماریوں کو اچھا کرنے میں بلکہ اُس کی تمام زندگی میں اِس قانُون کا کمال جلوہ گر ہے۔ پس جب اُس نے فانی زندگی کو اپنے اُوپر لے لیا تو اُس نے سب بیماریوں کو بھی اپنے اُوپر اُٹھا لیا ۔

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱- جس نے ہمارے لئے سب کچھ کیا ہم اُس کے لئے کیا کریں؟ وُہ تو اب شخصی طور پر موجود نہیں ہے کہ ہم پطرس کی ساس کی طرح اُس کی خدمت (یعنی بدنی خدمت) کریں تو بھی ہم اُس کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ (۱) اوروں کو اُس کے پاس لا سکتے ہیں۔ یُوحنّا ۱: ۴۱۔ (۲) ہم اُس کے بیمار اور مصیبت زدہ بندوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ متّی ۲۵: ۴۰۔ (۳) ہم عام طور پر اُس کے احکام کی پیروی کر کے اپنی محبّت ظاہر کر سکتے ہیں۔ یُوحنّا ۱۴: ۱۵ ۔

۲- پطرس کا نمُونہ۔ وُہ صاحب خانہ شخص تھا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خانگی تکلیفیں اُس کو اُس کے مذہبی کام سے نہیں روکتی ہیں چنانچہ وُہ مسیح کے ساتھ عبادت خانہ کو جاتا ہے۔ (۲) وُہ اپنی خانگی تکلیف کو اپنے مذہب میں جگہ دیتا ہے۔ چُنانچہ خُداوند سے اپنی مریض ساس کے لئے دُعا کرتا ہے کہ وُہ اُسے اچھا کرے ۔

۳- مسیح کا دن کس طرح صرف ہُوا کرتا تھا۔ (۱) دُعا کی تازگی سے شروع ہوتا تھا اور (۲) محنت کی برکتوں کے ساتھ ختم ہوتا تھا ۔

۴- مسیح جھونپڑے کا گھر بادشاہوں کے محل کی نسبت زیادہ پسند کرتا ہے ۔

۵- اگر ضرورت ہو تو دُعا اور مسیحی خدمت کے لئے نیند کے وقت سے بھی کچھ وقت لے لینا چاہیے۔

۶- مسیحی مذہب اور خانگی زندگی میں اتحاد ہے۔ نا اتفاقی نہیں ۔

۷- سچّا مذہب خانگی زندگی کے فرائض کو ادا کرنا سکھاتا ہے وُہ ہم کو مریض رشتہ داروں سے غافل ہونا نہیں سکھاتا ۔

۸- دیکھو مسیح کیسا کام کرنے والا تھا۔ رات ہوتی جاتی ہے وُہ تھک جاتا ہے مگر پھر بھی لوگوں کو اپنی شفا بخش خدمت سے فائدہ پہنچا رہا ہے ۔

یروشلیم میں بیت حسدا پر ایک اڑتیس برس کے بیمار کو تندرست کرنا

یوحنّا ۵: ۱ — ۱۷

یُوحنّا ۵: ۱۔ اِن باتوں کے بعد یہودیوں کی ایک عید ہُوئی اور یسُوع یروشلیم کو گیا۔ اِس آیت میں ایک عید کا ذکر ہے جس پر بہت بحث ہوتی آئی ہے۔ اَور سوال یہ ہے کہ یہ کون سی عید تھی۔ جس کی تقریب پر ہمارا خُداوند یروشلیم کو گیا بعض مفسّروں کا یہ خیال ہے کہ عید فسح کی عید تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ پنتکُوست کی عید تھی۔ اور بعض کا خیال ہے کہ وُہ عید پوریم تھی جو آستر اَور مردکی کے زمانہ میں جاری ہُوئی۔ پہلے اور دُوسرے خیال کے ماننے والے زیادہ ہیں۔ ہم ذیل میں دونوں رائیں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:۔

۱۔ اوّل اُن لوگوں کا خیال پیش کیا جاتا ہے جو اِس عید کو عید فسح مانتے ہیں۔ اَور چُونکہ ٹرینچ صاحب اسی زُمرہ میں شامل ہیں۔ لہٰذا ہم اُن کے دلائل کو مختصر صُورت میں یہاں رقم کرتے ہیں۔ وُہ فرماتے ہیں کہ یہ سُوال بڑا ضرُوری ہے کیونکہ اس کے حل کرنے سے ہمارے خُداوند کی خدِمت یا کام کا عرصہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اگر اُن اشاروں سے جو اِس انجیل میں درج ہیں یہ سُوال حل نہ ہو تو اَور انجیلوں سے ہرگز حل نہ ہو سکے گا۔

اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ عید فسح کی عید تھی تو اُس حالت میں عید زیرِ نظر کو چھوڑ کر تین اَور فسح کی عیدوں کا تذکرہ اِس انجیل میں ملے گا۔ جس سے مسیح کی خدِمت کا عرصہ تین سال اور چھ ماہ کا ثابت ہوگا۔ جو نصف حصّہ اُن سالوں کے ہفتہ کا ہے جس کا ذکر پیشتر ہی سے (بعض کے گمان کے مطابق) دانی ایل کی نبوّت میں درج ہے۔ (دانی ایل ۹: ۲۷) لیکن اگر ہم اس کو عید پنتکُوست یا پُوریم مانیں جیسا کہ ان آخری دِنوں میں مانا جاتا ہے تو اُس رائے کو جو دانی ایل کی نبوّت سے اخذ کی گئی ہے کوئی تقویّت اس انجیل سے نہ پہنچے گی اور نہ اس انجیل سے دو یا اڑھائی برس سے زیادہ عرصہ مسیح کی خدِمت کے لئے نکلیگا۔ ٹرینچ صاحب بتاتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں آئیرنیس صاحب اِس رائے کو مانتے تھے۔ اور وُہ ناستکوں کے جواب میں جو یسعیاہ کے الفاظ "خُداوند کا سالِ مقبُول" پر زور دے کر یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہتے تھے کہ مسیح نے صرف ایک سال کے لئے خدمت کی۔ اُن فسح کی عیدوں کا جو ہمارے خُداوند کے ایّام خدمت میں آئیں شمار پیش کرتا ہے۔ اور اُن میں اِس عید کو بھی شامل کرتا ہے۔ آریجن صاحب اَور اسکندریہ کے بزُرگ جو ناستکوں کی مانند خُداوند کی خدمت کے عرصہ کو صرف ایک سال کا عرصہ مانتے تھے آئیرنیس کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے۔ اَور نہ یُونانی کلیسیا اِس رائے کو مانتی تھی۔ کریسسٹم اور سرِل اَور تھیافیلکٹ وغیرہ صاحبان اسے عید پنتکُوست مانتے تھے۔ لیکن کُچھ مدّت بعد تھیوڈورٹ صاحب نے دانی ایل کے نصف ہفتہ والے خیال کو ثابت کرنے کے لئے یُوحنّا کی انجیل کے اِس موقعہ کی طرف اشارہ کیا تاکہ مسیح کی خدمت کے عرصہ کو ثابت کرے کہ وُہ تین سال اَور ۶ ماہ کا عرصہ تھا۔ لُوتھر اَور کالون بھی اِسی خیال کو مانتے تھے ؎

زمانۂ حال میں ایک اَور خیال مروّج ہے جسے بہت لوگ مانتے ہیں
اور وُہ یہ ہے کہ یہ عید پوریم تھی۔ اِس خیال کے برخلاف ٹرنچ صاحب
فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی دلیل جو مجھے قائل کرتی ہے کہ یہ عید پوریم نہ تھی
یہ ہے کہ یُوحنّا صاف طور پر بتاتا ہے کہ مسیح یروشلیم میں اِس غرض سے
آیا کہ اس عید کو مانے۔ لیکن عید پوریم میں کوئی بات ایسی نہ تھی جو اُسے یروشلیم
میں کھینچ لاتی۔ کیونکہ یہ عید مذہبی نہ تھی۔ بلکہ انسان کی خود مقرر کردہ تھی۔
اور کوئی ہیکل کی عبادت یا خدمت اِس کے ساتھ وابستہ نہ تھی۔ بلکہ
لوگ اُسے اپنے گھروں میں مانا کرتے تھے۔ البتّہ یروشلیم میں یہ عید
بڑی شان وشوکت سے مانی جاتی ہوگی۔ تاہم اُس کی ضیافتوں اور
گرمجوشیوں میں۔ اُس کی بے اعتدالیوں اور شراب خوریوں میں کوئی ایسی
بات نہ تھی جس کے سبب سے ہمارا خُداوند اس موقعہ پر حاضر ہوتا کیونکہ
اُس کا اِس موقعہ پر حاضر ہونا گویا ان باتوں کے جواز پر گواہی دینا ہوتا۔
جس طرح مُوسٰی اَور ہارُون اور مریم آستر اور مردکی سے زیادہ بزُرگ تھے
اسی طرح عید فسح پوریم سے بزُرگ تھی۔ پس پوریم میں کوئی ایسی خاصیّت یا
وصف نہ تھا جس کے سبب سے ہمارا خُداوند یروشلیم کو اُس کے سبب
سے آتا۔ ان خیالات کی بِنا پر ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے پُرانی رائے
زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اَب ہم اِس کے برخلاف جو رائے عید پوریم کی تائید کرتی ہے اُسے
پیش کرتے ہیں۔ اور اِس خیال کے اظہار کے لئے گوڈے صاحب کے
الفاظ پیش کرتے ہیں۔ (اور کیمبرج سیریز میں جو تفسیر یُوحنّا پر ہے وُہ
بھی اِس خیال کی تائید کرتی ہے) گوڈے صاحب فرماتے ہیں کہ مفصّلہ
ذیل واقعہ (یعنی یہ معجزہ جس کا بیان ہونے والا ہے) خواہ کسی عید سے
متعلّق ہو۔ تاہم مسیح کے واپس آنے سے جس کا ذکر اُوپر ہُوا بہت عرصہ

بعد وقوع میں آیا۔ جو عید دسمبر کے بعد آتی تھی وُہ عید تجدید کو چھوڑ کر
جو دسمبر کے آخر میں آتی ہے اور جس کا خیال تک یہاں نہیں کیا جا سکتا
عید پوریم تھی۔ اگر ہم حرف تعریف ἡ لفظ ἑορτή
سے پہلے پڑھیں (جس کا ترجمہ "وُہ عید" ہوگا) تب تو معنی میں کسی طرح
کی غلطی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اُس حالت میں ضرور مُراد عید فسح سے ہوگی
جو یہودیوں کی عیدوں میں سب سے بڑی تھی۔ اور یُونانی بولنے والوں
کو اچھی طرح معلوم تھی۔ (۶: ۴) اَب بحث یہ ہے کہ کیا جہاں حرف
تنکیر تھا۔ وہاں حرف تعریف نہیں رکھا گیا؟ اور "ایک عید" کی
جگہ "وُہ عید" کر دیا گیا ہے؟ اور ۲: ۱۳ و ۶: ۴ کی طرح اسے بھی معنے
خصُوصیّت کے دے کر عید فسح سمجھ لیا ہے؟ اَب سوال یہ ہے کہ کیوں
بے شمار نسخوں میں حرف تعریف نہیں پایا جاتا؟ اِس کا بعض نسخوں
میں درج کیا جانا بہ آسانی سمجھ میں آ جاتا ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ
بہت سے نسخوں میں کیوں نہیں پایا جاتا۔ اور اگر اصل میں حرف
تعریف نہیں آیا تو نہ صرف فسح کی تائید میں کوئی دلیل ہی نہیں ملتی
بلکہ فسح کے خیال کی بالکل نفی ہو جاتی ہے۔ کیا سبب ہے کہ یُوحنّا نے
اِس جگہ اُس کا نام اسی طرح لیا جیسا اُس نے ۲ اور ۶ اور ۱۲ باب میں
لیا ہے۔ علاوہ اس کے تھوڑی دیر بعد یعنی ۶: ۴ میں ایک اور فسح کا
ذکر آتا ہے۔ جس کے متعلّق ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح گلیل میں رہا۔ اگر ہم
عید زیر بحث کو فسح مانیں تو ہم مجبُور ہوں گے کہ ابواب ۵ اور ۶ کے
درمیان ایک سال کا عرصہ تسلیم کریں۔ مگر اِس عرصہ کی نسبت یُوحنّا
ایک لفظ بھی تحریر نہیں کرتا ہے۔ پس یہ قیاس بالکل غیر ممکن ہے۔ اور
پھر ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح ۷: ۱۹ - ۲۴ میں پھر اپنے تئیں اِس اڑتیس برس
کے بیمار کو تندرست کرنے کے الزام سے بری کر رہا ہے۔ اب کیا ممکن ہے

کہ وُہ ایک سال کے عرصہ کے بعد (کیونکہ اگر باب ۵ اور ۶ میں دو عیدوں کا ذکر ہے تو کم از کم عرصہ ایک سال کا ضرور حائل ہُوا۔) پھر اس واقعہ پر بحث شروع کرتا ہے۔ باب ۴: ۳۵ نے ہمیں دسمبر مہینے میں پُہنچایا تھا۔ اور باب ۶: ۴ سے ماہ اپریل ظاہر ہوتا ہے (ان مقاموں پر اُن کی تفسیر۔ یُوحنّا کو دیکھنا چاہئے) اَب اِن دونوں زبانوں کے درمیان اَور کون سی عید سوائے پوریم کے خیال کی جا سکتی ہے۔ یہ عید اُس رہائی کو یاد دلاتی تھی جو یہُودیوں کو ملکہ آستر کے وقت نصیب ہُوئی۔ یہ عید اَور بڑی تین عیدوں کی طرح خُدا کی مقرّر کردہ نہ تھی اور یہی سبب ہے کہ اُس کے ساتھ حرف تنکیر چسپاں کیا گیا ہے۔ اور چُونکہ وُہ اَور عیدوں کی بہ نسبت غیر قوموں کے درمیان بہت کم مشہُور تھی۔ اور چونکہ وُہ پولیٹکل خاصیّت کے سبب سے کلیسیا کے لئے بہت دِل چسپی نہ رکھتی تھی اس لئے ضرور نہ تھا کہ اُس کا نام بتایا جاتا۔ اِس عید کے لئے یروشلیم میں جانے کے خلاف دو باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ اوّل کہ وُہ خُدا کی مقرّر کردہ نہ تھی لیکن ۱۰ باب میں مسیح کے عید تجدید میں جانے کا ذکر ہے اَور وُہ عید بھی مُوسوی شریعت سے متعلّق نہ تھی۔

دُوسرا اعتراض یہ ہے کہ اِس عید کے موقعہ پر جو خُوشیاں ہوتی تھیں وُہ جسمانی قسم کی ہوتی تھیں۔ پس ان کے سبب سے یسُوع کا یروشلیم میں رہنا بے فائدہ تھا۔ لیکن خُداوند فسح کی عید کے لئے یہُودیہ میں رہنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اور اگر اُس نے یہُودیہ کو چھوڑا تو صِرف اُس مخالفت کے سبب سے جو اُس اڑتیس سال کے بیمار آدمی کو تندرُست کرنے سے وجُود میں آئی۔ اَور اس عید کی جسمانی خاصیّت اس تجویز کے برخلاف نہ تھی۔ یہ یسُوع کی عین شان کے لائق تھا۔ کہ وُہ ایسی خُوشیوں میں شامل ہو کیونکہ وُہ ایک سچّا پیٹریاٹ (حب الوطنی رکھنے والا) بھی تھا۔ پس

زیبا یہی تھا کہ وُہ ایک پولیٹکل اور قومی عید کو اپنی حضُوری سے مقدّس کرتا نہ یہ کہ وُہ اُس سے بھاگ جاتا۔ . . . اور یہ سُوال بڑا مطلب رکھتا ہے کیونکہ اگر۔ یُوحنّا ۵: ۱ میں پوریم کی عید مانی جائے جیسا کہ ہماری رائے میں ماننا چاہیئے۔ تو یسُوع کی زندگی کے واقعات تھوڑے عرصہ میں سما جاتے ہیں۔ یعنے اڑھائی سال کے عرصہ میں اُس کی زندگی کی کُل تاریخیں (Dates) داخل ہو جاتی ہیں۔ یعنے ۴: ۳۵ ماہ دسمبر (پہلا سال) ۵: ۱ مارچ ۶: ۴ اپریل ۷: ۱ اکتوبر ۱۰: ۲۲ دسمبر (دُوسرا سال) اور ۱۲: ۱ اپریل (تیسرا سال)، پر اگر برعکس اس کے ۵: ۱ سے مُراد فسح ہے یا اُن عیدوں میں سے کوئی عید جو یہُودیوں کے سال میں اُس کے بعد آتی ہیں۔ تو ہم مجبُور ہوں گے کہ ہم خُداوند کی خدمت کے لئے ساڑھے تین سال تسلیم کریں۔

رائے مذکورہ بالا گوڈے صاحب کی ہے۔ اور بہت کُچھ اسی طرح وُہ لوگ اِس رائے کو پیش کرتے ہیں جو عید پر بحث کو پوریم مانتے ہیں۔ ہم نے دونوں رائیں مفصّل پیش کر دی ہیں۔

۲۔ یروشلیم میں بھیڑ دروازہ کے پاس ایک حوض ہے جو عبرانی میں بیت حسدا کہلاتا ہے۔ اور اُس کے پانچ برآمدے ہیں۔

اِس آئت سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ یُوحنّا کی انجیل یروشلیم کے تباہ ہونے سے پیشتر لکھی گئی۔ کیونکہ رسُول فرماتا ہے "یروشلیم میں بھیڑ۔۔ دروازہ کے پاس ایک حوض ہے" جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گویا جس وقت یہ انجیل لکھی گئی اُس وقت وُہ حوض موجود تھا۔ لہذا یروشلیم ابھی تباہ نہ ہُوا تھا۔ لیکن ممکن ہے کہ یہ حوض یروشلیم کی تباہی کے وقت اچھوڑ دیا گیا ہو اور اس پر کسی نے ہاتھ نہ بڑھایا ہو۔ نیز علم

بیان کے مطابق گذشتہ واقعات کو زمانۂ حال میں بیان کرنا تازہ بیانی کا لُطف رکھتا ہے ⁂

بھیڑ دروازہ کے پاس۔ نحمیاہ ۳: ۱ و ۳۲ و ۱۲: ۳۹ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک دروازہ بھیڑ دروازہ کہلاتا تھا۔ اور اُس کی وجہ تسمیہ غالباً یہ ہوگی کہ وہاں قُربانی کی بھیڑیں فروخت ہوتی ہوں گی۔ یہ دروازہ ہیکل کے پاس تھا۔ مگر یہ نام نئے عہد نامہ میں سوائے اس جگہ کے اور پُرانے عہد نامہ میں سوائے نحمیاہ کی کتاب کے اور کسی جگہ نہیں آیا۔ یُونانی میں لفظ TT COB L TLKY آیا ہے جس کا ترجمہ "بھیڑ کا" ہو سکتا ہے۔ اِس میں مضاف محذوف ہے اور یہ حذف ایسا عجیب ہے کہ اُس کی اور مثال کلام میں نہیں ملتی۔ لہٰذا یقینی طور پر محذوف کی نسبت کُچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وُہ کیا تھا۔ ایک اور ترجمہ بھی ہو سکتا ہے۔ "یروشلیم میں بھیڑ حوض کے پاس ایک جگہ ہے جو عبرانی زبان میں بیت حسدا کہلاتی ہے"۔ (کیمبرج یُوحنّا) غالباً زیادہ بہتر وہی ترجمہ ہے جو ہماری اُردُو انجیل میں پایا جاتا ہے ⁂

بیت حسدا۔ اِس لفظ کے معنے "رحمت کا گھر" ہیں۔ یہ نام اِس کا یا تو اِس لئے رکھّا گیا کہ اُس کو کسی فیّاض یہُودی نے بیماروں کے لئے جو یہاں اکٹھّے ہوتے تھے بنایا ہوگا۔ اور یا اِس لئے کہ یہاں بیماروں کے شفا پانے میں خُدا کی رحمت کا ظہُور نمایاں ہوتا تھا۔ یہ نام بھی کلام میں کسی اور جگہ نہیں آتا ہے۔ روائت بتاتی ہے کہ یہ وہی جگہ ہے جو اب "برکتِ اسرائیل" کہلاتی ہے۔ مگر یہ رائے اب عموماً نہیں مانی جاتی ہے ایک اور جگہ ہے جو "کنواری کا حوض" کہلاتی ہے۔ اور اُس کو بھی "بیت حسدا کا حوض" بتاتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اب تک پانی چشموں کی طرح کبھی بہتا اور کبھی بند ہو جاتا ہے۔ اور یہ چشمہ شیلوخ کے حوض سے

وابستہ ہے۔ اور بعضوں کی رائے میں شیلوخ ہی بیت حسدا ہے۔ اور یہ بات کہ یُوحنا رسُول اس جگہ اُسے بیت حسدا کہتا ہے اور ۹: ۷ میں شیلوخ اِس رائے کی مخالفت نہیں کرتی کیونکہ ممکن ہے کہ بیت حسدا تو عمارت کا نام ہو اور شیلوخ حوض کا نام ہو۔ اور یُونانی لفظ جس کا ترجمہ "کہلاتا ہے" کیا گیا ہے۔ اُس کے لفظی معنے "نیز کہلاتا ہے" ہیں۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گویا اِس کا نام اور بھی تھا۔ (یعنی شیلوخ یا کوئی اور) (کیمبرج یُوحنّا) یہ ایک ایسا سُوال ہے جس پر بہت بحث ہُوئی ہے۔ اور جس کی نسبت مختلف قسم کی رائیں مروّج ہیں سب کو درج کرنا مُشکل معلوم ہوتا ہے۔ رائل صاحب کا یہ خیال صحیح ہے کہ ۱۸ سو سال کی تبدیلیوں کے سبب سے اِس قسم کے معاملات تسلّی بخش طور پر حل نہیں ہو سکتے۔ دُنیا میں شائد اور کوئی جگہ ایسی نہیں جیسی یروشلیم جس کی عمارتوں اور اُن کے جائے وقوع کی کی نسبت کامل طور پر فیصلہ کرنا نہائت مُشکل ہے ⁂

عبرانی زبان۔ سے مُراد آرمیک زبان ہے جو اُس زمانہ میں بولی جاتی تھی۔ نہ کہ پُرانے نوشتوں کی عبرانی ⁂

بعض خیال کرتے ہیں کہ بھیڑ دروازہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہاں بھیڑیں قُربانی کے لئے بیچی جاتی تھیں اور کاہنوں کی جماعت اُسی طرف سے گُذرا کرتی تھی۔ (مفصّل بیان کے لئے دیکھو گوڈے) ⁂

پانچ برآمدے۔ یہ چھت دار مکان بیماروں کی پناہ اور آرام کے لئے تھے۔ یہ ایک قسم کی خیراتی جگہ تھی ⁂

۳۔ اِن میں بہت سے بیمار اور اندھے اور لنگڑے اور پژمُردہ لوگ پڑے تھے۔

نئے ترجمہ میں کُچھ حصّہ اس آئت کا یعنی "اور یہ پانی کے ہلنے کے

مُنتظر تھے"۔ اور چوتھی ساری آئت نکال دی گئی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ الفاظ زیادہ قدیم نسخوں میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ اور پھر کئی ایسے نسخے بھی ہیں۔ جن میں آئت ۴ کے متعلق ایسے نشان موجود ہیں جو اُسے مُشتبہ ثابت کرتے ہیں۔ اور پھر جن میں یہ آیت پائی جاتی ہے وہاں بیان میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ غالباً اس سے اُس شفا بخش پانی کی نسبت جو کبھی کبھی ہلنے لگ جاتا تھا یہودیوں کا عام اعتقاد ظاہر ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ الفاظ تشریح کے طور پر حاشیہ پر لکھے گئے ہوں گے۔ اور پھر رفتہ رفتہ متن میں داخل ہو گئے ہوں گے۔ پانی غالباً اپنی خاصیت میں معدنی ہوگا۔ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ جب پانی کی دھار زور سے بہ نکلتی ہے اُس وقت یہ پانی زیادہ مؤثر ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ الفاظ ایسے ہیں کہ اگر وُہ حاصل نسخے میں نہ ہوں تو بھی اُن کو متن میں رہنے دینا نامناسب نہیں۔ پر اگر اصل میں ہوں تو اُن کو خارج کرنا بڑے نقصان کا باعث ہے۔ ٹرینچ صاحب فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی ایسی بات نہیں جو انجیل کی شان کے خلاف ہو۔ رائل صاحب جو کچھ اس پر تحریر فرماتے ہیں اُس کا لُب لُباب یہ ہے کہ یہ ایک معجزہ تھا جو ہر سال واقع ہوتا تھا تاکہ یہودی جن کے درمیان ملاکی کے وقت سے فوق العادت اظہارات بند ہو گئے تھے معجزوں کی حقیقت کو بھول کر اُن کو ماننا نہ چھوڑ دیں۔ لہٰذا خُدا اُن کے درمیان اس معجزہ کو ہمیشہ ہر سال وقوع میں لاتا رہا۔ پر ہمیں یہ معلوم نہیں کہ یہ فوق العادت ظہور کب شروع ہُوا اور کیوں؟ ہم کو اس کی نسبت کچھ بتایا نہیں گیا۔ فرشتہ کی مداخلت کوئی نئی بات نہ تھی۔ اُن کے کاموں کی نسبت ہم پُرانے اور نئے عہد ناموں میں پڑھتے ہیں۔ رائل صاحب کے نزدیک سب سے سہل اور سادہ شرح یہ ہے کہ ہم اس واردات کو ایک حقیقی واقعہ

سمجھیں۔ اور ایک معجزہ مانیں جو ہمیشہ ایک خاص وقت پر سرزد ہُوا کرتا تھا۔ غالباً ہر سال ایک مرتبہ۔ ٹرینچ صاحب فرماتے ہیں کہ اِس بیان میں کوئی ایسی نازیبا بات نہیں پائی جاتی جو مقدس یوحنا کی انجیل میں داخل ہونے کے قابل نہ ہو۔ یہ خیال اُس تصوّر پر مبنی ہے جو ساری فطرت میں ایک اعلےٰ ہستی کو دیکھتا ہے جو فطرت سے بلند اور بالا ہے...... اور سارے واقعات میں اُسی کی قدرت کے اظہار کو معائنہ کرتا ہے۔ اور یہ مانتا ہے کہ تمام غیر مرئی آلات خواہ وُہ شخصی ہوں یا غیر شخصی اُسی کی مرضی کو پُورا کر رہے ہیں۔

ایک شخص ہیمنڈ نامی پانی کے ہلنے کی اور فرشتہ کے آنے کی عجیب تفسیر پیش کرتا ہے۔ وُہ کہتا ہے کہ پانی میں شفا بخش تاثیر قربانیوں کے خُون کے ملنے سے پیدا ہو جاتی تھی۔ اور یہ خُون زیادہ تر اُس وقت پانی میں ملتا تھا جس وقت قربانیاں زیادہ چڑھائی جاتی تھیں۔ مثلاً فسح کے موقع پر۔ اور فرشتہ سے مُراد ایک قاصد یا نوکر ہے جو اُن لوگوں کی طرف سے بھیجا جاتا تھا جو پانی کے ہلانے کے کام میں مہارت رکھتے تھے۔ اور ہلانا اس واسطے ضروری تھا کہ جو ٹکڑے اور ریزے قربانی کے خُون کے بھاری ہونے کے سبب سے نیچے بیٹھ جاتے تھے وُہ پھر ہلائے جائیں کیونکہ زیادہ تر اُنہیں میں اچھا کرنے کا وصف پایا جاتا تھا۔ اور صرف ایک ہی آدمی اس واسطے اُس میں گھس سکتا تھا کہ اُس حوض کو دیدہ و دانستہ تنگ بنایا تھا۔ تاکہ پانی میں جو شفا بخش طاقت تھی وُہ مُنتشر نہ ہونے پائے۔ ہیمنڈ اس خیال کو تھیا فیلکٹ کی کتاب سے لیتا ہے۔ لیکن یہ ثابت نہیں کہ تھیا فیلاکٹ صاحب خود اِس تھیوری کو مانتے تھے۔

اب اُن مریضوں میں سے جو وہاں پانی کی حرکت کے منتظر تھے مسیح

صرف ایک شخص کو اپنی معجزانہ قدرت کے اظہار کے لئے چُن لیتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ وُہ اصل میں امراضِ جسمانی کو اچھا کرنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ اگر یہی اُس کے آنے کا مقصد ہوتا تو سب کو اچھا کرتا۔ پر اُس کا مقصد یہ تھا کہ امراضِ جسمانی کو شفا دے کر اُس رُوحانی شفا کا پتہ دے جو اُس رُوحانی طبیب سے مریضانِ گُناہ کو حاصل ہوتی ہے۔

۵۔ وہاں ایک شخص تھا جو اڑتیس برس سے بیماری میں مُبتلا تھا۔

اِس آیت میں اڑتیس سال کا ذکر ہے۔ اِس عرصہ سے نہ یہ مُراد ہے کہ اُس کی عُمر کُل اڑتیس سال کی تھی اور نہ یہ کہ وہ اڑتیس سال سے اِس حوض کے کنارے بیٹھا حرکتِ آب کی انتظاری کرتا تھا گو اُس کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وُہ مدّت سے وہاں بیٹھا ہُوا تھا۔ اصل مطلب یہ ہے کہ وُہ عرصہ اڑتیس سال سے بیماری کے پنجہ میں گرفتار تھا۔ لفظی ترجمہ ہے جس نے "اڑتیس سال بیماری میں گزارے تھے"۔ بعض اشخاص جو ہر بات سے کوئی نہ کوئی علامتی معنے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں وُہ اڑتیس سال سے بنی اسرائیل کی آوارگی مراد لیتے ہیں۔ اور بیماری سے مسیح کے آنے تک یہودی کلیسیا کی بے اُمّید حالت اور بیت حسدا سے پُرانا عہد نامہ مُراد لیتے ہیں۔ جس سے محدُود برکت مِلتی تھی یعنے صرف کوئی کوئی اچھّا ہوتا تھا۔ مسیح کے شفا بخشنے سے انجیلی برکتوں کا زمانہ مراد لیتے ہیں۔ یہ خیال دین دارانہ تو ہیں مگر کوئی بُنیاد اُن کے لئے اس بیان سے نہیں مِلتی۔ (رائل)۔

۶۔ اُس کو یسُوع نے پڑا دیکھا .... اُس سے کہا کیا تو تندرُست ہونا چاہتا ہے؟

کیا تُو تندرُست ہونا چاہتا ہے؟ بادی النّظر میں یہ سُوال بالکل فضول سا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنی بیماری سے تندرُست ہونا نہ چاہتا ہو۔ علاوہ بریں اس مریض کا اِس حوض پر حاضر ہونا ہی ثابت کرتا ہے کہ وُہ تندرُست ہونا چاہتا تھا۔ تاہم مسیح کا یہ سُوال کچھ معنے رکھتا ہے۔ یہ شخص اتنی مدّت سے یہاں موجُود تھا پر کوئی اُس کی مدد نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا وُہ بالکل مایُوس ہو بیٹھا تھا۔ اُس کے دُکھ اور لوگوں کی بے پروائی نے اُس کے نخلِ اُمّید کو پژمُردہ کر دیا تھا۔ پس مسیح کا یہ سُوال یہ مطلب رکھتا تھا کہ اُس کے دِل میں اُمّید کا خیال تازہ ہو۔ اور وُہ جانے کہ وُہ شخص جو مجھ سے ہم کلام ہو رہا ہے میرے لئے فکرمند ہے۔ مجھ کو پیار کرتا ہے۔ اور یوں اُس کی محبّت کو محسُوس کر کے ایک قدم اور آگے بڑھے اور اُس کی قُدرت کا بھی مُعتقد ہو جائے۔ دُوسرے لفظوں میں یُوں کہیں کہ مسیح پہلے اُس شخص کو ایمان کی برکت عطا فرماتا ہے جو دُوسری برکتوں کے حصُول کے لئے اشد ضرُوری ہے۔

اِس سُوال کا یہ مطلب نہیں جیسا بعض نے خیال کیا ہے کہ مسیح یہ کہتا ہے کہ آج سبت ہے پر کیا تُو سبت کے دن اچھّا ہونا چاہتا ہے؟

یہ بات قابلِ غور ہے کہ چوتھی انجیل میں جتنے مُعجزے درج ہیں وُہ بادشاہ کے ملازم کو چھوڑ کر سب ایسے ہیں کہ مسیح بے پُوچھے اور بے کہے خود بخود اُن کو وجُود میں لاتا ہے۔ یعنے کوئی اُس سے درخواست نہیں کرتا بلکہ وُہ آپ ہی آپ اُن کو وجُود میں لاتا ہے۔

۷۔ اُس بیمار نے اُسے جواب دیا .... آدمی نہیں کہ جب پانی ہلایا جائے ...... دُوسرا مجھ سے پہلے اُتر پڑتا ہے۔

اس شخص کے جواب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وُہ مسیح کے سُوال کا جواب نہیں دیتا۔ بلکہ اُسے بتاتا ہے کہ مَیں کیوں اَب تک اِس بیماری میں مُبتلا ہُوں۔ وُہ کہتا ہے کہ پانی کی تاثیر تھوڑی دیر تک رہتی ہے۔ اور مَیں ایسا کمزور ہُوں کہ خود اُس میں اُتر نہیں سکتا اور غیر میری مدد نہیں کرتے لہذا اِس بیماری میں اَب تک مُبتلا ہُوں گو ہر چند چاہتا ہُوں کہ کسی طرح اس کے پنجہ سے مخلصی پاؤں ؛

میرے پاس کوئی آدمی نہیں۔ وُہ نہ صرف تندرستی کی نعمت سے محرُوم ہے بلکہ دوستوں کی دوستی سے بھی محرُوم ہے۔ یہ جُملہ انسان کی بے مہری اور سخت دِلی پر دلالت کرتا ہے ؛

جب پانی ہلایا جائے تو مجھے حوض میں اُتار دے۔ اِس سے معلُوم ہوتا ہے کہ پانی کسی وقت معیّنہ پر جُنبش نہیں کرتا تھا۔ ورنہ یہاں اتنی دیر تک ٹھہر کر انتظار کرنے کی ضرورت نہ ہوتی ؛

میرے پہنچتے پہنچتے دُوسرا مجھ سے پہلے اُتر پڑتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جگہ بہت تنگ ہوگی کیونکہ وُہ یہ نہیں کہتا کہ دُوسرے مجھ سے پہلے اُتر پڑتے ہیں بلکہ یہ کہتا ہے کہ دُوسرا مجھ سے پہلے اُتر پڑتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جگہ بہت تنگ تھی۔ اور صرف ایک ہی اُتر سکتا تھا ؛

۸۔ یسُوع نے اُس سے کہا اُٹھ اور اپنی چارپائی اُٹھا کر چل پھر۔

آخرکار اُس کی انتظاری اور بے قراری کا وقت تمام ہو جاتا ہے۔ اور مسیح اُسے شفا بخشتا ہے ؛

مسیح اِس جگہ اس مریض کے ایمان کے متعلّق کچھ تحقیق نہیں کرتا۔ کیونکہ وُہ جانتا ہے کہ اُس میں ایمان ہے۔ اور وُہ بھی اُس کے

حُکم کی تابعداری سے اپنے ایمان کا ثبُوت دیتا ہے۔ اُس نے اُس کا حُکم مانا اور محسُوس کیا کہ اُس حُکم کے ساتھ اُس کی قُدرت کا دریا بھی بہ نِکلا ہے ؛

چارپائی۔ اِس سے مُراد چٹائی یا کوئی کپڑا مثل دری کے ہوگا ؛

دیکھو شفا کی کاملیّت۔ اُس میں تین درجے ہیں۔ اُٹھ۔ چارپائی اُٹھا۔ چل۔ اُس کو کامل شفا ملی۔ واضح ہو کہ یہ شخص وہی شخص نہیں جو چھت کے نیچے اُتارا گیا تھا۔ (متی ۹ مرقس ۲۔ لُوقا ۵)، وقت اور جگہ اور تفصیل سب ظاہر کرتے ہیں کہ وُہ یہ شخص نہ تھا۔ خصُوصاً یہ بات کہ مُعجزہ ہذا سبت کے روز وقُوع میں آیا اِس تفریق کے لئے فیصلہ کُن ہے ؛

۹۔ وُہ شخص فوراً تندرُست ہوگیا۔ اور اپنی چارپائی اُٹھا کر چلنے پھرنے لگا۔

اِس مریض کا چارپائی اُٹھا کر چلنا اِس بات کا ثبُوت ہے کہ یہ مُعجزہ ایک حقیقی مُعجزہ تھا کیونکہ سواء الٰہی قدرت کے اَور کوئی چیز اتنے برس کے مریض کو اِس قابل نہیں بنا سکتی تھی کہ وُہ نہ صرف آپ ہی چلے بلکہ بوجھ بھی اُٹھائے۔ اعمال ۳: ۲ میں ایک لنگڑے کے تندرُست ہونے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ جو شفا پا کر کُودنے اور خُدا کی تعریف کرنے لگ گیا۔ وُہ شخص ماں کے پیٹ سے لنگڑا پیدا ہُوا تھا لہذا اُس کا لنگڑا پن اُس کے کسی شخصی گُناہ کا نتیجہ نہ تھا۔ مگر اِس شخص کو چارپائی اُٹھانے کا حُکم دیا گیا تاکہ یہ فعل اُس کے پُرانے گُناہ کو اُسے یاد دلائے ؛

۱۰۔ وُہ دِن سبت کا تھا۔ پس یہُودی اُس سے جس نے شفا پائی تھی کہنے لگے کہ آج سبت کا دن ہے۔ تجھے چارپائی اُٹھانا روا نہیں

اس حصہ میں یعنے ۱۰-۱۸ آیات تک اُس بحث کا ذکر ہے جو اس مُعجزہ کے سبب سے برپا ہُوئی۔ اور اس بحث سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں (۱) یہ کہ اس مریض کی شفایابی الٰہی رحمت اور انصاف کو ظاہر کرتی ہے جیسا کہ مسیح کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے (آئت ۱۴) (۲) یہودیوں کا الزام لگانا۔ (آیات ۱۰ و ۱۶ و ۱۸) (۳) مسیح کا اپنے تئیں اُن کے الزام سے بری کرنا (آئت ۱۷) (ویسکٹ)۔

یہُودی۔ یہ لفظ مسیح کے مخالفوں کے لئے آیا ہے۔ اور بعض دفعہ عام قوم کے لئے بھی آتا ہے۔ مگر یہاں دینی پیشواؤں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ شائد سنہیڈرم کے شرکاء سے مُراد ہے۔ (دیکھو ۱: ۱۹ نیز دیکھو ۷: ۱ و ۹: ۲۲ و ۱۲: ۱۵ و ۱۴) اب یہ لوگ نکتہ چینی شروع کرتے ہیں اور خصوصاً اس لئے کہ اس وقت اُن کے پاس مخالفت کے لئے ایک بہانہ موجود ہے۔ اور وہ یہ کہ اُس نے اس مریض کو سبت کے دن چارپائی اُٹھانے کا حکم دیا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرح اُن کے اعتراض کی تائید پُرانا عہدنامہ اور نبیوں کا کلام بھی کرتا تھا۔ (خروج ۲۳: ۱۲ و ۳۱: ۱۴ و ۳۵: ۲ و ۳۔ گنتی ۱۵: ۳۲ نحمیاہ ۱۳: ۱۵ اور خصوصاً یرمیاہ ۱۷: ۲۱) سو وہ سمجھتے تھے کہ اب وہ ہمارے چنگل سے کسی طرح نہیں چھوٹ سکتا لیکن یہ اُن کی غلطی تھی۔ کیونکہ مسیح کا یہ دعوےٰ تھا اور وہ واجب تھا کہ سبت کے دن نیکی کرنی روا ہے (لوقا ۶: ۹) اور اگر یہ دعوےٰ صحیح ہے تو پھر اس شفایافتہ مریض کا چارپائی اُٹھانا ناجائز کام نہ تھا۔ کیونکہ اُس کا یہ فعل کوئی جداگانہ فعل نہ تھا بلکہ اُس کے شفا پانے کا ایک جزو تھا۔ یعنے وہ اس فعل سے ثابت کرتا ہے کہ میں درحقیقت تندرست ہو گیا ہوں۔ پس اگر تندرست کرنا ناواجب نہ تھا تو چارپائی اُٹھا کر چلنا بھی جو اُس کا لازمی نتیجہ اور ثبوت تھا ناواجب

نہ تھا۔ پس بجائے اس کے کہ سبت ٹوٹے اس معجزے سے سبت کی توقیر ہُوئی۔ کیونکہ سبت کے روز نیک کام کرنا شریعت کے خلاف نہ تھا بلکہ اُس کا نہ کرنا خلاف تھا۔

۱۱- اُس نے اُنہیں جواب دیا۔ جس نے مجھے تندرست کیا اُسی نے مجھے فرمایا کہ اپنی چارپائی اُٹھا کر چل پھر۔

یہ جواب بالکل سادہ ہے مگر نہائت پُرمطلب۔ ان لوگوں نے مذکورہ بالا مقامات کے زور پر اس قدر بےشمار باتیں سبت پرستی کے متعلق پیدا کر دی تھیں۔ (جن کا ذکر لوقا ۱۳: ۱۵ و ۱۶ میں آئے گا۔) کہ ایک عام اور ان پڑھ آدمی یہ فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ سبت کے روز کیا روا ہے اور کیا ناروا ہے۔ مگر یہ شخص ایسا جواب دیتا ہے جو حکمت اور دانائی سے پُر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس نے مجھے تندرست کیا اُسی نے چارپائی اُٹھانے کا حکم دیا۔ اور میں اُس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر وہ اس قابل ہے کہ ایسے پُرانے اور دیرپا مرض کو اپنے کلام کے زور سے دُور کر دے تو وہ اس لائق بھی ہے کہ اُس کی فرماں برداری کلی طور پر کی جائے۔ اور پھر وہ قادر ہمدرد حکیم کب مجھے کوئی ایسا کام کرنے کو کہتا جو شریعت کے برخلاف ہوتا؟ اگر ہمارے مسیحی کاموں سے دُنیا ہمارے برخلاف ہو جائے اور اُنہیں اپنے دستوروں اور اصولوں کے برخلاف سمجھے تو ہمیں بھی جواب دینا چاہیئے (مقابلہ کرو یوحنا ۹ باب کے جنم کے اندھے کے جواب کے ساتھ)۔

۱۲- اُنہوں نے اُس سے پُوچھا کہ وہ کون شخص ہے جس نے تجھ سے کہا چارپائی اُٹھا کر چل پھر؟

ان لوگوں کے حسد اور دشمنی کو دیکھ کر کیسا تعجب آتا ہے۔ وہ

یہ نہیں پوچھتے کہ وہ کون شخص ہے جس نے تجھے اچھا کیا؟ بلکہ یہ پوچھتے ہیں "وہ کون شخص ہے جس نے تجھ سے کہا چارپائی اُٹھا کر چل پھر"؟ لازم تھا کہ وہ اُس شخص کی ملاقات کی آرزو ظاہر کرتے جس نے یہ پُرفضل کام کیا تھا۔ پر برعکس اِس کے وہ بحث اور فساد کی وجہ ڈھونڈتے ہیں۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ انہوں نے معجزہ کو نظر انداز کیا۔ اور مسیح کے حکم کو لے لیا۔ شائد وہ جانتے تھے کہ وہ شخص جس نے اُسے تندرست کیا ہے کون ہے یا اُنہوں نے تاڑ لیا ہوگا کہ وہ یسُوع ہے۔ اور ایک سُوال کے وسیلے اِس شفا یافتہ مریض کو اُس کے برخلاف کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا اپنے سُوال کے وسیلے اُس پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ شخص جس نے تجھ سے سبت تڑوایا خُدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔

کتنے لوگ اُن کی مانند اِس دُنیا میں موجود ہیں جو ہمیشہ نکتہ چینی اور عیب جوئی کے درپے رہتے ہیں۔ اور مسیحی مذہب کے پھلوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

اغلب ہے کہ مسیح نے یہ حکم سبت کے متعلق جو غلطیاں پھیل رہی تھیں اُن پر حملہ کرنے کے لئے دیا ہو۔

۱۳۔ لیکن جو شفا پا گیا تھا وہ نہ جانتا تھا کہ کون ہے کیونکہ بھیڑ کے سبب سے یسُوع وہاں سے ٹل گیا تھا۔

نہ جانتا تھا۔ غالب یہی ہے کہ وہ مسیح سے ناواقف تھا اور کہ اُس نے اُسے اِسی موقعہ پر دیکھا تھا اور صرف اِتنا جانتا تھا کہ وہ ایک پُرمحبت اور صاحبِ قُدرت شخص ہے جس نے میرے پاس آ کر مجھ سے پُوچھا کہ کیا تُو تندرست ہونا چاہتا ہے؟ اور پھر اپنی قُدرت سے مجھے اچھا کر دیا۔

بھیڑ کے سبب سے یسُوع وہاں سے ٹل گیا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ وہاں سے اِس سبب سے چلا گیا کہ نہیں چاہتا تھا کہ اِس معجزہ کے سبب اُس کی تعریف کی جائے یا شائد غالباً یہ وجہ ہو کہ ابھی اُس کا وقت نہ آیا تھا۔ لہذا وہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگوں کو کسی طرح برانگیختہ کرے۔ فعل "ٹل گیا تھا" اصل میں مساوی "سر جھکا کر نکل گیا" یا "تیر کر باہر نکل گیا" کے ہے۔ اور زیادہ بہتر خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ناصرت میں (لُوقا ۴: ۳۰) اور ایک موقعہ پر ہیکل میں (یُوحنّا ۸: ۵۹) ہُوا ویسا ہی اُس وقت بھی ہُوا۔ یعنے وہ معجزانہ طور پر یا کثرتِ اژدحام کے سبب اُس جگہ سے ایسا صاف نکل گیا کہ کسی نے اُسے نہ دیکھا۔

۱۴۔ اِن باتوں کے بعد وہ یسُوع کو ہیکل میں مِلا۔ اُس نے اُس سے کہا دیکھ تُو تندرست ہو گیا ہے پھر گناہ نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ تجھ پر اِس سے بھی زیادہ آفت آئے۔

یہ معلوم نہیں کہ کتنے عرصہ کے بعد وہ شخص مسیح کو ہیکل میں مِلا۔ غالباً اُسی دن مِلا ہو کیونکہ اُمّید ہے کہ شفا پانے کے بعد اُس نے پہلا کام یہی کیا ہوگا کہ ہیکل میں جا کر شُکریہ ادا کیا کرے۔

ہیکل میں مِلا۔ اِن لفظوں پر بزرگ اگسٹین کا خیال قابلِ غور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مسیح کو بھیڑ میں نہیں پہچان سکتے۔ ہم تنہائی کے عالم میں اُسے پہچانتے ہیں۔ یا یُوں کہیں کہ ہیکل میں اُسے پہچانتے ہیں۔ اِس آدمی نے بھیڑ کے درمیان اُس کو پہچاننے کی خُوشی حاصل نہ کی پر جب ہیکل میں آیا تو جانا کہ وہ کون ہے۔ تنہائی میں جا کر جب ہم دُعا و مناجات میں مشغول ہوتے ہیں تب مسیح اور مسیح میں خُدا ہم پر ظاہر ہوتا ہے۔

دیکھ تُو تندرُست ہو گیا ہے پھر گُناہ نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ تجھ پر اِس سے بھی زیادہ آفت آئے۔ ہم تو یہ نہیں جانتے کہ اُس کا کیا گُناہ تھا۔ مگر یسُوع اُس کے گُناہ کو جانتا تھا۔ اور وُہ آدمی آپ اپنی ضمیر کی روشنی میں جانتا تھا کہ وُہ کیا گُناہ ہے ۔

مسیح اِس جگہ اِس مریض کی دیرپا اور ضعف افزا بیماری کو اُس کے کسی خاص گُناہ سے مربُوط کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اِس دُنیا میں کئی گُناہ ہیں جو اپنی سزا جسم کے امراض میں جو اُن کے سبب سے لاحق ہوتے ہیں پاتے ہیں۔ شائد اس آدمی کے بارے میں بھی کُچھ ایسا ہی ہُوا ہوگا۔ پر ہم خبردار ہیں اور لوگوں کے دُکھ اور مُصیبت کو ہمیشہ اُن کی بدی یا کسی گُناہ کا نتیجہ نہ سمجھیں۔ کیونکہ دُکھ سے اور مطلب بھی پُورے ہوتے ہیں۔ (دیکھو یُوحنّا ۹: ۳) اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ خُدا اُن کو جنہیں پیار کرتا ہے تنبیہ کرتا ہے۔ تاہم یہ بات بھی نظرانداز نہیں کرنی چاہیئے کہ گو بہت درجہ تک انسان کو اُس کے اعمالِ ناکردنی کی سزا آخرت کے روز ملے گی تاہم اِس دُنیا میں بھی بعض حالتوں میں ہمارے گُناہ اپنی سزا اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جو قصُور آدمی اوروں کا کرتا ہے وُہی قصُور لوگ اُس کا کرتے ہیں۔ یعقُوب کی طرح فریب دینے والا خود فریب کھاتا ہے۔ اور جو زندگی کے پاک رشتوں کو ناپاک کرتا خود اپنے رشتہ داروں کی عصمت کی تباہی کا زخم داؤد کی طرح کھاتا ہے۔ اخیاب کا پوتا نبات یزرعیلی کے کھیت میں فریب سے مارا جاتا ہے (۲۔ سلاطین ۹: ۲۳) ۔

پھر گُناہ نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ تجھ پر اِس سے بھی زیادہ آفت آئے۔ اِس سے سزائے الٰہی کی سختی اور شدّت ظاہر ہوتی ہے ایک خاص گُناہ نے اُس کی زندگی کے مزہ کو بالکل بے لُطف کر دیا۔

چنانچہ اُسے اڑتیس سال تک دُکھ اُٹھانا پڑا۔ اور یہاں اُس کو خبر دی جاتی ہے کہ اگر پھر ارتکابِ گُناہ کریگا تو اس سے بھی زیادہ ہولناک مُصیبت میں گرفتار ہوگا۔ اگر ہم اس جگہ خُدا کی سزاؤں کی شدّت محسُوس کرتے ہیں تو لازم ہے کہ اُس کے ساتھ اپنی ذِمّہ داری کو بھی محسُوس کریں۔ اور جانیں کہ وُہ بھی بہت بڑی ہے ۔

۱۵۔ اُس آدمی نے جاکر یہودیوں کو خبر دی کہ جس نے مجھے تندرُست کیا وُہ یسُوع ہے۔

یاد رہے کہ اُس کا اطلاع دینا اِس غرض سے نہ تھا کہ اُن کے نارِ غضب اور آتشِ حسد کو زیادہ مشتعل کرے بلکہ اس لئے کہ شکرگُزار دِل کے ساتھ اُن کو اُس کی جس نے اُسے تندرُست کیا تھا خبر دے وُہ اگرچہ اُس سے بخُوبی واقف نہ تھا تاہم اتنا غالباً کئی ذرائع سے جان گیا ہوگا کہ وُہ ایک نبی ہے۔ گو اُسے یہ خبر نہ تھی کہ یہی نبی مسیح ہے پس اُس نے خیال کیا ہوگا کہ جس کی نسبت اِس قدر بحث ہو رہی ہے میں اُس کی خبر اُن کو جا کر دے دُوں اور جب وُہ اُن کو ملیگا تو خود اُن کے مُنہ بند کر دیگا۔ یا یُوں کہیں کہ اُس پر سبت توڑنے کا الزام لگایا گیا تھا اور ہم نے دیکھا کہ اُس نے اُس کی مدافعت میں یہ کہا تھا کہ "جس نے مجھے اچھا کیا ہے اُسی نے مجھے چارپائی اُٹھانے کو کہا ہے"۔ اور اب جب کہ وُہ اُس کے نام سے واقف ہو جاتا ہے وُہ اپنے بیان کی تصدیق کے لئے یہ خبر اُن کو پہنچا دیتا ہے کہ جس کے حُکم کی تعمیل میں مَیں نے چارپائی کو اُٹھایا تھا وُہ یسُوع ہے ۔

۱۶۔ اِس لئے یہُودی یسُوع کو ستانے لگے کیونکہ وُہ ایسے کام سبت کے دن کرتا تھا....

لیکن اِس مریض کے بیان یا اطلاع سے کُچھ فائدہ نہ ہُوا۔ بلکہ وُہ اور

بھی ناراض ہوئے۔ نہ اس لئے کہ اُس نے صرف اُسی شخص کو سبت توڑنے کی تعلیم دی بلکہ خود بھی سبت کو توڑ ڈالا۔ کیونکہ اُس مریض کو سبت کے روز اچھا کیا۔ لیکن یسُوع اپنے جواب کے وسیلے اُن کو سکھاتا ہے کہ سبت کو کس نظر سے دیکھنا چاہیئے اور نیز چاہتا ہے کہ وُہ اس بات کو سمجھیں کہ وُہ جو باپ کا ازلی بیٹا ہے اُس سے کیا تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ وُہ فرماتا ہے:-

۱۷۔ میرا باپ اَب تک کام کرتا ہے اور میں بھی کام کرتا ہُوں۔

اِس آئت میں خداوند مسیح اُس الزام کو جو اُس پر لگایا گیا رفع کرتا ہے۔ وُہ گویا یہ کہتا ہے کہ اگر خُدا سبت کو توڑتا ہے تو میں بھی توڑتا ہُوں کیونکہ وُہ اپنی قُدرتِ کاملہ سے ہر دم ہر لمحہ خلقت کے کام کو سنبھالے رہتا ہے۔ یہ مختصر سا جواب ہے۔ مگر اس سے زیادہ پُرزور اور مُدلل جواب اور نہیں ہو سکتا۔

اَب تک۔ خلقت کی اِبتدا سے لے کر اَب تک۔

کام کرتا ہے۔ اگر ہم مسیح کے جواب کو مفصّل طور پر بیان کرنا چاہیں تو شائد اس کا مطلب اس طرح بیان کر سکتے ہیں "میرا باپ اَب تک انتظام پروردگاری کے وسیلہ کام کرتا ہے۔ وُہ اپنی رحمت اور فضل سے تمام کائنات کو برقرار رکھتا ہے۔ اپنی تمام مخلوقات کی ضرُوریات کو رفع فرماتا ہے۔ ہر طرح کی زندگی کو محفوظ رکھتا ہے۔ آسمان سے مینہ برساتا اور طرح طرح کے موسم وجُود میں لاتا ہے۔ اور یہ سارے کام وُہ جس طرح اور دِنوں میں کرتا ہے اُسی طرح سبت کے روز بھی کیا کرتا ہے۔ اور اگر وُہ ایک دن ان کاموں کو بند کر دے تو تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔ پس جب اُس نے پیدائش کے کام سے

آرام کیا تو پروردگاری کے کام سے آرام نہیں کیا۔ اسی طرح میں جو اُس کا بیٹا ہُوں میں بھی یہ اختیار رکھتا ہُوں کہ سبت کے دن رحمت اور فضل کے کام کیا کرُوں۔ اور جس طرح ان کاموں کے کرنے سے خُدا سبت کو نہیں توڑتا اُسی طرح میں بھی نہیں توڑتا ہُوں میرے باپ نے یہ حُکم دیا کہ سبت کی تعظیم کی جائے لیکن اُس نے سُورج کو طالع ہونے سے منع نہیں کیا اور نہ سبزے کو اُگنے سے روکا۔ اُسی طرح میں جو باپ کے ساتھ ایک ہونے کا دعوےٰ کرتا ہُوں سبت کی تعظیم کرتا ہُوں مگر محبّت اور رحم کے کاموں کا کرنا نہیں چھوڑتا"۔ اس جواب سے دو باتیں صاف ظاہر ہیں۔ اوّل یہ کہ سبت کے دن کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی بالکل اُس روز سُست بن جائے اور کسی طرح کا کام نہ کرے۔ بلکہ روشن ہے کہ سبت انسان کے لئے ہے۔ اُس کے فائدہ اور تسلّی اور بہبُودی کے لئے ہے۔ رحمت کے کام اور وُہ کام جو زندگی کی بہبُودی اور مضبُوطی کے لئے ضرُوری ہیں اُس دن کئے جا سکتے ہیں۔ دُوسری بات یہ ہے کہ مسیح اِس جگہ اپنی اُلوہیّت اور خُدا کے برابر ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے۔ البتّہ اِس جواب کی نسبت یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وُہ یہاں خُدا کے نمُونہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یُوں سبت کے دن نیک کاموں کا جواز قائم کرتا ہے مگر اس سے بھی عمیق مطلب تھا جو خُداوند کو مدِّنظر ہے۔ اور وُہ یہ کہ میں خُدا کا پیارا بیٹا ہُوں۔ میں اور باپ ماہیّت اور عزّت اور جلال اور اختیار میں ایک ہیں جو کچھ وُہ کرتا ہے سو میں کرتا ہُوں اور کرنے کا اختیار رکھتا ہُوں۔ جس طرح وُہ سبت کا مالک ہے اُسی طرح میں ہُوں۔ اور دُوسری آئت سے معلُوم ہوتا ہے کہ یہی اُس کا مطلب تھا کیونکہ وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ وُہ لوگ اُس پر کُفر کا الزام لگاتے ہیں۔ اِس کے بعد وُہ تقریر آتی ہے جس میں باپ اور بیٹے

کے تعلق کا ذکر ہے۔ مگر ہم چونکہ فقط معجزوں پر لکھ رہے ہیں۔ لہذا اُس پر کچھ تحریر نہیں کر سکتے ؁

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ مسیح عید کو جاتا ہے۔ تاکہ (۱) اپنے اسرائیلی ہونے کے فرائض ادا کرے۔ (۲) تاکہ جو موقعہ انجیل سُنانے کا ہے ہاتھ سے نہ جانے دے۔ نہ صرف یروشلیم کے باشندوں کو بلکہ جو باہر سے آتے تھے اُنہیں بھی سُنائے۔ ہم بھی ایسے موقعوں کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اور فضل کے وسائل کی بے قدری نہ کریں ؁

۲۔ گناہ کیسی مُصیبتیں دُنیا میں لایا ہے۔ پس ہم کو کس قدر گناہ سے نفرت کرنی چاہیئے۔ گناہ خُوشی سے کیا جاتا ہے مگر درحقیقت وُہ زہر ہے۔

۳۔ جو سب سے زیادہ مُصیبت زدہ ہے وُہی مسیح کی توجہ زیادہ کھینچتا ہے۔ مسیح کا رحم بے نظیر ہے اُس کی خُوشی رحم میں ہے

۴۔ ہمیں خُدا کی مدد کے منتظر رہنا چاہیئے۔ پر یاد رہے کہ ایک انتظار واجب اور دُوسرا غیر واجب ہے۔ جو کُچھ ہم خود کر سکتے ہیں اُس کا اِنتظار نہ کریں ؁

۵۔ مسیح دیانت دار خواہش کو بھی بعض وقت ایمان کی جگہ قبول کرتا ہے۔ پر صرف اُسی وقت جب کہ وُہ خواہش اُس سے برکت پانے کی ہو۔ وُہ سب لوگوں کو قبُول کرنے کے لئے تیار ہے۔ کوئی اپنی نالائقی کے سبب سے نہ رُکے ؁

۶۔ یسُوع صرف ہماری مرضی چاہتا ہے۔ نارضامندی انسان کی بدبختی کا باعث ہے۔ مسیح کا سوال شائد ہم پر بھی عائد ہے۔ (۱) کیا تُو اپنی بیماری سے آگاہ ہے؟ (۲) کیا تُو چاہتا ہے کہ میں تُجھے

اچھا کرُوں؟ (۳) کیا تُو چاہتا ہے کہ مَیں جس طرح چاہُوں اُس طرح تندرُست کرُوں؟ (۴) کیا تُو راضی ہے کہ میرا نُسخہ استعمال کرے؟ (۵) کیا تُو چاہتا ہے کہ تُو تندرُست ہو جائے؟ کیا تُو ایمان لاتا ہے؟

۷۔ وُہ کہتا ہے کہ جس نے مُجھے اچھّا کیا اُسی نے مُجھے چارپائی اُٹھانے کو کہا۔ اقرار ہو خواہ کیسا ہی خفیف کیوں نہ ہو۔ ہم اپنی روشنی اور لیاقت کے بمُوجب مسیح پر گواہی دیں۔ اِس سے یہ سبق بھی مِلتا ہے کہ فرمانبرداری مزید برکتوں کا باعث ہوتی ہے۔ ہماری یہی درخواست ہو کہ اَے خُداوند تُو نے مُجھے بچایا اَب تیرا کیا حُکم ہے؟ ؁

۸۔ جو تندرُست ہُوئے یا ہوتے ہیں اُن پر لازم ہے کہ وُہ شکرگزاری کی ہیکل میں اپنے خُداوند سے ملاقی ہوں ؁

۹۔ ہر بیماری اور غم گویا خُدا کی ایک آواز ہے۔ ہر دُکھ میں ایک پیغام نہاں ہے مبارک ہیں وُہ جو اُسے سُنتے اور دیکھتے ہیں ؁

۱۰۔ دیکھو یہ حکیم کیسا ہے۔ (۱) بیماری کو بخُوبی سمجھتا ہے اور تندرُست کرنے پر قادر ہے (۲) پُر محبّت ہے۔ بیمار سے سارا حال دریافت کرتا ہے۔ پیار سے سارے خطروں سے آگاہ کرتا ہے۔ (۳) جو چاہتے ہیں اُن کو تندرُست کرنے کا ذِمّہ لیتا ہے ؁

۱۱۔ یہ واقع علامتی ہے۔ (۱) اُس خطرناک حالت کی علامت ہے جس میں گُناہ کے سبب سے انسان گرفتار ہے۔ (۲) اُس وسیلہ کی علامت ہے جو انسان کو گُناہ سے بچا سکتا ہے۔ "مسیح"۔ (۳) اُس دراز زمانہ کی علامت ہے جس میں انسان مُبتلائے گُناہ رہتا ہے "۳۸ سال"۔ (۴) اُس گہرے علم کی علامت ہے جو مسیح انسانی گُناہ کے بارے میں رکھتا ہے۔ (۵) اُس رہائی کی علامت ہے جو مسیح

انسان کو مرحمت فرماتا ہے ؂

۱۲- ایمان کی مشق زور کرتی ہے - اُس نے یہ نہیں کہا میں کس طرح چلوں - مجھ میں تو طاقت نہیں ہے - اُس نے چارپائی کو اُٹھایا اور چل دیا ؂

۱۳- مسیح - (۱) باپ کی ماہیت کا نقش ہے - (۲) اُس کا کلام خلقت اور پیدائش کی رُوح ہے - (۳) اُس کا کام باپ کا کام ہے ؂

۱۴- دُنیا کیا ہے - بیت حسدا - جسمانی اور رُوحانی بیماروں کا ہسپتال - مسیح کے بندوں کو اپنے تئیں اُس کے ہم خدمت ثابت کرنے کا کیسا موقعہ حاصل ہے - دیکھو بے پُوچھے اور بے کہے مسیح اُس کی مدد کرتا ہے - حالانکہ یہ شخص اِس کی اُمّید بھی نہیں رکھتا - والنٹری مدد بڑی برکت ہے ؂

۱۵- ہمدردی اور محبّت کے چشموں سے طرح طرح کا شفا بخش پانی نکلتا ہے ؂

۱۶- پھر دیکھو کہ دُنیا کیسی خود غرضی کی جگہ ہے - مدّت سے یہ شخص یہاں تھا پر کوئی اُس کی مدد نہیں کرتا - جتنا زیادہ ہم جیتے اُتنا ہی زیادہ یہ سیکھتے کہ دُنیا خود غرض ہے ؂

۱۷- اَے نُوجو شائد اڑتیس ہفتہ بلکہ اڑتیس گھنٹے دُکھ کے شکنجہ میں نہیں کھینچا گیا - جس کی تکلیف بہت ہی کم ہے - اِس اڑتیس برس کے بیمار کے دُکھوں کی طرف دیکھ اور خُدا کا شکر بجالا اور صبر کرنا سیکھ ؂

۱۸- ہم جس قدر دُکھ میں ثابت قدم رہتے ہیں اُسی قدر ہماری آزمائش تسلّی بخش ثابت ہوتی ہے ؂

۱۹- کیا مسیح کا کلام کُن فیکُون کی حقیقت ظاہر نہیں کرتا؟ ؂

۲۰- ہماری شفا ہمیں کیا سکھاتی ہے - یہ کہ ہم پھر گُناہ نہ کریں صحت کی تازگی اور واپسی ہمیں پھر اُسی مرض میں مُبتلا نہ کرے ایک شخص کہتا ہے کہ "یہ بڑے افسوس اور غم کی بات ہے کہ خُدا کی تنبیہ اور رحمت رائیگاں جاتے ہیں اَے بیمارو تم اپنے بستر کے سامنے لکھ رکھّو کہ اَے خُداوند جب مَیں بیماری سے اُٹھوں گا تو پھر گناہ نہ کرُونگا ؂

۲۱- اگر ہم گُناہ کرتے جائیں تو سزا زیادہ ہوگی جسمانی رُوحانی اور ابدی

۲۲- اَے نوجوانو کیا یہاں تمہارے لئے سبق نہیں؟ اُن جوانی کے گُناہوں سے بچو جو انسان کو عُمر بھر کے لئے بیکار اور بدنام بنا دیتے ہیں - اس شخص نے غالباً جوانی میں گُناہ کیا اور اڑتیس سال تک اُس کا پھل کھایا - مسیح کے الفاظ سے جو اُس نے ہیکل میں اُس کی طرف مخاطب ہوکر بیان فرمائے یہی صادر ہوتا ہے -- بچو - بچو - بچو ؂

۲۳- ہمیں اچھّے کاموں سے کبھی تعطیل نہیں ملتی - سبت کے روز بھی چُھٹّی نہیں ؂

۲۴- دیکھو مسیح پہلے زور دیتا ہے اور پھر حُکم کرتا ہے - پہلے اُس نے اس کمزور کو تندرُست کیا اور پھر حُکم کیا کہ پھر گُناہ نہ کرنا ؂

۲۵- سبت کی شریعت ایک ایسے شخص کی شریعت ہے جو کبھی نیکی کے کاموں سے دست بردار نہیں ہوتا ؂

۲۶- "میرا باپ اب تک کام کرتا ہے اور مَیں بھی کام کرتا ہوں"- ان لفظوں کے وسیلے مسیح اپنی اُلوہیت کی خبر دیتا ہے ؂

نائن کی بیوہ کے لڑکے کو زِندہ کرنا

لُوقا ۷: ۱۱-۱۶

۱۱- تھوڑے عرصہ کے بعد ایسا ہُوا کہ وُہ نائن نام ایک شہر کو گیا۔ اور اُس کے شاگرد اور بہت سے لوگ اُس کے ہمراہ تھے ۔

شہر نائن کا ذکر اَور کسی جگہ بائبل میں نہیں پایا جاتا۔ اُس کا نام صرف اِس بیوہ کے لڑکے کے سبب سے زندہ ہے لہٰذا مفصّل بیان اِس شہر کا پیش نہیں کیا جاسکتا تاہم اِس کی جائے وقُوع پر کسی طرح کا شک نہیں ہے۔ یہ شہر ہرمُون خورد کے شمال مغربی کنارہ پر ناصرت سے چھ میل جنُوب مشرق کے رُخ واقع تھا۔ لفظ نائن کے معنے "صاف" یا "خُوبصُورت" کے ہیں اور شائد یہ نام اسواسطے اِس کو دیا گیا تھا کہ وُہ کوہ ہرمُون کے ڈھلوان پر جہاں پہاڑ میدان اسدرلان سے مِل جاتا ہے آباد تھا۔ اُس زمانہ میں یہ شہر غالباً ایک قصبہ کی مانِند تھا۔ لیکن اَب بہت ہی گھٹ گیا ہے ۔

اور اُس کے شاگرد اَور بہت سے لوگ اُس کے ہمراہ تھے۔

لفظ شاگرد اس جگہ وسیع معنوں میں اِستعمال ہُوا ہے۔ البتہ بارہ رسُول بھی ان میں شامل تھے۔ تھوڑا عرصہ ہُوا کہ وُہ عہدہ رسالت پر مامُور ہُوئے تھے اور آج اِس عجیب مُعجزے کا وقُوع میں آنا اُن کے ایمان کی تقویّت کا باعث ہُوا ہوگا ۔

۱۲- جب وُہ شہر کے پھاٹک کے نزدیک پہنچا تو دیکھو ایک مُردہ کو باہر لئے جاتے تھے۔ وُہ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا اور وُہ بیوہ تھی۔ اور شہر کے بہتیرے لوگ اُس کے ساتھ تھے ۔

مُردہ کو باہر لئے جاتے تھے۔ کیونکہ قبرستان شہر کے باہر تھا۔ یہُودی بھی اپنے مُردوں کو اہلِ مشرق کی طرح شہر کے اندر نہیں گاڑا کرتے تھے ۔

اِس بیوہ کے اکلوتے بیٹے کا مرجانا ایک افسوس ناک اَور دِل گداز واقع تھا۔ اور اسی سبب سے بہت لوگ جنازہ کے ہمراہ جارہے تھے ۔ لُوقا نے رقّت انگیز سادگی اور اختصار کے ساتھ اس اندوہناک نظارے کی تصوِیر کھینچی ہے "ایک مُردہ کو باہر لئے جاتے تھے۔ وُہ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اور وُہ بیوہ تھی"۔ اکلوتے بیٹے کے لئے جو غم اور ماتم کیا جاتا تھا وُہ ضربُ المثل تھا۔ مثلاً یرمیاہ کہتا ہے "اَے میری بنتِ قوم! ٹاٹ اوڑھ اَور راکھ میں لیٹ۔ اکلوتوں پر ماتم اَور دِل خراش نوحہ کر" (۶: ۲۶) +

اور زکریّاہ میں اِس طرح آیا ہے "اور وُہ اُس پر جس کو اُنہوں نے چھیدا ہے نظر کرینگے اور اُس کے لئے ماتم کرینگے جیسا کوئی اپنے اکلوتے کے لئے کرتا ہے" (زکریاہ ۱۲: ۱۰) اَور پھر عامُوس کہتا ہے "تمہاری عیدوں کو ماتم سے اور تمہارے نغموں کو نوحوں سے بدل دُونگا . . . . . اور ایسا ماتم برپا کرُونگا جیسا اکلوتے بیٹے پر ہوتا ہے"۔ (عامُوس ۸: ۱۰) ۔

۱۳- اُسے دیکھ کر خُداوند کو ترس آیا اور اُس سے کہا مت رو۔

خُداوند۔ یہ لفظ لُوقا کی انجیل میں بہت دفعہ نجات دہندہ کے لئے آیا ہے۔ ۱۰:۱؛ ۱۱:۳۹ و ۱۲:۴۲ و ۱۳:۱۵ و ۲۲:۶۱ اور اِس سے مسیح کی وُہ الٰہی اور شاہانہ بزرگی اور جلال ظاہر ہوتا ہے جو اُس کے کلام اور کام میں نظر آتا ہے۔

مت رو۔ جس طرح اُس نے یائیر کے خوف کو پہلے دُور کیا اُسی طرح اِس عورت کے غم کو معجزہ دکھانے سے پہلے دُور کرتا ہے۔ یہ ترس ہمدرد سردار کاہن کا ترس ہے جس کا ذکر مفصّل طور پر عبرانیوں کے خط میں آتا ہے۔ عبرانی ۲:۱۷ و ۱۸ و ۴:۱۵۔

مت رو۔ یہ الفاظ جب اُس کی زبان سے نکلتے ہیں تو کیسا مطلب رکھتے ہیں۔ لوگ اکثر اپنے دوستوں کو روتے دیکھ کر کہا کرتے ہیں۔ مت رو۔ مگر وُہ اُن کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ اور نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ ہم کس اختیار سے رونے سے بند کرتے ہیں۔ لیکن وُہ جو خُدا کے اِس کلام کو کہ ”خُدا اُن کی آنکھوں سے ہر ایک آنسو پُونچھیگا اور پھر موت نہ ہوگی اور نہ غم اور نہ نالہ اور نہ پھر دُکھ ہوگا۔ کیونکہ اگلی چیزیں گذر گئیں“ پُورا کرنے کو آیا۔ اِس وقت اِس مجروح بیوہ کے آنسو پُونچھ کر اِس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ مَیں ہی اکیلا دُکھوں اور غموں کو دُور کر سکتا ہُوں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح کا سب سے بڑا مقصد یہ نہ تھا کہ فقط اِس بیوہ کا غم دُور ہو جائے۔ البتّہ اُس کے معجزہ کا ایک قریبی نتیجہ یہ بھی تھا۔ مگر اُس کا اعلےٰ مقصد یہ تھا کہ اِس مُردہ شخص کے اندر ایک اعلےٰ زندگی پیدا ہو اور وُہ اُس کی ماں کی حقیقی اور سچّی خُوشی کا باعث ٹھہرے۔ مگر یہ نتیجہ ابھی بخُوبی واضح نہ ہُوا تھا۔

۱۴۔ پھر اُس نے پاس آکر جنازہ کو چھُوا اور اُٹھانے والے کھڑے ہو گئے اور اُس نے کہا اَے جوان مَیں تجھ سے کہتا ہُوں اُٹھ۔

پاس آکر . . . جنازہ کو چھُوا۔ غالباً اِس سے خُداوند کا یہ مطلب تھا کہ وُہ اُن لوگوں کو جو جنازہ لئے جا رہے تھے ٹھہرائے۔ اور وُہ فوراً ٹھہر گئے۔ ناممکن نہیں۔ کہ یہ لوگ مسیح سے واقف تھے۔ اِس کے بعد وُہ اُس مُردہ جوان کو اُٹھنے کا حکم دیتا ہے ”مَیں تجھ سے کہتا ہُوں“۔ مَیں جو کہ قیامت اور زندگی ہُوں۔ جو نیستی سے ہست کرنے والا ہُوں۔ تجھ کو اُٹھنے کا حکم دیتا ہُوں۔ یہ زندگی کے شہزادہ کا باقدرت کلام ہے۔ مقابلہ کرو لُوقا ۸:۵۴ و یُوحنّا ۱۱:۴۴۔

۱۵۔ وُہ مُردہ اُٹھ بیٹھا اور بولنے لگا اور اُس نے اُسے اُس کی ماں کو سونپ دِیا۔

مُردوں کے اُٹھ بیٹھنے اور کلام کرنے سے صاف روشن ہے کہ نہ صرف اُن میں زندگی واپس آتی تھی بلکہ زندگی کے ساتھ طاقت اور صحت بھی بخشی جاتی تھی۔ زندہ کرنے کے بعد ہی ہمارا خُداوند اس جوان کو اُس کی ماں کے سپُرد کر دیتا ہے اور اس محبّت کے فعل سے اپنی قُدرت کے معجزے کو کامل کرتا ہے۔

یہ بات غور طلب ہے کہ مسیح مُردوں کو زندہ کرنے کے بعد اُن کی طرف خاص طور پر توجّہ کرتا ہے۔ یائیر کی بیٹی کے زندہ ہونے کے بعد اُس کے رشتہ داروں کو حکم دیتا ہے کہ اُسے کھانے کو کچھ دیں۔ لعزر کے کفن کو کھولنے کا حکم کرتا اور یہاں وُہ اُسے جو جلایا گیا تھا اُس کی ماں کے سپُرد کرتا ہے۔

اِسی طرح وُہ ایک دن ”اُٹھ“ کہہ کر اُن کو زندہ کریگا جو اَب اُس میں سو رہے ہیں۔ اور اُنہیں اُن کے عزیزوں اور رشتہ داروں

کے سپرد کر دے گا ۔ تاکہ وُہ اُنہیں پہچانیں اور سدا خُوشی کے ساتھ باہم اکٹھے رہیں ۔ اِس کا وعدہ اور ثبُوت ہم کو تین مُردوں کے زندہ ہونے میں مِلتا ہے ۔ اَور سب سے بڑھ کر خُود مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھتے ہیں ۔

۱۶ ۔ اور سب پر دہشت چھا گئی اور وُہ خُدا کی تمجید کر کے کہنے لگے کہ ایک بڑا نبی ہم میں برپا ہُوا ہے اور خُدا نے اپنی اُمّت پر توجّہ کی ہے

دیکھنے والوں پر اِس مُعجزہ کا اچھّا اثر پیدا ہُوا ۔ چنانچہ اُن پر اِس خیال اَور احساس سے کہ ہم ایک پاک شخص کے حضُور میں کھڑے ہیں دہشت پیدا ہُوئی ۔ البتّہ سب پر یکساں نہیں ہُوئی ہوگی ۔ اور اغلب ہے کہ اُن کے خیال میں کُچھ نہ کُچھ غلطی بھی شامل ہوگی ۔ تاہم سب نے شُکر گُزاری کے ساتھ خُدا اَور یسُوع کے نام کی تعریف کی ۔ اَور یہ نتیجہ نکالا کہ یہ نبی کوئی عام قسم کا نبی نہیں بلکہ ایک بڑا نبی ہے ۔

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱ ۔ مسیح اِس جگہ تین صُورتوں میں نظر آتا ہے ۔ (۱) نبی جو اپنے کلام کو مُعجزوں سے ثابت کرتا ہے ۔ (۲) ہمدرد سردار کاہن جو آنسُو پُونچھتا ہے ۔ (۳) زندگی کا شاہزادہ جو مَوت پر غالب آتا ہے ۔

۲ ۔ اِس مُعجزہ میں مَوت کِس کِس صُورت میں نظر آتی ہے ؟ (۱) جوان کو بھی گِرا دیتی ہے ۔ (۲) بڑے گہرے اَور قریبی رشتوں کو توڑ ڈالتی ہے ۔ (۳) آٹھ آٹھ آنسُو رُلاتی ہے ۔ (۴) پر آخرکار مسیح سے مغلُوب ہو جاتی ہے ۔

۳ ۔ اِس مُعجزے میں زندگی خُدا کے جلال کے لئے (۱) ظاہر کی جاتی ہے ۔ (۲) واپس کی جاتی ہے ۔

۴ ۔ نائن کا دروازہ وُہ سکُول ہے جہاں ہم دُکھ اَور تسلّی کا سبق سیکھتے ہیں

۵ ۔ مسیح زندگی کا سرچشمہ ہے ۔ (۱) نیچرل پیدائش میں (۲) نئی پیدائش میں ۔ (۳) قیامت میں ۔

۶ ۔ مسیح کا کلام کیسی تبدیلیاں پیدا کرتا ہے ۔ (۱) اِس مُعجزے میں رونے والے مسیح کے گواہ بن جاتے ہیں ۔ (۲) جنازہ قیامت کا نظارہ بن جاتا ہے ۔ (۳) ایک روتی ہُوئی بیوہ ہنستی ہُوئی اور شُکریہ ادا کرتی ہُوئی ماں بن جاتی ہے ۔ (۴) چلتا ہُوا راستہ خُدا کے شکینہ کی ہیکل بن جاتا ہے ۔

۷ ۔ رُوحانی طور پر بیدار بچّے ماں باپ کے لئے الٰہی برکت اور اِنعام ہیں ۔

۸ ۔ سچے مسیحی خُداوند کی پیروی ہر جگہ کرتے ہیں خواہ وُہ قانا (شادی کے مکان) میں جائے ۔ خواہ نائن کو جائے جہاں ماتم اَور آنسُو ہیں ۔

مُعجزانہ طور پر پانچ ہزار کو کھانا کھلانا

متّی ۱۴: ۱۵-۳۱ مرقس ۶: ۳۵-۴۴ لُوقا ۹: ۱۲-۱۷

یُوحنّا ۶: ۵-۱۴

یہ مُعجزہ تمام انجیلوں میں پایا جاتا ہے۔ شروع میں دو تین باتوں کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وُہ یہ ہیں:۔ کہ کب اور کہاں یہ مُعجزہ واقع ہُوا؟

متّی کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مُعجزہ یُوحنّا بپتسمہ دینے والے کی مَوت سے مربُوط ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جب یُوحنّا بپتسمہ دینے والا مارا گیا تو مسیح نے اُس جگہ سے جہاں وُہ اُس وقت تھا کُوچ کیا کیونکہ ڈرتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے کام میں بھی رخنہ اندازی کی جائے۔ کیونکہ اُس کا وقت ہنُوز نہیں آیا تھا۔ پس وُہ بیابان کی طرف روانہ ہُوا۔ اسی طرح مرقس اَور لُوقا کے بیان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کا یہ مُعجزہ یُوحنّا بپتسمہ دینے والے کی مَوت کے بعد وقُوع میں آیا مگر اُن کے بیان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مسیح اس بیابان میں یُوحنّا کی مَوت کے سبب سے آیا۔ بلکہ مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیابان میں آنے کا سبب یہ تھا کہ وُہ چاہتا تھا کہ رسُولوں کو جو ابھی اپنے مشن سے واپس آئے تھے تنہائی میں رُوح کی تازگی اَور

تقوّیت حاصل کرنے کا موقع ملے۔ مرقس ۶: ۳۱ ❊

مسیح کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہُوا۔ لیکن لوگ خُشکی کے راستے اور اُن میں سے بہت سے پَیدل روانہ ہُوئے۔ اور ایسی تیزی اور سُرعت سے اُنہوں نے راہ طے کی کہ اُس کے پہاڑ سے لَوٹنے سے پہلے وہاں جا پہنچے۔ اَب اگرچہ اس وقت اُن لوگوں کا یہاں آنا اُس کی تجویز اور منشا کے خلاف تھا کیونکہ وُہ اُس وقت تنہائی چاہتا تھا تاہم وُہ سرتاپا محبّت خُوشی کے ساتھ اُن سے ملتا اور اُن سے خُدا کی بادشاہت کی باتیں کرتا ہے اَور جو شفا پانے کے محتاج ہیں اُنہیں شفا بخشتا ہے۔ (لُوقا ۹: ۱۱) ❊

یُوحنّا بتاتا ہے کہ "یہُودیوں کی عید فسح نزدیک تھی"۔ اُس نے یہ بات شاید اس واسطے ہمیں بتائی کہ معلُوم ہو جائے کہ یہ بِھیڑ کس طرح یہاں جمع ہُوئی۔ جو لوگ یروشلیم کو جایا کرتے تھے اُن میں سے بہت جھیل کے مشرق کی طرف سے گذرا کرتے تھے۔ لیکن (۱..یُوحنّا ۶: ۲۴) اِس قیاس کے برخلاف ہے کیونکہ اُس مقام کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر بعد ہی لوگ مسیح کی تلاش میں کفرنحُوم کو چلے جاتے ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کا ارادہ یروشلیم کو جانے کا نہ تھا ❊

لیکن کیا یہ خیال زیادہ زیبا نہیں کہ یُوحنّا عید فسح کا ذکر اِس لئے کرتا ہے کہ جو کلمات مسیح کی زبان سے اِس مُعجزہ کے بعد نکلے اُن کا تعلق اِس عید سے ہے۔ مسیح کے وُہ الفاظ یُوحنّا کی انجیل میں قلمبند ہیں۔ مسیح جانتا ہے کہ یہ موقع عید فسح کا ہے اور لوگ فسح کے برّے کی نسبت اپنے دِلوں میں غور و فکر کر رہے ہیں۔ پس وُہ پہلے اُن کو سیر کرتا اور پھر یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ زندگی کی روٹی مَیں ہُوں اور ازاں بعد اپنے

گوشت اور خون کا ذکر کرتا اور اس سے پتہ دیتا ہے کہ مَیں ہی وہ حقیقی برّہ ہوں جس کی علامت فسح کا برّہ ہے ✣

یوحنّا کی انجیل کے تیسرے باب میں حقیقی اور سچے بپتسمہ یعنی رُوح پاک کے بپتسمہ کا ذکر پایا جاتا ہے اور چھٹے باب میں حقیقی فسح کا ✣

پہلی تین انجیلوں اور چوتھی انجیل میں جو بیان معجزہ زیرِ نظر کے متعلق پایا جاتا ہے اُس میں کُچھ کُچھ فرق ہے۔ پس اُس کی تطبیق ضروری معلوم ہوتی ہے وُہ فرق یہ ہے کہ پہلی تین انجیلوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا پہلے شاگردوں نے مسیح سے کہا کہ اس جماعت کو رُخصت کر تاکہ وُہ جا کر اپنے کھانے کا بندوبست کرے۔ لیکن یُوحنّا کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خُداوند نے فلپّس کی معرفت اپنے شاگردوں سے کہا کہ "ہم اِن کے کھانے کے لئے کہاں سے روٹیاں مُول لیں" (یُوحنّا ۶: ۵)۔ لیکن یہ اختلاف بہت جلد رفع ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ لوگوں کے جمع ہونے کے تھوڑی دیر بعد پہلے مسیح نے یہ بات فلپّس سے کہی اور پھر خاموش ہو رہا تاکہ وُہ آپس میں گفتگو کر کے معجزے کے لئے تیار ہو جائیں۔ وُہ چاہتا تھا کہ اپنا معجزہ اُس وقت دکھائے جب کہ سب کے سب اِس بات کو جان لیں کہ نیچرل امداد کی اس وقت کوئی صُورت نہیں رہی اور سوائے الٰہی قُدرت کے اور کوئی قُدرت کام نہیں کر سکتی۔ مسیح نے یہ سُوال فلپّس سے اس لئے نہیں کیا تھا کہ وُہ اُسے کوئی صلاح دے یا کوئی ایسی تجویز بتائے جس سے یہ دِقّت رفع ہو جائے کیونکہ وُہ جانتا تھا کہ مَیں کیا کروں گا۔ پس اُس نے یہ سُوال جیسا یُوحنّا خود بتاتا ہے فلپّس کو آزمانے کے لئے کیا تاکہ دیکھے کہ فلپّس جس نے مُجھے مسیح سمجھ کر قبُول کیا ہے مُجھ پر کتنا بھروسہ رکھتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ فلپّس نے تین آیل سے

یہ کہا تھا (یُوحنّا ۱: ۴۵) "جس کا ذکر مُوسٰے نے توریت میں اور نبیوں نے کیا ہے وُہ ہم کو مل گیا ہے"۔ اَب مسیح فلپّس کو آزماتا ہے گویا وُہ اِس سُوال کے وسیلے یہ کہتا ہے۔ اَے فلپّس تُو یہ مانتا ہے کہ مُوسٰے اور نبیوں نے میرا ذکر کیا ہے۔ پر تُو یہ بھی جانتا ہے کہ مُوسٰے نے بھُوکے بنی اسرائیل کو من کھلایا اور اُن نبیوں میں سے جو میری خبر دیتے ہیں الیشع نے بھی اسی قسم کا ایک معجزہ دکھایا۔ (۲ سلاطین ۴: ۴۳ و ۴۴) اَب کیا تُو جو مُجھے مسیح موعود جانتا ہے اور مُوسٰے اور انبیا سے بزرگتر سمجھتا ہے۔ یہ بھی مانتا ہے کہ مُجھے ان لوگوں کو سیر کرنے کے لئے کھانا مُول لینے کی ضرورت نہیں بلکہ مَیں اپنی قُدرت سے ان پانچ ہزار کو کھانا کِھلا سکتا ہُوں۔ ٹرنچ صاحب اپنی کتاب میں بیان کرتے ہیں کہ بزرگ سِرل صاحب بتاتے ہیں کہ فلپّس کیوں اس سُوال کے لئے انتخاب کیا گیا۔ وُہ یُوحنّا ۱۴: ۸ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ فلپّس رُوحانی باتوں کے سمجھنے میں کمزور تھا لہٰذا ضرورت تھی کہ اُسے اِس معاملے میں سبق دِیا جائے۔ یہ خیال دُرست ہو یا نہ ہو یہ بات بالکل صحیح ہے کہ فلپّس اِس وقت اِمتحان میں پُورا نہ نِکلا۔ گو وُہ بڑی مُدّت سے مسیح کے ساتھ رہتا تھا۔ پر ابھی تک اُس نے باپ کو بیٹے میں نہیں دیکھا تھا (یُوحنّا ۱۴: ۹) اُس نے ابھی اِس بات کو محسُوس نہیں کیا تھا کہ اُس کا خُداوند وہی ہے جو اپنی مُٹھی کھولتا اور سب جان داروں کو اُن کی قُوت پہنچاتا ہے اور وہی سب مخلُوقات کو ابتدائے عالم سے سنبھالتا آیا ہے۔ پس وُہ اِس قابل ہے کہ ان چند ہزار اشخاص کو اپنی پروردگاری سے سیر و آسودہ کرے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وُہ نیچرل وسائل کے سوائے اور کسی طاقت کا قائل نہیں چنانچہ وُہ کہتا ہے کہ دو سَو دینار کی روٹیاں بھی اُن کے

لئے کافی نہ ہوں گی اور شائد اُس کا یہ بھی مطلب ہو کہ اتنا روپیہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ اَب خُداوند اُس کے مُنہ سے اِس قدر اقرار کروا کے بات کو چھوڑ دیتا ہے تاکہ وُہ اور دیگر شاگرد اُس پر غور کریں۔ لیکن کُچھ مُدّت کے بعد اُس کے شاگرد اُس کے پاس آتے ہیں اور یہ صلاح دیتے ہیں ؞

متّی ۱۴: ۱۵۔ جب شام ہُوئی تو شاگرد اُس کے پاس آکر کہنے لگے کہ جگہ ویران ہے اور وقت گذر گیا ہے۔ لوگوں کو رُخصت کر دے تاکہ گاؤں میں جاکر اپنے لئے کھانا مُول لیں۔

لفظ شام توجّہ طلب ہے۔ یہُودی ایک دن میں دو شام مانا کرتے تھے۔ پہلی شام ۳ بجے سے شروع ہوتی تھی اور غروب آفتاب کے وقت ختم ہوتی تھی اور دُوسری شام سُورج کے غرُوب ہونے پر شروع ہوتی تھی اور رات تک جاتی تھی۔ آئت زیرِ نظر میں پہلی شام کی طرف اشارہ ہے۔ اور ۲۳ آئت میں دُوسری شام کی طرف الفاظ "وقت گذر گیا ہے" سے یہ مُراد نہیں کہ کھانے کا وقت ٹل گیا ہے۔ شائد یہ مُراد ہے کہ دیر بہت ہوتی جاتی ہے۔ لوگوں کو رُخصت کر دے تاکہ گاؤں میں اپنے واسطے کھانا مُول لیں۔ مرقس اور لُوقا بستیوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ اور لُوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد نہ صرف اُن کے کھانے کی نسبت مسیح سے گفتگو کرتے ہیں بلکہ اُن کے رہنے کی نسبت بھی۔ تاکہ وُہ جاکر جگہ تلاش کریں۔ لیکن خُداوند مسیح فرماتا ہے:۔۔

۱۶۔ اِن کا جانا ضرُور نہیں تُم ہی اِن کو کھانے کو دو۔ لفظ تُم پر زور ہے کیونکہ اُنہوں نے

اُن کے بھیج دینے کی رائے دی تھی۔ اَب وُہ یہ جواب دیتے ہیں "کیا ہم جاکر اور دو سَو دینار کی روٹیاں مُول لے کر اُنہیں کھلائیں؟" (مرقس ۶: ۳۷) معلوم ہوتا ہے کہ فلپّس نے اُن کے پاس اُس گفتگو کا جو اُس کے اور خُداوند کے درمیان ہُوئی ذکر کیا اور بتایا کہ مَیں نے اُس سے کہا ہے کہ دو سو دینار سے کم اُن کے کھانے کے لئے کافی نہ ہوں گے۔ دیگر شاگرد اِس خیال میں اُس کے ساتھ اتّفاق کرتے ہیں اور آکر خُداوند سے کہتے ہیں کہ بے شک دو سَو دینار سے کم کی ضرورت نہیں اور ہمارے پاس اتنا روپیہ موجُود نہیں۔ اِس جواب سے اُن کے ایمان کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ حالانکہ مسیح کے الفاظ سے دلالت کے طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ اُن کی مدد کے لئے تیار ہے بلکہ خُداوند نے یہ بھی حُکم دے دیا کہ جو کُچھ تمہارے پاس ہے وُہ لے آؤ۔ اَب اِسی عرصہ میں وُہ یا تو پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں خرید لائے اور یا خریدنے کا انتظام کر آئے۔ پہلے تین انجیل نویسوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا روٹیاں اور مچھلیاں شاگردوں کی تھیں پر یُوحنّا سے معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ ایک لڑکے کی تھیں۔ اِس فرق کا حل یہ ہے کہ یُوحنّا اپنے بیان میں روٹیوں اور مچھلیوں کے پہلے مالک کا ذکر کرتا ہے اور پہلے تین انجیل نویس اُس وقت کو مدِّ نظر رکھتے ہیں جب یہ روٹیاں اور مچھلیاں خریدی جاچُکی تھیں ؞

اَب ہمارا خُداوند اِن روٹیوں اور مچھلیوں کو لے کر بے شمار لوگوں کو کھانا کھلانے کا بیڑا اُٹھاتا ہے اور اُن کو حُکم دیتا ہے کہ وُہ اُن کو اُس کے پاس لائیں اور ترتیب وار بِٹھائیں۔ اِس حُکم کے مطابق وُہ لوگ پچّاس پچّاس اور سَو سَو قطاروں میں ہری گھاس پر بیٹھ گئے۔ اِس انتظام سے ترتیب کا خیال مُترشح ہے۔ ہر قسم کی اَبتری اور

گڑبڑی کا انتظام قرار واقعی شروع ہی میں کیا جلتا ہے۔ یتیم لڑکے اور کم زور اور بیوہ عورتیں اِس خطرہ سے آزاد ہیں کہ زور آور مرد اُن کو پیچھے ہٹا دیں اور خود آگے بڑھ کر روٹی چھین لیں۔ ہر قسم کی بد انتظامی اور بد ترتیبی کا انسداد شروع ہی سے کیا جاتا ہے۔

دُوسری بات غور طلب یہ ہے کہ خُداوند لذیذ اور نفیس کھانوں کا دستر خوان اُن کے لئے آراستہ نہیں کرتا بلکہ معمُولی کھانے سے اُن کو سیر کرتا ہے۔ جو بات اُس کو مدِ نظر ہے وُہ سیری اور آسُودگی ہے نہ یہ کہ لذیذ کھانے اُن کو کھلائے جائیں۔ اِسی واسطے یُوحنا (۶: ۹ و ۱۳) میں بتاتا ہے کہ روٹیاں جَو کی تھیں۔

پہاڑ کے سرسبز ڈھلوان پر پانچ ہزار مرد قطار در قطار بیٹھے تھے اور شام کے وقت اُن کے رنگین کپڑوں پر جب سُورج کی کرنیں گرتی تھیں تو ایک عجیب سماں پیدا ہوتا ہوگا۔ ایک کنارہ پر مسیح اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھائے کھڑا ہے کیونکہ وُہ اُن روٹیوں اور مچھلیوں سے جو اُس کے ہاتھ میں ہیں۔ اِس جمِّ غفیر کو سیر کرنے پر ہے۔ منجملہ اور فوائد کے اِس ترتیب کا ایک یہ فائدہ بھی تھا کہ اس سے یہ مُعجزہ سب پر ظاہر ہو گیا کیونکہ سب مسیح کی طرف دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ وُہی ہمارا کھلانے والا ہے اور نیز اِس سے لوگوں کا شمار کرنا بھی آسان ہو گیا اور شاگرد بآسانی قطاروں کے درمیان پھر کر کھانا تقسیم کر سکتے تھے۔

۱۹۔ آسمان کی طرف دیکھ کر برکت دی (متی ۱۴: ۱۹)

سب انجیلیں اِس بات کا ذکر کرتی ہیں۔ یہُودیوں میں یہ ایک نہایت عُمدہ دستُور تھا کہ کھانے سے پہلے شُکر کرنا لازمی سمجھتے تھے۔ تالمُود میں ایک جگہ اس کے متعلق یُوں کہا ہے۔ "جو شخص بغیر شُکریہ ادا

کرنے کے کسی چیز کو استعمال میں لاتا ہے وُہ گویا خُدا کو لُوٹتا ہے"۔ جو الفاظ خُداوند کی زبان سے اُس وقت نکلے وُہ قلمبند نہیں کئے گئے۔ لیکن اغلب ہے کہ وُہ وہی ہوں گے جو بنی اسرائیل کے درمیان مروّج تھے۔ یا شائد اُس نے جیسا لُوقا سے ظاہر ہوتا ہے (لُوقا ۹: ۱۶) روٹیوں اور مچھلیوں کو برکت دی (یُوحنا ۶: ۱۱) میں شُکر گُذاری کا ذکر کرتا ہے۔ غالباً اس دُعا میں دونوں باتیں شامل تھیں۔ اِس کے بعد اُس نے "اُنہیں (روٹیوں کو) توڑ کر شاگردوں کو دیا اور شاگردوں نے لوگوں کو"۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تین جگہ ان روٹیوں کی مقدار بڑھی۔ اوّل مسیح کے ہاتھ میں۔ دوئم شاگردوں کے ہاتھ میں اور سوئم کھانے والوں کے ہاتھ میں۔ ممکن ہے ایسا ہُوا ہو اور ممکن ہے کہ خُداوند ہی کے ہاتھ میں یہ عجیب ترقی پیدا ہُوئی ہو۔ بہر کیف سب کھانے والے سیر ہو گئے۔ چنانچہ لکھا ہے "سب کھانے والے سیر ہو گئے"۔ یُوحنا ۶: ۱۱ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو جس قدر چاہتا تھا اُتنا روٹیوں اور مچھلیوں سے اُس کو ملتا تھا۔

اَب اِس بات کی کھوج کرنا کہ روٹیاں اور مچھلیاں کس طرح بڑھیں بے فائدہ کوشش ہے کیونکہ یہ معاملہ بالکل فوق العادت ہے جو کچھ خیالات لوگوں نے اِس امر پر ظاہر کئے ہیں وُہ آگے چل کر بیان کئے جائیں گے۔ فی الحال یہ بات غور کے لائق معلوم ہوتی ہے کہ خُداوند کیسی سُرعت سے فوق العادت کو چھوڑ کر پھر نیچرل عالم میں داخل ہوتا ہے چنانچہ وُہ اُن کو حُکم دیتا ہے کہ بچے ہُوئے ٹکڑوں کو جمع کرو تاکہ کچھ ضائع نہ ہوں (یُوحنا ۶: ۱۲) اور متی اور دیگر انجیل نویس بتاتے ہیں کہ "بچے ہُوئے ٹکڑوں سے بھری ہُوئی بارہ ٹوکریاں اُٹھائیں"۔ (متی ۱۴: ۱۹) میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ اُس نے روٹیوں کو توڑا اور اپنے شاگردوں کو دیا۔ اَب متی آیت ۲۰ میں جو اسم "ٹکڑوں" استعمال کیا گیا ہے وُہ

اُسی فعل سے مشتق ہے جس کا ترجمہ "توڑ کر" آیت ۱۹ میں کیا گیا ہے - پس ان ٹکڑوں سے جو اُنہوں نے اُٹھائے وُہ ٹکڑے مُراد نہیں جو کھانے وقت ہاتھوں سے گِر گئے تھے بلکہ وُہ جو مسیح نے توڑ توڑ کر دیئے تھے - ایک شخص بیان کرتا ہے کہ اُس زمانہ میں جو یہودی اٹلی میں رہا کرتے تھے اُن کا دستور تھا کہ سفر میں اپنے ساتھ ایسا کھانا ٹوکریوں میں رکھ کر لے جاتے تھے جو چھُونے سے ناپاک نہیں ہوتا تھا تعجّب نہیں کہ فلسطین میں بھی کچھ اِسی قسم کا رواج جاری ہو اور گو اس موقعہ پر لوگوں کے پاس کھانا موجود نہ تھا مگر ٹوکریاں موجود تھیں - شائد بارہ شاگردوں میں سے ہر ایک نے ایک ایک ٹوکری اپنے لئے لی ہو - اور یہی بارہ ٹوکریاں بھری ہُوئی اُٹھائی گئی ہوں ؞

دیکھو الٰہی فیّاضی کے ساتھ عجیب قسم کی کفایت شعاری لگی ہُوئی ہے - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح نے پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں کو اِس قدر ترقّی دی کہ پانچ ہزار اشخاص آسودہ ہُوئے اَب اِس بات کے لئے فِکرمند ہے کہ جو ٹکڑے بچ رہے ہیں اُن میں سے کچھ ضائع نہ ہو - اور جب وُہ جو خالق اور پروردگار ہے جَو کی روٹیوں کے لئے اِس قدر فِکرمند ہے تو ہم کو لازم ہے کہ کوئی چیز خواہ ہم کیسے ہی متموّل اور صاحبِ مال ومنال کیوں نہ ہوں ضائع نہ کریں اور دُوسرا خیال جو غور کے لائق ہے یہ ہے کہ ان ٹوکریوں کا بھرا ہُوا اُٹھانا علامت ہے اُس الٰہی محبّت کی جو محبّت کرنے سے ختم نہیں ہوتی بلکہ محبّت کے کاموں کے سبب آگے کی نسبت اور زیادہ وسیع اور بھرپور نظر آتی ہے - دینے اور خرچ کرنے میں ہمیشہ بڑھتی اور ترقّی ہوتی ہے امثال کے مصنّف کا یہ قول درُست ہے "کوئی تو بکھیرتا ہے پر تو بھی ترقی کرتا ہے - اور کوئی واجبی خرچ سے دریغ کرتا ہے

پر تو بھی کنگال ہے" (امثال ۱۱: ۲۴) ؞

۲۱- "اور کھانے والے عورتوں اور بچّوں کے سوا پانچ ہزار مرد کے قریب تھے" -

معلُوم ہوتا ہے عورتوں اور بچّوں کا شمار بہت کم ہوگا ورنہ مرقس اور لُوقا اور یُوحنّا اِس کو نظرانداز نہ کرتے ؞

اَب اِس مُعجزے کا اثر جو کچھ لوگوں پر ہُوا اُس کا ذکر صرف یُوحنّا کرتا ہے - اور وُہ بڑا گہرا اثر تھا - وُہ کہتے ہیں کہ "جو نبی دُنیا میں آنے والا تھا فی الحقیقت یہی ہے" (یُوحنّا ۶: ۱۴) شائد اس نبی سے مُراد وُہ نبی ہے جس کی نبوّت موسےٰ نے کی ہے (استثنا ۱۸: ۱۵ و ۱۸ یُوحنّا ۷: ۲۱ و ۲۵ - اعمال ۳: ۲۲ و ۷: ۳۷) پر سب یہُودی اُس نبی کو جس کا ذکر مُوسیٰ نے کیا مسیح نہیں مانا کرتے تھے - مگر جن لوگوں کا ذکر یہاں پایا جاتا ہے وُہ "اُس نبی سے" مسیح مراد لیتے ہیں کیونکہ وُہ اُسے پکڑ کر بادشاہ بنانا چاہتے ہیں (یُوحنّا ۶: ۱۵) شائد اُن کا یہ مطلب تھا کہ وُہ مسیح کو جبراً یروشلیم لے جائیں اور وہاں وُہ خواہ رضامند ہو یا نہ ہو عید فسح کے موقعہ پر بادشاہ بنائیں ؞

پُرانے زمانے کے مسیحیوں نے اِس مُعجزہ کی جزئیات کو علامتی معنے دیئے ہیں مثلاً جیروم بیان کرتے ہیں کہ لڑکے سے مُراد مُوسیٰ اور پانچ روٹیوں سے اُس کی پانچ کتابیں مُراد ہیں - اور کہ سو سو کی قطار سے یگانگت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ سو کامل نمبر ہے اور پچّاس سے گناہوں کی مُعافی کیونکہ پچّاس سے اشارہ سال یوبال اور پنتکُوست کی طرف ہے - یہ باتیں محض واہمہ کا کھیل ہیں - اور حقیقت سے بالکل خالی ہیں ؞

قبل ازیں کہ ہم اِس مُعجزے کو چھوڑ کر آگے بڑھیں دو تین

باتوں کا ذکر کرنا ضرُوری معلُوم ہوتا ہے۔

(۱) انجیلوں میں دو مرتبہ اِس قسِم کے مُعجزے کا ذکر پایا جاتا ہے اور وُہ دونوں موقعے مختلف تھے لیکن مُعترضوں نے یہ حملہ کیا ہے کہ یہ دونوں بیان ایک ہی واقعہ کے ہیں اور لکھنے والوں نے غلطی سے اُن کو علیحدہ علیحدہ کر دیا ہے۔ لیکن وقت اور دیگر حالات کے اختلاف پر غور کرنے سے فوراً معلُوم ہو جاتا ہے کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ مثلاً کھانا اور کھانے والوں کا شمار اور بچے ہُوئے ٹکڑوں کی مقدار وغیرہ سب باتیں دونوں موقعوں پر جُدا جُدا تھیں علاوہ بریں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک میں یہ بتایا گیا ہے کہ پہلے ہی دن مسیح نے بھیڑ کو آسُودہ کیا اور دُوسرے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب لوگ تین دن تک مسیح کے ساتھ رہ چُکے تب اُس نے اُن کو کھِلایا۔ پھر یہ بھی ثابت ہے کہ جو واقعات اِن مُعجزوں میں سے ہر ایک کے پہلے اور پیچھے وقُوع میں آئے اُن میں بھی بڑا فرق ہے۔ مثلاً ایک سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح مُعجزے سے پہلے مغربی ساحل سے عبُور کرتا ہے اور اُس کے بعد دریا پر چلنے کا مُعجزہ سرزد ہوتا ہے پر دُوسرے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ مُعجزہ دکھانے سے پہلے صُوبہ فنیکی اور یردن کے منبع کے اِردگرد کے علاقوں کا دَورہ کر کے مشرقی ساحل پر آتا ہے اور مُعجزے کے بعد گلیل کے فریسیوں اور صدوقیوں کی آخری جنگ اُس کے ساتھ ہوتی ہے۔ ایک مُعجزے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ جمع ہُوئے وُہ اُن شہروں سے آئے جو جھیل کے مغربی کنارے پر آباد تھے۔ لیکن دُوسرے مُعجزے سے معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ اُن پہاڑوں سے جمع ہُوئے جو مشرقی اطراف میں واقع تھے۔ اور اسی طرح وقت میں بھی فرق تھا۔ ایک مُعجزہ موسم بہار کے شروع میں واقع ہُوا اور

دُوسرا بہت مُدّت بعد یعنے ایسٹر کے بعد اَور سخت گرمیوں کے دِنوں میں ✣

(۲) دُوسری غور طلب بات یہ ہے کہ لوگوں نے طرح طرح کی تشریحیں اِس بات کو حل کرنے کے لئے کی ہیں کہ یہ مُعجزہ کس طرح وقُوع میں آیا۔ وُہ رکیک اَور ناقص تاویل جو ریشنلسٹ پیش کرتے ہیں کئی صُورتیں اختیار کرتی ہے۔ مثلاً پالس جو جرمنی کا رہنے والا تھا یہ کہتا ہے کہ جس طرح مسیح نے اپنی روٹیاں اَور مچھلیاں نکالیں اُسی طرح اُس کے نمُونہ پر باقی لوگوں نے بھی کیا اور اپنی اپنی روٹیاں اور مچھلیاں نکال لیں اَور پھر سب کے سب بیٹھ گئے اور اپنا اپنا کھانا نکال کر کھانے لگ گئے۔ مسیح کے شاگردوں نے اِس کو مُعجزہ بنا لیا۔ دُوسری اِسی قسم کی تاویل یہ ہے کہ چُونکہ پُرانے عہد نامہ میں (خروج ۱۶+۱۔سلاطین ۱۷: ۸۔۱۶+۲ سلاطین ۴: ۱ و ۴۲) کچھ کچھ اِس قسم کے مُعجزات کا ذکر پایا جاتا ہے لہٰذا اُسی کی نقل پر یہ مُعجزہ بھی تجویز کیا گیا تاکہ مسیح کی نسبت جو خیالات عام طَور پر مروّج تھے وُہ پُورے ہوں۔ مگر اِن باتوں کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تاویلیں اُس تواریخی سادگی کا جو اِس بیان سے صادر ہے خُون کرتی ہیں۔ ماسوائے اِس کے وُہ باتیں جو اِس مُعجزے کے بعد وجُود میں آئیں ایسی ہیں کہ اگر یہ مُعجزہ وقُوع میں نہ آتا تو وُہ بھی واقع نہ ہوتیں مثلاً اگر مسیح نے یہ مُعجزہ حقیقت میں نہ دکھایا ہوتا تو کب یہ لوگ اُس کو بادشاہ بنانے کی کوشش کرتے اَور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ کئی اُس کے شاگردوں میں سے بھی اُس کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اِس عجیب تبدیلی کی کوئی اَور وجہ نہیں ہو سکتی سوائے اِس مُعجزہ کے جس کے سبب سے مسیح کو یہ دعوےٰ کرنے کا موقع مِلا کہ مَیں زندگی کی روٹی ہُوں اور میرا خُون اَور گوشت حقیقی حیات اور طاقت کا چشمہ ہے۔ اگر یہ مُعجزہ

ایک مَتھ (بناوٹی قصّہ) ہے تو پھر کوئی بات تواریخی اور حقیقی واقعہ نہیں ہو سکتی۔ جیسا ہم اُوپر عرض کر چکے ہیں ہم کو یہی خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ فوق العادت اور سُوپر نیچرل معاملات کی کُنہ دریافت کرنے میں انسان کی عقل ناقص ہے۔ پس ہم یہ مانتے ہیں کہ وُہ جس نے عالموں کو خلق کیا اس قابل تھا کہ روٹیوں کو بڑھائے تاہم جہاں تک نیچرل وسائل کام میں آسکتے ہیں وہاں تک وُہ اُن کو کام میں لاتا ہے۔ جو روٹی موجود ہے اُس کو ترک نہیں کرتا اور جو نیچرل وسائل سے نہیں ہو سکتا اُسے اپنی خالقانہ قُدرت سے وجُود میں لاتا ہے ہم اس بات کے انکاری نہیں کہ اَور مُعجزات کی طرح اس مُعجزے سے بھی مُشکلات وابستہ ہیں۔ مگر ہم اس بیان کی سادگی اور سچّائی کے سبب اَور اُن نتائج کی وجہ سے جو مسیح کے کام میں اس مُعجزے سے پیدا ہُوئے اور اُن اخلاقی اَور رُوحانی فوائد کے باعث جو اس سے برآمد ہُوئے اور اَب تک جاری ہیں اور اُس کی الٰہی قُدرت کے سبب جو اِس مُعجزہ کو دکھانے والا تھا اسے ایک سچّا تاریخی واقعہ قبُول کرتے ہیں ؂

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ متّی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے خُداوند نے اُس ضیافت کے بعد جس کے سبب سے یُوحنّا بپتسمہ دینے والا قتل کیا گیا اس بیابان کی راہ لی۔ پر یہاں وُہ خود ایک ضیافت تیار کرتا ہے۔ دیکھو دونوں ضیافتوں میں کیسا فرق ہے ہیرودیس کی ضیافت بڑے جشن کے ساتھ شروع ہُوئی۔ جُرم بیچ میں آیا اور فکر اَور غم اُس ضیافت کے آخر میں دامن گیر ہُوئے۔ لیکن مسیح کی ضیافت جسم کی ضرُورت کو رفع کرنے کی نیت سے شروع ہُوئی۔ لیکن پھر

رُوح کی سیری بھی عطا کی گئی اور آخر میں آسمانی خُوشی کئی ایک کو نصیب ہُوئی ؂

۲۔ مسیح کا نمُونہ۔ (۱) دانائی کے ساتھ خطرے کی جگہ سے ہٹ جانے میں (۲) اپنے اور اپنے شاگردوں کے لئے دماغی آرام ڈھُونڈنے میں (۳) دُوسروں کی بھلائی کے لئے اپنے آرام کو ترک کرنے میں ؂

۳۔ بھیڑ کو کھلانا ہم کو کئی سبق دیتا ہے۔ (۱) ترس کھاتے ہیں۔ (۲) فرمانبرداری کرتے ہیں۔ (۳) ترتیب رکھتے ہیں (۴) کفایت شعاری کے ساتھ چلتے ہیں ؂

۴۔ تنہا مکانوں میں جا کر دُعا مانگنا بڑی برکت کا باعث ہوتا ہے ؂

۵۔ مسیح کا رحم کیسی نئی نئی صُورتیں اختیار کرتا ہے۔ (۱) شفا دیتا ہے۔ (۲) تعلیم دیتا ہے۔ (۳) آسُودگی عطا کرتا ہے اَور ان برکتوں کے لئے ایک پیسہ بھی نہیں لیتا ہے ؂

۶۔ آسمانی بادشاہت کی برکتوں کی کثرت میں ہمیشہ خبرداری اور کفایت شعاری داخل ہوتی ہے۔ پانچ ہزار سیر کئے جاتے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک ٹکڑا تک ضائع نہیں ہونے پاتا۔ اسی طرح خُدا اپنی ساری برکتوں کی نگہبانی کرتا ہے۔ (۱) فطرت میں۔ (۲) رُوحانی عالم میں۔ (۳) جلالی دُنیا میں ؂

۷۔ ہمیشہ عقل پر تکیہ کرنا ضرُوری نہیں ہوتا بلکہ خُدا کے فضل اور قُدرت بالغہ کو عقل پر ترجیح دینی پڑتی ہے۔ شاگرد عقل کے پابند ہو کر دیناروں کا فکر کرتے ہیں اَور مسیح کی قُدرت اَور فضل کو جیسی جگہ دینی چاہئے نہیں دیتے۔ پر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم مناسب وسائل کو ترک کر دیں کیونکہ خُدا اُن کی

قدر کرتا ہے ❖

۸- ہم اپنے سرمایہ کی کمی پر اتنا غور نہ کریں جتنا خدا کی برکت پر۔

۹- غریبوں کی مدد کرنا ہم کو کبھی غریب نہیں بناتا ❖

۱۰- ہمیں جَو کی روٹی پر قناعت کرنا چاہئیے۔ مسیح سیری دیتا ہے نہ کہ عیّاشی کے مزے ❖

۱۱- ہر خاندان کے سرگروہ کو مسیح کا نمونہ اختیار کرنا چاہئیے۔ (۱) کھانے سے پہلے خدا سے برکت مانگنی چاہئیے۔ (۲) اُس کی برکتوں کو خبرداری سے استعمال کرنا چاہئیے (۳) اُن کی حفاظت کرنی چاہئیے۔ (۴) انتظام سے کام لینا چاہئیے۔ (۵) ترتیب کے معاملے میں اُس کے نقشِ قدم پر چلنا چاہئیے ❖

۱۲- مسیح اِس معجزے کے وسیلے ظاہر کرتا ہے کہ مَیں ساری دُنیا کی سیری کے لئے ضروری روٹی ہُوں۔ وُہ سب کی بھوک مٹاتا۔ اور لوگوں کے کھانے سے ختم نہیں ہوتا۔ کیونکہ زندگی کا سرچشمہ اور سوتا وہی ہے اُسی میں اِس قدر خوراک موجود ہے کہ ہمارے سیر ہونے کے بعد بھی سب دُنیا کے لئے کافی بچ جاتا ہے ❖

۱۳- فِلپُّس کی سیرت۔ وُہ کیا دیکھتا تھا اور کیا نہیں دیکھتا تھا ❖

۱۴- جب لوگ اندازہ لگاتے ہیں تو اسباب کی کمی وبالِ جان ہوتی ہے۔ پر جب مسیح اندازہ لگاتا ہے تو زیادتی ہوتی ہے ❖

۱۵- دیکھو وُہ کِس طرح اپنے منادوں اور مبشّروں کو غریبوں کی مدد کے لئے تیار فرماتا ہے ❖

۱۶- فِلپُّس اور اندریاس کی خصلت کا مقابلہ۔ ایک کثرت سے شروع کرتا ہے۔ دُوسرا قِلّت سے شروع کرنے کی طرف

رغبت رکھتا ہے ❖

۱۷- مسیحیوں کی صلاح اور مشورت انجام کار اکثر دُرست فیصلہ پر پُہنچتی ہے ❖

۱۸- دیکھو مِل کر بیٹھنے کے بعد خداوند معجزہ دکھاتا ہے ❖

۱۹- سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ مسیح اپنے شاگردوں سے کہتا ہے کہ تم ہی اِن کو کھانے کو دو۔ دُنیا کے بھوکوں کی ذمّہ داری مسیحی ناظر آپ پر ہے۔ جتنا آپ کے پاس ہے اُسے استعمال کرو۔ خداوند اُسے بڑھائیگا اور اُسی کے وسیلے بہتوں کو سیر کریگا۔ تم اُنہیں کھانے کو دو ❖

مسیح کا سمندر پر چلنا

متّی ۱۴: ۲۲-۳۳ مرقس ۶: ۴۵-۵۲ یُوحنّا ۶: ۱۵-۲۱

یہ معجزہ تین انجیلوں میں پایا جاتا ہے۔ اور تینوں انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ ہزار کو کھانا کھلانے کے معجزے کے بعد لیکن اُسی روز وقوع میں آیا ❖

متّی ۱۴: ۲۲ اور اُس نے فوراً شاگردوں کو مجبُور کیا کہ کشتی میں سوار ہو کر اُس سے پہلے پار چلے جائیں جب تک وُہ لوگوں کو رخصت کرے۔ سُوال برپا ہوتا ہے کہ اُس نے کیوں اُن کو مجبور کیا

کہ وہ "چلے جائیں"۔ اس کا جواب ہم کو یُوحنّا کی انجیل سے ملتا ہے۔ وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اُس کا یہ اُمعجزہ دیکھ کر اس بات کے جوڑ توڑ میں لگ گئے تھے کہ اُسے اپنا بادشاہ بنائیں اور شاگرد جو اس بات کو دل و جان سے چاہتے تھے اگر وہاں رہ جاتے تو ضرور اُن کے ساتھ اتفاق کرتے۔ کہ اُن کا اُستاد سرفرازی کے زینہ پر قدم رکھے۔ مگر وُہ نہیں چاہتا تھا کہ اُنہیں اس خطرے میں پڑنے دے لہٰذا اُس نے اس بات پر زور دیا کہ وُہ کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہو جائیں۔ جیروم صاحب عام طور پر "مجبور کرنے" کی یہ وجہ بتاتے ہیں کہ شاگرد اُس سے ایک دم کے لئے جُدا ہونا گوارا نہیں کرتے تھے۔ مسیح اور اُس کے شاگرد اس جگہ تنہائی کے لئے آئے تھے اور چونکہ یہ مقصد اُن کا پُورا نہ ہُوا اور چونکہ خطرہ تھا کہ یہاں زیادہ دیر تک ٹھہرنے سے مسیح کے مخالفوں کی دُشمنی کا شعلہ زیادہ بڑھ جائے اور چونکہ وُہ اس وقت اکیلا تنہائی میں رہنا پسند کرتا تھا لہٰذا اُس نے مناسب سمجھا کہ مجمع کو برخاست کرے۔ پس سب سے پہلے اپنے شاگردوں کو روانہ کیا۔ مرقس بتاتا ہے کہ وُہ لوگ بیت صیدا کی طرف روانہ ہُوئے۔ چنانچہ مرقس ۶: ۴۵ میں آیا ہے "اور فوراً اُس نے اپنے شاگردوں کو مجبور کیا کہ کشتی میں چڑھ کر اُس سے پہلے اُس پار بیت صیدا کو چلے جائیں جب تک وُہ لوگوں کو رُخصت نہ کرے"۔ مگر یُوحنّا کہتا ہے کہ "کشتی میں چڑھ کر جھیل کے پار کفرنحُوم کو چلے" (یُوحنّا ۶: ۱۷)۔ اس اختلاف کا حل یہ ہے کہ اس نام کے دو شہر موجود تھے۔ ایک وُہ بیت صیدا جو جولیاس کہلاتا تھا اور دُوسرا فلپّس اور اندریاس اور پطرس کا شہر تھا۔ یہ دُوسرا بیت صیدا کفرنحُوم کی راہ پر واقع تھا اور اُس سے بہت نزدیک آباد تھا۔

معجزہ ماقبل کے ضمن میں بتا دیا گیا ہے کہ یہودیوں کے درمیان یہ دستور تھا کہ وُہ قریباً ۳ بجے سے لے کر غروبِ آفتاب تک ایک شام اور پھر اس کے بعد رات تک دُوسری شام مانا کرتے تھے۔ پس جب وُہ کشتی پر سوار ہُوئے اُس وقت اُن کے شمارِ وقت کے مطابق دُوسری شام تھی۔ (مقابلہ کرو لُوقا ۹: ۱۲) جہاں دن ڈھلنے سے پہلی شام مُراد ہے۔ ایسی مقدّس جگہ اور ایسے اژدحام کے وقت اپنے خُداوند کو چھوڑنا اُن کے نزدیک دِل پسند کام نہ تھا۔ مگر جب خُداوند ہم کو کسی کام کے لئے جو مُشکل اور ہماری مرضی کے خلاف ہو بُلائے تو اُسے بجا لانا ہمارا فرض ہے۔

۲۳۔ اور لوگوں کو رُخصت کر کے تنہا دُعا کرنے کے لئے پہاڑ پر چڑھ گیا اور جب شام ہُوئی تو وہاں اکیلا تھا۔

اُن کو رُخصت کرنے کے بعد خود پہاڑ پر چلا گیا تاکہ وہاں دُعا مانگے غالباً یہ پہاڑ جہاں دُعا مانگنے کے لئے گیا ایک اُونچا پہاڑ ہوگا اور وہاں رات کو دیر تک دُعا مانگتا رہا۔ (دیکھو متّی ۲۵ آئت۔ رات کے چوتھے پہر تک) مسیح نہ صرف باقاعدہ طور پر اور بار بار دُعا مانگا کرتا تھا۔ (مرقس ۱: ۳۵ لُوقا ۵: ۱۶ و ۱۱: ۱) بلکہ جب کوئی خاص موقع اُس کی زندگی میں آتا تھا تو اُس وقت خاص طور پر دُعا کیا کرتا تھا۔ مثلاً جب اُس نے بارہ شاگردوں کو رسالت کے عُہدے پر مامُور فرمایا۔ (لُوقا ۶: ۱۲) تو اُس نے خاص طور پر دُعا کی اور پھر اسی طرح گتسمنی میں جان کنی کے موقعہ پر دُعا میں لگا رہا اور اس وقت اُس کے خاص طور پر دُعا مانگنے کا یہ سبب تھا کہ ایک طرف تو لوگ اُس کو بادشاہ بنانے کے درپے تھے۔ اور دُوسری طرف ہیرودیس اور فریسی حسد کے

مارے جل رہے تھے۔ پس اِن وجوہات کے سبب سے وُہ اُس وقت ایک نہائت نازک حالت میں تھا۔ لہٰذا اُسے باپ کی ہدائت اَور محافظت کی اشد ضرورت تھی۔ اِس مجذوب گروہ کے وسیلے شیطان پھر دُنیاوی بادشاہت اُس کو دینے کا وعدہ کرتا ہے اور اِس شرط پر کہ وُہ دُنیوی حکمت عملی اختیار کرے (دیکھو متّی ۴: ۸) اور وُہ باتیں جو وُہ دن بھر اپنی بادشاہت کے متعلّق سکھاتا رہا تاکہ لوگوں کے دِل سے غلط فہمیاں دُور ہو جائیں۔ (لُوقا ۹: ۱۱) اپنے مطلب کو پُورا کرنے میں قاصر نِکلیں اور اُس نے دیکھا کہ نہ لوگ میرے خیالات سے اتّفاق رکھتے ہیں اور نہ ہی ممکن ہے کہ مَیں اپنے خیالات کو ترک کر کے اُن کے خیالات کو اختیار کروں اَور اگر انکار کرتا ہُوں تو یہ خطرہ ہے کہ یہی لوگ جو مجھے بادشاہ بنانا چاہتے ہیں۔ تھوڑے دِنوں کے بعد میرے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور حکّام کی مدد کرینگے کہ وُہ مجھے جان سے مار ڈالیں پس اِن باتوں کے سبب وُہ اِس وقت خاص قسم کی دُعا کی ضرورت محسُوس کرتا ہے۔

۴۲۔ مگر کشتی اُس وقت جھیل کے بیچ میں تھی اور لہروں سے ڈگمگا رہی تھی کیونکہ ہوا مخالف تھی۔

کشتی اُس وقت جھیل کے بیچوں بیچ جا پہنچی تھی اور بادِ مخالف کے تھپیڑے کھا رہی تھی۔ یُوحنّا سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسیح اُن کے پاس آیا اُس وقت وُہ کُل تین یا چار میل کے قریب جا نکلی تھی اور ڈگمگا رہی تھی یہ وُہی فعل ہے جو متّی ۸: ۶ میں "تکلیف میں ہے" اور متّی ۸: ۲۹ میں "عذاب میں ڈالے" اور مرقس ۶: ۴۸ میں "بہت تنگ ہیں" ترجمہ کیا گیا ہے۔ یُوحنّا "ہوا مخالف تھی" کے عوض "بڑی آندھی" کا ذکر کرتا ہے جس

کے سبب سے موجیں اُٹھنے لگیں اور ملّاح کھیتے کھیتے عاجز آ گئے۔ جب مسیح اُن کے پاس آیا اُس وقت صبح ہونے پر تھی تاہم اُنھوں نے بہت راستہ طے نہ کیا۔

ایک شخص اِن طوفانوں کا جو اِس جھیل پر حادث ہوتے ہیں یُوں بیان کرتا ہے "کاتب الفاظ اور اِس کا ایک دوست بنر یاس سے روانہ ہو کر اُس جگہ کو گئے جہاں خُداوند نے غالباً پانچ ہزار کو معجزانہ طَور پر سیر کیا تھا مگر اِس دن گرمی شدّت سے بڑھی تھی اَور ملّاح پار جانا نہیں چاہتے تھے اور جب ہم دو تین میل کا فاصلہ طے کر چکے تو ملّاحوں نے کھینا بند کر دیا۔ اور کان لگا کر سُننا شروع کیا۔ جو شخص اِن کا لیڈر تھا وُہ بول اُٹھا "صاحب بہت بُرا ہُوا صاحب بہت بُرا ہُوا"۔ جھیل کے مغرب کی طرف ہوا کی دھیمی دھیمی سی آواز سُنائی دی جو کہ وادیوں میں سے گُذر کر جھیل کی جانب آ رہی تھی۔ ملّاحوں نے اپنے سارے زور سے کھیتا شروع کیا اور خُشکی تک پُہنچتے پُہنچتے جھیل کی سطح پر موجیں زور شور سے نمودار ہو گئیں۔ پھر ہم کوئی آدھ میل کے فاصلہ کے قریب ڈھلوانوں کی طرف چلے گئے اَور گھاس دار خوبصُورت جگھوں کو دیکھتے جاتے تھے اَور اُس وقت خاص کر ایک ایسی جگہ ہماری نظر سے گُذری جو پانچ ہزار کو آسُودہ کرنے کے معجزے سے بڑی مناسبت رکھتی تھی۔ پر جب ہم واپس آئے تو ہم نے دیکھا کہ جھیل کی سطح پر عجیب قسم کی تُندی اَور طغیانی چھائی ہُوئی ہے۔ دوپہر سے لے کر شام تک یہی حالت طاری رہی شام کو ہَوا تو تھم گئی مگر موجیں بدستُور زور دکھاتی رہیں اَور بہت مُدّت کے بعد بند ہُوئیں۔ آخر کار ہماری کشتی بندرگاہ سے ایک ٹیڑھے سے نالے میں پہنچائی گئی اَور ہم لوگوں کے کندھوں پر سوار ہو کر لہروں میں سے گُذرے اور کشتی میں داخل ہُوئے تاکہ جھیل کو عبُور کر کے واپس جائیں لیکن

موجیں اب تک ایسی تُند تھیں کہ ہم اُن پر قابُو نہیں پا سکتے تھے - پس ملّاح ساحل کے پاس پاس یردن کے دہانے کی طرف لوٹے .... ہم کچُھ دیر تک دریا میں رہے اور پھر مغربی ساحل کے گِرد آہستہ آہستہ گھُوم کر کیونکہ موجیں ابھی تک زور پر تھیں آدھی رات کے قریب بندرگاہ پر پہنچے - یہ موسم وہی تھا جس میں مسیح کے یہ مُعجزے وقُوع میں آئے یعنی ایسٹر سے کچُھ دن پہلے - اور وہی مغربی ہوا جو مسیح کے مُعجزے کے وقت چلتی تھی - اب چل رہی تھی - لیکن ہماری خوش قسمتی سے ہوا دِن کو جب کہ ہم ہنوز کنارہ پر تھے چل چُکی تھی - اگر یہ آندھی اُس وقت آتی جب کہ ہم جھیل کے بیچوں بیچ تھے تو ہماری عام قسم کی کشتی جس کو چلانے والے بھی اپنے فن میں بہت اُستاد اور مشّاق نہ تھے ضرُور ڈُوب جاتی ÷

اب مسیح کے شاگرد بھی کچُھ اسی قسم کے خطرے میں مُبتلا تھے مرقس ہمیں بتاتا ہے کہ (مرقس ۶ : ۴۸) اُس نے اُن کو اس مصیبت کی حالت میں دیکھا - اُن کو اس جھیل میں اکیلا بھیجنے کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ وُہ اُن کے ایمان کی تربیت کرے - ایک مرتبہ پہلے وُہ لوگ طوُفان کے خطرات میں مُبتلا ہُوئے - مگر اُس وقت مسیح اُن کے ساتھ تھا - اور وُہ خیال کرتے تھے کہ اگر خطرہ بہت بڑھ جائیگا تو ہم اُس کو جگا لینگے - لیکن اِس وقت وُہ اُن کے ساتھ نہ تھا اور چاہتا تھا کہ وُہ اِس بات کو سیکھیں کہ وُہ اُن کی مدد نہ فقط اس وقت کر سکتا ہے جب کہ اُن کے ساتھ ہو - بلکہ اُس وقت بھی اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے جب کہ بظاہر اُن سے غیر حاضر ہو کیونکہ جس وقت جسمانی طَور پر اُن کے ساتھ نہیں اُس وقت بھی اُن کی حالت سے بخُوبی آگاہ ہے - جب وُہ دُور ہوتا ہے تب بھی اپنے بندوں کے نزدیک ہوتا ہے - جب وُہ اُن کو آخر تک آزما چُکا تو "رات کے چوتھے پہر جھیل پر چلتا ہُوا اُن کے پاس آیا" اور اِس سے اُن کو سکھایا کہ آنے والی آزمائشوں کے طوُفان اور آندھیوں میں مجھے ہمیشہ اپنے پاس سمجھو - اگر تمہاری آنکھیں مجھے نہ دیکھیں اگر مدد کی تمام صُورتیں مفقُود ہو جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں تم یہ مانتے رہو کہ میں دُکھ اور مُصیبت کے وقت تمہاری مدد کرنے کے لئے ہمیشہ تمہارے ساتھ ہُوں ÷

اور نہ صرف اُن کے لئے بلکہ تمام کلیسیا کے لئے یہی سبق اِس مُعجزے میں نہاں ہے - وُہ اب آسمان میں ہے اور وہاں سفارش کے کام میں مصروف ہے مگر اُس کی غیر حاضری میں بارہا کلیسیا کو طرح طرح کی آندھیاں آگھیرتی ہیں اور کچُھ عرصہ کے لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُمّید کی کشتی ڈگمگا رہی ہے اور کنارِ سلامت تک پہنچنے کی کوئی صُورت نظر نہیں آتی پر وُہ ہمیشہ ایسی مایُوسی کی حالت میں آتا اور اپنی کلیسیا کو اپنی غیر مرئی قُدرت سے رہائی دیتا ہے - اور جب وُہ دُوسری مرتبہ آئیگا تو سب آندھیاں اور طوُفان جو اُسے اب ستاتے ہیں بالکل دُور ہو جائینگے اور وُہ ابدی آرام کی حالت میں داخل ہوگی ÷

۲۵ - اور وُہ رات کے چوتھے پہر جھیل پر چلتا ہُوا اُن کے پاس آیا -

یہُودی رات کو عموماً تین حِصّوں میں تقسیم کیا کرتے تھے اور ہر حِصّہ میں چار گھنٹے شامل تھے - یہی طریقہ یونانیوں میں مروّج تھا مگر پمپے کی فتح کے بعد جو ۶۳ سنہ قبل از مسیح وقُوع میں آئی رُومی طریقہ مروّج ہو گیا - اور وُہ یہ تھا کہ رُومی لوگ رات کو چار حِصّوں میں تقسیم کرتے تھے اور ہر حِصّہ میں چار گھنٹے شامل تھے - پس رات کا چوتھا پہر صبح کے تین بجے سے چھ بجے تک ہوتا تھا - اس چوتھے حِصّہ میں کسی

وقت مسیح اُن کو جھیل پر چلتا ہُوا دکھائی دیا۔ (انجیل)

۲۶ جب شاگرد اُسے جھیل پر چلتے ہُوئے دیکھ کر گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ بھُوت ہے۔ اور ڈر کر چلّا اُٹھے۔

اِس سے معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ لوگ بھُوت پریت کو مانا کرتے تھے۔ مگر جو بات قابلِ غور ہے وُہ اس بیان کی سچّائی اور سادگی ہے۔ وُہ مسیح کو آتے دیکھ کر اُسے بھُوت خیال کرتے ہیں اور ڈر جاتے ہیں۔ کیونکہ اُن کو اندیشہ تھا کہ اَب ہماری مُصیبت اور بھی زیادہ ہو جائے گی۔ لیکن اناجیل کے مصنّف اِس بات کو چھپاتے نہیں بلکہ بڑی وفاداری سے بیان کر دیتے ہیں۔ ٹرنچ صاحب اِس جگہ بڑا معنی خیز تبصرہ پیش کرتے ہیں۔ اُن کے تبصّروں کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح لوگ عموماً مسیح کی حضُوری کی شناخت کے متعلّق غلطی میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح اس وقت ہُوا۔ وُہ اکثر اپنے لوگوں کے پاس کسی غیر معمُولی صُورت یا کسی غیر مانُوس طریقے سے آتا ہے۔ وُہ کسی تکلیف یا کسی صلیب کے ذریعہ اُن کے پاس آتا اور برکت اپنے ساتھ لاتا ہے۔ مگر وُہ اُسے نہیں پہچانتے بلکہ اُسے ایک دہشت ناک بھُوت تصوّر کرتے ہیں۔ اور جب تک اُس کی زبان سے "خاطر جمع رکھّو مَیں ہُوں ڈرو نہیں،، نہیں سُن لیتے تب تک آرام نہیں پاتے۔

لیکن مرقس اِس جگہ یہ بھی بتاتا ہے کہ "وُہ اُن کے پاس آیا اور اُن سے آگے نِکل جانا چاہا۔" سُوال برپا ہوتا ہے کہ اگر وُہ اُن کی مُصیبت کو دیکھ کر اُن کی مدد کے لئے آیا تھا تو پھر اُن سے آگے نکلنا کیوں چاہتا تھا؟ (دیکھو مرقس ۶: ۴۸) بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک وُہ چلّاتے نہیں تب تک وُہ اُن کی کشتی میں قدم نہیں رکھتا۔ اِس کا کیا سبب

ہے؟ اِس بات کو سِوائے اُن کے جو کہ ایمان کی حقیقت سے واقف ہیں اَور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ واضح ہو کہ اِس آگے نکل جانے اور ایک طرح کی بے پرواہی دکھانے کا اصل مقصد یہ تھا کہ وُہ اپنے شاگِردوں کو سِکھائے کہ وُہ مدد کے لئے دُعا مانگیں اَور کہیں کہ اَے خُداوند تُو ہمیں نہ چھوڑ۔ یہی طریقہ وُہ ہمیشہ کام میں لاتا ہے۔ جب وُہ اُن دو شاگردوں کو ملا جو اماوس کو جا رہے تھے تب بھی وُہ آگے نِکلنا چاہتا تھا۔ (لُوقا ۲۴: ۲۸) اَور جب اُن شاگردوں نے اُس سے مِنّت کی کہ تُو ہمارے ساتھ رہ تب اُن کے ساتھ اندر گیا۔ (دیکھو یُوحنّا ۲: ۱۳-۳۵)۔۔۔۔۔۔

۔۔۔ بے انصاف قاضی اور سوئے ہوئے دوست کی تمثیلوں (لُوقا ۱۸: ۲ و لُوقا ۱۱: ۵) کو دیکھو کہ وہاں بھی اِسی قسم کی دیر اور تاخیر خُدا سے منسُوب کی جاتی ہے جب تک بار بار دُعا کے نالے اُس کی درگاہ میں نہیں پہنچتے تب تک وُہ مدد کا ہاتھ دراز نہیں کرتا۔ اَور پھر ایک اَور موقعہ کو دیکھو کہ بیت عنیاہ میں لعزر کی بہنیں اُس کی حضُوری کی ضرورت بشدّت محسُوس کرتی ہیں مگر وُہ نہیں آتا۔ بہت دیر لگاتا ہے اور کیا خُدا پرست لوگوں کے ایسے نالے "اَے خُداوند تُو کیوں اپنا چہرہ چھپاتا ہے" اسی بات کا ثبُوت نہیں کہ خُدا چاہتا ہے کہ دیر کے وسیلے اپنے لوگوں کے ایمان کو حرکت میں لائے اور اُنہیں آمادہ کرے کہ دستِ دُعا دراز کریں اور اُس سے بار بار التجا کریں کہ اَے خُداوند تو آ اَور ہمیں کبھی اکیلا نہ چھوڑ۔ پھر اَب وُہ اُن کے نالے اور چلّانے کی آواز سُن کر اُن کو تسلّی دیتا ہے چنانچہ لکھا ہے:-

۲۷ یسُوع نے فوراً اُن سے کہا خاطر جمع رکھّو مَیں ہُوں ڈرو مت۔

رائل صاحب اپنی تفسیر یُوحنّا میں لکھتے ہیں۔ کہ "بہت سی

باتیں جواب مسیحیوں کو ڈراتی اور اُنہیں فکر و تشویش سے بھر دیتی ہیں ایسا کرنا چھوڑ دیں۔ اگر وُہ ہر ایک بات میں مسیح کو دیکھا کریں کہ وہی ہر واقعہ کو وجُود میں لاتا اور وہی ہر بات پر قابُو رکھتا ہے اور کہ اُس کے حُکم کے بغیر ایک پتّا تک نہیں گرتا تو مبارک ہیں وُہ جو اُس کے ان الفاظ کو "مَیں ہُوں ڈرو مت" گھرے بادلوں اور کثیر تاریکی اور پُرشور آندھی اور سخت طُوفان میں گونجتے سُنتے ہیں۔ صاحب موصوف یہ بھی فرماتے ہیں کہ الفاظ "مَیں ہُوں" کی نسبت بعض لوگوں کا گمان ہے کہ وُہ خُدا کے نام یہوواہ کو یاد دلاتے ہیں جس سے یہُودی بخُوبی واقف تھے لیکن رائل صاحب کے خیال میں عبارت کے تعلّق اور قرینے سے اس خیال کی تصدیق نہیں ہوتی۔ کیونکہ شاگرد کسی شخص کو پانی پر چلتے ہُوئے دیکھ کر ڈر گئے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ وُہ کون ہے اب مسیح یہ بتانا چاہتا ہے کہ وُہ شخص مَیں ہی ہُوں اور اُس کے لئے وُہ وہی یُونانی الفاظ استعمال کرتا ہے جن کا ترجمہ "مَیں ہُوں" کیا گیا ہے۔ اور جو اُس کے مطلب کو بخُوبی ادا کر سکتا ہے ؞

۲۸۔ پطرس نے اُس سے جواب میں کہا اَے خُداوند اگر تُو ہے تو مُجھے حُکم دے کہ پانی پر چل کر تیرے پاس آؤں۔

یہ بیان صرف متّی کی انجیل میں پایا جاتا ہے۔ پر اس سے معلُوم ہوتا ہے کہ جو کُچھ پطرس اس وقت کہتا ہے وُہ اُس کی جلد بازی اور تیزیِ طبع سے پُورے طور پر موافقت رکھتا ہے۔ اور جو انکار وُہ بعد میں کرتا ہے اُس کی صُورت کُچھ کُچھ اِس واردات میں بھی نظر آتی ہے۔ ماسوائے اس کے اس میں ایمان کی خاصیّت اور کیفیّت کا بھی پتہ ملتا ہے اور وُہ یہ کہ ایمان کیا کُچھ کر سکتا ہے نیز ہمیں اس میں انسان کی اعلیٰ

رُوحانی حالت کی وُہ فضیلت نظر آتی ہے جو وُہ نیچر کے ادنیٰ قوانین پر رکھتا ہے۔ اور جیسے ہمارا خُداوند بار بار ظاہر فرماتا ہے۔ (دیکھو متّی ۱۷: ۲۰ اور ۲۱: ۲۱) (لینگی)

اگر تُو ہے۔ ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں کہ لفظ اگر سے یہ مطلب نہیں لینا چاہیئے کہ پطرس مسیح کی موجُودگی پر شک لاتا تھا۔ اگر توما ہوتا تو ہم کہتے کہ وُہ ضرُور یہ چاہتا تھا کہ پہلے یہ بات ثابت ہو جائے کہ بولنے والا حقیقت میں یسُوع ہے اور پھر اُسے کشتی میں جگہ دی جائے۔ لیکن پطرس اس کمزوری میں مبتلا نہ تھا۔ وُہ جانتا تھا کہ جو بول رہا ہے وُہ خُداوند ہی ہے۔ لہٰذا اِس "اگر" کو "چونکہ" کا مرادف سمجھنا چاہیئے "اَے خُداوند چونکہ تُو ہے اس لئے مُجھے حُکم دے کہ پانی پر چل کر تیرے پاس آؤں" ؞

پطرس کس لئے مسیح کے پاس جانا چاہتا تھا؟ شائد اُس کے دل میں یہ آرزُو ہوگی کہ مَیں اپنے خُداوند کے ساتھ رہُوں۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت دلیر بن کر اُس کم اعتقادی کی تلافی کرنا چاہتا تھا جو شاگردوں کے اظہارِ خوف سے ظاہر ہُوئی اور جس میں وُہ خود بھی شامل تھا۔ پر ان تمام باتوں کے ساتھ کُچھ ایسی باتیں بھی ملی ہُوئی تھیں جن سے اُس کی خودی کی بُو آتی تھی۔ وُہ اور شاگردوں پر سبقت لے جانا چاہتا تھا۔ پس اُس کا قصُور اِس درخواست میں نہاں تھا "مُجھے حُکم دے"۔ وُہ اپنے ایمان کی ایک زور آور گواہی پیش کر کے اَوروں سے ممتاز ہونا چاہتا تھا۔ گویا وُہ ایک طرح سے اس وقت بھی وُہی دعوےٰ کرتا ہے جو اُس نے مسیح کا انکار کرنے سے پہلے کیا "اور ٹھوکر کھائیں تو کھائیں پر مَیں نہ کھاؤں گا" ؞

۲۹۔ اُس نے کہا آ۔ پطرس کشتی سے اُتر کر

یسُوع کے پاس جانے کے لئے پانی پر چلنے لگا۔

اُس نے کہا۔ یہ حُکم اُن شاہانہ احکام میں سے ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارا خُداوند اپنی الٰہی قدرت کو جانتا تھا کہ وُہ کیا ہے اور کیسی ہے۔ پر یہاں اِس "آ" سے پیشتر اجازت دینا مُراد ہے۔ وُہ فرماتا ہے کہ اگر آنا چاہتے ہو تو آؤ۔ لیکن جانتا ہے کہ پطرس کا حوصلہ ٹُوٹ جائیگا۔ پس اِس "آ" سے ہم یہ نہ سمجھیں کہ گویا مسیح یہ وعدہ کرتا ہے کہ تو کامیاب نِکلیگا اور کبھی نہیں گِریگا بلکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ پطرس کہتا ہے "تو مجھے حُکم دے"۔ مگر اس کے جواب میں مسیح یہ نہیں کہتا کہ "مَیں حُکم دیتا ہُوں"۔ پطرس کہتا ہے کہ "پانی پر چل کر تیرے پاس آؤں" مسیح یہ نہیں کہتا "ہاں پانی پر چل کر میرے پاس آ"۔ پطرس آنا چاہتا ہے اور مسیح اُسے روکتا نہیں کیونکہ وُہ اُس کی دلیری اور ہمّت کو جو زمینی آلائشوں سے پاک ہو کر اُس کی خدمت میں کام آ سکتی تھی اِنکار سے دبانا یا چُور چُور کرنا نہیں چاہتا۔ لہذا اُس کے سُوال کے جواب میں صرف "آ" کہتا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ اگر تُم آنا چاہتے ہو تو آؤ۔ اور آزماؤ۔ تاہم اِس "آ" میں یہ وعدہ شامل ہے کہ پطرس پانی میں ڈُوبنے نہیں پائیگا۔ گو یہ وعدہ داخل نہیں کہ وُہ اُس تک پُہنچنے میں کامیاب نِکلیگا۔ یہ بات اُس کے اعتقاد کی مضبُوطی پر مُنحصر تھی۔ اگر اُس کا اعتقاد آخر تک مضبُوط رہتا تو وُہ کامیاب نِکلتا۔ لیکن خُداوند جانتا تھا کہ اُس کی دلیری ایمان کی دلیری نہیں اور کہ وُہ آزمائش کی شِدّت میں پھنس کر خوف اور کم اعتقادی میں تبدیل ہو جائیگی اور ایسا ہی ہُوا۔ چنانچہ اُس نے

۳۰۔ جب ہوا دیکھی تو ڈر گیا اور جب ڈُوبنے لگا تو چِلّا کر کہا اَے خُداوند مجھے بچا۔

بعض نُسخوں میں لفظ "تیز" ہوا کی صفت میں واقع ہُوا ہے۔

جب تک پطرس اپنے خُداوند کی طرف دیکھتا رہا یعنے جب تک اُس کا اعتقاد قائم رہا وُہ چلتا رہا لیکن جب اُس نے تیز ہوا کی طرف دیکھنا شروع کیا تو وُہ ڈر گیا اور نتیجہ یہ ہُوا کہ وُہی جو اپنی دلیری کو دیگر شاگردوں پر ظاہر کرنا چاہتا تھا اب اُن کے سامنے اپنی دہشت زدگی کا اقرار کرتا ہے۔ وُہ اپنی گھبراہٹ کے عالم میں تیرنے کا فن بھی بھُول گیا۔ (یُوحنّا ۲۱: ۷) ایمان کے معاملے میں نیچر اور فضل کو مرکّب نہیں کر سکتے۔ ہاں ایسا نہیں ہو سکتا کہ وُہ شخص جو فضل کے عالم میں قدم رکھتا ہے جس وقت چاہے اُن میں داخل ہو اور جس وقت چاہے اُس میں سے نِکل آئے اور پھر نیچر کے وسائل کا پیرو ہو۔ نہیں جو فضل کی دُنیا میں داخل ہوتا ہے اُس نے اُن کو چھوڑ دیا ہے اُس نے اب نئی زِندگی اور نئے وسائل اختیار کئے ہیں۔ اور چاہئے کہ جو زندگی اُس نے شروع کی ہے اُس میں لگا رہے ورنہ ناکامی سے دوچار ہوگا:

لیکن خُداوند نے پطرس کو ہلاک نہیں ہونے دیا۔ اُس کا تجربہ زبُور نویس کے تجربہ کے موافق نِکلا جو ان الفاظ سے مُترشّح ہے۔ "جب مَیں نے کہا میرا پاؤں پِھسل چلا تو اَے خُداوند! تیری شفقت نے مجھے سنبھال لیا" (زبُور ۹۴: ۱۸) چنانچہ جس وقت اُس نے کہا۔ "اَے خُداوند مجھے بچا" اُسی وقت خُداوند مسیح نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اُسے بچا لیا۔ لِکھا ہے:-

۳۱۔ یسُوع نے فوراً ہاتھ بڑھا کر اُسے پکڑ لیا اور اُس سے کہا اَے کم اعتقاد تو نے کیوں شک کیا۔

دیکھو پہلے اُس کو بچایا اور پھر محبّت سے اُس کی کم اعتقادی کے

سبب اُس کو ملامت کی۔ غور کرو مسیح اُس کو "کم اعتقاد" کہتا ہے بے اعتقاد نہیں کہتا۔ پھر یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ وہ اُسے یہ نہیں کہتا کہ "تو کیوں آیا"؟ پر یہ کہتا ہے "تُو نے کیوں شک کیا" وہ اُس پر یہ نہیں ظاہر کرتا کہ تیرا قصور اس میں ہے کہ تُو نے اتنے بڑے کام کا بیڑا اُٹھایا۔ بلکہ اُسے دکھاتا ہے کہ اُس کا قصور اس بات میں ہے کہ وہ اُس قدرت پر جو اُسے کامیابی تک پہنچا سکتی تھی شک لایا۔ اور جب تک وہ اس خائف شاگرد میں بھروسہ کی روح پھر تازہ نہیں کر دیتا تب تک اُس کو ملامت نہیں کرتا۔

"تو کیوں شک لایا" یہ صیغہ فعل ماضی کا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ اب وہ شک کافور ہو گیا تھا۔ گویا مسیح یہ کہہ رہا ہے۔ شک کرنے سے پہلے "تو سمندر کی موجوں پر چل رہا تھا" اور اب جبکہ تیرا سینہ شک سے صاف ہے تو تو پھر اُس پر چل رہا ہے۔ پس اب تُو نے دیکھ لیا کہ ایمان دار کے لئے سب کچھ ممکن ہے۔ لفظ "شک لانا" جس یونانی فعل کا ترجمہ ہے اُس کے معنے "بے ارادہ دو راہوں کی طرف جانے" کے ہیں۔ پس پطرس کی حالت دودلی کی حالت تھی۔ یہی لفظ متّی ۲۸ : ۱۷ میں مستعمل ہے۔

یاد رہے کہ پطرس کا یہ قصہ علامت کا کام بھی دیتا ہے۔ یعنی جو حالت اُس کی اُس موقعہ پر تھی وہی عموماً ہر ایمان دار کی کمزوری اور خوف کے وقت ہوا کرتی ہے۔ جب تک ایمان دار ایمان میں قائم رہتے ہیں تب تک وہ دُنیا کی آندھیوں اور طوفانوں کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہیں۔ یعنے جب تک وہ مسیح کو دیکھتے رہتے ہیں تب تک وہ مضبوط رہتے ہیں لیکن جب اُس کی طرف سے نگاہ ہٹا کر تیز ہواؤں کو دیکھنے لگ جاتے ہیں تب ڈوبنے لگتے ہیں اور اگر مسیح ہاتھ بڑھا کر

ایسے موقعوں پر اُن کو نہ بچائے تو وہ بالکل ڈوب جائیں۔

۳۲۔ اور جب وہ کشتی پر چڑھ آئے تو ہوا تھم گئی۔

یوحنّا کہتا ہے "پس وہ اُسے کشتی پر چڑھا لینے کو خوش ہوئے" بعض لوگ ان بیانوں میں بھی اختلاف دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں متّی اور مرقس تو کہتے ہیں کہ وہ کشتی پر چڑھ گیا۔ لیکن یوحنّا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چڑھا نہیں بلکہ اُس کے شاگرد اُسے کشتی میں چڑھانے کو خوش تھے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو ان بیانوں میں کچھ فرق نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ ایک بیان سے یہ پتہ لگتا ہے کہ اُنہوں نے اُسے کشتی میں لے لیا اور دوسرے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل کے وقوع سے پہلے اُن کی یہ آرزو تھی کہ وہ اُن کے پاس کشتی میں آجائے۔ پس وہ جو کچھ چاہتے تھے سو اُنہوں نے کر لیا یعنے اُس کو کشتی پر لے لیا۔ ایک شخص ان کی خواہش کا اور دوسرا اُن کی خواہش کی تکمیل کا ذکر کرتا ہے۔ متّی اور مرقس صرف ہوا کے تھم جانے کا ذکر کرتے ہیں مگر یوحنّا یہ بھی بتاتا ہے کہ "فوراً وہ کشتی وہاں جا پہنچی جہاں وہ جاتے تھے"۔

۳۳۔ اور جو کشتی پر تھے اُنہوں نے اُسے سجدہ کرکے کہا یقیناً تو خدا کا بیٹا ہے۔

مرقس یہ بتاتا ہے کہ اس ساری واردات کو دیکھ کر شاگرد "اپنے دل میں نہایت حیران ہوئے"۔ اور متّی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیرت نہ صرف اُس کے شاگردوں پر طاری ہوئی بلکہ اُن پر بھی جو اُس کے ساتھ کشتی پر سوار تھے۔ یہ لوگ غالباً ملاح اور دیگر مسافر تھے جو کشتی پر سوار تھے اُنہوں نے بھی اُس کے جلال کی ایک جھلک دیکھ لی۔ اور آکر سجدہ کیا اور کہا "یقیناً تو خدا کا بیٹا ہے"۔ اُنہوں نے محسوس کیا کہ جسے ہم اس وقت دیکھ رہے ہیں وہ ایک عجیب شخص ہے۔ متّی کی انجیل میں

یہ پہلا موقع ہے جہاں انسان مسیح کو خُدا کا بیٹا مانتا ہے۔ اُس کے ۳ : ۱۷ میں خُدا اُس کو اپنا بیٹا بتاتا ہے ۔ ۴ : ۳ میں شیطان اُس کی آزمائش کے وقت اُسے خُدا کا بیٹا کہہ کر اُس سے مخاطب ہوتا ہے اور ۸ : ۲۹ میں بدرُوحیں اُسے خُدا کا بیٹا کہتی ہیں۔ اور یہاں انسان اُسے یہ لقب دیتا ہے ۔ اِس لفظ سے عام معنے کے مطابق مسیح مُراد نہیں بلکہ اُس سے اُس کی الٰہی سیرت اَور خاصیّت جیسی کہ انجیل میں ظاہر ہُوئی ہے مُراد ہے اِس میں شک نہیں کہ لفظ بیٹا کے سامنے حرف تعریف اِس جگہ نہیں آیا لہٰذا معنے عام اَور کشادہ ہیں۔ مگر ہمیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ مسیح جس طرح خاص معنوں میں اِبنِ آدم ہے اُسی طرح خاص معنوں میں خُدا کا بیٹا بھی ہے۔ اَور یہ لوگ جو اُسے خُدا کا بیٹا کہتے ہیں یہُودی ہیں لہٰذا وُہ ایسے سنجیدہ موقعہ پر اِس لفظ کو بُت پرستوں کے دستور اور معنوں کے مطابق خُدا کا بیٹا نہیں کہتے بلکہ اُن کا یہ مطلب ہے کہ جو شخص اِس مُعجزہ کا مُوجد ہے وُہ واقعی الٰہی قُدرت سے ملبّس ہے۔ جیرّوم کہتا ہے۔ کہ یہ ملّاح اُس کا صرف ایک مُعجزہ یعنی طوفان کو تھمانے کا مُعجزہ دیکھ کر پُکار اُٹھتے ہیں کہ "یقیناً تُو خُدا کا بیٹا ہے"۔ مگر ایریسؔ یہ منادی کرتا ہے کہ وُہ محض ایک مخلوق ہے۔ (لینگی)

اَب ہم دو تین باتیں اِس مُعجزے کی حقیقت پر تحریر کر کے دُوسرے مُعجزے کی طرف رجُوع کریں گے:۔

مُعجزات کے مخالف یہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ مسیح نے حقیقت میں یہ مُعجزہ نہیں دکھایا۔ وُہ صرف کنارے پر ٹہل رہا تھا مگر اُس وقت اُس کے شاگردوں پر ایسی ہیبت چھائی ہُوئی تھی کہ اپنی زُود اعتقادی سے اُنھوں نے یہ خیال کیا کہ وُہ پانی پر چل رہا ہے۔ ایسی ایسی تاویلیں اُنھیں

لوگوں کو سجتی ہیں۔ جو مُعجزات کے امکان کے مُنکر ہیں۔ لیکن ہماری رائے میں یہ تاویل اُس تاریخی بیان سے کچھ موافقت اور مطابقت نہیں رکھتی جو دو چشم دید گواہوں (متّی اور یُوحنّا) کی شہادت پر مبنی ہے اور نیز ایک اَور شخص کی گواہی سے تقویّت پاتا ہے (مرقس) جو اُسی پطرس کا رفیق ہے جو اِس مُعجزے میں پانی پر چلا۔

ہم پُوچھتے ہیں (۱) کہ اگر شاگرد جھیل کے وسط میں کنارے سے دو تین میل کے فاصلے پر تھے تو کب اُسے جھیل کے کنارے پر چلتا ہُوا دیکھ سکتے تھے؟

۲۔ اَور اگر "اندھیرا" ہو گیا تھا تو بالکل ناممکن تھا کہ کسی شخص کو کنارے پر دیکھتے خواہ فاصلہ دو میل سے بھی کم ہوتا ہے۔

(۳) اَور اگر آندھی زور سے چل رہی تھی اَور موجیں اُٹھ رہی تھیں تو کنارے پر کے لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنا سراسر ناممکن بلکہ محال تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اِس قسم کی تاویلوں کو ماننے کے لئے زیادہ زُود اعتقادی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جو بیان یہاں پایا جاتا ہے اُس کا ماننا اِن بناوٹی تاویلوں کے ماننے کی نسبت زیادہ آسان ہے۔ اَب اگر ہم یہ مانیں کہ متّی مرقس اَور یُوحنّا یہاں بالکل نادرست واقعات قلمبند کرتے ہیں تو یہ تاویل بھی نادرست معلوم نہ ہوگی۔ مگر اِس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ انجیل نویسوں کی کوئی بات بھی ماننے کے لائق نہ رہے گی۔ اَور مُعجزات کے مخالف شاید اِسی طرف ہماری رہنمائی کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مُعجزات کے انکار کے بعد رفتہ رفتہ جس منزل پر انسان پہنچتا ہے وُہ یہی ہے کہ اُس کے نزدیک نہ بائبل کچھ چیز رہتی ہے اَور نہ مسیحی مذہب۔

اَور اَور تشریحیں بھی اِسی مُعجزات کی کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ مسیح کا بدن قوانینِ نیچر کی قیوُد سے آزاد تھا لہٰذا اِس کا پانی پر چلنا ناممکن نہ تھا

یہ ڈوسیٹک (Docetic) خیال ہے۔ اور پھر یہ کہ پانی اُس کے پاؤں کے نیچے سخت ہو گیا۔ یہ سب خیال بے بُنیاد ہیں۔ اصل حل یہ ہے کہ جس نے پانیوں کو خلق کیا وُہ اِس قابل تھا کہ اُن کی سطح پر اپنی قُدرت کاملہ سے چلے۔ اُس کی مرضی کے وسیلے ایک اعلےٰ قانُون ادنےٰ قوانین پر حاوی ہُوا اور بڑے بڑے نتائج کو پیدا کرنے کے لئے اپنا کرشمہ دکھا گیا۔

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ اگر خُداوند ہمیں کسی جگہ بھیجے جہاں خطرہ دکھائی دیتا ہے تو ہم ایمان سے اُس پر بھروسہ کر کے وہاں جائیں وُہ ہمیں وہاں اکیلا نہ چھوڑے گا۔

۲۔ مُعجزے کا خلاصہ (۱) وُہ اپنے شاگردوں کو اِس لئے بھیجتا ہے کہ اُسے خلوتی دُعا کا موقع ملے (۲) کہ وُہ طرح طرح کے تجربے حاصل کریں۔ دیکھو (ا) طُوفان اُن پر واقع ہُوا۔ (ب) ایک عجیب نظارہ اُنہیں دکھائی دیا۔ (ج) پھر ایک عجیب آرام اُنہیں حاصل ہُوا۔ (۳) ایک اور عجیب واقعہ اسی اثنا میں سرزد ہُوا۔ یعنے پطرس کی (ا) درخواست۔ (ب) اُس کا خوف (ج) اُس کا رہائی پانا۔ (۴) اِس مُعجزے کا نتیجہ۔

۳۔ مسیح کی حضُوری۔ (۱) خطروں میں اُس کی محبّت ظاہر کرتی ہے (۲) اُس کے لوگوں کو خُوشی بخشتی ہے۔ (۳) مثلاً شیدوں پہ کبھی نہ کبھی اپنے تئیں ظاہر کرتی ہے۔ (۴) وُہ حالت کیسی کم بخت اور خطرناک ہے جہاں وُہ ساتھ نہیں۔ (۵) کیا وُہ ہمارے ساتھ ہے؟

۴۔ خطرہ اور نجات۔ (۱) سخت خطرات جو پیدا ہوتے ہیں وُہ ہمیں

مدد کی ضرورت محسُوس کرنا سکھاتے ہیں۔ (۲) رہائی کبھی کبھی دہشت انگیز صُورت اختیار کرتی ہے۔ آئت ۲۶ (۳) خُداوند فوراً ہماری ہمّت بڑھاتا ہے عین اُس وقت جبکہ اُس کی ہم کو ضرورت ہوتی ہے۔ آئت ۲۷ (۴) تکلیفوں میں خُداوند کی آواز کو پہچاننا ہمیشہ حوصلہ افزائی کا باعث ہوتا ہے اور اُس سے اُمیّد پیدا ہوتی ہے (۵) تکلیفوں کے بعد جو آرام آتا ہے ہم اُس کی زیادہ قدر کرتے ہیں۔ آئت ۳۲۔

۵۔ پطرس کا لہروں پر چلنا ظاہر کرتا ہے کہ (۱) نقل کرنے کی خواہش عجیب چیز ہے۔ (۲) مسیح کی حضُوری اور قُدرت کو اپنے ساختہ معیار سے پرکھنا ہمیں کامیابی سے دُور رکھتا ہے۔ (۳) مسیح پر بھروسہ رکھنا اور نیز اپنے اُوپر بھی کچھ کچھ اعتماد کرنا۔ دونوں باتیں پطرس میں عجیب طَور پر ملی ہُوئی تھیں۔ (۴) کبھی کبھی کوئی مُشکل خدمت جوش خروش کے ساتھ شروع کی جاتی ہے مگر انجام کمزوری سے ہوتا ہے۔ (۵) مُبارک وُہ شخص ہے جو اپنی بے کسی کو دیکھ کر مسیح کو مدد کے لئے پُکارتا ہے۔

۶۔ اُس کی آنکھ اپنے بندوں کو ہر وقت دیکھتی ہے۔ اُس وقت پہاڑ پر سے دیکھتی تھی۔ اب آسمان پر سے دیکھتی ہے۔ ”اُس نے اُن کو اِس مُصیبت کی حالت میں دیکھا“۔

۷۔ مَیں ہُوں۔ اے کاش کہ یہ آواز خُداوند کی ہمارے کان میں آتی رہے۔

۸۔ خُداوند ہمارے پاس بعض اوقات ایسی صُورت میں آتا ہے جو بظاہر ڈرانے والی ہوتی ہے۔ کبھی بیماری لے کر آتا ہے۔ کبھی کوئی صلیب لے کر آتا ہے۔ کبھی کسی اور ناپسند اور نامرغُوب واقعہ کے وسیلے آتا ہے

پر ہم اُس کو نہیں پہچانتے ہم اُن اظہاروں کو خوف اور دہشت کا باعث سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وُہ کوئی برکت کوئی رہائی لے کر آتا ہے۔

۹۔ لکھا ہے کہ "اُن سے آگے نکل جانا چاہا"۔ ہم یہ سبق کبھی نہ بھولیں کہ وُہ اپنی برکت دینے سے پہلے ہمارا چلانا طلب کرتا ہے۔

۱۰۔ اگر ہم مسیح میں سے اپنی مصیبتوں کو دیکھیں تو ہماری مصیبتیں کافور ہو جائیں۔ پر ہم پطرس کی طرح مسیح کو دیکھتے دیکھتے تیز ہَوا کو دیکھنے لگ جاتے ہیں۔

۱۱۔ مسیح (۱) اِس معجزے میں اُس کی فروتنی ظاہر ہوتی ہے۔ اُس نے لوگوں کو آسودہ کرنے کے بعد دیکھا کہ وُہ مجھے بادشاہ بنانا چاہتے ہیں تو وُہ تنہا جگہ کی طرف چلا گیا۔ (۲) اُس کی عالم الغیبی ظاہر ہوتی ہے پہاڑ پر سے۔ اُس کی ہمہ دان آنکھ اُن کو دیکھتی ہے۔ (۳) اُس کی محبت ظاہر ہوتی ہے اور اُن کو خطرے سے بچانے آتا ہے۔ (۴) اُس اُستاد کی عجیب حکمت سکھانے کے فن میں نظر آتی ہے۔ کس طرح پہلے سب کو اور پھر پطرس کو الفاظ سے نہیں بلکہ واقعات کی زبان سے یہ سکھاتا ہے کہ مشکلات آئینگی۔ مگر تمہارے ایمان کے وسیلے میری حضوری تم کو بچائیگی۔ (۵) اُس کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔ کس طرح کشتی کو اور پطرس کو جھیل کی متلاطم امواج سے بچایا۔ سب مسیحی اِس بات سے تسلّی پائیں کہ اُن کا خداوند موجوں اور آندھیوں اور طوفانوں کا خداوند ہے۔ اور لہروں پر سوار ہو کر تاریک سے تاریک وقت میں آ کر اپنے بندوں کی مدد کر سکتا ہے۔

۱۲۔ رسولوں کی حالت گویا کلیسیا کی حالت کی کہ جیسی وُہ پہلی اور دُوسری آمد کے درمیان ہے علامت ہے اِس غیر حاضری میں اُس پر طرح طرح کے طوفان آتے ہیں۔ پر جب وُہ آئیگا تو اُنہیں دُور کریگا اور اُسے کامل آرام دیگا۔ (رائل)

۱۳۔ ہم مسیح کی حضوری کی قدر کرنا اُس وقت سیکھتے ہیں جب وقت ہم اُس کی غیر حاضری سے بے دل ہوتے ہیں۔

۱۴۔ مُوسیٰ نے جو کہ گھر میں نوکر تھا خدا کے حکم سے سمندر کو دو ٹکڑے کیا۔ مگر مسیح جو سب چیزوں کا مالک ہے۔ آپ ہی سمندر پر چلتا ہے۔

۱۵۔ دیکھو جب خداوند مسیح اپنی برکتوں سے ہم کو سیر کرتا ہے۔ تو اُس وقت ہم پر آزمائش آتی ہے۔ جب بپتسمہ کے وقت اُس پر رُوح نازل ہُوئی تو وُہی وقت تھا جب کہ آزمائش کے لئے بیابان میں گیا۔

۱۶۔ خداوند پہلے سیر کرتا اور پھر ہم کو مشکل کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔

جنم کے اندھے کو بینائی بخشنا

یُوحنّا ۹ باب

جس اندھے کا ذکر اِس باب میں پایا جاتا ہے اُس کی تاریخ ایسی تفصیل اور تازگی سے پُر ہے کہ وُہ معجزہ جس پر اب ہم غور کرنے کو ہیں انسان کی بناوٹ نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ برعکس اِس کے اُس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُس کا رقم کرنے والا چشم دید واقعات کو قلمبند کر رہا ہے۔ اِس معجزے کی تاویلیں بھی قسم قسم کی پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ جو شخص اندھا بتایا گیا ہے اُس کی آنکھیں صرف سُوجی ہُوئی تھیں اور مسیح نے فقط سوج کو دُور کیا۔ کوئی کہتا ہے کہ ۳۹ آیت کی غلط فہمی سے اِس معجزہ کا خیال برپا ہُوا۔ اور بعض کی یہ رائے ہے کہ

یہودیوں میں یہ کہانی مروّج تھی کہ نعمان کا کوڑھ یردن میں غسل کرنے سے جاتا رہا۔ انجیل نویس اُس کی نقل میں ایک اندھے کو شیلوخ کے حوض میں غسل دلاتے ہیں تاکہ الیشع کی طرح یسُوع کی بھی عزّت کی جائے۔ پھر بعض یہ کہتے ہیں کہ صرف تعلیمات کی غرض سے یہ معجزہ گھڑا گیا ہے لیکن جو لوگ بے تعصّب اور انصاف پسند ہیں وُہ بیان کی تفصیل اور سادگی اور تازگی کو دیکھ کر ان بے جان اور فضول تاویلوں کو ردّ کرینگے۔

۱۔ پھر اُس نے جاتے وقت ایک شخص کو دیکھا جو جنم کا اندھا تھا۔

لفظ "پھر" اِس تاریخی بیان کو آٹھویں باب سے ربط دیتا ہے۔ (۸: ۵۹) عید خیام کے خاتمہ کے ایک روز بعد یہ معجزہ وقوع میں آیا۔ کیونکہ یہ معجزہ سبت کے دن واقع ہُوا۔ اور عید خیام کے آخر میں جو دن آتا تھا وُہ بھی سبت کا دن ہوتا تھا۔ (دیکھو آئت ۱۴ بمقابلہ احبار ۲۳: ۳۹) اور جس جگہ یہ معجزہ وقوع میں آیا وُہ کہیں ہیکل کے آس پاس ہوگی جہاں لنگڑے اندھے اور دیگر مریض بیٹھے رہا کرتے تھے (اعمال ۳: ۱ و ۲) لیکن اس خیال پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں ایک یہ کہ آٹھویں باب سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اکیلا تھا جس وقت وُہ ہیکل سے نکلا۔ مگر اس جگہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کے شاگرد بھی اُس کے ساتھ ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مسیح اکیلا خطرے سے بچ نکلا اُسی طرح اُس کے شاگرد بھی ایک ایک کرکے نکل آئے۔ لیکن باہر آکر پھر اُس سے مل گئے۔

دُوسرا اعتراض یہ ہے کہ ۸ باب سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح سنگسار کئے جانے کے خطرے میں تھا۔ پس ہو نہیں سکتا کہ وُہ اُسی روز خاطر جمعی و سکون دِلی کے ساتھ اور اُسی جگہ کے قُرب و جوار میں ایک ایسا معجزہ

دکھاتا جیسا کہ یُوحنّا ۹ باب میں درج ہے۔ لیکن واضح ہو کہ مسیح اسی قسم کے موقعوں پر کمال استقلال اور بغیر اضطرابی کے محبّت اور فضل کے کاموں میں مشغول ہو کر یہ ثابت کیا کرتا تھا کہ مَیں خداوندوں کا خداوند اور بادشاہوں کا بادشاہ ہُوں۔ یہاں ہم اُس کے اطمینان اور رحم کی ایک نہائت خوبصورت فوٹو پاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وُہ بمشکل تمام ابھی ابھی یہودیوں کے پتّھروں سے بچا ہے۔ اور اَب بھی اُس کی جان معرضِ خطر میں ہے مگر پھر بھی وُہ اِس کارِ خیر کو انجام دینے کے لئے ٹھہر جاتا ہے۔ (مقابلہ کرو اس کے ساتھ ۱۱: ۷-۱۱) اِس مقام میں بھی وُہی استقلال۔ وُہی دلیری۔ وُہی بے اضطرابی عیاں ہے جو اِس نویں باب سے مُترشح ہے۔

لکھا ہے کہ یہ شخص جنم کا اندھا تھا۔ شائد اُس آدمی کی تاریخ شاگردوں کو معلوم ہو گئی ہوگی کیونکہ وُہ یروشلیم کے گداؤں میں مشہور تھا بہت اُس کے حالات سے واقف تھے (دیکھو آیت ۸) یا شائد وُہ خود لوگوں کو بتا دیتا تھا کہ مَیں جنم کا اندھا ہُوں تاکہ وُہ اُس پر ترس کھائیں اور اُسے خیرات دیں۔ ممکن ہے کہ شاگردوں نے اِن صُورتوں میں سے کسی صُورت میں اُس کے حالات سے واقفیّت پیدا کی ہو اور مسیح نے اِس اندھے کو دیکھا اور شاگرد جو اُس کے اصُول سے واقف تھے اُس سے ایک سوال کرتے ہیں جو دُوسری آئت میں درج ہے:-

۲۔ اور اُس کے شاگردوں نے اُس سے پُوچھا کہ اَے ربی کِس نے گناہ کیا تھا جو یہ اندھا پیدا ہُوا۔ اِس شخص نے یا اِس کے ماں باپ نے؟

اَب سوال یہ ہے کہ شاگردوں کا یہ سوال کِس بنا پر مبنی ہے؟ اِس سوال کے دُوسرے حصّے کا حل سہل ہے کیونکہ وُہ ٹکڑا اُس شرح کے

مطابق ہے جو فریسی خروج ۲۰: ۵ کی کیا کرتے تھے۔ وہاں اِس بات کا ذکر پایا جاتا ہے کہ خُدا باپ دادوں کی بدیوں کی سزا اُن کی اولاد کو کئی پُشتوں تک دیتا ہے لیکن اُن کے سوال کے پہلے حصّہ کی تشریح کرنا ذرا مُشکل کام ہے۔ تین چار رائیں اِس امر میں مروّج ہیں۔ (الف) بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہُودی آواگون کو مانتے تھے۔ پس شاگرد خیال کرتے تھے کہ اُس شخص کے اندھا پیدا ہونے کا یہ سبب ہوگا کہ اُس نے کسی پہلی جُون میں ضرُور کوئی گُناہ کیا ہوگا۔ یہ عقیدہ عام یہُودیوں کے درمیان مروّج نہ تھا مگر بعد میں بعض فلسفیانہ طبیعت کے یہُودی کیبیلسٹس Cabalists اِس عقیدہ کو ماننے لگ گئے تھے۔ (ب) بعض خیال کرتے ہیں کہ یہُودی یہ بھی مانا کرتے تھے کہ رُوحیں دُنیا میں آنے سے بہت پہلے خلق کی جاتی ہیں اور جسم میں داخل ہونے سے پہلے گُناہ کر سکتی ہیں۔ یہ خیال بھی پکّے اور سچّے یہُودیوں کے درمیان عام نہ تھا۔ افلاطُونی فلسفہ کے وسیلے اِس نے اسکندریہ کے یہُودیوں کی تھیالوجی میں راہ پائی مگر عام یہُودی اس کے بالکل قائل نہ تھے۔ (ج) یہُودیوں کے درمیان یہ خیال بھی مروّج تھا کہ بچّہ ماں کے رِحم میں بھی گُناہ کر سکتا ہے۔ اور اس کے ثبُوت میں وُہ یعقوب اور عیساؤ کا قصّہ پیش کیا کرتے تھے۔ (پیدائش ۲۵: ۲۰-۲۳) لائٹ فٹ صاحب اِس خیال کو ترجیح دیتے ہیں اور اُن کے بعد کئی اور مُفسّر بھی اِسی رائے کو ماننے لگ گئے کہ شاگردوں کا سوال یہودیوں کے اِس عقیدے پر مبنی ہے۔ (د) پھر ایک شرح یہ بھی ہے کہ شاگرد یہ مانتے تھے کہ خُدا نے پہلے ہی سے جان لیا تھا کہ یہ شخص دُنیا میں جا کر فلاں گُناہ کا مُرتکب ہوگا۔ پس اُس نے اُس کو اُس کے گُناہ کی سزا پہلے ہی سے دے دی اور وُہ جنم ہی سے اندھا پیدا ہُوا۔ مگر اس خیال کی کوئی نظیر کلامِ الٰہی میں موجُود نہیں اور کبھی کسی شخص نے دُنیا کی خرابی اور دُکھ کی یہ شرح

نہیں کی۔ اور نہ کوئی کر سکتا ہے۔ کیونکہ گو ہم سب مانتے ہیں کہ جیسا کوئی کرتا ہے ویسا بھرتا ہے مگر یہ بات بالکل اِنسان کی طبیعت اور اصُول کے خلاف ہے کہ کسی شخص کو جُرم کے ارتکاب سے پہلے سزا دی جائے۔

بزرگ کری سا سٹم صاحب فرماتے ہیں کہ جب مسیح نے بیت حسدا کے حوض پر اڑتیس برس کے بیمار کو صحت بخشی تو اُس وقت اُس نے اُس کو کہا کہ اگر تو پھر گُناہ کریگا تو اس سے زیادہ مُصیبت میں گرفتار ہوگا۔ اور اِن لفظوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ گویا اُس کی بیماری کسی خاص گُناہ کا نتیجہ ہے شاگرد اُس وقت مسیح کے ساتھ تھے اور اُنہوں نے مسیح کے الفاظ کو سُنا تھا۔ پس اَب جب اُنہوں نے اِس مریض کو دیکھا تو خیال کیا کہ شائد اس نے بھی کوئی گُناہ کیا ہوگا جس کے سبب سے یہ اندھا پیدا ہُوا۔ ہماری ناقص رائے میں یہ خیال دُرست معلوم ہوتا ہے وُہ اِس بات کو مانا کرتے تھے کہ انسان اپنی ماں کے پیٹ میں نیکی اور بدی کا مُرتکب ہو سکتا ہے۔ پر یہ خیال ہم کو دُرست نہیں لگتا کہ شاگرد یہ سوال اِس واسطے کرتے ہیں کہ یہُودیوں کے درمیان آواگون کا عقیدہ مروّج تھا۔

تاہم یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دُکھ گُناہ کا نتیجہ ہے گو یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ ہر تکلیف کسی خاص گُناہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور نہ یہ فیصلہ دُرست ہے کہ جس قدر کوئی شخص اِس دُنیا میں مُصیبت زدہ ہوتا ہے اُسی قدر اُس کے گُناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ فیصلہ کچھ اُسی قسم کا ہے جس قسم کا ایُّوب کے دوستوں نے کیا تھا۔ تاہم اِس میں شک نہیں کہ ہر بشر اِس گُناہ آلُود دُنیا میں گُناہ کے خمیر کے ساتھ آتا ہے اور خُدا جو ہر شے سے اپنا جلال ظاہر کرواتا ہے موجُودہ بدی کو بھی اپنے قبضہ میں رکھ کر (گو وُہ اُس کا بانی نہیں ہے) اُس کے وسیلے سے اپنی بزرگی ظاہر فرماتا ہے۔

۳- یسُوع نے جواب دیا کہ نہ اِس نے گُناہ کیا تھا اور نہ اِس کے ماں باپ نے بلکہ یہ اِس لئے ہُوا کہ خُدا کے کام اُس میں ظاہر ہوں۔

خُداوند کے جواب سے معلُوم ہوتا ہے کہ اُس کے اندھا پَیدا ہونے کی وجہ نہ اُس کا کوئی خاص گُناہ ہے اور نہ اُس کے ماں باپ کا بلکہ کُچھ اور ہی مطلب ہے ⁂

ٹرنچ صاحب کہتے ہیں "کہ خُداوند نہ اُس کے ماں باپ کے گُناہ کا اور نہ اُس کے گُناہ کا انکار کرتا ہے بلکہ وُہ اس جگہ صرف اپنے شاگردوں کو اُس ناقص عادت سے منع کرتا ہے جس میں ہمدردی نہیں پائی جاتی اور جو دُوسرے لوگوں کے پوشیدہ معاملات کی نسبت طرح طرح کے فرضی خیالات قائم کرتی رہتی ہے۔ جو ایوُّب کے دوستوں کی طرح لوگوں کے دُکھوں کی شرح کے لئے یہ تصوّر کرتی ہے کہ ضرور اُنہوں نے کوئی نہ کوئی گُناہ کیا ہے جس کی سزا اب بھگت رہے ہیں۔ پس مسیح کا مطلب یہ تھا کہ اُس شخص کا اندھا پن اُس کے یا اُس کے ماں باپ کے کسی خاص گُناہ کا پھل نہیں لہٰذا اندھا پن کی وجہ نہ اُس شخص کے اور نہ اُس شخص کے ماں باپ کے گُناہ میں ڈھونڈنی چاہیئے۔ پر یہ دیکھنا چاہیئے کہ جو دُکھ دُنیا میں پایا جاتا ہے اُس کی اور خصُوصاً اُس اندھے کے اندھا پن کی کیا عمدہ شرح کی جاسکتی ہے اور وُہ یہ ہے کہ اِس نابینا کی کور چشمی ایک اعلےٰ مقصد رکھتی ہے۔ یعنے یہ کہ "خُدا کے کام اُس میں ظاہر ہوں" یا یُوں کہیں کہ اِس بیماری اور اس بیماری کی مدافعت کے وسیلے خُدا کی رحمت اور جلال آشکارا ہوں تو بھی ہم خُداوند کے اِن الفاظ سے یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ خُدا کا یہ مطلب تھا کہ اُس شخص کو صرف ایک وسیلہ بنائے اور اُس کے دُکھ کے دفع کرنے سے

مسیح کی قُدرت دُوسروں پر ظاہر کرے۔ کیونکہ خُداوند کے کاموں کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے اور اُس میں اِس شخص کی دائمی بہبُودی بھی شامل تھی۔ اِس میں شک نہیں کہ اُس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ جو کام اِس اندھے پر کیا جائے وُہ دُنیا پر ظاہر ہو۔ مگر اسی طرح اُس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ مسیح کی قُدرت کا اظہار خود اُس شخص پر بھی طالع ہو۔ پس خُدا کی تجویز میں یہ بات بھی داخل تھی کہ اِس شخص کو ہمیشہ کی زندگی کے نُور میں لانے کے لئے تھوڑی دیر تک بظاہر تاریکی میں رکھے تاکہ پھر اُس کی آنکھ کی تاریکی اور نیز اُس کے دِل کی تاریکی پر ایک دم اعلےٰ نُور کی شُعاعیں جلوہ گر ہوں اور آفتابِ صداقت اپنے پروں میں شفا لئے ہُوئے اُس پر طالع ہوتا کہ اُس کی تمام جسمانی اور رُوحانی بیماریاں دُور ہو جائیں مگر یہ اُس کی کامل تجویز کا صرف ایک حِصّہ تھا یا یُوں کہیں کہ اُس کے ازلی ارادے کے موافق یہ حِصّہ اُس بڑی تجویز میں شامل تھا جس کے وسیلے خُدا کے اِکلوتے کا جلال اور قُدرت دُنیا پر ظاہر ہونے والا تھا۔ (یُوحنّا ۱۱: ۴۔ رُومی ۵: ۲۰ و ۹: ۱۷ و ۱۱: ۲۵ و ۳۲: ۳۳) ⁂

واضح ہو کہ مسیح یہ نہیں کہتا کہ اِس آدمی نے اور اُس کے ماں باپ نے کبھی کوئی گُناہ نہیں کیا۔ اِس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُس کا اندھا پن نہ اُس کے اور نہ اُس کے ماں باپ کے کسی خاص گُناہ کا نتیجہ ہے

خُداوند کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ اِس شخص کا اندھا پن خُدا کی اجازت سے وقُوع میں آیا اور خُدا نے اُس کو اپنے جلال کے لئے اپنے شاہانہ اختیار میں رکھا تاکہ اُس کی شفا سے اُس کی رحمت لوگوں پر ظاہر ہو ⁂

ایک گہرا اصُول یہاں نہاں ہے۔ اِن لفظوں سے اُس سوال پر

روشنی گرتی ہے جو ہمیشہ انسان کو بڑی گھبراہٹ میں ڈالتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بدی اور دُکھ کس طرح دُنیا میں آیا۔ خُدا نے مناسب سمجھا کہ وُہ بدی کو وجُود میں آنے کی اجازت دے تاکہ وُہ اپنی رحمت اور فضل اور ہمدردی ظاہر کر سکے۔ اگر انسان کبھی نہ گرتا تو الٰہی رحمت کے اظہار کو موقع نہ ملتا۔ لیکن بدی کو اجازت دینے میں خُدا کی رحمت اور فضل اور حکمت کے کام گُنہگاروں کی نجات کے وسیلے ظاہر ہُوئے۔ گو اِس بات کا سمجھنا بڑا مُشکل کام ہے پر تو بھی ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ انسان کے گرنے کے بغیر ہم صلیب اور انجیل سے بالکل محرُوم رہتے۔ ایک اور بزُرگ یہ کہتا ہے۔ بدی کی اصل اور جڑ کا عُمدہ جواب یہ ہے کہ ہم اِس بات پر غور کریں کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔ اس سے کیا فائدہ آخرکار برآمد ہو گا۔ اِسی طرح اِس سوال پر غور کرنا فائدہ کا باعث ہوتا ہے یہ شخص کیوں جنم سے اندھا پیدا ہُوا؟ اِس لئے کہ خُدا کے کام ظاہر ہوں اور مسیح اُسے اچھا کرے۔ اِنسان کیوں گرا؟ تاکہ خُدا اُسے بچائے۔ دُکھ کیوں دُنیا میں پایا جاتا ہے؟ تاکہ خُدا اُسے دُور کر کے اپنا جلال ظاہر کرے ٭

لیکن اِس کے ساتھ ہی ایک اَور بات پر بھی غور کرنا ضرُوری امر ہے اور وُہ یہ کہ تشریح مذکورہ بالا کے موافق کوئی یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ بدی کُچھ چیز ہی نہیں کیونکہ وُہ تو قُدرت اور رحمتِ الٰہی کے اظہارات کا فقط ایک وسیلہ ہے۔ یہ پنتھی اسٹک (ہمہ اوستی) خیال ہے جو بدی کو بدی نہیں سمجھتا بلکہ اسے اظہارِ الٰہی کا ایک طریقہ تصوّر کرتا ہے۔ مسیحی عقیدہ بدی کو ایک حقیقی شے تصوّر کرتا ہے۔ یعنے بدی کو بدی اور دُکھ کو دُکھ جانتا ہے۔ خواہ اُن کے وسیلے سے خُدا کا جلال اور اُس کی محبّت ہی ظاہر کیوں نہ ہو اور چاہے انسان کی مُبارک حالی بھی آخرکار اس سے

کیسی ہی ترقی کیوں نہ پائے۔ پس یاد رہے کہ خُدا گو جسمانی دُکھ اور خرابی کا مُوجد نہیں ہے تاہم اُس کو تقسیم کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ پس اُس نے اپنی ازلی حکمت اور راستبازی اور فضل کی راہ سے بہتر جانا کہ دُنیا کے عالمگیر گُناہ کی عام سزا کو تقسیم کرتے وقت اُس شخص کو کُچھ زیادہ پہنچائے تاکہ پھر اُس کے دُور کرنے میں زیادہ فضل اور زیادہ جلال بھی ظاہر ہو ٭

یہ بھی یاد رہے کہ خُدا کے کام وُہی کام ہیں جو مسیح کے وسیلے کئے جاتے ہیں۔ جو کام اُس سے باہر ہوتے ہیں وہ اُس کے نہیں ہیں ٭

۴ و ۵۔ جس نے مُجھے بھیجا ہے ہمیں اُس کے کام دن ہی دن کرنا ضرُور ہے۔ وُہ رات آنے والی ہے جس میں کوئی شخص کام نہیں کر سکتا۔ جب تک مَیں دُنیا میں ہُوں دُنیا کا نُور ہُوں۔

چوتھی اور تیسری آیت کو لفظ "کام" باہم ملاتا ہے یعنے خُداوند مسیح کا یہ مطلب ہے کہ اندھوں کو بینائی دینا اُن بڑے بڑے کاموں میں سے ہے جو خُدا نے میرے لئے مقرّر کئے ہیں۔ اور مُجھے لازم ہے کہ مَیں اُس کام کو "دِن ہی دِن" یعنے اپنی زندگی کے زمانہ میں انجام دُوں۔ الفاظ "دِن ہی دِن" اور "رات آنے والی ہے" کا تعلق ہمارے خُداوند کی زمینی زندگی کے ساتھ ہے یعنے جب وُہ دُنیا میں تھا تو اُس کے لئے کام کا وقت تھا۔ ہر کام دن کو کیا جاتا ہے لہٰذا وُہ زمانہ دن سے مشابہ تھا۔ اور جب وُہ یہاں سے چلا گیا تو اُس کے ذاتی اور شخصی طور پر کام کرنے کا زمانہ بند ہو گیا۔ یہ خیال ہمارے دن اور ہماری رات سے استعارہ کیا گیا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ دِن کام کا وقت ہے اور رات بہ سبب اپنے اندھیرے کے کام کے حق میں مَوزُوں نہیں ہوتی کیونکہ اُس میں طرح طرح کی رُکاوٹیں

پیش آتی ہیں۔ اَب اُس کو اپنی حضوری سے دُنیا کو منوّر کرنے کا موقع حاصل تھا پس وُہ خود اپنے ہاتھ سے کام کر سکتا تھا۔ اَور جانتا تھا کہ وقت آنے والا تھا جس میں پھر یہ موقعے اِس طرح کام نہ کرنے کے مجھ کو نہ ملینگے ÷

اِس تشریح میں بعض نے یہ مُشکل محسُوس کی کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ مسیح یہ کہے کہ میرے بعد کوئی شخص کسی طرح کا کام نہ کریگا۔ کیونکہ اُس کے بعد اُس کے شاگردوں نے بڑے بڑے کام کئے اَور اُن کو بہت سی روشنی حاصل ہُوئی اِس دِقّت کا جواب یہ ہے کہ خُداوند کے اِن الفاظ کا "رات آنے والی ہے جس میں کوئی شخص کام نہیں کر سکتا"۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے بعد کوئی کام نہیں کرے گا۔ بلکہ یہ کہ جس شخص نے دن کو کام نہیں کیا وُہ رات کو بھی اُسے کبھی نہیں کر سکیگا۔ اَور اِس مثل کو اپنے ہی اُوپر چسپاں کرتا ہے ÷

جس نے مُجھے بھیجا ہے ہمیں اُس کے کام۔ غور کیجئے کہ مسیح پہلے جُملہ میں واحد متکلّم کا صیغہ استعمال کرتا ہے یعنے خُدا کی طرف سے بھیجے جانے میں وُہ شاگردوں کو اپنے ساتھ شامل نہیں کرتا۔ کیونکہ شاگردوں کا بھیجنے والا وُہ خود ہے۔ پر خُدا کے کاموں کی انجام دہی میں شاگرد اُس کے ساتھ شامل ہیں۔ وُہ اُس کے ہم خدمت ہیں ÷

جس طرح اُس نے لعزر کو مُردوں میں سے زندہ کرنے سے پہلے یہ کہا "قیامت اَور زندگی مَیں ہُوں" اُسی طرح اِس اندھے کی آنکھوں کو روشن کرنے سے پہلے یہ کہتا ہے "مَیں دُنیا کا نُور ہُوں" ÷

جب تک مَیں دُنیا میں ہُوں۔ یہ الفاظ عام اَور وسیع طور پر ہمارے خُداوند کے اِس دُنیا میں آنے کے مقصد کو ظاہر کرتے ہیں گویا وُہ یہ فرماتا ہے کہ مَیں اِس دُنیا میں آفتاب اَور رُوحانی رہنما بن کر آیا ہُوں تاکہ انسان کو اُس کے ذاتی اندھیرے سے رہائی دُوں لہٰذا لازم ہے کہ

جب تک مَیں اِس دُنیا میں ہُوں مَیں تب تک پُورے پُورے طَور پر اُس کا نُور ہُوں۔ یعنی اپنے تئیں بنی آدم کی رُوحوں کا نجات دہندہ اَور اُن کے جسموں کو شفا دینے والا ثابت کرُوں۔ پس مطابق اِس خیال کے وُہ اِس اندھے کو دیکھ کر کہتا ہے کہ مَیں دُنیا کا نُور ہُوں اَور اس سے بڑھ کر اَور کَون سا کام میری خاصیّت سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے کہ مَیں اِس اندھے کو جس نے کبھی روشنی کی صُورت نہیں دیکھی نُورِ بصارت سے مالامال کرُوں اَور یہ ظاہر کرُوں کہ یہ میرے اُس اعلےٰ کام کی علامت ہے جس سے مَیں رُوحانی تاریکی کو دُور کر کے لوگوں کو رُوحانی نُور سے بہرہ ور کرتا ہُوں ÷

۶ و ۷۔ یہ کہہ کر اُس نے زمین پر تھُوکا اَور تھُوک سے مٹّی سانی۔ اَور وُہ مٹّی اندھے کی آنکھوں پر لگا کر اُس سے کہا جا شیلوخ کے حوض میں دھو لے (جس کا ترجمہ بھیجا ہُوا ہے) پس اُس نے جا کر دھویا اور بینا ہو کر واپس آیا۔

ہمارے خُداوند نے جو کُچھ یہاں تھُوک کے ساتھ کیا وُہی ایک بہرے گونگے کو اچھّا کرنے میں کیا (مرقس ۷: ۳۳) اَور وُہی ایک اَور اندھے کو اچھّا کرتے وقت کیا (مرقس ۸: ۲۳) لیکن مٹّی کا سانا اِس مُعجزے کے ساتھ خاص ہے۔ اَب ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ اس فعل سے خُداوند کی کیا غرض تھی۔ بیشک نہ تھُوک میں اَور نہ اُس مٹّی میں جو تھُوک سے سانی گئی تھی کوئی ذاتی شفا بخش صفت پائی جاتی تھی کہ اُس سے آنکھ روشن ہو جاتی۔ تاہم یہ سوال برپا ہوتا ہے کہ خُداوند نے کیوں اِس وسیلے کو استعمال کیا؟ اور کیوں اُس نے فقط اپنے کلام یا مس سے اُس کو اچھّا نہ کیا؟

واضح ہو کہ جیسا ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں کہ ان وسائل میں کوئی ایسی قدرت نہ تھی جس کے بغیر وُہ یہ مُعجزہ نہ کر سکتا تھا۔ وُہ اِس قسم کے وسیلوں کا محتاج نہ تھا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک اَور اندھے کو بصارت عطا کرتے وقت اُس نے کوئی اِس قسم کا وسیلہ استعمال نہ کیا۔ (دیکھو متّی ۲۰: ۳۰۔ ۳۴) پس اِن وسائل کو استعمال کرنے کا مطلب صرف اخلاقی ہو سکتا ہے اَور وُہ یہ کہ اِس اندھے شخص کے دِل میں ان ظاہری وسیلوں کے استعمال سے ایمان پیدا کیا جائے اور اُس کے ایمان کی آزمائش بھی کی جائے۔ علاوہ بریں وُہ ہم کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ وُہ نیک کام کرنے میں ایک ہی طریقہ کا پابند نہیں بلکہ لوگوں کی رُوحوں اَور جسموں کا بھلا کرنے میں طرح طرح کے طریقے کام میں لاتا ہے۔ اَور پھر یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُس میں طاقت ہے کہ مادی اشیاء میں اگر چاہے تو اپنی مرضی سے ایسی طاقت بھر دے جو فی ذاتہٖ اُن میں موجود نہیں۔ پس مٹّی نے اُس اندھے کی آنکھوں کو بینا نہیں کیا۔ بلکہ مسیح کے کلام اور قدرت نے۔ تاہم مٹّی استعمال کی گئی۔ اِسی طرح پیتل کے سانپ میں بذاتہٖ کوئی خاصیّت زہر کو دُور کرنے کی موجود نہ تھی۔ تاہم خُدا نے اُس وسیلے کو استعمال کیا اور بنی اِسرائیل کو جنہیں سانپوں نے کاٹ لیا تھا شفا بخشی۔ بعض اشخاص کا گمان ہے کہ مٹّی میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اِبتدا میں خُدا نے آدم کو مٹّی سے بنایا۔ جس نے مٹّی سے اُس آدمی کی آنکھوں کو روشن کیا اُسی نے شروع میں مٹّی ہی سے آدمی کو بنایا اَور اُس کی ساری طاقتیں اور حواسِ خمسہ اُس کو عطا کیٔے۔

کہا جا شِلوخ کے حوض میں دھو لے (جس کا ترجمہ بھیجا ہُوا ہے)۔ اِس حُکم کو سُن کر الیشع کا حُکم یاد آتا ہے جو اُس نے نعمان کو دیا۔ "جا اور یردن میں نہا" (۲ سلاطین ۵: ۱۰) اِس حوض کا پانی دیگر حوضوں کے پانی کی مانند تھا۔ لہٰذا اُس میں کوئی شفا بخش خصوصیّت

نہ تھی۔ لیکن جو حُکم دیا گیا تھا وُہ ایمان کی آزمائش پر دلالت کرتا تھا۔ اور اُس حُکم کی اطاعت میں اِس اندھے نے وُہ برکت پائی جس کا وُہ محتاج تھا۔

یہ حوض یروشلیم کے پاس ایک وادی میں واقع تھا اور اپنے پانی کے سبب ایک برساتی نالہ سے اُس میں گرتا تھا اور نہایت مشہور تھا۔ اَب تک اِس حوض کی جگہ بتائی جاتی ہے اَور اس میں کوئی شک نہیں کہ وُہ وہی ہے جہاں مسیح کے زمانہ میں یہ حوض موجود تھا۔ اس حوض کا ذکر نحمیاہ ۳: ۱۵ اَور یسعیاہ ۸: ۶ میں آتا ہے۔ لائٹ فٹ صاحب فرماتے ہیں کہ بیت حسدا اور شیلوخ کے حوضوں میں ایک ہی نالے سے پانی آتا تھا۔

جس کا ترجمہ بھیجا ہُوا ہے۔ اِس جُملے کے متعلق ایک سخت مُشکل پائی جاتی ہے۔ اَور وُہ اِس سوال کے وسیلے ظاہر ہوتی ہے کہ یہ جُملہ معترضہ اس جگہ کیوں داخل کیا گیا ہے؟ کیوں یُوحنّا ہمیں اِس بات کی طرف متوجّہ کرتا ہے کہ شیلوخ کے معنے "بھیجا ہُوا ہے"؟ ضرور اس کا ترجمہ دینے میں اُس کا کچھ نہ کچھ مطلب ہوگا ورنہ شیلوخ بغیر ترجمہ کے رقم کرنا کافی ہوتا۔ سب جوابوں سے عُمدہ حل یا جواب اِس سوال کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِس حوض کے نام کے وسیلے اس اندھے کے دِل کی توجّہ اُس کی طرف راجع کی گئی جو مسیحا یعنی خُدا کا بھیجا ہُوا تھا۔ سب خُدا پرست اِن الفاظ سے جو بار بار انجیل میں آتے ہیں "وُہ جس کو خُدا نے بھیجا ہے" مسیح مُراد لیتے تھے۔ پس جب اُس نے شیلوخ کا نام استعمال کیا تو اِس بات کی طرف اشارہ کیا کہ جو شخص شیلوخ میں جانے کا حُکم دیتا ہے وُہ خُدا کا بھیجا ہُوا ہے جو ہر طرح کی بیماریوں کو دُور کرنے والا ہے۔ پس یُوحنّا کا مطلب اِس حوض کے معنی بیان کرنے سے یہ تھا کہ گویا مسیح کے لئے اِس حوض کا نام لینا نہایت موزُوں تھا۔ کیونکہ یہ مناسب معلوم

ہوتا ہے کہ وُہ جو خُدا کا بھیجا ہُوا" تھا۔ ایسے حوض میں اپنا معجزہ دکھائے جو "بھیجا ہُوا" کہلاتا تھا۔ سریانی اور فارسی ترجموں میں یہ جملہ نہیں پایا جاتا مگر کئی نسخوں اور ترجموں میں موجود ہے۔

جس طرح مسیح اپنے بندوں اور اپنی کلیسیا کے لئے اِس انجیل کے پانچویں باب میں بیت حسدا (رحمت کا گھر) ہے اُسی طرح وُہ اس باب میں ظاہر کرتا ہے کہ مَیں ہی حقیقی شیلوخ وُہ بھیجا ہُوا ہُوں جو تمام برکتوں کا سرچشمہ ہُوں ۔

پس اُس نے جا کر دھویا اور بینا ہو کر واپس آیا۔ اِس شخص نے خُداوند کا کہنا مانا۔ جیسا اُس کو کہا گیا تھا ویسا اُس نے کیا۔ اور اِس فرمانبرداری کا یہ پھل اُس کو مِلا کہ اُس کی آنکھیں روشن ہو گئیں ۔

واپس آیا۔ بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وُہ خُداوند کے پاس واپس نہیں آیا بلکہ اپنے گھر یا اُسی جگہ جہاں اکثر رہا کرتا تھا گیا۔ اور اُس کے دوست اور ہمسایہ اِس نئے وقوعہ سے پہلے پہل واقف ہُوئے ۔

۸ و ۹۔ پس پڑوسی اور جن جن لوگوں نے پہلے اُس کو بھیک مانگتے دیکھا تھا۔ کہنے لگے کیا یہ وُہ نہیں جو بیٹھا بھیک مانگا کرتا تھا۔ بعض نے کہا یہ وُہی ہے اوروں نے کہا نہیں لیکن کوئی اُس کا ہمشکل ہے۔ اُس نے کہا مَیں وُہی ہُوں۔

یہ لوگ جو اُس کو دیکھتے ہیں حیران ہو کر آپس میں ایک دُوسرے سے پُوچھتے ہیں کہ کیا یہ وُہی نہیں جو بیٹھا بھیک مانگا کرتا تھا۔ اُس کی آنکھوں کے کُھل جانے سے اُس کی صُورت میں بڑا فرق آگیا تھا اِسی واسطے بعض کہتے تھے کہ یہ وُہی ہے اور بعض کہتے تھے کہ اُس کا ہمشکل ہے۔ جو لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ وُہی ہے وُہ غالباً اُسکے ہمسایہ تھے جو اُسکو بخُوبی جانتے تھے مگر جو اُسکو اس طرح گھرے طور

پر نہیں جانتے تھے وُہ کہتے تھے کہ اُس کا ہمشکل ہے۔ مگر یہ شخص خود اُن کو یقین دلاتا ہے کہ مَیں وُہی ہُوں ۔

اِس پر وُہ اِس سے دریافت کرتے ہیں کہ:۔

۱۰۔ تیری آنکھیں کیونکر کُھل گئیں۔ کس نے تجھ کو بینائی بخشی۔ وُہ اِس کا یہ جواب دیتا ہے:۔

اُس شخص نے جس کا نام یسُوع ہے مٹّی سانی اور میری آنکھوں پر لگا کر مجھ سے کہا کہ شیلوخ میں جا کر دھو لے۔ پس مَیں گیا اور دھو کر بینا ہو گیا

معلوم ہوتا ہے کہ اِس شخص نے خُداوند کا نام اُن لوگوں میں سے کسی سے سُنا ہو گا جو اُس وقت پاس کھڑے تھے جب کہ مسیح اُس سے گفتگو کر رہا تھا۔ یقین ہے کہ ہمارا خُداوند اس وقت تک یروشلیم میں مشہور ہو گیا تھا اور بہت لوگ کم از کم اُس کے نام سے واقف تھے۔ یہ شخص بھی اُس کی نسبت صرف اتنا ہی جانتا تھا کہ جس نے میری آنکھیں کھولیں ہیں وُہ وُہ ہے "جس کا نام یسُوع ہے" جس نے یروشلیم میں ایک قسم کی حرکت پیدا کر رکھی ہے۔ اِس سے بڑھ کر وُہ اُس کی نسبت کچھ نہیں جانتا لیکن جو کچھ مسیح نے اُس کی آنکھیں روشن کرنے میں کیا تھا وُہ اُس کو خُوب اچھی طرح یاد ہے۔ چنانچہ اُسے یاد ہے کہ اُس نے پہلے "مٹّی سانی اور میری آنکھوں پر لگائی اور کہا شیلوخ میں جا کر دھولے" ایک ایک بات اُس کو یاد ہے ۔

پس مَیں گیا اور دھو کر بینا ہو گیا۔ یہ اُس کی گواہی ہے جو وُہ مسیح کے کام اور اپنی اطاعت کے پھل پر دیتا ہے ۔

۱۲۔ اُنہوں نے اُس سے کہا وُہ کہاں ہے۔ اُس نے کہا مَیں نہیں جانتا۔ لوگ اُس کو دیکھنا چاہتے

ہیں اور یہ خواہش اِنسانی طبیعت کے موافق تھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اِن لوگوں کا یہ ارادہ نہ تھا کہ مسیح کو کسی طرح کی تکلیف دیں بلکہ وُہ صرف اُس کو دیکھنے کی آرزو رکھتے تھے پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لوگ چُونکہ فریسیوں کے قبضے میں اور اُن کے اصُولوں کے پابند تھے لہٰذا سبت کے روز اِس مُعجزے کے وقُوع میں آنے کو بہُت اچھا نہ سمجھتے تھے۔ وُہ غالباً اُسے فریسیوں کے پاس لے جانا چاہتے تھے لیکن وُہ اُن کو جواب دیتا ہے کہ مَیں نہیں جانتا کہ وُہ کہاں ہے۔ خُداوند مسیح کو یہ آرزو نہ تھی کہ وُہ اپنے کاموں کے سبب لوگوں کے درمیان مشہُور ہو پس وُہ اس اندھے کو شیلوخ میں جاکر غُسل کرنے کا حُکم دے کر چلا گیا تھا اور اُس کو معلوم نہ تھا کہ وُہ کدھر چلا گیا ہے۔

۱۳ و ۱۴۔ لوگ اُس شخص کو جو پہلے اندھا تھا فریسیوں کے پاس لے گئے۔ اور جس روز یسُوع نے مٹّی سان کر اُس کی آنکھیں کھولی تھیں وُہ سبت کا دِن تھا۔

جو لوگ اِس معاملے کو شروع کرتے ہیں وُہ اِس شخص کے ہمسائے ہیں۔ ٹرنچ صاحب کا خیال ہے کہ ان لوگوں کی نیّت بد نہ تھی مگر چُونکہ اتنا بڑا مُعجزہ سبت کے روز واقع ہُوا تھا لہٰذا اُنہوں نے مناسب سمجھا کہ اُس کی خبر پیشواؤں کو دی جائے۔

لفظ "فریسیوں" سے اِس جگہ مُراد غالباً سنہڈرم سے ہے جس کے سامنے ہمارے خُداوند نے پانچویں باب میں اپنی صفائی اور بریّت کے لئے تقریر کی۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سنہڈرم کے شرکا صرف فریسی ہی نہ تھے بلکہ اُن میں صدُوقی بھی شامل تھے مثلاً کائفا صدوقی تھا (نیز دیکھو اعمال ۲۳ : ۶) لیکن فریسی تعداد میں زیادہ تھے اور اِن کا

اختیار عام لوگوں پر بہت چلتا تھا۔ لہٰذا صرف فریسیوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اور یہی لوگ ہمارے خُداوند کے سخت دُشمن تھے۔

۱۵ و ۱۶۔ پھر فریسیوں نے بھی اُس سے پُوچھا .... اُس نے .... کہا .... مٹّی لگائی .... پس بعض فریسی کہنے لگے یہ آدمی خُدا کی طرف سے نہیں کیونکہ سبت کے دِن کو نہیں مانتا مگر بعض نے کہا کہ گنہگار آدمی کیونکر ایسے مُعجزے دِکھا سکتا ہے۔ پس اُن میں اِختلاف ہُوا۔

اَب مُعجزہ کا اصل اِمتحان شروع ہوتا ہے۔ فریسی اُس سے پُوچھتے ہیں "تو کس طرح بینا ہُوا"۔ یہ شخص اُن کو بھی سادگی کے ساتھ بتا دیتا ہے کہ کس طرح اُس کی آنکھیں روشن ہُوئیں۔ لیکن وُہ بڑی چالاکی کے ساتھ یہ ہتھکنڈا کھیلتے ہیں کہ اپنی فتنہ پردازی سے پہلے اُس کے ایمان میں رخنہ اندازی پیدا کر دیں۔ لہٰذا وُہ اُس کی رائے لینے سے پہلے اپنی رائے اُس کو دیتے ہیں کہ تمہیں اُس آدمی کو خُدا کی طرف سے نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ وُہ سبت کو نہیں مانتا۔ اگر وُہ خُدا کی طرف سے ہوتا تو سبت کے دن کوئی کام نہ کرتا۔ گویا وُہ اَب اِشارتاً اُس پر وُہی اِلزام لگاتے ہیں جو اُنہوں نے ایک اور موقعہ پر صاف صاف طور پر لگایا تھا۔ اور کہا تھا کہ "یہ تو بدرُوحوں کے سردار کی مدد سے بدرُوحوں کو نکالتا ہے" (متّی ۹ : ۳۴) لیکن ایسے لوگ بھی سنہڈرم میں موجود تھے جو نکودیمس اور یُوسف اِرمتیا کی مانند تھے وُہ صداقت کی مخالفت کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ "گنہگار آدمی کیونکر ایسے مُعجزے دِکھا سکتا ہے"۔ (مقابلہ کرو یُوحنّا ۷ : ۵۱)۔ لیکن اِس قسم کے لوگ بہُت تھوڑے تھے اور اُن میں سے بھی بہت

لوگ آخرکار مسیح کے دُشمنوں کے گردابِ مخالفت میں گرفتار ہو گئے۔ مگر اِس موقعہ پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ سچّائی کی طرف ہو کر اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔ مگر اُن کا سوال ایسے الفاظ اور طرز پر پیش کیا گیا ہے کہ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی قدر بُزدل اور ڈرنے والے تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے سوائے اِس سوال کے اور کچھ نہ کیا۔ اُن سے یہ نہ بن آیا کہ وہ باقی ممبروں کو سمجھائیں کہ کسی شخص پر بغیر اُس کی سُنے فتوے لگانا انصاف سے بعید ہے۔ اِن لوگوں کا خیال یہ تھا اور وہ بالکل صحیح تھا کہ جو شخص اِس معجزے کا دکھانے والا ہے وہ ضرور خُدا کی طرف سے ہوگا اور اُس نے خُدا ہی کی مدد سے یہ معجزہ دکھایا ہے۔ کیونکہ اگر خُدا اُس کے ساتھ نہ ہوتا تو وہ کب ایسا معجزہ وجود میں لا سکتا۔

"اُن میں اختلاف ہُوا" تین دفعہ یہی جملہ یُوحنّا کی انجیل میں مستعمل ہُوا ہے۔ (یہاں اور ۷: ۴۳ اور ۱۰: ۱۹ میں)۔

۱۷۔ اُنہوں نے پھر اُس اندھے سے کہا کہ اُس نے جو تیری آنکھیں کھولیں تو اُس کے حق میں کیا کہتا ہے۔ اُس نے کہا۔ وہ نبی ہے۔

ٹرنچ صاحب بیان کرتے ہیں کہ بعض اشخاص اِس سوال کو دو سوالوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ "تو اُس کے حق میں کیا کہتا ہے"۔ "کہ اُس نے تیری آنکھیں کھولی ہیں"؟ لیکن وہی ترجمہ صحیح ہے جو ہماری انجیل میں پایا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سوال نہیں بلکہ ایک ہی سوال کیا گیا تھا تاکہ اُس شخص کی رائے مسیح کی نسبت معلوم ہو۔ اور اُس کے جواب سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ چُنانچہ وہ کہتا ہے کہ "وہ نبی ہے"۔ واضح ہو کہ یہ سوال اِس خالص نیّت سے نہیں کیا گیا تھا کہ

اِس اندھے کی رائے اِس معاملے میں لی جائے بلکہ غالباً یہ اِس لئے کیا گیا تھا کہ وہ اُس کو اِس سوال کے وسیلے اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھال لیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ وہ اُن کا اشارہ پا کر اُن کی مرضی کے مطابق جواب دے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے (کری ساسٹم) کہ یہ سوال اُن لوگوں نے کیا تھا جو زیادہ راست پسند تھے اور مسیح کے نبی ہونے کے قائل تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ اِس آدمی کی رائے لے کر اُس کے مخالف کچھ نرم ہو جائینگے لیکن یہ گمان دُرست نہیں معلوم ہوتا۔

اِس اندھے کا جواب غور طلب ہے وہ اپنے جواب میں یہ نہیں کہتا کہ مَیں اُسے "خُدا کا بیٹا" سمجھتا ہُوں اور نہ وہ یہ کہتا ہے کہ مَیں اُسے مسیح موعُود جانتا ہُوں۔ ابھی اِن باتوں کا علم اُس کو حاصل نہیں ہُوا۔ ابھی وہ صرف اِس قدر جانتا ہے کہ جس شخص نے مجھے بینا کیا وہ عجیب قسم کی قُدرت رکھتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خُدا کا نبی ہے۔ لہٰذا وہ کمال دلیری سے اِس پر گواہی دیتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ میری رائے اُس کی نسبت یہ ہے کہ وہ خُدا کا نبی ہے۔ اِسی گواہی سے اُس کا ایمان شروع ہوتا ہے۔ وہ لوگ اُس سے مُعجزے کی حقیقت دریافت نہیں کرتے بلکہ مُعجزہ دکھانے والے کے بارے میں اُس کی رائے لینا چاہتے ہیں۔ وہ اُن کو یہی جواب دیتا ہے کہ مَیں اُسے ایلیاہ اور الیشع کی مانند ایک بڑا نبی جانتا ہُوں۔

اِس بارے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اکثر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ نبی وُہی ہوتا تھا جو آنے والے واقعات کی خبر دیا کرتا تھا لیکن پُرانے عہدنامہ میں یہ لفظ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہُوا ہے۔ چنانچہ وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نبی ایسے تھے جو فقط موجُودہ خرابیوں سے لوگوں کو آگاہ اور فقط خُدا کے پیغام کی منادی کیا کرتے تھے۔

اور بعض حالتوں میں محض معجزے دکھایا کرتے تھے
اور اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا کرتے تھے۔ اب ہم دیکھتے
ہیں کہ یہودیوں پر پہلے پہل ہمارے خداوند کی نسبت یہی اثر ہوا کہ
وہ ایک نبی ہے۔ (دیکھو متی ۲۱: ۱۱) جس میں لکھا ہے "یہ گلیل کی ناصرت
کا یسوع نبی ہے"۔ پھر متی میں آیا ہے۔ "وہ اسے نبی جانتے تھے"۔ پھر
دیکھو مرقس ۶: ۱۵۔ لوقا ۷: ۱۶ و ۲۴: ۱۹۔ پس یہ اندھا بھی اس کے
بارے میں صرف اتنا جانتا ہے کہ وہ "ایک نبی" ہے۔ ابھی وہ اس درجہ
تک بھی نہیں پہنچا کہ اسے "وہ نبی" جس کا ذکر موسیٰ نے کیا ہے کہے
آیت ۱۸ سے ۲۳ تک۔ اس مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ
اب اس اندھے کے ماں باپ کو بلاتے ہیں۔ غالباً ان کی یہ غرض تھی کہ
ان سے جھوٹ بلوا کر یہ شہادت دلوائیں کہ وہ اندھا نہیں پیدا ہوا۔
لیکن وہ ان سے کچھ بھی مدد نہیں پاتے۔ کیونکہ اس کے والدین کے جواب
سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے فریب میں آنا نہیں چاہتے مگر اس کے
ساتھ ہی یہ بھی روشن ہے کہ وہ سچائی کے سبب کسی تکلیف میں بھی
گرفتار نہیں ہونا چاہتے سو وہ خود تو مشکل سے نکل جاتے ہیں مگر اپنے
بیٹے کو اس میں پھنسا رہنے دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے بیٹے کی بلوغت
کو غنیمت سمجھتے ہیں اور اسی آڑ میں اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔ وہ اس
سوال پر بحث کرنے سے بالکل انکار کرتے ہیں کہ اس کی آنکھیں کس طرح
روشن ہوئیں۔ وہ یہ مانتے ہیں کہ وہ اندھا پیدا ہوا تھا مگر اس بات
کی نسبت خاموش ہیں کہ کس طرح اس کو نورِ بصارت نصیب ہوا۔
کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر ہم ساری حقیقت بیان کریں تو ہمیں کچھ نہ
کچھ مسیح کی توصیف میں کہنا پڑے گا۔ لیکن اس سے ہمیں وہ سزا
اٹھانی پڑے گی جو سنہڈرم نے مقرر کی ہے۔ واضح ہو کہ سنہڈرم نے یہ

فیصلہ نہیں کیا تھا کہ یسوع فریبی اور جھوٹا مسیح ہے۔ ان کا فیصلہ یہ
تھا کہ جب تک اس کے دعاوی کی سچائی یا جھوٹ معلوم نہ ہو جائے اور
اس پر سنہڈرم کا جو کہ دینی پیشواؤں کی جماعت تھی فتوےٰ نہ لگ جائے
تب تک کوئی اس کی رسالت کا اقرار نہ کرے اور اگر کوئی کریگا تو وہ عبادتخانہ
یعنی کلیسیائی رفاقت سے خارج کیا جائیگا۔ کہتے ہیں کہ یہ سزا تین
درجوں میں منقسم تھی:- پہلی دفعہ صرف تیس دن کے لئے مجرم کلیسیائی
حقوق سے خارج کیا جاتا تھا۔ (۲) اگر اس عرصہ میں توبہ کے آثار ظاہر
نہیں ہوتے تھے تو اتنے یا اس سے زیادہ عرصہ کے لئے پھر معطل کیا جاتا
تھا۔ مگر اس عرصہ میں اس کی سزا کئی اور باتوں کے وسیلے زیادہ سخت کی
جاتی تھی مثلاً اس پر لعنت بھیجی جاتی تھی اور کوئی اس کے ساتھ بلکہ اس
کے گھرانے کے ساتھ بھی کسی طرح کا واسطہ اور میل نہیں رکھتا تھا۔ (۳)
اور اگر اس حالت میں بھی وہ اپنی سختی نہیں چھوڑتا تھا اور توبہ کے آثار
ظاہر نہیں کرتا تھا تو بالکل جماعت سے یعنی خدا کے بندوں کی شراکت
سے خارج کیا جاتا تھا۔ بعض کی رائے کے مطابق یہ آخری فیصلہ کچھ کچھ
اسی فیصلہ کے مطابق ہوتا تھا جو رسولی زمانے میں "شیطان کے سپرد
کرنا" کہلاتا تھا۔ (۱۔ کرنتھی ۵: ۴۔ ۵۔ ۱ تمطاؤس ۱: ۲۰)

اٹھارھویں آیت میں یہ لفظ آئے ہیں "جب تک انہوں نے اس
کے ماں باپ کو جو بینا ہو گیا تھا بلا کر" وغیرہ عبارت سے تو ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کے ماں باپ سے دریافت کرنے کے بعد
انہوں نے معجزے کا یقین کر لیا۔ پر ایسا نہیں ہوا بلکہ برعکس اس کے
ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اس کے ماں باپ سے پوچھنے کے بعد بھی اس پر
ایمان نہیں لاتے اور نہ اندھے کی بات کو سچ مانتے ہیں۔ یہ ایک عبرانی
محاورہ ہے جس سے نہ صرف وہی وقت مراد ہوتا ہے جو دو باتوں کے

درمیان حائل ہوتا ہے بلکہ زمانۂ مابعد بھی اُس میں شامل ہوتا ہے۔ (دیکھو رائل)۔

۱۹۔ آئت۔ کری ساسٹم صاحب خیال کرتے ہیں کہ یہودیوں کے الفاظ "تمہارا بیٹا جسے تُم کہتے ہو کہ اندھا پیدا ہُوا" سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا یہودی اُس کے ماں باپ کو فریبی سمجھتے تھے۔ کیونکہ وُہ پُوچھتے ہُوئے کہتے ہیں "جسے تم کہتے ہو کہ اندھا پیدا ہُوا" حالانکہ یہ ٹھیک نہیں پس تُم یسُوع کے ساتھ سازش کر کے ہر جگہ مشہُور کرتے پھرتے ہو کہ وُہ جنم کا اندھا تھا۔ اور یسُوع نے اُس کی آنکھیں کھولی ہیں ؎

۲۲ آئت "یہُودیوں کے ڈر سے" یہ الفاظ چار مرتبہ یُوحنّا کی انجیل میں آئے ہیں۔ (ایک مرتبہ اسی جگہ پھر ۷: ۱۳ و ۱۲: ۴۲ و ۱۹: ۳۸ میں) ؎

"یہُودی ایکا کر چکے تھے کہ اگر کوئی اُس کے مسیح ہونے کا اقرار کرے تو عبادت خانے سے خارج کیا جائے"۔ اِن الفاظ سے بے ایمانی کا کمینہ پن ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح کی مخالفت میں لوگ کس درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ نیز یہ امر بھی توجّہ طلب ہے کہ گواہی اور شہادت سے ایمان پیدا نہیں ہوتا۔ اگر انسان صداقت کے ترک کرنے پر کمر بستہ ہو تو گواہی اور دلیل کارگر نہیں ہوتی ؎

۲۳۔ اِس واسطے اُس کے ماں باپ نے کہا کہ وُہ بالغ ہے اُسی سے پُوچھو۔

مذہبی حقوق سے خارج کئے جانے کے [illegible] وُہ کسی طرح کی ذِمّہ داری اپنے اُوپر لینا پسند نہیں کرتے۔ وُہ کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نہیں نکالتے جس سے مسیح کی تعریف ہو کیونکہ وُہ یہُودیوں سے ڈرتے ہیں۔ پس وُہ ساری تحقیقات کا بار اپنے بیٹے پر ڈال کر اپنا

پیچھا چھُڑاتے ہیں ؎

۲۴ و ۲۵۔ پس اُنہوں نے اُس شخص کو جو اندھا تھا دوبارہ بُلا کر کہا کہ خُدا کی تمجید کر۔ ہم تو جانتے ہیں کہ یہ آدمی گُنہگار ہے اُس نے جواب دیا مَیں نہیں جانتا کہ وُہ گُناہگار ہے یا نہیں۔ ایک بات جانتا ہُوں کہ مَیں اندھا تھا اَب بینا ہُوں۔

دوبارہ بُلا کر۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب ماں باپ کے اظہار لئے جاتے تھے اُس وقت یہ شخص جو بینا کیا گیا تھا باہر تھا۔ اَب وُہ اُسے پھر اندر بُلاتے ہیں اور ایسے طور پر اُس سے مخاطب ہوتے ہیں کہ گویا اُنہوں نے کُل حال دریافت کر لیا ہے اور اَب اُنہیں اُس کی فریب دہی میں کسی طرح شک و شُبہ نہیں رہا۔ لہٰذا اَب اُس کے لئے اپنے قصُور کو چھُپانا عقل مندی کا کام نہیں۔ وُہ اُس سے اصل حال دریافت کرنے کی خواہش نہیں رکھتے۔ بلکہ اُس پر ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ اوروں نے اپنی تقصیر کا اقرار کر لیا ہے۔ اَب تیرا فرض ہے کہ تُو بھی اپنا قصُور مان لے۔ ورنہ نتیجہ اچھّا نہ ہوگا پس بہتر ہے کہ تُو اقرار کر کے خُدا کی تمجید کر۔ اِس فقرے سے بعضوں نے یہ مطلب لیا ہے کہ وُہ اِس بات کو تو مانتے تھے کہ وُہ جنم سے اندھا ہے اور اِس بات کو بھی کہ اَب اُس کی آنکھیں کھُل گئی ہیں۔ مگر اِس بات کو نہیں مانتے تھے کہ یسُوع مسیح نے اُس کی آنکھوں کو مُعجزانہ طور پر کھولا ہے۔ پس وُہ یہ چاہتے ہیں کہ وُہ اپنی بصارت از سرِ نَو پانے کے متعلق خُدا کی تعریف کرے اور یسُوع مسیح کی قُدرت سے منسُوب نہ کرے۔ لیکن بعضوں کی یہ رائے ہے کہ وُہ سِرے سے اِس بات کے

اِنکاری تھے کہ اُس کی آنکھیں کھولی گئی ہیں۔ وُہ یہ نہیں مانتے تھے کہ وُہ اندھا پَیدا ہُوا ہے اَور کہ یسُوع مسیح نے اُس کی آنکھوں کو روشن کیا ہے۔ بلکہ وُہ خیال کرتے تھے کہ یہ اُن کی سازش تھی۔ پس وُہ اُس کو ایک طَور پر حلف دے کر کہتے ہیں کہ تُو سچ بول اور خُدا کی تمجید کر۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ الفاظ حلف دے کر اقرار کروانے کے موقع پر استعمال کئے جاتے تھے۔ دیکھو یشُوع ۷: ۱۹ + ۱-سیموئیل ۶: ۵ + عزرا ۱۰: ۱۱ + ۲ کرنتھی ۱۱: ۳۱ ✧

ہم تو جانتے ہیں کہ یہ آدمی گُناہ گار ہے۔ اَب وُہ اپنے خیالات کی تصدیق میں یہ فتوے مسیح پر لگاتے ہیں۔ وُہ کہتے ہیں کہ وُہ تو سبت کا توڑنے والا ہے لہذا گُناہ گار آدمی ہے۔ اور خُدا گُنہگاروں کو ایسے ایسے عجیب مُعجزے دکھانے کی طاقت نہیں دیتا۔ اور ہم جو عالم اور ایسی باتوں کو سمجھنے کی لیاقت رکھنے والے ہیں خُوب جانتے ہیں کہ وُہ کبھی ایسا مُعجزہ دِکھا نہیں سکتا کیونکہ وُہ تو گُنہگار آدمی ہے ✧

لیکن وُہ شفا یافتہ شخص جو نہائت دقیقہ سنج اور حاضر جواب آدمی بھی تھا خُداوند مسیح کی سیرت کی نسبت ابھی کُچھ نہیں کہتا بلکہ بڑی حکمت سے یہ جواب دیتا ہے کہ اُس کے گُنہگار ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں مَیں کوئی رائے نہیں دیتا مگر مَیں اُس وقُوعہٴ حقیقت کا جو سرزد ہو چُکا ہے انکار نہیں کر سکتا۔ میرے حواس مُجھ کو یہ بتاتے ہیں کہ مَیں آگے دیکھ نہیں سکتا تھا پر اَب دیکھتا ہُوں۔ مَیں اپنے حواس کی گواہی کو کِس طرح نادرست جانوں؟ پس مَیں ایک بات جانتا ہُوں کہ مَیں اندھا تھا۔ اَب بینا ہُوں“۔ اَب اِس سے تم جو نتائج نکالنا چاہو نکال لو۔ یاد رہے کہ اُس کے اِس کلام سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وُہ مسیح کی بے گُناہی کی نسبت شک میں تھا ✧

اُس کے یہ الفاظ ”مَیں ایک بات جانتا ہُوں کہ مَیں اندھا تھا اَب بینا ہُوں“ اُس مسیحی تجربہ کی مثال یا نظیر یا شرح ہیں جو حقیقی دیندار کو فضل کے اندرُونی اَور باطنی کام کے متعلق نصیب ہوتا ہے۔ اِس تجربہ کاری میں بہت سی باتیں پُراسرار ہوتی ہیں تاہم مسیح رُوح کے کام کے نتیجوں کو دیکھتا اور محسُوس کرتا ہے۔ چنانچہ وُہ ایک تبدیلی دیکھتا ہے۔ یعنے کُچھ ایسی چیز دیکھتا ہے جو پہلے نہ دیکھتا تھا۔ اور کُچھ ایسی بات محسُوس کرتا ہے جو پہلے نہ کرتا تھا گو اُس کا مفصل اَور مشرح بیان نہیں کر سکتا ✧

آیات ۲۶ سے ۳۴ تک۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اَب پھر نئی تحقیقات کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ پہلی دفعہ کی تحقیقات اِس امر کی نسبت کی گئی تھی کہ آیا مُعجزہ واقع ہُوا ہے یا نہیں۔ اَب اِس بات کی تفتیش کی جاتی ہے کہ کِس طرح وُہ مُعجزہ وقُوع میں آیا؟ اور جو جواب وُہ شخص اُن لوگوں کو دیتا ہے وُہ بھی اِن آیات میں قلمبند ہے ✧

۲۶۔ پھر اُنہوں نے اُس سے کہا کہ اُس نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ کِس طرح تیری آنکھیں کھولیں۔؟ اُن کا پہلا سوال یہ تھا کس نے مُعجزہ کیا؟ اَب دُوسرا سوال یہ ہے کِس طرح کیا؟ سوال کرنے والوں کو اَب تک یہی یقین ہے کہ شائد اَب بھی کوئی نہ کوئی بات ایسی اُس کے مُنہ سے نکلیگی جس کی بنا پر ہم یسُوع کو گرفتار کر سکینگے۔ ایمان نتیجہ کو دیکھتا ہے طریقہ کی طرف چنداں خیال نہیں کرتا۔ اِس ثانیہ امتحان سے اِن لوگوں کی حماقت فاش ہو جاتی ہے۔ اگر وُہ مزید تحقیق نہ کرتے تو اُن کا کینہ اَور بے عقلی ظاہر نہ ہوتی۔ مگر اَب ایک غریب اور حقیر سا آدمی اُن کو

شرمندہ کر دیتا ہے ؞

۲۷و۲۸و۲۹۔ اُس نے اُنہیں جواب دیا مَیں تو تُم سے کہہ چُکا اور تُم نے نہ سُنا۔ دوبارہ کیوں سُننا چاہتے ہو۔ کیا تُم بھی اُس کے شاگرد ہونا چاہتے ہو؟ وہ اُسے بُرا بھلا کہہ کر...... ہم جانتے ہیں....... وغیرہ۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص اُن کے سوالات کی فضُول اور غیر ضرُوری تکرار سے تنگ آگیا تھا۔ اور دیکھتا ہے کہ یہ لوگ مجھے مجبُور کر رہے ہیں کہ مَیں اپنے حواس کی گواہی کو رَدّ کروں۔ پس وُہ کہتا ہے کہ مَیں نے ایک مرتبہ تُم کو اپنی شفایابی کا تمام قِصّہ سُنا دیا پر تُم نے کچھ توجّہ نہ کی۔ اَب پھر تو اُسی بات کو پھر دُہرانا کچھ فائدہ نہیں رکھتا۔ یا کیا اَب اس لئے اِسی قِصّہ کو سُننے کی درخواست کرتے ہو کہ "تُم بھی اُس کا شاگرد ہونا چاہتے ہو"۔ اِس آخری جُملہ کی نسبت بعض کی یہ رائے ہے کہ اِس شفایافتہ شخص نے سنجیدہ طَور پر یہ سوال نہیں کیا یعنے وُہ دِل سے اِس بات کا قائل نہ تھا کہ اِس سوال کا حقیقی منشا یہ ہے کہ سوال کرنے والے بھی اُس پر ایمان لانا چاہتے ہیں بلکہ وُہ جانتا تھا کہ وُہ کبھی ایمان نہ لائینگے۔ پس اُس نے یہ سوال صرف ظرافت اور تمسخر کی راہ سے کیا تھا تاکہ وُہ اُنہیں چھیڑے۔ لیکن بعض مفسّروں کی یہ رائے ہے کہ یہ سوال سنجیدہ طَور پر کیا گیا تھا اور یہ شخص اِس سوال کے وسیلے دریافت کرنا چاہتا تھا کہ کیا وُہ بھی اُس کا شاگرد ہونا چاہتے تھے۔ وُہ کہتے ہیں کہ یہ خیال اُس جواب سے جو سنہڈرم کے شرکاء نے دیا مناسبت رکھتا ہے۔ مثلاً شرکاءِ سنہڈرم جواب دیتے ہیں "تو ہی اُس کا شاگرد ہے ہم تو مُوسےٰ کے شاگرد ہیں"۔ اِس جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا

سنہڈرم کے ممبروں نے یہی سمجھا کہ یہ شخص سنجیدگی کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہے۔ لہٰذا وُہ طیش میں آکر اُس کو یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم کیوں اُس کے شاگرد بنیں۔ ہم تو مُوسےٰ کے شاگرد ہیں جس کی نسبت ہم کو پُختہ یقین ہے کہ وُہ خُدا کا فرستادہ تھا۔ پر ہم نہیں جانتے کہ یہ شخص کہاں سے ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ خُدا مُوسےٰ سے ہم کلام ہُوا اور اُسے اپنے احکام پہنچائے۔ وُہ صاحبِ اختیار اور صاحبِ مقدرت نبی تھا۔ پر اِس یسُوعؑ کی نسبت کوئی بات یقینی طَور پر ثابت نہیں اور نہ کوئی ثبُوت ہے کہ خُدا نے اُسے بھیجا ہے ؞

غور کیجیئے کہ اُن کا اندھاپن کیسا سخت ہے۔ وُہ نہیں جانتے یا نہیں جاننا چاہتے کہ یسُوع ہی وُہ شخص ہے جس کی بابت مُوسیٰ نے لکھا ہے۔ اور کہ مُوسےٰ کے ہر سچّے شاگرد پر یسُوع کی پَیروی لازم ہے یہ قاعدہ ہے جب انسان دلیل سے قائل ہو جاتا ہے تو پھر بُرا بھلا کہنے والی منطق میں پناہ گزین ہوتا ہے ؞

۳۰۔۳۳۔ اُس آدمی نے جواب میں اُن سے کہا وغیرہ۔ ۳۰ آیت کا مطلب اِس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔ "تمہارا اِنکار مجھے عجیب معلوم ہوتا ہے۔ کوئی شخص اِس بات کا اِنکار نہیں کر سکتا کہ ایک عجیب مُعجزہ وقوع میں آیا ہے۔ مگر باوجُود اس کے آپ لوگ یہی رٹے جاتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ کہاں کا ہے اور اُس کی قُدرت کہاں سے آئی ہے"۔ آیت تیسویں میں "تُم" پُر زور ہے۔ تُم جو عالم اور فاضل ہو اور دین کے بھیدوں سے واقفیّت رکھتے ہو اور جن کو اَوروں کی نسبت اِس بات کی زیادہ خبر ہونی چاہیئے تھی کہ یہ مُعجزہ دکھانے والا کہاں سے ہے۔ اُس کے اختیار اور دعوے کا قطعی انکار کرتے ہو۔ پس یہ سخت تعجّب کی بات ہے ؞

۳۱ آیت میں وُہ اُن کو اُنہیں کے اصُول سے قائل کرتا ہے۔ وُہ کہتا ہے "تُم ابھی ابھی یہ فتوےٰ دے چُکے ہو کہ یہ شخص گنُہگار ہے۔ اور یہ مسلّمہ امر ہے کہ خُدا شریروں کی دُعا نہیں سُنتا اور نہ اُنہیں مُعجزات دکھانے کی طاقت دیتا ہے۔ فقط وُہی جو اُس سے ڈرتے اور اُس کی مرضی بجالاتے ہیں اجابت دُعا کا تجربہ حاصل کرتے اور بڑے بڑے کاموں کو بجالانے کی قُدرت اُس سے پاتے ہیں۔ اَب مَیں پُوچھتا ہُوں کہ اُس نے میری آنکھیں کھولنے کی طاقت کہاں سے پائی؟ تُم جانو یا نہ جانو مگر مَیں جانتا ہُوں کہ وُہ کہاں سے ہے۔ وُہ خُدا کی طرف سے ہے۔ کیونکہ اگر نہ ہوتا تو کبھی وُہ کام نہ کرسکتا جو اُس نے کیا۔"

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جس اصُول کا ذکر یہ شخص کرتا ہے اُس کا یہ مطلب نہیں کہ خُدا اُن گنُہگاروں کی دُعا بھی نہیں سُنتا جو اپنے گنُاہوں کو محسُوس کرکے اپنے گھُٹنے اُس کے سامنے ٹیکتے اور مسیح میں مُعافی کے طلبگار ہوتے ہیں۔ اُس کا مطلب یہ ہے کہ خُدا ایسے گنُہگاروں کی نہیں سُنتا جو گنُاہ میں زندگی بسر کرتے رہتے ہیں اور اپنے گنُاہوں کی بدی کو محسُوس کرکے توبہ کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ اور یہ صداقت کہ خُدا ایسے لوگوں کی نہیں سُنتا مفصّلہ ذیل مقامات سے ثابت ہے:-

ایُّوب ۲۷: ۹ و ۳۵: ۱۲+ زبُور ۱۸: ۴۱ و زبُور ۳۴: ۱۵ و ۱۶ و زبُور ۶۶: ۱۸
امثال ۱: ۲۸ و ۱۵: ۲۹ و ۲۸: ۹+ یسعیاہ ۱: ۱۵+ یرمیاہ ۱۱: ۱۱ و ۱۴: ۱۲ و حزقی ایل ۸: ۱۸ و میکاہ ۳: ۴+ زکریاہ ۷: ۱۳۔ فریسی اس بات کو جانتے تھے اور اس کا انکار نہیں کرسکتے تھے۔

خُدا پرست سے مُراد صرف ظاہری عبادت نہیں۔ بلکہ اس میں خُدا ترسی کا خیال بھی شامل ہے۔ پس حقیقی خُدا پرست وُہی شخص ہے جو خُدا کی عزّت کرتا اور اُسے عزّت دیتا ہے۔

اُس کی مرضی پر چلے۔ مُراد اُس شخص سے ہے جو خُدا کی مرضی پر جیسی کہ وُہ اُس کے کلام میں ظاہر ہوتی ہے چلنے کا عادی ہوگیا ہے۔ غور کیجئے کہ اِس امتحان میں اس شخص کا ایمان اور حق شناسی اور دلیری کس طرح ترقّی کرتی جاتی ہے۔

۳۲ اور ۳۳ آیات میں وُہ نتیجے قلمبند ہیں جو یہ شخص مسیح کی نسبت نکالتا ہے۔ گویا وُہ یہ کہتا ہے کہ "جنم کے اندھے کی آنکھیں کھولی ہوں" ایک ایسا فعل ہے جو انسان کی طاقت سے بعید ہے اور کبھی کسی نے اپنی قُدرت سے ایسا کام دُنیا کی اِبتدا سے نہیں کیا۔ صرف خُدا کی قُدرت ایسا کرسکتی ہے لیکن اِس آدمی نے یہ عجیب کام کیا ہے۔ پس ثابت ہے کہ وُہ خُدا کا بھیجا ہُوا ہے۔ اگر وُہ اُس کا بھیجا ہُوا نہ ہوتا تو وُہ کوئی مُعجزہ نہ دِکھا سکتا۔ بہر کیف میری آنکھیں کبھی نہ کھول سکتا"۔ اِس شفا یافتہ شخص کی یہ بُرہان نکودیمس کی دلیل سے بہت مشابہ ہے۔ کوئی یہ مُعجزے نہیں دِکھا سکتا جب تک خُدا اُس کے ساتھ نہ ہو۔ (یُوحنّا ۳: ۲)۔

اِس سے معلوُم ہوجاتا ہے کہ مُعجزات مسیح کے کام میں کیا جگہ رکھتے ہیں۔ اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ وُہ خُدا کا بھیجا ہُوا ہے۔ جرمن نکتہ چینیوں نے یہ دعوےٰ کیا ہے کہ بڑے بڑے سرجنوں نے بعض حالتوں میں جنم کے اندھوں کی آنکھوں کو کھولا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر بفرضِ محال کسی نے کھولا ہے تو کبھی اِس طرح علے الفور نہیں کھولا ہوگا جس طرح مسیح کھولتا تھا اور نہ کبھی بغیر وساطتِ وسائل کے کھولا ہوگا۔

۳۴۔ اُنہوں نے جواب میں اُس سے کہا وغیرہ

فریسی اِس شفا یافتہ شخص کی بُرہان کے زور کو محسُوس کرتے

ہیں۔ بلکہ جان جانتے ہیں کہ وُہ لاجواب ہے۔ لہٰذا اَب غُصّے اور دُشنام دہی سے کام لیتے ہیں۔ چُنانچہ وُہ کہتے ہیں "تُو ایک بدبخت اور گُنہگار سا آدمی ہے۔ اور گند میں پَیدا ہُوا ہے۔ کیا تُو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تُو ہم سے زیادہ جانتا ہے اور ہم کو سکھا سکتا ہے؟"۔

تُو تو بالکل گُناہوں میں پَیدا ہُوا۔ یہ جُملہ اُس کی پُرانی بیماری یعنے اندھاپن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ گویا وُہ اُس کو یہ طعنہ دیتے ہیں "تیرا اندھاپن ظاہر کر رہا ہے کہ تُو شریر آدمی ہے۔ تیرا نابیناپن تیری شرارت پر ایک قِسم کی مُہر ہے۔ تیری رُوح اور جِسم دونوں گُناہ کے سبب خرابی میں مُبتلا ہیں"۔

اِس میں اُس عام غلطی کی طرف اشارہ ہے جو لوگ اکثر کیا کرتے ہیں یعنے بیماری کو خُدا کی سزا اور غضب کا ثبُوت سمجھتے ہیں "تیرے جیسا جاہل اور گُناہگار ہم کو جو اعلےٰ عُہدوں پر مامُور ہیں کس طرح سِکھا سکتا ہے"؟

اُنہوں نے اُسے باہر نکال دیا۔ اِس کا صرف یہی مطلب نہیں کہ جس جگہ وُہ بیٹھے تھے اُس جگہ سے اُس کو باہر نکال دیا۔ بلکہ اِس کا یہ مطلب ہے کہ مذہبی اور قومی شراکت سے خارج کر دیا۔ یا جیسے مسیحی کہا کرتے ہیں کلیسیا سے خارج کر دیا۔

۳۵-۴۱۔ یسُوع نے سُنا کہ اُنہوں نے اُسے باہر نِکال دِیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں کہ اِس شخص میں ایک خاص طور پر مسیح کے الفاظ پُورے ہونے کو تھے "جب اِبنِ آدم کے سبب سے لوگ تُم سے عداوت رکھینگے اور تُمہیں خارج کر دینگے اور لعن طعن کرینگے اور تُمہارا نام بُرا جان کر کاٹ دینگے تو تُم مُبارک ہوگے"۔ (لُوقا ۶: ۲۲) وُہ ایک ادنیٰ درجہ

کی شراکت سے خارج کیا جاتا مگر اعلےٰ رفاقت میں داخل ہوتا ہے اُس بادشاہت سے جو گُذشتنی تھی نِکل کر دائمی بادشاہت میں آ جاتا ہے۔ عبادت خانہ (synagouge) سے نِکل کر کلیسیا میں شامل ہوتا ہے۔ یہُودیوں نے اُس کو خارج کیا۔ مسیح نے اُسے قبُول کیا۔ وُہ مسیح سے نہ شرمایا۔ اور اَب مسیح اُس سے نہیں شرماتا بلکہ ایسے طور پر اُس پر ظاہر ہوتا ہے کہ آگے ویسا کبھی نہیں ہُوا تھا۔ اَب وُہ اُس کے لئے صرف ایک نبی ہی نہیں رہا بلکہ خُدا کا بیٹا ثابت ہو گیا۔

جب خُداوند نے سُنا کہ یہُودیوں نے اُس کو خارج کر دیا ہے تو وُہ اُس کی تلاش میں نِکلتا ہے اور اُسے حفاظت کے ساتھ اپنے بھیڑخانہ میں داخل کر لیتا ہے۔ اور "جب وُہ اُس سے مِلا" غالباً ہیکل میں (مقابلہ کرو یُوحنّا ۵: ۱۴) "تو کہا کیا تُو خُدا کے بیٹے پر ایمان لاتا ہے"۔ وُہ اِس خطاب یا لقب کا مطلب تو بخُوبی سمجھتا تھا۔ یعنے جانتا تھا کہ اس سے مُراد مسیح موعُود ہے۔ مگر ابھی تک وُہ یہ نہیں جانتا کہ ایک شخص بھی ہے جو مسیح ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے پر اُس کا بھروسہ اِس بخشنے والے دوست پر ایسا پُختہ اور کامل ہے کہ وُہ اُس سے پُوچھتا ہے "اَے خُداوند وُہ کون ہے کہ مَیں اُس پر ایمان لاؤں"۔ یہ سُن کر "یسُوع نے اُس سے کہا تُو نے اُسے دیکھا ہے اور جو تُجھ سے باتیں کرتا ہے وُہی ہے"۔ جب خُداوند یہ فرماتا ہے کہ تُو نے اُسے دیکھا ہے تو اِس کا مطلب یہ نہیں کہ اس وقت سے پہلے تُو نے اُسے دیکھا ہے۔ کیونکہ اُس کی مُلاقات مسیح سے فقط اُس وقت ہُوئی تھی جب وُہ نابینا تھا۔ مگر آنکھیں کُھلنے کے بعد اُس کو نہیں مِلا تھا۔ پس مُراد خُداوند کی یہ ہے کہ جسے تُو اَب دیکھ رہا ہے اور جو تُجھ

سے اس وقت باتیں کر رہا ہے وُہی خُدا کا بیٹا ہے ٭

اَب وُہ نتیجہ وجُود میں آتا ہے جس کے پیدا کرنے کے لئے جو کچھ اَب تک ہو چُکا ہے گویا ایک قسم کی تیاری تھا۔ "اُس نے کہا اَے خُداوند مَیں ایمان لاتا ہُوں اَور اُسے سجدہ کیا"۔ یاد رہے کہ اَب بھی وُہ اُس تمام حقیقت اَور صداقت سے جو الفاظ "خُدا کا بیٹا" ظاہر کرتے ہیں بخُوبی واقف نہ تھا۔ اَور نہ اِس سجدہ سے یہ سمجھنا چاہئے کہ اُس نے مسیح کو خُدا سمجھ کر سجدہ کیا کیونکہ جیسا ٹرنچ صاحب بیان کرتے ہیں خُدا کا جسم میں ظاہر ہونا ایک ایسی صداقت ہے جسے انسان یک بیک گرفت نہیں کر سکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے سمجھنے میں رسُولوں کو بھی بڑی دیر لگی۔ تاہم اِس اِعلےٰ صداقت کو سمجھنے کے لئے جو لیاقت ضرُوری تھی اُس کا بیج اس شخص کے دِل میں بو یا گیا۔ پس وُہ اُسے عام انسان سے بہت بزُرگ سمجھ کر تعظیم اَور خوف کے ساتھ سجدہ کرتا ہے اَور یُوں اُس کا ایمان کامل ہوتا جاتا ہے۔ دیکھو وُہ کس طرح ایک ایک قدم آگے بڑھا۔ جتنی روشنی اُس کو ملی تھی اُس نے اُس کو کمال وفاداری سے استعمال کیا۔ اِس کے صِلہ میں اُس کو زیادہ روشنی دی گئی۔ وُہ انسان سے نہیں ڈرا اَور اس کا یہ اجر مِلا کہ وُہ جلال سے جلال تک ترقی کرتا گیا۔ اَور آخرکار اس برکت سے مالا مال ہُوا کہ خُدا کا بیٹا اُس پر ظاہر ہُوا گو اُس نے ابھی اُن تمام معرفت کے خزانوں کو جو اُس میں چھپے ہُوئے تھے نہ پہچانا ٭

اَب یہ سارا واقع ایسا عجیب تھا کہ جن لوگوں کو بینا ثابت ہونا چاہئے تھا اُن کی رُوحانی نابینائی ظاہر ہُوئی۔ اَور وُہ جو اندھا تھا جسمانی اَور رُوحانی طَور پر بینا کیا گیا۔ چنانچہ خُداوند فرماتا ہے۔ "مَیں دُنیا میں عدالت کے لئے آیا ہُوں" وغیرہ مُراد یہ ہے کہ مَیں انسان کے

اندرُونی حالات اَور باطنی خیالات کو ظاہر کرنے کو آیا ہُوں۔ مَیں خُدا کا مظہر ہُوں۔ اَور اس بات کو عیاں کرتا ہُوں کہ آیا لوگ الٰہی صداقت کو پیار کرتے ہیں یا اُس سے نفرت رکھتے ہیں یُوحنّا ۳: ۱۹-۲۱- مَیں وُہ معیار ہُوں جس کے وسیلے بہت چیزیں جو سونا سمجھی جاتی ہیں کھوٹی ثابت ہوں گی۔ اور بہت چیزیں جو اپنی سادگی کے سبب کم قیمت معلوم ہوتی ہیں زرِ خالص ثابت ہوں گی۔ بہت لوگ جو بینا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وُہ رُوحانی طور پر اندھے ظاہر ہوں گے۔ اور وُہ جو جاہل اور نادان سمجھے جاتے ہیں وُہ میرے نُور میں بینا ثابت ہونگے مسیح صداقت کا شہزادہ ہے۔ اور جب وُہ اپنا جھنڈا کھڑا کرتا ہے تو لازمی امر ہے کہ لوگ دو حِصّوں میں تقسیم ہو جائیں۔ ایک وُہ حِصّہ جو صداقت کے جھنڈے تلے فراہم ہوتا ہے۔ اَور دُوسرا وُہ جو اُس کے مقابلہ میں جھُوٹ کے جھنڈے تلے جمع ہوتا ہے اَور جب مسیح یہ دعوےٰ کرتا ہے تو وُہ گویا وُہی دعوےٰ کرتا ہے جو شمعُون نے اُس کے حق میں کیا تھا "دیکھ یہ اسرائیل میں بہتوں کے گرنے اَور اُٹھنے کے لئے ... مقرر ہُوا ہے ... تاکہ بہت لوگوں کے دِلوں کے خیال کھُل جائیں۔" (لُوقا ۲: ۳۴ و ۳۵)۔

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ (۱) ایک عجیب سوال (۲) تسلی بخش جواب (۳) ایک سنجیدہ خیال (۴) ایک جلدی اعلان۔ شروع کی تین آیتوں میں پایا جاتا ہے۔

۲۔ خُدا کے کام مسیح کے وسیلے (۱) وُہ نبی اَور اُستاد تھا پس خُدا کا کام اُسے کرنا تھا۔ (۲) سردار کاہن تھا اَور اِس لئے بھی یہ کام اُسے ہی کرنا تھا۔ اِن کاموں کی نسبت (۱) مسیح کے جوش کو دیکھو۔

(۲) اُس کی سُرعت کو دیکھو۔ کہ مسیح کس طرح خدمت کے موقعوں کو کام میں لاتا تھا۔ کیا ہم اِسی طرح اپنے موقعوں کو کام میں لاتے ہیں؟ اِس سے ہم سیکھیں کہ جو کام ہمارے سپُرد ہے ہم اُسے جوش اور سرگرمی سے بجالائیں اور تاخیر نہ کریں کیونکہ رات ہونے والی ہے۔ ہماری زِندگی کا زمانہ ہمارا دِن ہے۔

۳۔ فریسی اور وُہ اندھا جو اَب بینا ہو گیا تھا۔ فریسی مسیح کو مُجرم ٹھہرانا چاہتے ہیں۔ مگر یہ شخص ایسا جواب دیتا ہے جس کی طرف توجہ کرنا لازمی امر ہے وُہ جتنی بات ہُوئی اُتنی ہی بتاتا ہے مثلاً بتاتا ہے کہ (۱) مسیح نے کیا کیا۔ (۲) اُس نے اُس کی فرماں برداری کس طرح کی۔ (۳) اُس کا کیا نتیجہ ہُوا۔

۴۔ اِس سے زیادہ کچھ نہیں کہتا۔ اوّل اِس لئے کہ اِس سے زیادہ اُس سے پُوچھا نہیں گیا تھا۔ دوم اِس سے زیادہ وُہ کچھ جانتا نہیں تھا۔ مناسب ہے کہ جب ہم اپنا تجربہ بیان کریں تو اُسی قدر بیان کریں جس قدر حقیقت میں ہم واقف ہیں۔

۵۔ مسیح کا سبت باپ کے سبت کی مانند ہے۔ اُس کا سبت یا آرام پاک ہے۔ (۲) خُوشی سے پُر ہے۔ (۳) کام سے پُر ہے۔ اور وُہ (۱) سبت کے روز اپنے دوستوں کو تر و تازہ کرنا۔ (۲) اپنے دُشمنوں کو مغلُوب کرتا ہے جس طرح اِس سبت کے روز فریسیوں کو کیا (۳) دُکھیا دِل کو آرام دیتا ہے۔ (۴) اور اِن سب باتوں سے آسمان کی بادشاہت کو ترقی پہنچتی ہے۔

۶۔ "کیا تم بھی اُس کے شاگرد ہو گے"؟ یہ سوال ہر ایک سے پُوچھا جا سکتا ہے۔ (۱) اگر تم غریب ہو تو تمہارے کیا اعتراض ہیں۔ (۲) اگر تم امیر ہو تو تمہارا کیا بہانہ ہے؟ (۳) اگر تم علم دار ہو تو تمہاری

کیا رُکاوٹیں ہیں؟ آؤ۔ اُس کی روشنی میں سب مُشکلات حل ہو جائیں گی۔

۷۔ اِس اندھے کی منطق دیکھو (۱) اُس کے نزدیک اُس کا شخصی تجربہ سب دلیلوں سے بڑھ کر ہے "ایک بات میں جانتا ہُوں" وغیرہ (۲) مسیح کے حق میں اُس کی دلیل یہ ہے "ہم جانتے ہیں کہ خُدا کسی گنہگار کی نہیں سُنتا" پر یسُوع نے میری آنکھیں کھولیں لہٰذا وُہ گنہگار نہیں اور چونکہ اُس نے ایسا بڑا معجزہ کیا وُہ خُدا کی طرف سے ہے۔ جب مسیح کی رُوح کی قدرت ہماری آنکھوں کو کھولتی ہے تو ہم اُس وقت اِس قسم کی منطق کام میں لاتے ہیں۔ ایمان قُدرتِ الٰہی کو دیکھتا ہے طریقہ کو نہیں دیکھتا۔

۸۔ جو خُداوند مسیح کی خاطر رد کئے جاتے ہیں۔ مسیح اُن کو چھوڑتا نہیں۔ (۱) وُہ اُنہیں آ کر ملتا ہے (۲) اُنہیں اپنی ذات اور شخصیت کے زیادہ کشف سے مالا مال کرتا ہے (۳) اور اُنہیں اپنی کلیسیا میں جگہ دیتا ہے۔ مخالفوں کے حملوں سے ہمیں نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ دلیری بڑھتی اور زیادہ مکاشفہ نصیب ہوتا ہے۔

۹۔ یہ باب مسیح کے الفاظ "میں دُنیا کا نور ہُوں" کی گویا عملی تفسیر ہے۔

۱۰۔ یاد رہے کہ اگر یہ شخص مسیح کی گذرگاہ میں موجود نہ ہوتا۔ تو نورِ بصارت سے بہرہ ور نہ ہوتا۔

۱۱۔ اِس باب کی تیسری آیت ہم کو سکھاتی ہے کہ ہم اپنی مصائب اور تکالیف کو کمال بُردباری سے سہیں کیونکہ جو کچھ ہم پر واقع ہوتا ہے وُہ کسی نہ کسی طرح خُدا کا جلال ظاہر کرتا ہے۔

۱۲۔ ایک بزرگ نے خُوب کہا ہے کہ خُدا کی پروردگاری (PROVIDENCE) کے کاموں کا مطلب بسا اوقات ایک مدّت بعد کھُلتا ہے۔ وُہ کہتا ہے کہ انتظامِ پروردگاری کی کتاب میں لمبے لمبے

حملے آتے ہیں اور پیش از یں کہ ہم اُن کا مطلب سمجھیں ہمیں دیر تک صبر اور برداشت سے اُن کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے ❖

۱۳۔ چوتھی آیت میں مسیح ہمارے لئے ایک نمونہ پیش کرتا ہے۔ دُنیا کی نفرت۔ دُشمنوں کی مخالفت۔ خُون کے پیاسوں کی تجویزیں اور دوستوں کی کمزوریاں اور غلط فہمیاں اور ٹیڑھے سوال اُس کو نااُمید نہیں بناتے۔ بلکہ کمال بھروسے کے ساتھ وُہ اپنے موقعوں کو کام میں لاتا ہے۔ ہم بھی اپنے دِن کو اُس کی مانند وفاداری کے ساتھ کام کرتے ہُوئے ختم کریں ❖

۱۴۔ دیکھو مسیح حقیقی شیلوخ یعنے خُدا کا بھیجا ہُوا ہے۔ وُہی تمام برکتوں کا سرچشمہ ہے ❖

۱۵۔ اندھے کا نمونہ قابلِ تقلید ہے۔ مسیح نے اُسے شیلوخ میں آنکھ دھونے کا حکم دیا۔ اُس نے کسی طرح کی چون و چرا نہیں کی۔ بلکہ اُس کا حکم مانا اور اُس کی تابعداری میں آنکھوں کی روشنی حاصل کی ❖

۱۶۔ اس اندھے کی باطنی بینائی کو بھی دیکھنا چاہئیے۔ آیت ۱۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ ایک ایسا تھیالوجین تھا جس نے تھیالوجی کے ساتھ حقیقی دینداری کو ملا رکھا تھا۔ حقیقی تھیالوجی (علمِ الٰہی) سمنیریوں میں نہیں بلکہ رُوح پاک کی تعلیم سے ملتا ہے۔

۱۷۔ اٹھارھویں آیت بتاتی ہے کہ صرف گواہی سے لوگوں کے دل تبدیل نہیں ہوتے۔ مُلحد والٹر کہتا ہے۔ "اگر شہر پیرس کے بازار میں دو ہزار آدمیوں کے سامنے اور خود میری آنکھوں کے رُوبرُو کوئی معجزہ دکھایا جائے تو میں دو ہزار لوگوں کی آنکھوں اور اپنی آنکھوں کی گواہی کو رَدّ کر دُوں گا۔ پر معجزے کی حقیقت کا قائل نہ ہُونگا۔" رُوح پاک انسان کے دِل کو تبدیل کرتی ہے ❖

۱۸۔ آیت ۲۵ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے جو کچھ ہم جانتے اور محسُوس کرتے ہیں۔ اُسے (۱) کوئی جھُٹلا نہیں سکتا (۲) کوئی اُسے چھین نہیں سکتا۔ (۳) اور وُہی سب دلیلوں سے زیادہ زور آور دلیل ہوتی ہے ❖

۱۹۔ دیکھو ایمان خُداوند کے کاموں کے طریقے کو نہیں دیکھتا بلکہ زیادہ تر اُن کے نتیجہ کو دیکھتا ہے۔ فریسی یہ نہیں دیکھتے کہ اس اندھے کی آنکھیں واقعی کھُل گئی ہیں۔ برنقص گیری کے لئے یہ دریافت کرتے ہیں کہ اُس کی نابینا آنکھیں کِس طرح وا کی گئیں (آیت ۲۶) ❖

۲۰۔ ہم اِس آیت سے یہ بھی سیکھیں کہ بارہا مخالفوں کے حملے دینداروں کے چھپے ہُوئے خیالات، چھپی ہُوئی طاقتیں چھپی ہُوئی دلیریاں روشن کرتے ہیں۔ کیا یہی حال اِس اندھے کا نہیں ہُوا؟

۲۱۔ کرہی ساسٹم صاحب فرماتے ہیں "سچائی کیسی مضبوط اور جھُوٹ کیسا کمزور ہوتا ہے۔ سچّائی عام قسم کے لوگوں کو بھی جلالی بنا دیتی ہے پر جھُوٹ سے زور آور کمزور ہو جاتے ہیں" ❖

۲۲۔ سچّائی برداشت کر سکتی ہے۔ مگر غلطی فوراً آپے سے باہر ہو جاتی اور سخت کلامی میں پناہ پاتی ہے ❖

۲۳۔ آخر میں ہم فریسیوں کے نمُونہ سے سیکھیں کہ جس قدر ہم کو روشنی پہنچی ہے اُسی قدر ہم زیادہ گنہگار سمجھے جائینگے اگر ہم نُور میں نہ چلیں فریسی جان بُوجھ کر اندھے ہو گئے۔ خُدا ہمیں اِس مرض سے بچائے۔

سُوکھے ہُوئے ہاتھ والے شخص کو شِفا بخشنا

متی ۱۲: ۹-۱۳ مرقس ۳: ۱-۵ لُوقا ۶: ۶-۱۱

یہ مُعجزہ سبت کے روز وقوع میں آیا۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ یہ پہلا مُعجزہ نہ تھا جو سبت کے دن واقع ہُوا بلکہ جو مُعجزہ ہم نے ابھی ختم کیا ہے وُہ بھی سبت کے دِن سرزد ہُوا تھا۔ مگر چونکہ یہ اچھا موقع ہے اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم اِس جگہ اِس بات کا ذکر کریں کہ ہمارا خُداوند یہُودی سبت کی نسبت کیا رائے رکھتا تھا۔ اِس مُعجزے کے متعلق اَور نیز اُس بحث کے متعلق جو اس مُعجزے سے پہلے متی کی انجیل میں پائی جاتی ہے ہمارے خُداوند نے اِس مضمُون پر اپنے خیالات ظاہر کئے اور نہایت پُرمعنی الفاظ اپنی زبان مُبارک سے بیان فرمائے۔ جب ہم متی کے ۱۲ باب کی چند آیات ہٹ کر پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فریسی خُداوند کے سامنے اُس کے شاگردوں پر سبت توڑنے کا الزام لگاتے ہیں۔ چنانچہ وُہ کہتے ہیں ”تیرے شاگرد وُہ کام کرتے ہیں جو سبت کے دِن کرنا روا نہیں“۔ اِس الزام کی وجہ یہ تھی کہ اُنہوں نے سبت کے دن بالیں توڑ کر کھائی تھیں۔ پر یاد رہے کہ الزام یہ نہ تھا کہ اُنہوں نے کِسی غیر کی ملکیت کو لُوٹ لیا ہے۔ کیونکہ بالیں کھانا روا تھا (استثنا ۲۳: ۲۵) پس الزام یہ تھا کہ اُنہوں نے سبت کے روز بالیں کھا کر چوتھے حکم کو توڑ ڈالا ہے ٭

اب خُداوند اُن کو بتاتا ہے کہ میرے شاگردوں کے فعل کو کِس نظر سے دیکھنا چاہئے۔ دُوسرے لفظوں میں یُوں کہیں کہ وُہ اُن کو سکھاتا ہے کہ شریعت کے حرف کو نہیں بلکہ رُوح کو دیکھنا چاہئے۔ اَور اِس مقصد کو پُورا کرنے کے لئے وُہ دو مثالیں پیش کرتا ہے۔ ان میں سے ایک وُہ مشہور تاریخی واقعہ تھا جو داؤد کی زندگی میں سرزد ہُوا جب کہ وُہ ساؤل کے حضُور سے بھاگ نکلا (۱-سموئیل ۲۱: ۱-۶) اور دُوسری مثال ہیکل کی خدمات سے علاقہ رکھتی تھی۔ پہلی مثال اُن کے نزدیک اِس لئے بڑی وقعت رکھتی تھی کہ داؤد ایک پاک نبی اور نیک بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ ہمارا خُداوند فرماتا ہے کہ داؤد نے سبت کے روز پاک روٹی لی اور کاہن نے اُس کو دی پر تُم ان کاموں کی نکتہ چینی نہیں کرتے۔ دُوسری مثال ہیکل کی عبادت اور خدمت کے ساتھ علاقہ رکھتی تھی اور اِس لئے پہلی کی نسبت ایک طرح زیادہ زور آور تھی کیونکہ اُس کا تعلق شریعت کے اُس حِصّہ سے تھا جو لاویوں کی خِدمات سے علاقہ رکھتا تھا۔ خُداوند کے خیالات کو اِس مثال کے متعلق یُوں بیان کر سکتے ہیں۔ گویا وُہ یہ کہتا ہے کہ ”عملی طَور پر تُم خود اِس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ سبت کے آرام کو بڑی خِدمات کے واسطے یعنے ہیکل کی خِدمات کے واسطے ترک کر دینا جائز ہے اور جِس اصُول کے پابند ہو کر تُم ایسا کرتے ہو وُہ یہ ہے کہ چھوٹی خِدمت کو بڑی خِدمت پر تصدّق کرنا واجب ہے۔ چنانچہ تُم دیکھتے ہو کہ قُربانیاں اَور اُن کے لوازمات سبت کے روز برابر جاری رہتے ہیں۔ (گنتی ۲۸: ۸ و ۹) اَور جو کچھ اُن کی تکمیل کے لئے ضروری ہوتا ہے وُہ کیا جاتا ہے۔ اور کاہن ان سب کاموں کو انجام دیتے ہیں پر کوئی اُن کو سبت کے توڑنے والے نہیں کہتا۔ بلکہ اگر وُہ اِن خِدمات کی انجام دہی سے غافل ہو جائیں تو سبت کے توڑنے والے کہلائیں ٭

اَور پھر یہ خیال کرکے کہ مبادا فریسی یہ کہیں کہ ہیکل کی عبادت کُجا۔ اَور تیرے شاگردوں کا سبت کے روز بالیں توڑکر کھانا کُجا ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اِن دونوں باتوں کا آپس میں کیا ربط ہے؟ اِس اعتراض کو پہلے ہی سے محسُوس کرکے اِس طرح اُس کا جواب دیتا ہے "یہاں وُہ ہے جو ہیکل سے بڑا ہے"۔ اب ہم دیکھینگے کہ یہ الفاظ کس طرح اُن کا مُنہ بند کرتے ہیں۔ اُس کا مطلب یہ تھا کہ شائد تم میرے الفاظ پر یہ اعتراض کروگے کہ ہیکل اَور ہیکل کی خدمات ایک نہائت افضل اور بزرگتر معاملہ ہے لہٰذا اُن میں سبت کے روز مشغُول ہونا اَور بات ہے پر تیرے شاگردوں کا بالیں کھانا دُوسری بات ہے۔ پر مَیں تمہیں بتاتا ہُوں کہ مَیں کس طرح اِن دونوں باتوں میں نسبت قائم کرتا ہُوں اَور وُہ اِس طرح کہ جب ہیکل کے خادموں کی خدمات سبت کے روز ناواجب نہیں سمجھی جاتی ہیں۔ تو میرے خادموں کی خدمات بھی ناجائز نہ سمجھی جانی چاہئیں" کیونکہ "مَیں تو ہیکل سے بڑا ہُوں"۔ میرے خادموں نے جو کچھ کیا وُہ میری خدمت کے لئے کیا اَور وہ اُس خدمت میں اَیسے مصرُوف تھے کہ اُنہیں اتنی فرصت بھی نہیں ملی کہ اپنا کھانا تیار کریں۔ اَب جبکہ وُہ جو اُس ہیکل کی خدمات میں مشغُول ہیں جو سچّی اور حقیقی ہیکل کا صرف ایک سایہ یا نمُونہ ہے سبت کے روز کام کرنے سے سبت کو توڑتے نہیں بلکہ اُس کی توقیر کرتے ہیں تو کس قدر زیادہ وُہ سبت کی عزت کرتے ہیں جو اُس ہیکل کی خدمت میں مشغول ہیں جو ہاتھ سے نہیں بنائی گئی تُم نوشتوں سے واقف ہو اَور اُن کی بہتیری چھان بین کرتے ہو مگر اُن کے اصل مطلب سے واقف نہیں۔ اگر ہوتے تو اِس کے معنے جانتے کہ "مَیں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہُوں تو بے قصُوروں کو قصُوروار نہ ٹھہراتے"۔ یہ مقام ہوسیع ۶: ۶ آئیت سے اقتباس کیا گیا ہے۔ اَور یہ اُس وقت کا کلام ہے جبکہ شریعت

کا دَور دَورہ تھا مگر اس میں بھی یہی دیکھا جاتا ہے کہ رسُوم کے پابند ہونا اَور اصل حقیقت کو بھُول جانا خُدا کو پسند نہیں۔ پس ہمارا خُداوند اِس آئت کے وسیلے بتاتا ہے کہ جو چیز خُدا چاہتا ہے وُہ یہ نہیں کہ صرف خارجی رسمیں پُوری کی جائیں بلکہ وُہ اُس خُوبی کو طلب کرتا ہے جس کی علامت قُربانی ہے۔ یعنے یہ کہ انسان اپنے آپ کو محبّت کی راہ سے فِدا کرے (مقابلہ کرو عبرانی ۱۰: ۵-۱۰) اور اِس آئت کو شاگِردوں کے حال پر اس طرح پر چسپاں کرتا ہے۔ اَے یہودیو اگر تُم جانتے کہ حقیقی خدمت کسے کہتے ہیں تو تم یہ بھی جانتے کہ میرے شاگرد وُہی خدمت بجالا رہے ہیں کیونکہ گُنہگاروں کی رُوحوں کو جو بربادی کے چنگل میں گرفتار ہیں بچانے کے لئے اَیسے رحم اور محبّت سے کام کر رہے ہیں کہ اُنہیں اپنا کھانا تک یاد نہیں رہتا۔ اور اسی واسطے اُنہوں نے چلتے ہُوئے بالیں توڑیں۔ اُن کا قصُور (جو تمہارے زعم میں قصُور ہے) جو محبّت اور رحم کے سبب سرزد ہُوا۔ تمہاری بے مہر اَور سخت گیر غیرت سے خُدا کو زیادہ پسند ہے۔

اِس موقعہ پر مرقس کی انجیل میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں "سبت آدمی کے واسطے بنا ہے نہ آدمی سبت کے واسطے" (مرقس ۲: ۲۷) اِن لفظوں کے وسیلے ہمارا خُداوند ظاہر فرماتا ہے کہ سبت کے مقرّر کرنے کی یہ غرض تھی کہ اُس کے وسیلے انسان کو برکت پہنچے نہ یہ کہ انسان پیدا کیا جائے تاکہ سبت کو مانا کرے۔ مسیح کے نزدیک سبت وسیلہ اور انسان مقصد ہے پر فریسی انسان کو وسیلہ اور سبت کو مقصد بناتے تھے۔ اَب چُونکہ سبت بنی آدم کے لئے بنا ہے پس ابنِ آدم سبت کا مالک ہے" وُہ ابنِ آدم جس میں حقیقی انسانیت کا کامل تصوّر اَور مقصد پُورا ہوتا ہے۔ اور جو ابن اللہ بھی ہے سبت کا مالک ہے وُہ اُس پر حکُومت کرتا اَور اپنی مرضی کے مطابق اُس کو نئے معنے اور آزادگی

عطا کرتا ہے ❖

بعض لوگوں نے خیال کیا ہے (مثلاً گروشس) کہ ابنِ آدم سے مُراد عام انسان ہے۔ پس مطلب یہ ہے کہ انسان جو چاہے سبت کے ساتھ کر سکتا ہے۔ پر یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ انجیل میں لفظ ابنِ آدم ۸۰ مرتبہ آیا ہے مگر ایک دفعہ بھی اُس سے عام انسان مُراد نہیں لیا گیا بلکہ ہمیشہ مسیح مُراد ہے۔ اور پھر شرعِ الٰہی کی نسبت کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ انسان اُس کا مالک ہے۔ خداوند مسیح نے ہمیں اُس کے تقاضے سے رہا کیا۔ مگر ہمیں کبھی اُس پر حاکم اور مالک نہیں بنایا۔ ایک اور بات اِس مضمون کے ضمن میں قابلِ تسطیر ہے اور وہ یہ کہ چُونکہ ہمارا خُداوند اِس جگہ اپنے تئیں "سبت کا مالک بتاتا ہے" لہٰذا جب اُس کے شاگردوں نے یہُودی سبت کو جو ہفتہ کا آخری روز ہُوا کرتا تھا چھوڑ کر ہفتہ کا پہلا دن مقرر کیا تو اُنہوں نے کوئی ایسا کام نہ کیا جو اُن کے خُداوند کے اختیار سے باہر تھا۔ وُہ سبت کا مالک ہے اور جو اُس نے اُن کو حکم دیا وُہی اُنہوں نے سبت کے متعلق کیا ❖

اَب متّی اِس مُعجزے کو جو اس وقت زیرِ نظر ہے اِسی واقع کے ساتھ مربُوط کرتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا جس سبت کے روز بحث مذکورہ بالا وقُوع میں آئی اُسی سبت کو یہ مُعجزہ بھی واقع ہُوا۔ لیکن (لُوقا ۶: ۶) میں یہ الفاظ آئے ہیں "اور یُوں ہُوا کہ کسی اَور سبت کو وُہ عبادت خانہ میں داخل ہو کر"۔ اور اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مُعجزہ ہٰذا اور بحث مذکورہ بالا ایک ہی سبت کے روز وقُوع میں نہیں آئے۔ پر ہم یاد رکھیں کہ اس فرق کو ہم اختلاف نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ متّی میں کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جو لُوقا کے بیان کی تردید کرتی ہو کیونکہ متّی ترتیبِ وقت کا پابند نہیں ہے۔ مرقس ۳: ۷ سے معلوم ہوتا ہے

کہ یہ جگہ جہاں یہ مُعجزہ واقع ہُوا گلیل میں واقع تھی مگر اِس سے بڑھ کر اُس کی تخصیص نہیں کی جاتی ❖

۹۔ اور وہاں سے چل کر اُن کے عبادت خانہ میں گیا۔ یہ ہم اُوپر بیان کر چُکے ہیں کہ یہ عبادت خانہ گلیل میں واقع تھا۔ یہ مُعجزہ بھی کئی اور مُعجزات کی مانند عبادت خانہ میں کیا گیا (مثلاً لُوقا ۱۳: ۱۱ اور مرقس ۱: ۲۱ و ۳۹) ❖

۱۰۔ اور دیکھو وہاں ایک آدمی تھا جس کا ہاتھ سُوکھا ہُوا تھا۔ لُوقا ہمیں بتاتا ہے کہ یہ اُس کا دہنا ہاتھ تھا۔ اِس بیماری کی نسبت بعض کا خیال ہے کہ وُہ بیماری تھی جسے سُوکھے کی بیماری کہتے ہیں اور اِس شخص کی حالت میں اُس کا اثر صرف ایک ہی عضو میں ہُوا تھا۔ یہ بیماری بہ سبب ناقص غذا یا قوتِ تغذیہ کے ضُعف سے پیدا ہوتی ہے۔ اس شخص کو بھی یہی بیماری تھی اور اِس کے سبب سے اُس کا ہاتھ بالکل مُردہ ہو گیا تھا۔ یعنے اُس میں کسی طرح کی حِس و حرکت نہ رہی تھی۔ لہٰذا انسان اُس کو نیچرل علاج سے ہرگز اچھا نہیں کر سکتا تھا۔ دیکھو اُس کا ہاتھ جو سُوکھ گیا تھا سو دہنا ہاتھ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس ہاتھ سے وُہ اپنی روزی کما سکتا تھا وُہی جاتا رہا تھا ❖

۱۱۔ اُنہوں نے اُس پر الزام لگانے کے ارادہ سے یہ پُوچھا کہ کیا سبت کے دن شفا دینا روا ہے۔ تینوں انجیلوں کے بیان کے مقابلے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال کی نسبت اُن میں کُچھ کُچھ فرق پایا جاتا ہے متّی سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا سوال فریسیوں نے کیا مگر اس کے برعکس مرقس اور لُوقا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سُوال خُداوند نے کیا۔ کیا ہم اسے اختلاف کہیں؟

نہیں۔ کیونکہ دونوں بیانوں میں بآسانی تطبیق دکھائی جا سکتی ہے اور وُہ اِس طرح کہ پہلے فریسی اُس سے پُوچھتے ہیں کہ "کیا سبت کے دن شفا دینا روا ہے"۔ مسیح اُن کے سوال کا جواب ایک اور سوال میں دیتا ہے اور وُہ اکثر ایسا کیا کرتا تھا (دیکھو متّی ۲۱: ۲۴) اگر ہم فریسیوں کے سُوال کو مسیح کے سُوال کے ساتھ جو لُوقا میں پایا جاتا ہے ملا کر پڑھیں تو بخُوبی معلُوم ہو جائیگا کہ مسیح کا سوال ضرور کسی سوال کا جواب ہے چنانچہ لُوقا میں ہم پڑھتے ہیں "یسُوع نے اُن سے کہا مَیں تم سے یہ پُوچھتا ہُوں کہ آیا سبت کے دِن نیکی کرنی روا ہے یا بدی کرنی جان کو بچانا یا ہلاک کرنا (لُوقا ۶: ۹) اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے فریسیوں نے اُس سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا سبت کے دِن شفا دینا روا ہے؟ مسیح اُن کو جواب دیتا ہے۔ مگر سوال کی صُورت میں۔ چنانچہ وُہ کہتا ہے کہ تُم مجھے پُوچھتے ہو کہ سبت کے دن تندرُست کرنا روا ہے یا نہیں مگر مَیں تم سے پُوچھتا ہُوں کہ سبت کے دن نیکی کرنی روا ہے یا بدی کرنی؟ یہ سُوال اُس کا جواب ہے۔ ایک اَور بات یاد رکھنے کے قابل ہے اَور وُہ یہ کہ مرقس اور لُوقا بتاتے ہیں کہ "فریسی اُس کی تاک میں تھے"۔ اَب متّی اِس بات کا ذکر نہیں کرتا۔ پر اُس کی خاموشی سے مرقس اور لُوقا کے بیان کی تردید یا تکذیب نہیں ہوتی متّی صرف اِس بات کا ذکر کرتا ہے کہ وُہ اُس پر الزام لگانا چاہتے تھے۔ کہاں؟ شائد عدالت کے سامنے (متّی ۵: ۲۱)۔ اِس سے غالباً وُہ عدالت گاہ مُراد ہوگی جو خاص اُن کے شہر میں لوکل طور پر موجُود تھی۔

۱۲ و ۱۳۔ اُس نے اُن سے کہا تُم میں ایسا کون ہے جس کی ایک ہی بھیڑ ہو اَور وُہ سبت کے دِن گڑھے میں گِر جائے تو وُہ اُسے پکڑ کر نہ نکالے۔

پس آدمی کی قدر تو بھیڑ سے بہُت ہی زیادہ ہے اِس لئے سبت کے دن نیکی کرنا روا ہے۔

ہم اُوپر دیکھ آئے ہیں کہ جب بالیں توڑنے کے موقعہ پر سبت شکنی کا الزام خُداوند کے شاگردوں پر لگایا گیا تو اُس نے اُن کی بریّت کے لئے دو مثالیں پیش کیں تاکہ اُن کو دکھائے کہ بعض ایسے کام ہیں جن کے کرنے سے سبت نہیں ٹُوٹتا۔ اَب اِس جگہ وُہ اُن کے رواج اور برتاؤ سے ایک اَور مضبُوط دلیل اُن کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ اُن کے مُنہ بند کرے۔ واضح ہو کہ یہ دلیل صرف متّی قلمبند کرتا ہے۔ لُوقا اِس قسم کی دلیلیں دُوسری جگہ رقم کرتا ہے (لُوقا ۱۳: ۱۵ و ۱۴: ۵) مرقس بتاتا ہے (دیکھو مرقس ۳: ۳) کہ خُداوند نے اُس کو حُکم کیا کہ وُہ بیچ میں کھڑا ہو جائے شائد اِس لئے کہ دیکھنے والوں کے دِل میں اُس کی طرف ہمدردی پیدا ہو۔ اَور وُہ اُس کی شفا کی ضرُورت اور دُرستی کو محسُوس کریں۔ "ایک بھیڑ ہو"۔ خُداوند کا مطلب ہے کہ ایک بھیڑ جو آدمی کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ جب گڑھے میں گِر جاتی ہے تو اُس کا مالک اُس کو سبت کے دن باہر نکال لاتا ہے۔ پس اگر آدمی جو بھیڑ سے ہزارہا درجہ افضل ہے اچھّا کیا جائے تو اُس کو نکالنا کیا عیب کی بات ہے؟ کہتے ہیں کہ تالمود میں طرح طرح کے خیالات اِس مضمُون پر لکھے ہُوئے ہیں۔ مثلاً بعض ربّی یہ مانتے تھے کہ اگر کوئی جانور سبت کے روز گڑھے میں گر جائے تو اُسے وہاں صرف چارہ دینا چاہیئے پر اَور کچھ نہیں کرنا چاہیئے۔ پھر بعض ربّی یہ سِکھلاتے تھے کہ کوئی چیز اُس کے پاؤں کے نیچے رکھ دینی چاہیئے اَور اگر وُہ آپ ہی نکل آئے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ بعض کی یہ رائے تھی کہ اُسے ذبح کرنے کی نیّت سے نکال لینا چاہیئے خواہ بعد میں نیّت تبدیل ہی ہو جائے غرضیکہ اخلاق

کو ایک مجمُوعۂ دستُورات بنانے کا یہ نتیجہ ہُوا کہ لوگ طرح طرح کی غلط بیانیوں میں گرفتار ہو گئے تھے۔ مگر باوجُودیکہ سبت کے متعلق طرح طرح کی تعلیمیں ربّیوں نے ایجاد کر دی تھیں پھر بھی کوئی مالک یہ نہیں چاہتا تھا کہ میری بھیڑ گڑھے میں گری رہے بلکہ نکال ہی لیتا تھا۔ ایڈرشام صاحب فرماتے ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ ضرُور ہر آدمی جس کی بھیڑ گڑھے میں گِرتی تھی کوئی نہ کوئی صُورت نکال لیتا تھا تاکہ وُہ وہاں سے نِکالی جائے حالانکہ (ربّی) شریعت خُداوند مسیح کے وقت ایسی سختی سے مانی جاتی تھی جیسی کہ تالمُود میں سختی سے بیان کی گئی ہے ÷

پس آدمی کی قدر تو بھیڑ سے بہت ہی زیادہ ہے۔ یہ نتیجہ ہے اُن دعوؤں کا جو اُوپر کئے گئے۔ خُداوند فرماتا ہے کہ گو بھیڑ کچھ حقیقت نہیں رکھتی مگر تاہم اُس کا مالک اُس کو ضرُور سبت کے روز گڑھے سے نکال لیتا ہے۔ اب آدمی تو اُس سے کہیں افضل اور بزرگ تر ہے۔ اِسی قسم کی دلیلیں ہمارا خُداوند اکثر لاتا ہے مثلاً دیکھو متّی ۶: ۲۶ اور متّی ۱۰: ۲۹-۳۱) اور یُوں انسان کی فضیلت جانوروں پر دکھاتا ہے۔ مرقس اَور لُوقا سے جیسا ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ خُداوند نے خود اُن سے سُوال کیا کہ سبت کے روز نیکی کرنی روا ہے یا بدی کرنی۔ یہ سُوال جو اُس نے اُن سے اُلٹ کر دیا سارا بوجھ اُن پر ڈال دیتا ہے اور اُن سے طلب کرتا ہے کہ وُہ فیصلہ کریں کہ سبت کے دِن کیا کرنا روا ہے۔ وُہ ہمدردی دکھانے کو نیکی اَور اُس سے غافل رہنے کو بدی کہتا ہے اور یُوں اُن کو قائل کرتا ہے کہ ہمدردی اَور بھلائی کے کاموں سے سبت نہیں ٹُوٹتا بلکہ اُس کی توقیر ہوتی ہے اور ہمدردی کرنا ناروا نہیں بلکہ نہ کرنا ناروا ہے۔ اِس کا مطلب ہے کہ جب تُم اپنی بھیڑوں کو نہیں چھوڑتے تو مَیں جو سچّا گڈریا ہُوں کس طرح اپنی

بھیڑ کو یعنی ایک ذی رُوح انسان کو جسے باپ نے مجھے دیا ہے اَور جو عام بھیڑوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ نہ بچاؤں؟ تُم نے مجھ سے پُوچھا کہ کیا سبت کے روز شفا دینا روا ہے۔ مَیں اِس کا یہ جواب دیتا ہُوں کہ سبت کے روز چونکہ نیکی کرنا روا ہے اِس لئے تندرُست کرنا بھی روا ہے۔ مرقس ہمیں بتاتا ہے کہ وُہ یہ سُن کر چُپ رہے۔ لاجواب ہو گئے اور اس کی دلیل کا جواب نہ دے سکے ÷

۱۳۔ تب اُس نے اُس آدمی سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھا۔ اُس نے بڑھایا اَور دُوسرے ہاتھ کی مانند دُرست ہو گیا۔

یہاں ہمارا خُداوند کوئی خارجی وسیلہ کام میں نہیں لاتا۔ صرف اپنے کلام سے اُسے شفا دیتا ہے۔ اور فریسیوں نے دیکھا ہو گا کہ ہم اسے سبت شِکنی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یسُوع نے کوئی چیز اِستعمال نہیں کی۔ بلکہ صرف اپنے کلام کی تاثیر سے اُسے اچھّا کر دیا۔ مرقس اور لُوقا سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس نے اُن کی سخت دلی کے سبب سے غمگین ہو کر اور چاروں طرف اُن پر غصّہ سے نظر کر کے اُس آدمی سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھا۔ وغیرہ (دیکھو مرقس ۳: ۵) یہاں ہم غم اَور غصّہ دونوں ایک ہی سینے میں پاتے ہیں۔ مگر اِسے اجتماعِ ضدّین نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُس کے دِل میں جو کامل محبّت اَور کامل پاکیزگی تھا گنہگار کے سبب غم کھانا اَور گُناہ کے سبب غصّے ہونا دونوں جذبے پہلُو بہ پہلُو پائے جاتے تھے۔ چُونکہ انسان خُدا کا مخلُوق ہے لہٰذا وُہ اُس کے لئے غمگین تھا۔ مگر گُناہ کے سبب جو شیطان کی افترا پردازی سے پیدا ہُوا ہے غصّہ کرتا تھا۔ پس مسیح کا یہ غصّہ وُہ غصّہ نہ تھا جو انسان انسان کے برخلاف ظاہر کیا کرتا ہے اَور

جس کی وجہ سے وُہ اپنے ابنائے جنس کو نقصان پہنچانے پر آمادہ ہو جاتا ہے ۔

اِس مریض نے خُداوند کا کلام سُنا اور اچھا ہو گا۔ اُسے ہاتھ بڑھانے کا حُکم ہُوا اُس نے بڑھایا اور کامل شفا پائی ۔

لُوقا بتاتا ہے کہ "وُہ آپے سے باہر ہو کر" پُرانے ترجمہ میں ہے "دیوانگی سے بھر کر" (لُوقا ۶ : ۱۱) کہنے لگے دیکھو یہودیوں کی دُشمنی اعلیٰ درجہ کو پہنچ گئی کیونکہ نہ صرف اُس نے اُن کی روایتوں وغیرہ پر حملہ کیا بلکہ اُنہیں سب کے سامنے شرمندہ کیا۔ اَب اِس دیوانہ پن کی حالت میں وُہ چاہتے ہیں کہ جس طرح ہو سکے یسُوع کو جان سے مار ڈالیں۔ اِس غرض کو پُورا کرنے کے لئے وُہ بالکل تیار ہیں کہ ہیرودیوں کے ساتھ مل جائیں جو اپنی عادات میں رُومی اور ہیرودیس انتپاس کے ہوا خواہ تھے۔ اِسی طرح وُہ بعد میں پھر ایک موقعہ پر مل جاتے ہیں (متّی ۱۲ : ۱۶) تاکہ اُسے اپنے پنجہ میں پھنسائیں۔ دُنیا کا یہی حال ہے کہ وُہ باہمی مخالفتوں کو بالائے طاق رکھ دیتی ہے تاکہ اپنی قوّتوں کو جمع کر کے صداقت کا مقابلہ کرے۔ ہیرودیس پیلاطُس کے ساتھ ملنے کے لئے تیّار ہے۔ (لُوقا ۲۳ : ۱۲) تاکہ وُہ اِس اتحاد سے مسیح کو تباہ کر سکیں۔ اَب یہُودی اُس کو پکڑنے کی اُدھیڑ بُن میں ہیں۔ مگر وُہ گلیل کی طرف جا کر اُن کے حسد سے رہائی پاتا ہے ۔

نصیحتیں اَور مفید اشارے

مسیحی سبت کے متعلّق بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اُسے اُسی صُورت میں ماننا چاہیئے جس صُورت میں مُوسوی زمانہ میں مانا کرتے تھے۔ برعکس اس کے بعض یہ کہتے ہیں کہ جب رسمی شریعت

پُوری ہو گئی تو سبت کی پابندی بھی جاتی رہی پس سبت کو ماننا مسیحیوں پر فرض نہیں رہا۔ ایک گروہ ہر قسم کے مشغلے کو سبت کے روز ناجائز قرار دیتی ہے اَور دُوسری گروہ سبت کے روز دُنیوی دھندوں میں مشغُول ہونے کو بُرا نہیں سمجھتی۔ پھر بعض لوگ اِس بات پر کہ خُداوند کا دن یہُودی سبت سے بالکل مختلف ہے اِتنا زور دیتے ہیں کہ وُہ بھُول جاتے ہیں کہ یہ وُہی قدیم سبت ہے مگر اِس میں اب ایک نئے معنی چسپاں ہو گئے ہیں اور دِن بدل گیا ہے۔ یہ ایک خاص دن ہے جسے خُداوند نے معمُولی کاروبار سے آرام لینے۔ جسمانی اَور دماغی قوتوں کے معمُولی استعمال سے پرہیز کرنے اور عبادت اور دیگر دینی خدمات بجا لانے کے واسطے علیحدہ کیا ہے۔ اَور اِس بات کے فیصلے کے لئے کہ ہم کہاں تک دُنیاوی مشاغل اور سوشل معاملات اور عشرت کے لوازمات سے اِس دن اجتناب کریں ہمیں اُن کاموں پر جو سبت کے روز روا ہیں غور کرنا چاہیئے۔ نیز جسم اور دماغ کی صحت کو مدِنظر رکھنا اَور یہ سوچنا چاہیئے کہ ہمارے نمُونہ کا اثر اَوروں پر کیسا ہو گا۔ اور اِس بات کو بھی بھُولنا نہیں چاہیئے کہ اِس بات کا خطرہ بہت کم ہے کہ ہم حد سے زیادہ سبت کے ماننے والے بن جائیں۔ کیونکہ خطرہ زیادہ تر اِس بات کا ہے۔ کہ اگر ہم کو ذرا بھی بہانہ ملے تو ہم اِس حُکم کو بالکل توڑ ڈالیں گے ہم نفس کُشی کی نسبت نفس پروری کی طرف زیادہ مائل ہیں ۔

۲۔ مسیح کے شاگردوں کے کاموں کی عیب گیری کرنا نئی بات نہیں۔ جو لوگ اپنے ایجاد کردہ خیالات کو رواج دینا چاہتے ہیں وُہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں ۔

۳۔ اگر وُہ جو اَوروں کو سکھاتے ہیں خود فریسیوں کی طرح نوِشتوں کے حقیقی معنوں سے ناواقف ہوں تو بڑے افسوس کی بات ہے ۔

۴۔ اِس بیان سے ہم سیکھتے ہیں کہ (۱) ضرورت کے بالمقابل رسم چنداں زور نہیں رکھتی (متی ۱۲: ۳ بمقابلہ آیت ۲) (۲) سچی خدمت اور عبادت خاص جگہ اور خاص وقت کی پابند نہیں ہوتی (متی آیت ۵ بمقابلہ یُوحنا ۴: ۲۱) (۳) رسمی پابندیوں کی نسبت پر محبت فیصلہ خُدا کو زیادہ پسند ہے۔ (متی آیت ۷) (۴) مسیح تمام رسموں سے بُزرگ ہے۔ ابن آدم سبت کا مالک ہے (متی آیت ۸) ۔

۵۔ مسیح کے مغلُوب دُشمن۔ (۱) وُہ اُسے ایک سُوال کے جال میں پھنسانا چاہتے ہیں (متی آیت ۱۰) (۲) پر وُہ اُس کی دلیل کا جواب نہیں دے سکتے۔ (آیت ۱۱) (۳) وُہ اُس کے کام میں کسی طرح کا نقص نہیں پکڑ سکتے (آیت ۱۳) (۴) جب اَور کُچھ نہیں ہو سکتا تو اُس کو مارنے کا منصُوبہ باندھتے ہیں ۔

۶۔ جس طرح ایمان کی تمام حرکات میں طاقت کا وعدہ نہاں ہوتا ہے ۔ ویسا ہی اُس حُکم میں جو مسیح نے سُوکھے ہُوئے ہاتھ کو پھیلانے کے لئے دیا اُس طاقت کا وعدہ جو حُکم کی بجا آوری کے لئے ضروری تھی موجود تھا اُس شخص کا یہ کام تھا کہ مسیح کے کلام پر بھروسہ رکھ کر کوشش کرے اَور طاقت کا عطا کرنا مسیح کا کام تھا ۔

۷۔ غور کیجئے کہ مسیح کس طرح اپنے دعوؤں کے ثبُوت میں نوِشتوں کو کام میں لاتا ہے۔ اَور کس طرح اُن کے اختیار پر مُہر کرتا ہے۔ اِس ساری بحث کو غور سے پڑھ کر دیکھنا چاہیئے کہ وُہ کس طرح کلام کو کام میں لاتا تھا اَور اپنے مخالفوں کا مُنہ اُسی سے بند کیا کرتا تھا ۔

۸۔ دیکھئے اِس عبادت خانہ میں ہمارے خُداوند کا جلال کس طرح ظاہر ہوتا ہے۔ (۱) وُہ انسانی دِل کے اندرُونی خیالات کا جاننے والا ثابت ہوتا ہے۔ (۲) اُس کی رحم سے بھرپُور ہمدردی ظاہر ہوتی ہے ۔

(۳) اُس کی نجات بخش قُدرت اپنی جھلک دکھاتی ہے (۴) اُس کا صبر بھی مُترشح ہے ۔

۹۔ خُدا کی محبت کسی چیز کو ناپاک نہیں کرتی بلکہ سب چیزوں کو پاک کرتی ہے ۔

۱۰۔ جوش بغیر محبت کے نفرت انگیز شے ہے ۔

ایک کُبڑی عورت کو اچھا کرنا

لُوقا ۱۳: ۱۰—۱۷

لُوقا ۱۳: ۱۰ و ۱۱۔ پھر وُہ سبت کے دن کسی عبادت خانہ میں تعلیم دیتا تھا اَور دیکھو ایک عورت تھی جس کو اٹھارہ برس سے کسی بدرُوح کے باعث کمزوری تھی۔ وُہ کُبڑی ہو گئی تھی اَور کسی طرح سیدھی نہ ہو سکتی تھی ۔

اِس مُعجزے کا بیان صرف لُوقا کی انجیل میں پایا جاتا ہے۔ یہ مُعجزہ بھی اَور کئی مُعجزات کی مانند سبت کے روز وقُوع میں آیا۔ اِس کے مطالعہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارا خُداوند سبت کی نسبت کیا خیالات رکھتا تھا اور کس طرح اپنے مخالفوں کو جواب دیا کرتا تھا ۔

ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ یہ مُعجزہ کہاں واقع ہُوا۔ ہم کو صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ کسی عبادت خانہ میں واقع ہُوا۔ ہم جانتے ہیں کہ

ہیکل تو صرف ایک ہی تھی جو یروشلیم میں واقع تھی اَور سب یہودی ہر جگہ سے وہیں مقرّری اوقات پر حاضر ہُوا کرتے تھے لیکن اُن کے عبادت خانے جا بجا پائے جاتے تھے۔ اَور معلوم ہوتا ہے کہ اُنہیں عبادت خانوں میں سے کسی عبادت خانہ میں جا کر خُداوند حسبِ معمول تعلیم دے رہا تھا۔ جو لوگ وہاں حاضر تھے اُن کے درمیان ایک عورت نظر آئی جو "اٹھارہ برس سے کسی بد رُوح کے باعث کمزوری" میں مُبتلا تھی۔ اُس کی کمزوری اُس کے کُبڑے پن میں ظاہر ہو رہی تھی۔ ہمارے پُرانے ترجمہ میں ہے "جس کو اٹھارہ برس سے کسی بد رُوح کے باعث کمزوری تھی" اور انگریزی میں پُرانے اَور نئے دونوں ترجموں میں (SPIRIT OF INFIRMITY. (کمزوری کی رُوح) پایا جاتا ہے۔ پر ہمارے نئے ترجمہ میں "بد رُوح کے باعث" آیا ہے۔ پر جب ہم خُداوند مسیح کے الفاظ کو جو اُس نے بعد میں بیان فرمائے دیکھتے ہیں تو کسی طرح کا اِس بات میں شک و شُبہ نہیں رہتا کہ یہ عورت بھی سچ مچ کسی بد رُوح کے قبضہ میں گرفتار تھی۔ چنانچہ وُہ کہتا ہے "جس کو شیطان نے بارہ برس سے باندھ رکھّا تھا"۔ اِن لفظوں سے بخُوبی ظاہر ہے کہ وُہ فی الحقیقت اُنہیں لوگوں کے زُمرہ میں شمار ہونی چاہیے جو بد رُوحوں کے قبضہ میں گرفتار تھے۔ گو اُس کی مُصیبت ایسی شدید نہ تھی جیسی بعض اَور لوگوں کی تھی جو بد رُوحوں کے پنجہ میں مُبتلا تھے۔ اور یہی بات اُس کے پبلک عبادت میں حاضر ہونے سے ظاہر ہوتی ہے۔ غالباً اُس کی بیماری پہلے اُس کی رُوح سے شروع ہُوئی اور پھر اُس کا اثر اُس کے بدن پر بھی پڑا۔ ایسا کہ وُہ کُبڑی ہو گئی اَور سیدھی نہ ہو سکتی تھی۔

۱۲۔ یسُوع نے اُسے دیکھ کر پاس بُلایا اَور اُس سے کہا۔ اَے عورت تُو اپنی کمزوری سے چھُوٹ گئی

ہم دیکھتے ہیں کہ خُداوند اِس کمزور عورت کو قبل اِس کے کہ وُہ اُس کی مدد طلب کرے خود اپنی طرف متوجّہ کرتا ہے اور اُسے شفا کا مژدہ دیتا ہے۔ البتّہ عبادت خانہ کے سردار کے الفاظ مذکورہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ صحت پانے ہی کے لئے یہاں آئی تھی اَور کہ اُس کا یہاں حاضر ہونا بذاتِ خود ایک درخواست شفایابی کی تھی۔ عبادت خانہ کا سردار کہتا ہے۔ "چھ دن ہیں جن میں کام کرنا چاہیے پس اُنہیں میں آ کر شفا پاؤ نہ کہ سبت کے دن"۔ اِن لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی شفا دہی کی خبر ہر جگہ مشتہر ہو گئی تھی اور یہ عورت اِس لئے آئی تھی کہ شفا پائے۔ پر خُداوند اُس کے بولنے اور درخواست کرنے سے پہلے اُس کو فرماتا ہے۔ "اَے عورت تُو اپنی کمزوری سے چھُوٹ گئی"۔ اِن لفظوں کے وسیلے وُہ گویا اُس کو تیار کرتا ہے کہ اُس جسمانی برکت کو جو وُہ دینے پر تھا پانے کے لئے متوجّہ ہو۔

۱۳۔ اَور اُس نے اُس پر ہاتھ رکھّے۔ اُسی دم وُہ سیدھی ہو گئی اَور خُدا کی تمجید کرنے لگی۔

اُس کے ہاتھ گویا اُس اعلےٰ زندگی کا چشمہ تھے جس کے وسیلے سے اُس کے جسمانی اَور رُوحانی بند کھُل گئے۔ اَور اُس میں نئی طاقت کے سوتے پھُوٹ نکلے۔ اور اُسی وقت یہ نتیجہ پیدا ہُوا کہ وُہ جسمانی طَور پر تندرست ہو گئی اَور نیز رُوحانی طَور پر بھی شفایاب ہُوئی جیسا کہ اِن لفظوں سے مترشح ہے "خُدا کی بڑائی کرنے لگی"۔ اِس میں شک نہیں کہ وُہ اپنے شفا دہندے کی تعریف بھی کرنے لگ گئی ہو گی اور اسی سے عبادت خانہ کا سردار زیادہ ناخُوش ہُوا ہو گا۔ (مقابلہ کرو متّی ۲۱: ۱۵ و ۱۶)۔

۱۴۔ عبادت خانہ کا سردار اِس لئے کہ یسُوع

نے سبت کے دن شفا بخشی خفا ہوکر لوگوں
سے کہنے لگا۔ چھ دن ہیں جن میں کام کرنا چاہیئے۔
پس اُنہی میں آکر شفا پاؤ نہ کہ سبت کے دِن۔

اِس وقت عبادت خانہ کا سردار سبت کی غیرت کے سبب خفا ہوتا ہے۔ لیکن غور کرنے کا مقام ہے کہ اُس کی غیرت اور اُس کے خوف میں ایک قسم کا سخت تخالف پایا جاتا ہے۔ یعنے ایک طرف تو وُہ سبت کے لئے اپنے تئیں غیرت مند ثابت کرتا ہے اور دُوسری جانب ایک قسم کا ڈر بھی اپنے دل میں رکھتا ہے جس کے سبب سے وُہ وُہ بات جو یسُوع کو کہنی چاہتا ہے براہِ راست کہنے کی جُرأت نہیں رکھتا بلکہ دُوسروں کی طرف متوجہ ہوکر کہتا ہے حالانکہ مطلب اُس کا یہ ہے کہ مسیح اُس کے لفظوں کو سُنے اور پھر سبت کے روز معجزہ نہ دکھائے۔ پر کیا وُہ حقیقت میں سبت کے لئے غیرت مند تھا؟ یا خُداوند مسیح کی تعریف سُن کر جل گیا تھا؟ جس طرح سردار اور کاہن ایک اور موقعہ پر لڑکوں کو "ابن داؤد کو ہوشعنا" کہتے ہوئے سُن کر "خفگی" سے بھر گئے تھے اُسی طرح یہ شخص بھی خفا ہُوا۔ اِس شخص کی اصل خاصیت یا سیرت ۱۵ آیت سے کُھلتی ہے جہاں وُہ "ریاکار" بتایا جاتا ہے۔ پس تعجب نہیں کہ اُس کی ظاہری غیرت ایک آڑ تھی جس کے پیچھے وُہ اپنی اصل حالت دُوسرے لوگوں کی نظروں سے یا خود اپنی ہی نظروں سے چھپاتا ہوگا۔ اُس کی وُہ نفرت جو وُہ الٰہی اور پاک چیزوں سے رکھتا تھا اِس پردہ تلے چھپی ہُوئی تھی۔ اَب وُہ سردار ہونے کی حیثیت سے لوگوں کی طرف مخاطب ہوکر ایسے کام کو جو خُدا کی عزّت اور بزرگی کو ظاہر کرنے والا تھا۔ اور جس نے ایک آدم زادہ کے بدن اور رُوح کو بحال کیا۔ جس نے بھاری بندھنوں اور شیطان کی سخت زنجیروں کو توڑ

ڈالا تھا ناجائز بتاتا ہے۔

۱۵ و ۱۶۔ خُداوند نے اُس کے جواب میں کہا کہ
اے ریاکارو کیا ہر ایک تم میں سے سبت کے
دن اپنے بیل یا گدھے کو تھان سے کھول
کر پانی پلانے نہیں لے جاتا۔ پس کیا واجب
نہ تھا کہ یہ جو ابرہام کی بیٹی ہے جس کو شیطان
نے اٹھارہ برس سے باندھ رکھا تھا سبت
کے دِن اِس بند سے چُھڑائی جاتی۔

اِن الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خُداوند اِس جگہ یہ دعوے کرتا ہے کہ میں نے سبت بالکل نہیں توڑا۔ لینگی کی تفسیر میں ذکر ہے کہ لائٹ فٹ اور دیگر عالموں نے ثابت کیا ہے کہ سبت کے روز جانوروں کو پانی پلانے کے لئے لے جانا یہودیوں کے دستور کے مطابق روا تھا۔ اَب جو بات حیوانوں کے لئے روا تھی وُہ کیونکر انسان کے لئے ناروا ہوسکتی تھی؟ ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں کہ گویا خُداوند اپنے جواب کے ذریعہ اُن سے یہ کہہ رہا ہے۔ کہ "تم خود سبت کے بہت پابند نہیں ہو اور جہاں دیکھتے ہو کہ کسی کام کے نہ کرنے سے تمہارا نقصان ہوتا ہے وہاں سبت کے خیال کو بہت مداخلت کرنے نہیں دیتے۔ مثلاً تمہارے بیل اور گدھے تمہاری نظر میں ایسے بیش قیمت ہیں کہ تم اُن کے متعلق سبت کے روز کی چنداں پروا نہیں کرتے بلکہ اُن کو پانی پلانے لے جاتے ہو۔ کیا اُن کو کھولنا اور لے جانا ایک انسانی رُوح کے آزاد کرنے اور اُس کے بند کھولنے سے بہتر اور زیادہ بیش قیمت ہے؟ خواہ تم سبت کی پابندی کا کیسا ہی دعوے کرو پر یاد رکھو کہ تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے جانوروں کو کھولتا اور لے جاتا

ہے اَور کبھی خیال نہیں کرتا کہ سبت ٹُوٹ گیا ہے۔ پر تعجّب ہے کہ ایک انسان کو جو اٹھارہ برس سے شیطان کے بند میں گرفتار ہے رِہا کرنا تمُہارے نزدیک سبت کو توڑنا ہے۔ تُم اپنے جانوروں کے کھولنے اَور باندھنے میں کتنی دیر لگاتے ہو اَور اپنا کام کرتے رہتے ہو۔ مگر مَیں اپنے کلام کے وسیلے ایک دم میں زنجیروں کو کھول دیتا ہُوں پَر تم پھر بھی اِس پر اعتراض کرتے ہو ٭

اِس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ انسان میں اَور باقی حیوانات میں زمین و آسمان کا فرق ہے گو انسان اپنے جِسم کے اعتبار سے ایک طرح کی مشارکت بھی اُن کے ساتھ رکھتا ہے۔ پر تاہم اشرفِ المخلوقات ہے۔ (مقابلہ کرو ا۔کرنتھی ۹:۹ اَور زبُور ۸:۸) ماسوا اِس کے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ عورت نہ صرف بنی آدم میں شامل ہونے کے سبب سے جانوروں پر فوقیّت رکھتی تھی بلکہ ابرہام کی بیٹی بھی تھی۔ اِس رِشتے کے متعلّق بعضوں کا یہ خیال ہے کہ اِس سے صرف یہ مُراد ہے کہ وُہ عورت برگزیدہ قوم میں شامل تھی۔ اِس بیان سے صرف اُس کا جسمانی تعلّق جو وُہ ابرہام کی اولاد کے ساتھ رکھتی تھی ظاہر کیا گیا ہے۔ گو شفا پانے کے بعد وُہ ایمان کے لحاظ سے بھی ابرہام کی بیٹی بن گئی۔ مگر بعض کی یہ رائے ہے کہ ابرہام کی بیٹی کہنے سے خُداوند اُس کے ایمان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور اِس کے ثبُوت میں وُہ یہ کہتے ہیں کہ (۱) خُداوند نے ایک مرتبہ بھی اُس کے ایمان کی نسبت سُوال نہیں کیا اور اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں ایمان پہلے ہی سے موجُود تھا۔ (۲) اَور کہ اُس کا مُعجزے کے بعد فوراً خُدا کی بڑائی کرنا اُس کی دینداری طبعیّت پر دلالت کرتا ہے۔ (۳) کہ اُس کو کوئی اِس قسم کی بات نہیں کہی گئی۔ "تیرے گُناہ مُعاف ہُوئے"٭ شیطان نے اٹھارہ برس سے باندھ رکھا تھا۔ ان لفظوں

سے جیسا ہم اُوپر بتا آئے ہیں یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہمارا خُداوند اِس عورت کی کمزوری کو شیطان کے حملہ سے مربُوط کرتا ہے۔ پر اِس کے ساتھ یہ ماننا نا ممکن نہیں کہ جسمانی طاقت کے کافور ہوجانے پر بھی ایمان کا شُعلہ اِس عورت کے دِل میں جلتا رہا ٭

نصیحتیں اَور مفید اشارے

۱۔ اِس مُعجزے میں عورت کی بیماری جس کی نسبت مسیح نے فرمایا کہ اُسے شیطان نے اٹھارہ برس سے باندھ رکھّا ہے۔ اُس قید اَور اسیری کی علامت ہے جس میں اِنسانی رُوح گرفتار ہے۔ اَور اُس کی شفا نجات اور رہائی کی علامت ہے ٭

۲۔ اِس مُعجزے کی حقیقت عبادت خانہ کے سردار کی گواہی سے ثابت ہے وُہ اُس کے وقُوع سے ناخُوش ہوتا ہے پر اُس کی حقیقت کا انکار نہیں کرتا ٭

۳۔ دُکھیوں کے لئے عُمدہ آرام گاہ وُہی جگہ ہے جہاں خُدا کی عبادت کی جاتی اور کلام سُنایا جاتا ہے ٭

۴۔ شیطان کا خطرناک غلبہ جو وُہ رُوح اَور جِسم پر رکھتا ہے ہم کو اِس جگہ نظر آتا ہے ٭

۵۔ پھر سبت کو ماننے کا نمُونہ اِس جگہ مَوجُود ہے۔ خُداوند جیسا چاہیئے ویسا سبت کو مانتا تھا ٭

۶۔ جو لوگ خُدا کو نہیں جانتے اُن کی نظر میں محبّت کے جلالی نظارے کچھ وُقعت نہیں رکھتے ہیں۔ وُہ عبادت خانہ کے سردار کی مانند ہیں ٭

۷۔ مسیح اپنے دُشمنوں پر کِس طرح غالب آتا ہے۔ (۱) محبّت کے کام سے اَور (۲) محبّت کے کلام سے جس سے انسانی ہمدردی ٹپکتی ہے ٭

۸۔ ریاکاری۔ مسیح یہاں ریاکاری پر طرح طرح سے فتوے لگاتا ہے۔ (۱) عقل کے دربار میں "کیا ہر ایک تم میں سے سبت کے دن ... وغیرہ"۔ تم اپنے جانوروں کی بہبُودی کے لئے اپنی عقل کو کام میں لاتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ حیوانوں کی زندگی کے لئے ضرور ہے کہ تم ہر روز اُن کو پانی پلاؤ - خواہ سبت ہی کیوں نہ ہو تم اُنہیں پانی پلانے کیلئے لے جاتے ہو۔ مگر انسان کے بارے میں اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتے اور نہیں سوچتے کہ وُہ جانوروں سے بہتر ہے - (۲) ضمیر کے دربار میں اُن پر فتوے لگاتا ہے۔ چُنانچہ وُہ کہتا ہے "کیا واجب نہ تھا" وغیرہ۔ انسان جو خُدا کی صُورت پر بنا ہے اُس کا بچانا تمام فرائض سے بڑا فرض ہے۔ (۳) ہمدردی کے دربار میں اُن پر فتوے لگاتا ہے۔ تم اپنے جانوروں سے کیسی ہمدردی کرتے ہو۔ پر ابرہام کی بیٹی سے کُچھ ہمدردی نہیں رکھتے ؎

ایک جلندر کے مریض کو شفا بخشنا

لُوقا ۱۴: ۱-۶

یہ معجزہ بھی لُوقا کے ساتھ خاص ہے اور غالباً مسیح کے اُس سفر میں واقع ہُوا جس کا اشارہ لُوقا ۱۳: ۲۲ میں پایا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا خداوند پھر ایک فریسی کی دعوت قبُول کرتا ہے اور اُس کے گھر کھانا کھانے جاتا ہے۔ اگرچہ اُس کے کام کا خاتمہ نزدیک آتا جاتا ہے اور اُس کے مخالفوں کی عداوت بڑھتی جاتی ہے تاہم

وُہ چاہتا ہے کہ اِن فریسیوں میں سے کم از کم بعض اُس کی بادشاہت میں داخل ہونے کی ترغیب پائیں ؎

یہ ضیافت سبت کے روز وقُوع میں آئی۔ یہُودی سبت کے روز ملاقات کرنے اور ضیافت دینے کو بُرا نہیں سمجھتے تھے (نحمیاہ ۸: ۱۰)۔ اور اُن کے نزدیک ایسا کرنے سے سبت نہیں ٹُوٹتا تھا کیونکہ اُن کو آگ سُلگانا اور کھانا پکانا وغیرہ نہیں پڑتا تھا کیونکہ اُن کا کھانا سبت سے ایک دن پہلے تیار کر لیا جاتا تھا۔ ٹرنچ صاحب کہتے ہیں کہ سبت کی عملی خرابیاں یہ تھیں کہ لوگ اُسے شراب خوری اور عیّاشی کا دن بناتے جاتے تھے۔ پر اس جگہ یہ خیال کرنا ضرُوری نہیں کہ یہ ضیافت کوئی پبلک جشن تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے کئی بار ہمارا خُداوند لوگوں کے گھر میں صرف اُن کے خاندان کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے مدّعو ہو چُکا تھا۔ مسیح کا دسترخوان پر بیٹھنا اُس کی پاک اور خالص انسانیّت کو ظاہر کرتا ہے ؎

ہمارے خُداوند نے اس فریسی کی دعوت محبّت سے قبُول کی لیکن الفاظ "وُہ اُس کی تاک میں رہے" ظاہر کرتے ہیں کہ دعوت دینے والوں نے نیک نیّتی سے دعوت نہیں کی تھی۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ اُس کی گُفتگو یا حرکات میں کوئی ایسی بات پائیں جس سے وُہ اُس پر تازہ الزام لگائیں۔ افسوس کیسے بُرے طور پر وُہ لوگ مہمان نوازی کے اصُول کو پامال کرتے ہیں ؎

۲۔ اور کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص اُس کے سامنے تھا جسے جلندر تھا۔

اِس آیت کے پہلے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص گویا یک بیک یہاں مسیح کی نظر سے گذرا اور بعض لوگوں کا خیال ہے

کہ اُس کا فریسی کے گھر میں خود بخود اور بے بُلائے چلے آنا ناممکن نہ تھا اور کہ یہ واقعہ کچھ ایسا ہی تھا جیسا کہ لُوقا ۷: ۳۶ و ۳۷ میں درج ہے۔ پر بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اُس کو فریسیوں نے خود بُلایا اور ایسی جگہ بٹھایا تھا جہاں وُہ فوراً مسیح کی نظر سے گُزر جائے۔ اور اُن کا خیال یہ تھا کہ وُہ اُس بیماری کو اچھّا نہیں کرسکیگا۔ لہذا اُس کو بہت شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اس سازش اور کینہ وری کے ثبُوت میں وُہ لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ پہلی آیت میں صاف بتایا گیا ہے کہ وُہ "اُس کی تاک میں رہے"۔ پس جب یہ لوگ اس شخص کو لائے تب کہ اُس کو کچھ معلوم نہ تھا کہ مُجھے کس غرض کے لئے لے چلے ہیں۔ مگر بعد میں اُنہوں نے اُس کے ساتھ مسیح کی نسبت گفتگو کی ہوگی اور فریب سے اُس کو اُمید دلائی ہوگی کہ آ وُہ تجھ کو اچھّا کر دیگا حالانکہ درپردہ اُن کے دِل میں یہ خیال تھا کہ یسُوع یہ بیماری دُور نہیں کر سکیگا۔ اَب گو اُنہوں نے فریب کے ساتھ اُس سے گفتگو کی پر اُس کے دِل میں ایک قسم کی اُمّید اور ایمان پیدا ہو گیا۔ اور چُونکہ وُہ خود اُس سازش میں شامل نہ تھا لہذا خُداوند نے اُسے ہاتھ لگا کر شفا دی اور چھوڑ دیا۔

مگر بیشتر شفا دینے کے اُس نے سبت کے روز اچھّا کرنے کا الزام جو اُس پر لگ سکتا تھا دُور کیا جیسا کہ وُہ ہمیشہ کیا کرتا تھا۔ اُس نے گویا اپنے مخالفوں پر ظاہر کیا کہ مَیں تمہارے خیالات سے واقف ہُوں اور مَیں تمہارے منصُوبوں اور سازشوں کو جانتا ہُوں۔ تُم کہتے ہو کہ اگر مَیں نے یہ مُعجزہ کامیابی سے کر دیا تو مجُھ پر سبت شکنی کا الزام لگاؤ گے۔ اور اگر مَیں مُعجزہ دکھانے میں ناکام نکلا تو میری تضحیک کرو گے پر مَیں اِن میں سے کسی بات میں بھی تمہارے پنجہ میں نہیں پھنسوں گا۔ اَب اَے شرع کے عالمو اور فریسیو تُم مجُھے یہ بتاؤ کہ "سبت کے دِن

شفا بخشنی روا ہے کہ نہیں"۔

شرع کے عالموں اور فریسیوں کی ہم پہلے شرح کر چکے ہیں۔ خُداوند اُن سے یہ سُوال کرتا ہے اور بیمار اُس کے سامنے خاموش کھڑا ہے شاید اِس لئے کہ ایسے ایسے بڑے لوگوں کے سامنے بولنے کی جُرأت نہیں رکھتا یا اِس لئے کہ اِس بات کا اُمیدوار ہے کہ مسیح سے کوئی ہمّت بخش کلمہ سُنے۔

اُنہوں نے دِل کی خرابی سے یہ انتظام کیا تھا۔ اَب خُداوند اپنی فضیلت اور اُن کی شرارت اِس سُوال سے ظاہر کرتا ہے اور اُن کو اُنہیں کے جال میں گرفتار کر دیتا ہے۔ اور وُہ اِس طرح کہ اگر وُہ اُس کے سُوال کے جواب میں ہاں کہتے تو اپنے مُنہ سے سبت کے روز مُعجزہ کرنے کی اجازت دیتے اور اگر نہ کرتے تو ہمدردی اور محبّت کی کمی اُن کے اِنکار سے ظاہر ہوتی۔ پس اِس سُوال سے اُن کا ایسا مُنہ بند ہو گیا کہ "وُہ چُپ رہے" آیت ۴ اور پھر اس کے بعد "اُس نے اُسے ہاتھ لگا کر شفا بخشی اور چھوڑ دیا" آیت ۴۔

اور جس طرح کئی موقعوں پر (مثلاً متّی ۱۲: ۱۱ اور لُوقا ۱۳: ۱۵) اُس نے اُن کو دکھایا کہ جس بات کا الزام تُم مجُھ پر لگاتے ہو وُہ ایسا ہے کہ تُم خود اُس میں اپنے دُنیوی فوائد کے لئے گرفتار ہو جاتے ہو۔ اُسی طرح اِس موقع پر بھی وُہ اُن کو یاد دلاتا ہے۔

۵۔ تُم میں ایسا کون ہے جس کا گدھا یا بَیل کُوئیں میں گر پڑے اور وُہ سبت کے دِن اُس کو فوراً نہ نِکالے۔

خُداوند پھر روزمرّہ زندگی کے دستُوروں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مگر ایسی صُورت میں جو اِس مُعجزہ کے ساتھ خاص طَور پر علاقہ رکھتی ہے۔

یعنے لُوقا ۱۳: ۱۶ میں جہاں ایک عورت کے شیطان کے بند میں گرفتار ہونے کا ذکر آتا ہے وہاں گدھے اور بَیل کے کھولنے کی تشبیہ سے اپنا مطلب ادا کرتا ہے۔ اور یہاں چونکہ ایک جلندر کی بیماری کا شکار ہے جس کے پیٹ میں پانی بھرا ہُوا ہے سامنے کھڑا ہے۔ اِس لئے کہ وُہ کوئیں کا ذکر کرتا ہے۔ اِس سے ایک تو عام طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انجیل نویس بڑی خبرداری سے وُہ خاص خاص باتیں جو مسیح کی زبان سے نکلیں تحریر کرتے ہیں اور دُوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص سبت کے مُعجزوں کو دیکھ کر سٹراس کی طرح یہ الزام لگاتے ہیں کہ جو مختلف مُعجزے سبت کے روز واقع ہُوئے وُہ ایک ہی قصّے کے مختلف بیان ہیں بر سرِ راستی نہیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم کے مُعجزات میں سے ہر مُعجزہ اپنی اپنی خصُوصیّتیں رکھتا ہے جس کے سبب سے وُہ دُوسرے مُعجزات سے جو سبت کے روز واقع ہُوئے اِمتیاز کیا جا سکتا ہے ۞

مطلب اِس سُوال کا اِس طرح ادا کیا جا سکتا ہے۔ تُم نہیں چاہتے کہ مَیں سبت کے دِن اُس شخص کو اُس پانی سے جو اُس کا دم بند کر رہا ہے رِہائی دُوں لیکن یہی پانی جو اُسے تکلیف دے رہا ہے جب تُمہارے جانوروں میں سے کسی جانور کی تکلیف کا مُوجِب ہوتا ہے اور تُمہارے گدھے یا بَیل کو خطرے میں ڈالتا ہے تو تُم سبت کی ذرا پروا نہیں کرتے۔ بلکہ اُسے اُس خطرے سے نِکال لاتے ہو۔ پر یاد رکھّو کہ انسان حیوان سے کس قدر بڑھ کر ہے۔ یہ بات سُن کر وُہ چُپ ہو گئے اور ان باتوں کا جواب نہ دے سکے (آیت ۴-۶) دیکھو وُہ چُپ تو ہو گئے۔ مگر صداقت کو وُہ قبول کرنے والے نہ بنے۔ اور اغلب ہے کہ دِل ہی دِل میں بیچین بیچیں بھی ہُوئے ہوں گے۔

مقابلہ کرو متّی ۱۲: ۱۴ ۞

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ مسیح کے نمُونہ سے ہم سیکھتے ہیں کہ ہم کس طرح (۱) سبت کی ضیافتوں میں جائیں۔ (۲) کس طرح سبت کے روز جو خطرے آتے ہیں اُن کا مقابلہ کریں۔ (۳) اور کیونکر سبت کے روز اپنے فرائض ادا کریں ۞

۲۔ دُشمنوں کی سازشیں مسیح کو اُس کے نیک کاموں سے نہیں روکتی ہیں ۞

۳۔ مسیح اُن آہوں کو جو دِل ہی دِل میں رہتی ہیں اور باہر نہیں نکلتی ہیں جانتا ہے۔ اِس جلندر کے بیمار نے اپنی دردانگیز آواز سے ابھی اُس کو اپنی سخت مصیبت سے آگاہ نہیں کیا کہ وُہ خود بخود اُس کے دِل کی آرزُو سے واقف ہو جاتا ہے ۞

۴۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے جانوروں کی خبرداری کریں۔ تاہم ایسا کبھی نہ ہونے پائے کہ ہم اپنی خودغرضی سے اپنے جانوروں کو اپنے ابنائے جنس پر ترجیح دیں ۞

۵۔ مسیح کے دُشمنوں کی خاموشی کے اسباب (۱) یہ خاموشی سخت حسد سے پیدا ہُوئی۔ (۲) نفرت سے پیدا ہُوئی۔ (۳) گھبراہٹ سے پیدا ہُوئی ۞

۶۔ ایک شخص کہتا ہے کہ ہماری ضیافتیں محبّت کی ضیافتیں ہونی چاہئیں پر عموماً دیکھا جاتا ہے کہ پہلا برتن جو دسترخوان پر آتا ہے وُہ جھُوٹ سے لبریز ہوتا ہے۔ یعنے جو اصل مُدّعا ضیافت کا ہوتا ہے وُہی پُورا نہیں ہوتا

۷۔ شقی الطّبع اور کینہ ور لوگوں کے درمیان بھی بھلائی کرنے اور مسیحی خدمت

بجا لانے کا بہتیرا موقع ملتا ہے ⁂

۸- اپنے بھائیوں کی جسمانی مُصیبتوں کے ہلکا کرنے کو لوگ اچھّا جانتے ہیں۔ اگر اُن کے جسموں کو بچانا اچھّا کام ہے تو کس قدر اُن کی رُوحوں کو بچانا زیادہ اچھّا کام ہے ⁂

۹- ہم اپنا سبت کس طرح صرف کریں؟ اِس طرح کہ (۱) ہمارا خُداوند ہمارے درمیان اور ہمارے ساتھ ہو۔ (۲) محبّت کے کاموں میں ہم مشغول ہوں۔ (۳) مسیح کے سامنے سجدہ میں خم ہوں۔ (۴) اُس کی باتیں ہماری زبان پر ہوں ⁂

۱۰- اِس کُل مُعجزے سے (۱) مسیح کی بے قیاس محبّت ٹپکتی ہے۔ (۲) اُس کی بے نظیر حکمت درخشاں ہے۔ (۳) اُس کی خاکسار طبیعت اور سنجیدگی ہویدا ہے +

دس کوڑھیوں کو اچھّا کرنا

لُوقا ۱۷: ۱۱-۱۹

۱۱- اور ایسا ہُوا کہ یروشلیم کو جاتے ہُوئے وُہ سامریہ اور گلیل کے بیچ سے ہو کر جا رہا تھا۔

سامریہ اور گلیل کے بیچ سے ہو کر جا رہا تھا۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ اِن دونوں میں سے ہر ایک کے وسط میں سے گُذرا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو گلیل پہلے آتا۔ لہٰذا مُراد صرف یہ ہے کہ وُہ

اِن دونوں کی سرحدوں کے بیچ سے گُذر رہا تھا ⁂

۱۲- اور ایک گاؤں میں داخل ہوتے وقت دس کوڑھی اُس کو ملے۔

کوڑھ کی بیماری پر ایک پچھلے مُعجزہ کے ضمن میں مفصّل بحث ہو چُکی ہے۔ (لُوقا ۵: ۱۲-۱۶ و متّی ۸: ۱-۴ و مرقس ۱: ۴۰-۴۵)۔

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ کئی کوڑھی ایک جگہ اکٹھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وُہ اپنی مُصیبت اور ضرورت کو محسُوس کر کے ایک جا فراہم ہو گئے تھے۔ اِسی طرح ہم ۲-سلاطین ۷: ۳ میں بھی دیکھتے ہیں کہ چار کوڑھی اپنی ضرورت کے سبب سے آپس میں مِل گئے۔ چُونکہ کوڑھی ناپاک سمجھے جاتے تھے۔ اِس لئے اُن کو تندرستوں سے یعنے اُن سے جو اِس مرض میں مُبتلا نہ تھے۔ ہمیشہ ایک مقرّری فاصلہ پر رہنا پڑتا تھا۔ (دیکھو احبار ۱۳: ۴۶ و گنتی ۵: ۲) کیونکہ کوڑھ رُوحانی ناپاکی اور رُوحانی بیماری کی بلکہ رُوحانی مَوت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اُن کوڑھیوں کو بھی اِس تنہا جگہ میں مسیح کی خبر پہنچ گئی تو ثابت ہوتا ہے کہ اُس کی شُہرت دُور دُور پھیل گئی تھی۔

اگرچہ یہُودیوں اور سامریوں کے درمیان عداوت چلی آتی تھی مگر اِس سخت بیماری کی وجہ سے اُن کوڑھیوں میں قومی امتیاز مِٹ گیا اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سامری کوڑھی یہُودی کوڑھیوں کے ساتھ مِل گیا ماسوائے اِس کے یہ جگہ سرحد پر واقع تھی پس باآسانی دونوں اطراف کے لوگ مِل سکتے تھے ⁂

۱۳- اُنہوں نے دُور کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا۔ اَے یسُوع! اَے صاحب! ہم پر رحم کر۔

اُوپر ہم بتا چُکے ہیں کہ اُن کو ایک مقرّری فاصلہ پر

رہنا پڑتا تھا۔ اُن کو اجازت نہ تھی کہ دُوسرے شخصوں کے پاس جائیں۔ مگر اُن کو یسُوع کی مُعجزانہ قُدرت اور اُس کے رحیمانہ فضل کی خبر مل گئی تھی لہٰذا وُہ دُعا کی آواز بلند کرتے ہیں۔ اِس وقت بڑے سرگرم نظر آتے ہیں اور بڑے جوش سے صحت کے لئے مُلتجی ہیں مگر شفا پاکر سوائے ایک کے سب یہ سرگرمی کھو دیتے ہیں۔ یعنے اچھّے ہو کر اِس جوش وخروش کے ساتھ اُس کا شُکریہ ادا نہیں کرتے۔ پر یہ بتانا ضرُوری معلوم ہوتا ہے کہ گو وُہ خُداوند یسُوع کے مسیح موعُود ہونے کے بارے میں کُچھ نہیں جانتے تھے تاہم اُس کو ایک زور آور نبی مانتے تھے۔ اُن میں ایمان تو تھا لیکن کامل نہ تھا۔ اور خُداوند اُن کے ایمان کی صداقت کے سبب اُن کو پاک وصاف کرتا ہے۔ مگر اس وقت ایک عجیب طریقہ کام میں لاتا ہے کچھ اس لئے کہ بیماروں کے ایمان کو آزمائے اور کچھ اس لئے کہ شاگردوں کو دکھائے کہ شفا بخشی کے کام میں وُہ طرح طرح کے طریقے استعمال کرسکتا ہے ؛

۱۴۔ اُس نے اُنہیں دیکھ کر کہا جاؤ اپنے تئیں کاہنوں کو دکھاؤ۔ اور ایسا ہُوا کہ وُہ جاتے جاتے پاک صاف ہو گئے۔

دو تین باتیں اِس جگہ غور کرنے کے قابل ہیں۔ (۱) یہ کہ وُہ اُن کے ساتھ جو اُس کے پاس صحت کے لئے آتے تھے اپنی عجیب حکمت کے مطابق طرح بہ طرح سلُوک کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی جہاں مضبُوط ایمان دیکھتا تھا دیر کیا کرتا تھا تاکہ ایمان اور بھی مضبُوط ہو جائے۔ اور کبھی کبھی کمزور ایمان کو دیکھ کر نہائت ملائمت سے پیش آتا تھا تاکہ وُہ آزمائش میں گرفتار ہو کر کافور نہ ہو جائے۔ کسی کو پہلے مُعاف کرتا ہے اور پھر تندرُست کرتا ہے۔ اور کسی کو پہلے اچھّا کرتا ہے کیونکہ اپنی حکمت

سے دیکھتا ہے کہ اُس میں ایمان کی اعلےٰ برکت اِسی طرح پیدا کی جاسکتی ہے۔ اور پھر اُسے مُعاف کرتا ہے۔ (۲) دُوسری بات غور طلب یہ ہے کہ وُہ اُن کوڑھیوں کے ایمان کو آزماتا ہے۔ دیکھو ابھی شفا کے آثار نمایاں نہیں ہونے پاتے کہ وُہ اُن کو کاہنوں کے پاس بھیجتا ہے گویا یہ طلب کرتا ہے کہ وُہ ایمان سے اِس بات کو مانیں کہ وُہ حقیقت میں اچھّے ہو گئے ہیں۔ اور اُنہوں نے اُس کی بات کو مان لیا کیونکہ حُکم کے ساتھ ہی وُہ اپنے تئیں کاہنوں کو دکھانے کے لئے روانہ ہُوئے یا یُوں کہیں کہ وُہ اُن کو ایسا کام کرنے کو کہتا ہے جس کی حقیقت کا کوئی ظاہری نشان اب تک پیدا نہیں ہُوا۔ مگر وُہ ایمان سے اُس کی بات کو مان لیتے ہیں۔ (۳) پر گو اُن سب میں ایمان کا آغاز سا تو نظر آیا مگر صرف ایک میں کمالیّت کو پُہنچا۔ اِس میں شک نہیں کہ اُن سب نے مسیح کی بات کو سچ مانا کیونکہ اگر نہ مانتے تو کاہنوں کے پاس نہ جاتے۔ وُہ خُوب جانتے تھے کہ کاہن شفا نہیں دے سکتے۔ اُن کا صرف یہ کام ہے کہ جب کوئی تندرُست ہو جائے تو اُس کی بابت چند رسُومات کی تعمیل کے بعد سب کے سامنے منادی کردیں کہ یہ شخص تندرُست ہو گیا ہے۔ اور بس۔ تاہم سوائے ایک کے اور کسی میں پُورا ایمان نہیں پایا جاتا تھا۔ جہاں سچّا اور کامل ایمان ہوتا ہے۔ وہاں نہ صرف مسیح کی بات درُست مانی جاتی ہے بلکہ اُسی پر سچّا بھروسہ اور تکیہ بھی کیا جاتا ہے کیونکہ ایماندار اُسی کو سب برکتوں کا چشمہ سمجھتا ہے۔ (۴) اس میں اُن کی شُکر گزاری اور ناسپاسی کے پرکھنے کا مطلب بھی چھپا ہُوا تھا۔ اگر اُن کو اُسی وقت جبکہ اُنہوں نے درخواست کی تھی اور اُسی جگہ جہاں درخواست کی تھی شفا مِل جاتی تو اُن کے لئے شُکر گزاری ادا کرنا کچھ مُشکل نہ ہوتا۔ مگر دُور

سے لوٹ کر آنا اور شکر گزاری ادا کرنا جب کہ وہ خود پاس نہ تھا اور نہ کوئی دوسرا شخص اُن کو مجبور کرنے والا تھا بڑی ہمت کا کام تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت اُنہوں نے صحت کے آثار محسوس کرنے شروع کئے اُس وقت کسی قدر دُور نکل گئے تھے۔ گو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کتنی دُور نکل گئے تھے ۔

(۵) خداوند مسیح اس جگہ شریعت کے احکام کی عزت کرتا ہے۔ تاکہ وہ جو اپنے تئیں اُس کے محافظ بتاتے ہیں کسی طرح کی حرف گیری نہ کر سکیں۔ دیکھو احبار ۱۳: ۲ بمقابلہ ۱۴: ۲ ۔

۱۵و۱۶۔ پھر اُن میں سے ایک یہ دیکھ کر کہ میں شفا پا گیا بلند آواز سے خدا کی تمجید کرتا ہوا لوٹا۔ اور منہ کے بل یسوع کے پاؤں میں گر کر اُس کا شکر کرنے لگا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مسیح کے حکم کے مطابق پہلے یروشلیم کو گیا اور جب کاہنوں نے اُس کو دیکھ لیا اور وہ اپنی قربانی چڑھا چکا اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ اچھا ہو گیا ہے تب لوٹ کر آیا۔ لیکن عبارت سے کوئی اس قسم کا خیال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ برعکس اس کے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جب وہ کوڑھی کچھ فاصلہ طے کر گئے اور صحت کے آثار اُن کو دکھائی دینے لگ گئے تب یہ شخص شکر گزاری کی روح سے بھرا ہوا واپس آیا تاکہ خدا کی بڑائی اور اپنے شفا بخشنے والے کا شکریہ ادا کرے۔ جس طرح نعمان الیشع کے پاس واپس آیا کہ اپنا ہدیہ گذرانے (۲ سلاطین ۵: ۱۵) اُسی طرح یہ شخص بھی اپنے پاک صاف کرنے والے کے پاس آیا۔ مگر باقی نو کبھی نہ لوٹے۔ چاہیئے تھا کہ وہ بھی لوٹ کر آتے اور اُس کے پاؤں پر گرتے مگر اُنہوں نے کبھی

اس بات کا خیال نہ کیا۔ یہ گناہ کیسا عام اور عالمگیر ہے؟ ایک بزرگ نے خوب کہا ہے کہ جس طرح یہ لوگ پہلے مسیح کی مدد کے لئے اپنا منہ کھول کر چلاتے تھے اُسی طرح ہم بھی" اپنا منہ جب تک کہ خداوند اپنی برکتوں کا ہاتھ دراز نہیں کرتا کھولے رکھتے ہیں۔ مگر جب برکت مل جاتی ہے تو ایسے خاموش اور بے پرواہ ہو جاتے ہیں کہ گویا اس برکت نے ہمارا منہ بالکل بند کر دیا ہے"۔

اور وہ سامری تھا۔ چونکہ سامری یہودیوں کے نزدیک غیر قوموں سے بہت بہتر نہیں سمجھے جاتے تھے۔ لہذا لوقا کی انجیل میں جو کہ غیر قوموں کے لئے لکھی گئی اس بات کا مذکور کہ "وہ سامری تھا" خالی از دلچسپی نہیں۔ یہ سامری جو غیر قوموں کے برابر سمجھا جاتا تھا لوٹ کر شکر گزاری کے لئے آیا اور بڑی بڑی برکتوں کا وارث ہوا۔ مگر وہ جو یہودی ہونے کے سبب وعدے کے فرزند اور ابراہیم کی اولاد تھے اُن میں سے کوئی واپس نہ آیا۔ کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہودی اپنی ناشکری کے سبب خدا کی بادشاہت سے خارج ہو سکتے ہیں۔ اور غیر قوم اپنے ایمان سے اُس کی لازوال برکتوں میں شریک ہو سکتے ہیں اس شخص کی شکر گذاری راست قسم کی تھی۔ وہ پہلے خدا کی تمجید کرتا ہے اور پھر اپنے شفا بخشنے والے کے پاؤں پر گرتا ہے

۱۷و۱۸۔ یسوع نے جواب میں کہا کہ کیا دسوں پاک صاف نہ ہوئے؟ پھر وہ نو کہاں ہیں؟ کیا اس پردیسی کے سوا اور نہ نکلے جو لوٹ کر خدا کی تمجید کرتے؟

خداوند جو خود جانتا ہے کہ انسان میں کیا ہے۔ اور جو بار بار اپنے محسنوں کی ناشکری اور ناسپاسی دیکھ چکا ہے اُن نو کوڑھیوں

کی ناشکری سے متعجب ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ "کیا دسوں پاک صاف نہ ہوئے؟ پھر وہ نو کہاں ہیں"؟ گویا وہ خدا کی تمجید اور توصیف کی اُمید اُن لوگوں سے زیادہ رکھتا ہے جو وعدوں کے وارث اور اسرائیل کی جمہوری سلطنت میں شامل ہیں جو پردیسی نہیں کیونکہ وہ خدا کے لوگ اور اُس کے خاندان میں شامل ہیں۔ یہاں یہودیوں اور سامریوں کا مقابلہ پایا جاتا ہے۔ "وہ نو کہاں ہیں"؟ کیا ان لفظوں میں سے ایک افسوسناک صدا نہیں آتی؟ ہمارا خداوند ایک افسوسناک سرگرمی سے اِن نو شفایافتہ کوڑھیوں کا حال دریافت کرتا ہے۔ ہم یہ خیال نہ کریں کہ خداوند اس جگہ اپنی عزت کا خواہشمند ہے وہ اپنی عزت کی اتنی پرواہ نہیں کرتا جتنا اُس کو اس بات کا خیال ہے کہ خدا کی وہ شکرگزاری جو اپنے انسانی محسنوں اور فیض رسانوں کی طرف مخاطب ہو کر ایک کلمہ بھی نہیں کہتی دل سے پیدا نہیں ہوتی اِس سامری نے خدا کی حقیقی بڑائی کی۔ وہ اُس کے پاؤں پر جس نے اُس کو شفا بخشی تھی آ گرا۔ مسیح خوب جانتا تھا کہ یہودیہ میں میرے برخلاف کیسی سازشیں ہو رہی ہیں۔ مگر باوجود اس علم کے وہ پھر اِس جگہ جو گلیل کی سرحد پر واقع تھی اپنی شفا بخش محبت کو آشکارا کرتا ہے پر اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اب حالت بہت بدل گئی ہے۔ کیونکہ ایک دفعہ پہلے جب صرف ایک کوڑھی اچھا کیا گیا تھا تو سینکڑوں زبانیں اُس کی تعریف میں زمزمہ پرداز ہوئیں۔ مگر اب دس پاک صاف کئے گئے اور اُن میں سے نو بے پرواہ نکلے۔ اور اُن میں سے کسی نے ایک لفظ شکریہ میں نہ کہا اور نہ گاؤں کے لوگوں میں سے کسی نے اُس کی محبت اور قدرت کو پہچانا۔ وہ اِس آخری سفر میں بھی شریعت اور کہانت کی عزت کرتا ہے۔ مگر لوگ پھر بھی بدسلوکی سے پیش

آتے ہیں۔ اِس بات کا احساس ہمارے خداوند کے دل کو افسوس سے بھر دیتا ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنے تئیں اُن کوڑھیوں کو پاک صاف کر کے ہمدرد سردار کاہن ثابت کیا۔ مگر اب لوگوں کی بیقدری اور بے پروائی کے وسیلے دیکھتا ہے کہ لوگ اپنے مسیح موعود کی حقارت کرتے ہیں۔ لہٰذا اُس کے کلام سے ایک قسم کا افسوس اور ایک قسم کا شکوہ ٹپکتا ہے۔ اور اُس کا شکوہ بے جا نہیں کیونکہ جب ہم اِس معجزے کی بے نظیر خاصیت پر غور کرتے اور ساتھ ہی اِس بات کو سوچتے ہیں کہ جنہوں نے شفا پائی وہ کسی طرح کا استحقاق نہیں رکھتے تھے۔ اور نیز جب اُس برکت کی عظمت کو جو اُنہیں ملی دیکھتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ اُس کی شکایت بجا تھی۔ مگر یہی شکایت جو ایک طرف اُس کے دلی رنج اور افسوس کو ظاہر کرتی ہے دوسری جانب اُس آدمی کی شکرگزاری کی تعریف کرتی ہے جو خدا کی بڑائی کرتا ہوا لوٹا اور اُس کے پاؤں پر گرا۔

۱۹۔ پھر اُس سے کہا اُٹھ کر چلا جا تیرے ایمان نے تجھے اچھا کیا ہے۔

یہی اکیلا اِن مبارک الفاظ کو سُننے کی برکت سے مالامال ہوتا ہے۔ اُسے شروع میں ایک ادنیٰ برکت یعنے جسم کی صحت نصیب ہوئی مگر اُس نے اپنے شفا بخشنے والے کی بزرگی ظاہر کی اور اُس کا شکریہ ادا کیا۔ اُس کے صلہ میں اُس کو بڑی برکت ملی اُس کی رُوح کا کوڑھ بھی جاتا رہا۔ اُس کا لوٹ کر مسیح کے پاس آنا۔ اُس کا خدا کی بڑائی اور تمجید کرنا۔ اُس کا مسیح کے پاؤں پر گرنا اور مسیح کا اُسے قبول کرنا اور اُس کی طرف مخاطب ہو کر یہ فرمانا "تیرے ایمان نے تجھے اچھا کیا" وغیرہ یہ سب باتیں ظاہر کرتی

ہیں کہ نہ صرف اُس کے جسم کا کوڑھ دُور ہُوا بلکہ اُس کا رُوحانی کوڑھ بھی جاتا رہا۔ کئی مفید باتیں ہم اِس بیان سے سیکھ سکتے ہیں (۱) یہ کہ ہم ایمان لائیں کہ مسیح ہمارے کوڑھ کو دُور کر سکتا ہے ہم اُس کے کلام کو سچّا سمجھیں یعنے جب وُہ یہ کہتا ہے کہ جو کوئی مجھ پر ایمان لاتا ہے ہلاک نہ ہوگا بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائیگا تو ہم اُس کی بات کو مانیں۔ اُس کی رُوح پاک کی قُدرت پر جو ہماری کمزوریوں اور بیماریوں اور ناپاکیوں کو دُور کرنے والی رُوح ہے ایمان لائیں اور اُسے اپنے دِلوں میں قبُول کریں۔ اور جو وسائل فضل کے اُس نے ہماری رُوحانی زندگی کی تقوّیت کے لئے مقرّر کئے ہیں اُنہیں کام میں لائیں اگر ہم ایسا کریں تو جو اُس کا وعدہ ہے وُہ پُورا ہوگا۔ (۲) دُوسری بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ ہم کبھی اپنی پہلی بیماریوں کو جن سے مسیح نے ہم کو شفا بخشی ہے بھُول نہ جائیں۔ اِن نَو کوڑھیوں نے اپنے کوڑھ کو یاد نہ رکھّا۔ وُہ گویا یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ہم کبھی بیمار ہی نہیں ہُوئے۔ پر لازم ہے کہ ہم اپنی پہلی آزمائشوں کو اور پہلی تکلیفوں کو ہمیشہ یاد رکھّیں تاکہ وُہ ہمیں اُس کے پاؤں کے پاس لائیں جس نے ہم کو گُناہ کے کوڑھ سے رہائی دی ✣

نصیحتیں اَور مفید اشارے

۱۔ ایمان کی آنکھ وُہ آنکھ ہے جو اِس بات کو پہچانتی ہے کہ یسُوع مسیح (۱) نہ صرف ہمارے کوڑھ کو دُور کرنے کی قُدرت رکھتا ہے۔ (۲) بلکہ اُسے دُور کرنے کے لئے رضامند بھی ہے۔

۲۔ وُہ ہمارے ایمان کو (۱) خُوشی سے دیکھتا ہے۔ (۲) عجیب طرح سے آزماتا ہے۔ (۳) پر کبھی شرمندہ نہیں ہونے دیتا۔ دیکھو

اِن کوڑھیوں کے ایمان کو اُس نے دیکھا۔ آزمایا اَور اپنی شفا بخشی سے مالامال فرمایا ✣

۳۔ خُداوند یسُوع مسیح کی مدد کا مطلب اَور مقصد یہ ہے کہ (۱) ہم اِس بات کو پہچانیں کہ سچّی مدد کا منبع وُہی ہے۔ (۲) ہم اُس کی مدد کو شکر گزاری کے ساتھ قبُول کریں۔ (۳) اور اُس کے وسیلے پاکیزگی میں ترقّی کریں۔ اِن کوڑھیوں میں سے صرف ایک نے اِس مطلب کو پہچانا ✣

۴۔ کوڑھی۔ (۱) اُن کی بیماری گُناہ کی ناپاکی اور بربادی کا ایک نمُونہ تھی۔ (۲) اُن کی دُعا (ل) متحدہ تھی (ب) سرگرم تھی۔ (۳) جو حُکم اُن کو ملا۔ وُہ (ل) ایسے وقت ملا جبکہ ہنُوز اچھے نہیں ہُوئے تھے (ب) اِس عجیب حُکم کی فرمانبرداری فوراً کی گئی۔ (ج) اس فرمانبرداری کا نتیجہ اُن کی شفا میں نظر آیا۔ (۴) جو شکر گزاری اُن میں سے ایک کوڑھی نے ادا کی (ل) کلام اُس کو قلمبند کرتا ہے۔ (ب) مسیح اُس کو زیادہ برکت دیتا ہے ✣

۵۔ ایک توجّہ طلب سُوال۔ نَو کہاں ہیں؟ اِس سُوال سے اَور کئی سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) شفا پانے سے پہلے وُہ کہاں تھے؟ (۲) اَب کہاں ہیں؟ (۳) بعد میں کہاں ہوں گے؟ دس میں سے صرف ایک لَوٹا اَور نَو چلے گئے۔ کیوں؟ اپنی ناشکری کے سبب۔ شاید اَب بھی یہی نسبت پائی جاتی ہے۔ یعنے ہر دس میں سے مُشکل سے ایک شکر گزار ملتا ہے۔ یہ نَو کوڑھی شائد جلد جلد جاکر اپنے دوستوں کو خُوشی کی خبر دینا چاہتے تھے کہ ہم اچھّے ہوگئے ہیں۔ یا شائد وُہ ہیکل میں جاکر ضرُوری رسُومات کو جلد جلد ادا کرنا چاہتے تھے تاکہ اُن سوشل حقُوق کو جو بسبب بیماری کے چھِن گئے تھے۔

پھر واپس، پائیں لیکن اُن میں سے ایک اِن سب باتوں کو بھُول جانا اور صِرف ایک ہی بات یاد رکھتا ہے اور وُہ یہ کہ اپنے شفا بخشنے والے کا شُکریہ ادا کرے۔ اور اس کے صِلہ میں اُس نے زیادہ برکت پائی چنانچہ خُداوند مسیح نے اُسے فرمایا "تیرے ایمان نے تجھے اچھّا کیا"۔

۶۔ مقابلہ۔ اِن کوڑھیوں کی سرگذشت سے معلوم ہوتا ہے (۱) کہ اگر ایک طرف غائت درجہ کی تکلیف یا دُکھ ہے تو اُس کے مقابل میں دُوسری طرف غائت درجہ کی رحمت بھی ہے۔ (۲) بہت لوگ غائت درجہ کے ناشُکر گذار ہیں۔ صرف ایک غائت درجہ کا شُکر گُذار ہے۔ (۳) اسرائیلی اپنی ناشُکری کے سبب اعلیٰ برکت سے محرُوم رہتے ہیں۔ مگر ایک اجنبی بڑی برکت سے مالامال ہوتا ہے۔

۷۔ سچّی شکر گذاری (۱) خُدا کی برکتوں کا اقرار کرتی (۲) تعریف اور تمجید کے گیتوں میں ظاہر ہوتی (۳) مسیح کے پاؤں پر گِر کر فروتنی کے پیرایہ میں اپنے تئیں آشکارا کرتی ہے۔

۸۔ خُداوند کے حیرت افزا احکام کا مقصد سوائے اس کے کہ اُس کے بندوں کا ایمان زیادہ مضبُوط ہو اور کُچھ نہیں ہوتا دیکھو کوڑھی ابھی اچھّے نہیں ہُوئے کہ وُہ اُنہیں حُکم دیتا ہے کہ تُم جاکر اپنے آپ کو کاہن کو دکھاؤ۔ مگر اسی عجیب حُکم میں اُن کے ایمان کی تقویّت اور جسموں کی صِحت کا وعدہ نہاں تھا۔ اِس سے ہم یہ بھی سیکھتے ہیں کہ جو کُچھ مسیح کے قول کے مطابق ایمان سے کِیا جاتا ہے وُہ بے نتیجہ نہیں رہتا۔

۹۔ خُدا کی شُکرگزاری حقیقت میں مسیح کی شُکرگزاری کے وسیلے ادا ہوتی ہے۔

۱۰۔ جو خُدا کی برکت کی قدر کرتے وُہ زیادہ برکت پاتے ہیں۔

۱۱۔ ہمارا ایمان (۱) مناجات کے وقت فروتن ہو (۲) برکت کے چشمہ کے حضُور آنے میں دلیر ہو۔ (۳) شُکرگُذاری ادا کرنے میں بشاش ہو۔

۱۲۔ ہم شمار کی کثرت کی پرواہ نہ کریں۔ نو ناشُکروں کی سنگت چھوڑ کر ایک شُکرگذار کی صُحبت اختیار کرنا بہتر ہے۔

۱۳۔ تین سُوال (۱) مسیح ہم کو کِس بیماری سے پاک کرتا ہے۔ (۲) کِس طرح پاک کرتا ہے؟ (۳) اور کِس واسطے پاک کرتا ہے؟

۱۴۔ دیکھو خُداوند کِس طرح لوگوں کی ناشُکرگذاری کی شکایت کرتا ہے؟ کیا یہ شکایت ہم پر بھی عائد ہوتی ہے یا ہم اُس کی رحمتوں کے سبب اُس کے پاؤں پر گِر کر اُس کے نام کی تمجید کرتے ہیں۔

سورفنیکی عورت کی لڑکی کا شفا پانا

متّی ۱۵: ۲۱-۲۸ مرقس ۷: ۲۴-۳۰

۲۱۔ پھر یسُوع وہاں سے نِکل کر صور اور صیدا کے علاقہ کو روانہ ہُوا۔

وہاں سے۔ غالباً کفرِ نحُوم سے نِکل کر۔

اُس کے جانے کا سبب یہ تھا کہ ایک تو چوتھائی مُلک کا حاکم ہیرودیس اُس سے حسد کرتا تھا (متّی ۱۴: ۱) اور پھر فریسی بھی اُس کی جان کے درپے تھے (متّی ۱۲: ۱۴ و ۱۵: ۱ و ۱۲) لہٰذا وُہ

مجبور ہُوا کہ دُوسری جگہ جا کر جو کہ ہیرودیس کی حدُود سے باہر تھی پناہ گزین ہو ٭

لیکن اِس سفر کے متعلّق جو بات زیرِ بحث ہے وُہ یہ ہے کہ آیا ہمارا خُداوند اِس موقعہ پر صرف صور اور صیدا کی حدُود تک پہنچا یا مُلک فنیکی کے اندر بھی داخل ہُوا ۔ یا جن لفظوں کے سبب بحث برپا ہوتی ہے وُہ الفاظ "علاقے" متّی ۱۵ : ۲۱ اور "سرحدوں" مرقس ۷ : ۲۴ و ۳۱ و متّی ۱۵ : ۲۲ ہیں ۔ جس لفظ کا ترجمہ علاقہ کیا گیا ہے اُس کے اصل معنے "حِصّوں" یا "ٹکڑوں" کے ہیں ۔ مطابق اِس ترجمہ کے آیت کو گویا اس طرح پڑھنا چاہئے "پھر یسُوع وہاں سے نِکل کر صور اور صیدا کے حِصّوں کو روانہ ہُوا" ۔ البتّہ اِس کا مطلب صور اور صیدا کے علاقہ ہی سے ہے ۔ پُرانے ترجمہ میں اطراف آیا ہے ٭

اَب بعض لوگ تو یہ مانتے ہیں کہ ہمارا خُداوند یہُودیوں کے مُلک کی سرحدوں سے پرے کبھی نہیں گیا ۔ وُہ متّی کے "علاقے" کو جو آیت ۲۱ میں آیا ہے متّی کی سرحدوں کے ساتھ جو آیت ۲۲ میں مستعمل ہے اور مرقس کی "سرحدوں" کے ساتھ جو مرقس ۷ : ۲۴ میں مذکور ہے مقابلہ کر کے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وُہ صرف سرحدوں تک پہنچا ۔ مگر صور اور صیدا کے علاقہ میں نہیں گیا ۔ اَور اس کی تائید میں یہ کہتے ہیں کہ اُس کا شخصی کام صرف یہُودی مُلک کے ساتھ مخصُوص تھا ۔ اَور کہتے ہیں کہ ماسوائے اِس کے صاف بتایا گیا ہے کہ جو عورت اس وقت اُس کے پاس آئی وُہ سرحدوں سے نِکل کر آئی تھی ٭

لیکن جو یہ مانتے ہیں کہ وُہ صور اور صیدا کے علاقہ میں داخل ہُوا

اپنے دعوے کے ثبُوت میں کہتے ہیں کہ متّی ۱۵ : ۲۱ میں "سرحدوں" کا لفظ نہیں آیا بلکہ "حِصّوں" کا لفظ آیا اور اُس کے معنی سرحد کے نہیں ہوتے ۔ بلکہ جہاں جہاں اَور جگہ یہ لفظ اِستعمال کیا گیا ہے وہاں علاقہ کے معنے دیتا ہے ۔ مثلاً مفصّلہ ذیل مقامات میں یہی لفظ آیا ہے (متّی ۲ : ۲۲ و ۱۶ : ۱۳ ۔ مرقس ۸ : ۱۰ و اعمال ۲ : ۱۰ ۔ ۱۹ : ۱ و ۲۰ : ۲) اور اِن مقاموں میں کِسی جگہ اِس سے سرحد مُراد نہیں ۔ اِس خیال کے ماننے والے اِس مُشکل کو محسُوس کرتے ہیں کہ متّی جو لفظ استعمال کرتا ہے اُس سے تو مُلک کا اندرُونی حِصّہ مُراد لیا جا سکتا ہے مگر مرقس ۷ : ۲۴ میں صاف "سرحدوں" کا لفظ کام میں لاتا ہے ۔ مگر اس دِقّت کو دُور کرنے کے لئے وُہ مرقس ۷ : ۳۱ پیش کرتے ہیں جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ مسیح "پھر صور کی سرحدوں سے نِکل کر صیدا کی راہ سے دکپُلس کی راہ ہوتا ہُوا گلیل کی جھیل پر پہنچا" گویا صور کی سرحدوں سے نِکلنا اَور صیدا کی راہ سے جانا ثابت کرتا ہے کہ وُہ مُلک فنیکی کے اندرُونی حِصّہ سے گُذرا ۔ وُہ لوگ جو مسیح کے صور اَور صیدا کے علاقہ میں داخل ہونے کو مانتے ہیں کہتے ہیں کہ وُہ وہاں پر کام کرنے نہیں گیا تھا ۔ لہٰذا یہ کہنا کہ چُونکہ وُہ بذاتِ خود صرف بنی اسرائیل میں کام کرنے آیا تھا صور اور صیدا کے علاقہ میں جا نہیں سکتا تھا بڑا زبردست اعتراض نہیں ٭

صور اور صیدا ۔ ہمارے خُداوند نے ان شہروں کے علاقہ کو غالباً اِس لئے چُن لیا کہ وُہ نزدیک تھا ۔ اور یہ شہر اُس شرارت کے لئے جو بڑے بڑے شہروں میں ہُوا کرتی ہے مشہُور تھے ۔ اَور یہاں بعل کی پُوجا کی جاتی تھی ۔ اِن شہروں کی شرارت کا ذکر اکثر یُوایل ۔ عامُوس ۔ یسعیاہ اَور یرمیاہ نے کیا ہے ۔ اَور

خاص کر صور کی بربادی کا حزقی ایل نے کیا ہے (باب ۲۶ و ۲۸)۔

۲۲۔ اور دیکھو ایک کنعانی عورت اُن سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہنے لگی اَے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر۔ ایک بدروح میری بیٹی کو بہت ستاتی ہے۔

مرقس اِس سے پہلے یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ "ایک گھر میں داخل ہوا اور نہ چاہتا تھا کہ کوئی جانے مگر پوشیدہ نہ رہ سکا"۔ (مرقس ۷: ۲۴) جس طرح مُشک چھپا نہیں رہتا بلکہ اُس کی مہک ہر جگہ پھیل جاتی ہے اُسی طرح خداوند مسیح بھی چھپ نہیں سکتا تھا۔ اور جن لوگوں کو اُس کی شمیم خلق نے اپنی طرف کھینچا اُن میں سے یہ ایک عورت تھی۔ متّی کہتا ہے کہ یہ عورت کنعانی تھی۔ اور مرقس بتاتا ہے کہ وہ یونانی اور قوم کی سورفینیکی تھی۔ (مرقس ۷: ۲۶)۔

قدیم زمانہ میں فینیکی کنعانی کہلاتے تھے (قاضی ۱: ۳) یعنی وہ اُس قوم سے علاقہ رکھتے تھے جنہوں نے بعد میں اُس تمام سرزمین کو کنعان کا نام دیا۔ اغلب ہے کہ یہودی یہ نام فینیکی کے تمام باشندوں کو دیتے رہے گو اُن میں سے جو بعد میں آ کر بسے کئی مختلف قوموں کے ہونگے متّی کی انجیل کے پڑھنے والے جو بالتخصیص یہودی تھے فوراً لفظ "کنعانی" سے سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ عورت غیر قوموں میں سے تھی۔ لیکن مرقس جو غیر قوموں کے لئے لکھ رہا ہے بتاتا ہے کہ وہ یونانی تھی اور قوم کی سورفینیکی تھی۔ ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں کہ پہلے لفظ سے اُس کا مذہب اور دوسرے سے اُس کا حسب نسب ظاہر ہوتا ہے اور سورفینیکی اس واسطے کہا کہ لبیا اور کارتھج کے فینیکوں سے امتیاز کی جائے۔

سرحدوں سے نکلی۔ یعنی صور وغیرہ کے علاقہ سے نکلی اور پکار کر کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زور سے چلاّتی تھی اور اُس کی تصدیق شاگردوں کے الفاظ سے ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں "ہمارے پیچھے چلاّتی ہے"۔ مرقس کے بیان سے جو مسیح کے ایک گھر میں داخل ہونے کا ذکر کرتا ہے اور پھر اُس عورت کے فی الفور آنے کا حال رقم کرتا ہے ایسا خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ گویا خداوند مسیح کی اور اُس عورت کی ملاقات اُس گھر میں ہوئی جہاں وہ اُترا ہوا تھا۔ مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ متّی کی تحریر کے مقابلہ میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ اِس علاقہ میں آ کر پہلے وہ ایک گھر میں اُترا۔ اور پھر جب ایک دن اپنے شاگردوں کے ساتھ جا رہا تھا تو یہ عورت مدد کے لئے چلاّتی ہوئی اُس کے پیچھے ہو لی۔

مجھ پر رحم کر۔ غور طلب بات ہے کہ یہ عورت یہ نہیں کہتی کہ میری لڑکی پر رحم کر بلکہ یہ کہتی ہے کہ مجھ پر رحم کر۔ اُس کی بیٹی کا دُکھ گویا اُس کا دُکھ ہے۔ کیا ہم اپنے بیٹے اور بیٹیوں کے رُوحانی امراض کے لئے ایسے رنجیدہ اور غمگین ہیں کہ گویا ہم خود بیمار ہیں۔ اور خداوند مسیح کے پاس بار بار جا کر کہتے ہیں کہ اَے خداوند مجھ پر رحم کر۔ میرے بیٹے یا بیٹی کو یہ بیماری ہے۔

ابن داؤد۔ اِن لفظوں کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خداوند کو مسیح موعود سمجھتی تھی۔ اور یہ علم اُس کے لئے ناممکن نہ تھا کیونکہ وہ یہودیوں کے مُلک کے پاس رہتی تھی۔ اور غالباً سارپت کی عورت کی طرح سچے خدا کی بندگی اور عبادت کرنے والی تھی۔ اور تعجب نہیں کہ وہ اُن لوگوں کے ساتھ جو صور اور صیدا سے گئے تھے (مرقس ۳: ۸) گئی ہو۔ اور خداوند کی باتوں کو سُنا ہو

ایک بد رُوح میری بیٹی کو بہت ستاتی ہے۔ مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ لڑکی "چھوٹی" تھی۔ چنانچہ وُہ کہتا ہے "جس کی چھوٹی لڑکی میں ناپاک رُوح تھی"۔ (مرقس ۷: ۲۵) ناپاک رُوحوں پر ہم پہلے ایک دو جگہ بہت کچھ لکھ چکے ہیں ❊

۲۳۔ مگر اُس نے اُسے کچھ جواب نہ دیا۔ اور اُس کے شاگردوں نے پاس آکر اُس سے یہ عرض کی کہ اُسے رخصت کر دے کیونکہ وُہ ہمارے پیچھے چلّاتی ہے۔

وُہ عورت اُس کی شہرت سُن کر آئی تھی۔ اُس نے سُنا ہوگا کہ ابنِ آدم رحمت اور فضل مجسّم ہے۔ اور جو اُس کے درِ دولت پر جاتا ہے خالی ہاتھ نہیں لَوٹتا۔ بلکہ وُہ خود دعوت دیتا ہے کہ جو تھکے اور بڑے بوجھ سے دبے ہُوئے ہیں میرے پاس آئیں اور مَیں اُنہیں آرام دُونگا۔ لیکن یہاں آکر وُہ دِگرگوں حالت پاتی ہے۔ وُہ اُس کی بات کا جواب تک نہیں دیتا۔ ٹرنچ صاحب اِس موقعہ پر بزرگ کری سا سٹم کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ اور وُہ یہ ہیں "وُہ کلمہ ایک کلمہ نہیں بولتا۔ چشمہ فیض گویا بند ہو گیا ہے۔ حکیم اپنی ادویات کے دینے سے دریغ کرتا ہے"۔ شاگرد اُس سے عرض کرتے ہیں کہ اُسے رخصت کر دے۔ ٹرنچ صاحب کہتے ہیں کہ گویا وُہ اپنے تئیں اپنے خداوند سے زیادہ نرم دِل اور کریم النّفس ظاہر کرتے ہیں۔ وُہ گویا یہ کہتے ہیں کہ اُس کی مِنّت کو سُن اور اُسے جانے دے مگر اُس کے ساتھ ہی وُہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ درحقیقت اُن کی یہ درخواست خود غرضی پر مبنی تھی وُہ نہیں چاہتے تھے کہ اُس کے چلّانے سے لوگ اُن کی طرف متوجّہ ہو کر اُن کو تکلیف دیں۔ یا وُہ کسی طرح معرضِ خطر میں گرفتار ہو جائیں۔

کیا ہم اِس سے یہ نہیں سیکھتے کہ ایک قسم کی وُہ مدد یا خیرات بھی ہے جس میں دِلی محبّت شامل نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس کی جڑ میں یہ غرض نہاں ہوتی ہے کہ مدد دینے والا اپنا پیچھا چھُڑائے۔ جس طرح بے انصاف قاضی نے بیوہ کا انصاف اِس ڈر کے مارے کیا کہ اگر وُہ بار بار آتی رہی تو مُجھے حیران کر دیگی اسی طرح بہت دفعہ غریبوں کی مدد کی جاتی ہے تاکہ ہم خود آرام پائیں ❊

ایک شخص نے خُوب کہا ہے کہ اگر سچ پُوچھا جائے تو شاگردوں کی یہ درخواست بجائے اِس کے کہ اِس عورت کے حق میں مفید ہے درحقیقت اُس کے برخلاف تھی کیونکہ وُہ اُسے رخصت کرنے کو کہتے ہیں۔ دُوسرے پُرمعنی الفاظ میں یُوں کہیں کہ وُہ اُس سے دُعا کرتے ہیں کہ وُہ اُسے روانہ کر دے۔ ہم کئی باتیں اِس عورت کے برخلاف پاتے ہیں جو ایمان کو گویا ایک طرح چکنا چُور کرنے والی تھیں مسیح کی ظاہری بے توجہی اُس کے برخلاف تھی۔ شاگردوں کی دُعا اُس کے برخلاف تھی اور مسیح کا جواب جو بعد میں اُس کو مِلتا ہے وُہ بھی سراسر ہمّت کو پست کرنے والا تھا۔ مگر پھر بھی یہ عورت بے دِل نہیں ہوتی ❊

مسیح کی خاموشی اور عورت کا چلّانا غور طلب مقابلہ ہے۔ اِس سے عورت کے ایمان نے ترقی کی۔ اور وُہ مضبُوط اور ظاہر ہُوا اب بھی یہی حال ہے۔ اگر ہم خُداوند کی حکمت اور محبّت پر بھروسہ رکھ کر مانگتے جائیں تو وُہ جو کچھ ہمارے لئے بہتر سمجھے گا ہمیں دے گا۔ جب وُہ جواب دینے میں دیر کرتا ہے تو اُس وقت بھی اُس کو ہماری بہتری مدِنظر ہوتی ہے۔ شاگردوں نے مسیح کی ظاہری بے توجہی کی حکمت اور محبّت کو نہ پہچانا ❊

۲۴۔ اُس نے جواب میں کہا کہ مَیں اِسرائیل کے

خُداوند اُس کو وُہی جواب دیتا ہے اور زیادہ سختی کے ساتھ جو اُس نے شاگردوں کو دیا تھا چُنانچہ

۲۶۔ اُس نے جواب میں کہا کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کُتّوں کو ڈال دینا اچھّا نہیں۔

اَب ہمارا خُداوند جیسا ہم نے اُوپر کہا اِس عورت کو بھی یہی بتاتا ہے کہ مسیح کی بادشاہت کے فوائد یہُودیوں کے ساتھ خاص ہیں البتّہ اِس کا مطلب جیسا ہم اُوپر بتا آئے ہیں یہی تھا کہ اُس کی شخصی خِدمت اِسی قوم کے لوگوں کے درمیان محدُود تھی۔ زاں بعد اُس کے شاگردوں کے وسیلے مسیحی برکتیں اور قوموں کے پاس پہنچنے کو تھیں ؞

خُداوند مسیح جان بُوجھ کر سخت کلام استعمال کرتا ہے تاکہ اُس کا ایمان مضبُوط اور فروتنی کی رُوح تقوِیت پائے۔ صُوبہ دار میں بھی خُوبیاں پَیدا کرنے کے لئے اُس نے ایک بالکل مختلف طریقہ اختیار کیا تھا۔ (متّی ۸ : ۷) مگر یہاں ایک اَور مختلف طریقہ اختیار کرتا ہے۔ یہُودی اپنے تئیں خُدا کے فرزند سمجھتے تھے اور غیر قوموں کو حقارت سے کُتّے اور سؤر کہا کرتے تھے (دیکھو متّی ۷ : ۶) اور اِرد گِرد کے غیر قوم لوگ اِس بات سے واقف تھے اَور غالباً سُننے کے خُوگر بھی ہو گئے تھے۔ لہٰذا یہ عورت فوراً سمجھ گئی ہوگی کہ مسیح کا کیا مطلب ہے ؞

۲۷۔ اُس نے کہا۔ ہاں خُداوند۔ کیونکہ کُتّے بھی اُن ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں جو اُن کے مالکوں کی میز سے گِرتے ہیں ؞

اِس عورت کے جواب سے نہ صرف اُس کی فروتنی اور ایمان مُترشّح

ہے بلکہ اُس کی خُداداد دانائی اور ہوشیاری بھی ٹپکتی ہے۔ شاید یہ دانائی اور ہوشیاری مادرانہ محبّت اور درد سے پَیدا ہُوئی ہوگی کیونکہ وُہ اِس سخت کلام کو جو اِس کی گویا دِل شکنی اور مایُوسی کے لئے کہا گیا تھا ایک دلیل اپنی بہبُودی اور بہتری کے لئے بنا لیتی ہے ؞

پُرانے ترجمہ میں ہے "اُس نے کہا سچ اَے خُداوند مگر کُتّے بھی جو ٹکڑے" وغیرہ۔ لیکن نئے ترجمہ میں "کیونکہ کُتّے بھی" وغیرہ۔ "مگر" اور "کیونکہ" میں بڑا فرق ہے اور آیت کے معنے میں بھی فرق آ جاتا ہے "مگر" کے استعمال سے یہ معنے ہو جاتے ہیں کہ "اَے خُداوند جو تُو کہتا ہے ٹھیک ہے مگر ایک بات کا تُو نے خیال نہیں رکھّا کہ کُتّے بھی اُن ٹکڑوں سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں جو اُن کے مالکوں کی میز سے گِرتے ہیں"۔ اِس سے گویا وُہ اپنی دلیل سے اس کی دلیل کی کمزوری اور ضعف ظاہر کرتی ہے پر اگر "کیونکہ" ہو تو مسیح کے الفاظ کی تائید ہوگی گویا اُس وقت مطلب یہ ہوگا۔ "ہاں اَے خُداوند جو تُو فرماتا ہے صحیح ہے بے شک کُتّوں کو لڑکوں کی روٹی نہیں دیتے کیونکہ وُہ اُس روٹی سے نہیں بلکہ اُن ٹکڑوں سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں جو اُن کے مالکوں کی میز سے گرتے ہیں"۔ ہماری رائے میں نیا ترجمہ "کیونکہ" بہت بہتر ہے ؞

مرقس کہتا ہے "میز کے تلے" جس سے اُن کے درجے اَور حصّے کی چھٹائی ظاہر ہوتی ہے۔ وُہ جانتی ہے کہ خُدا نے یہُودیوں کو خاص جگہ اَور خاص حقُوق عطا کئے ہیں اَور ضرورت نہیں کہ یہ حقوق اُن سے چھینے جائیں لہٰذا اُس کے لئے وُہی ٹکڑے کافی ہیں جو اُن کی میز پر سے گِرتے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اَے خُداوند تُو اِس وقت اسرائیل کے درمیان شفا دینے کا کام نہیں کر رہا ہے پس اگر ایک مہر کی نظر مجھ پر بھی کر دے اَور مجھے اپنی برکت سے مالا مال فرما جائے تو اُن

لوگوں کو کسی طرح کا نقصان نہ اُٹھانا پڑیگا۔

لوتھر کہتا ہے "۔کیا یہ بہادری کا کام نہیں کہ وُہ مسیح کو اُسی کے لفظوں میں پھنسا لیتی ہے"۔مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ خُداوند نے اپنے جواب میں کہا کہ "لڑکوں کو پہلے سیر ہو لینے دے"۔وُہ اُنہیں لفظوں میں اپنی دلیل پاتی ہے۔ یُونانی میں اِس جگہ کُتّوں کے لئے اِسم تصغیر استعمال ہُوا ہے اور اِس سے بعض مُفسّروں نے یہ خیال کیا ہے کہ یہ محبّت اور پیار کا لفظ تھا اور چھوٹے چھوٹے کُتّے پیار اور محبّت کی راہ سے چھوڑ دیئے جاتے تھے کہ گھر میں پھریں اور اگر جائیں تو میز کے نیچے جائیں۔ مگر معلوم ہو کہ یہ خیال دُرست نہیں کیونکہ اہلِ مشرق کے درمیان کُتّے وُہ عظمت نہیں رکھتے جو مغرب میں رکھتے ہیں۔ اور اُس زمانہ میں یہُودیوں کے درمیان یہ جانور ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ عورت جو ایمان کی بہادر تھی اُن لوگوں کے لئے جو رُوحانی طور پر مسیح کی تلاش کرتے ہیں نمونہ ہے۔ بعض لوگ کُچھ دیر تک ثابت قدم رہتے مگر جب کامیابی میں دیر لگتی ہے تو بے دِل ہو کر کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اِس عورت سے ہم فروتنی کے ساتھ ثابت قدم رہنا سیکھیں۔

۲۸۔ اِس پر یسُوع نے جواب میں اُس سے کہا۔ اَے عورت تیرا ایمان بہت بڑا ہے۔ جیسا تو چاہتی ہے تیرے لئے ویسا ہی ہو۔ اور اُس کی بیٹی نے اُسی گھڑی شِفا پائی۔

خُداوند اِس جگہ اِس عورت کے ایمان کی تعریف اُسی طرح کرتا ہے جس طرح اُس نے صُوبہ دار کے ایمان کی تعریف کی تھی (متّی ۸: ۱۰) وُہ بھی غیر قوم تھا۔ دُنیا ہمیشہ جہاں بزرگی اور عظمت دیکھتی ہے

تعریف کرتی ہے۔ لوگوں کی تیزیٔ عقل۔ جودتِ طبع۔ متانتِ مزاج۔ خُوبیٔ علم اور کثرتِ مال اور شجاعتِ بے مثال کے لئے تعریف کی جاتی ہے۔ مگر مسیح یہاں اُس عظمت کی جو حقیقی عظمت ہے اور ایسے لفظوں میں جن سے بڑھ کر اور وسیع نہیں ہو سکتے تعریف کرتا ہے۔ مرقس میں ہے "اِس کلام کے سبب جا"۔ غالباً یہ لفظ خُداوند نے اُس کے ایمان کی تعریف کرنے کے بعد فرمائے ہوں گے۔ متّی کہتا ہے "جیسا چاہتی ہے تیرے لئے ویسا ہی ہو"۔ ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں "وُہی جس کے سلُوک سے پہلے معلوم ہوتا تھا کہ گویا اِس پر ذرا مہربانی نہیں کریگا۔ اَب اپنے فضل کے گنج کے دروازے کھول دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جو تجھے چاہئے لے جا۔ کُچھ عرصہ کے لئے اُس نے اس کو وُہ سختی دکھائی جو یُوسف نے اپنے بھائیوں کو دکھائی تھی۔ مگر وُہ یُوسف کی طرح اِس سختی کو دیر تک کام میں نہ لا سکا۔ یا یُوں کہیں کہ جس قدر دیر کی ضرورت تھی اُسی قدر دیر لگائی اور اُس سے ایک منٹ زیادہ تاخیر کرنا رَوا نہ رکھا۔ پس اُس عورت کے جواب کے بعد جو ایسے ایمان سے دیا گیا جس میں شک نہ تھا تاخیر کرنے کی ضرُورت نہ رہی"۔ ہمارا خُداوند اُس کی فروتنی کی تعریف نہیں کرتا گو وُہ بہت بڑی صِفت تھی۔ کیونکہ وُہ ایمان سے پَیدا ہُوئی تھی۔ غرُور بے ایمانی کی اَولاد ہے (۱ تمطاؤس ۶: ۳) مگر ایمان سے خاکساری پَیدا ہوتی ہے۔ اَور دونوں حالتوں میں یہ اولاد اپنی اصل جڑ کی تقویّت کا باعث ہوتی ہے۔ اُس کے ایمان سے وُہ اصرار پَیدا ہُوا جو کہ یعقُوب کے اصرار کے مطابق تھا۔ وُہ بھی اِسی ازلی کلمہ سے ایمان کی کُشتی لڑا (پیدائش ۳۲: ۲۴) اُس وقت یہ ازلی کلمہ مجسّم نہ تھا مگر اَب مجسّم تھا۔

اُسی گھڑی۔ (دیکھو متّی ۸: ۱۳ و ۹: ۱۰) مرقس یہ بھی بتاتا ہے

کہ "اُس نے اپنے گھر میں جا کر دیکھا کہ لڑکی پلنگ پر پڑی ہے اور بدروح نکل گئی ہے"۔ جو آرام اُس کو ایک مدت سے نصیب نہیں ہُوا تھا اَب مِل گیا ❖

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ مسیح صور اَور صیدا میں جاتا ہے۔ (۱) ہیرودیس کی دُشمنی اَور حسد کے سبب سے۔ (۲) اپنے ہم وطنوں کے منصُوبوں کے سبب سے۔ مگر جہاں جاتا وہیں نیک کام کرتا ہے۔ متی ۱۴: ۱۳ و ۱۵: ۲۸-۳۰ و ۱۷: ۱۸ ❖

۲۔ سور فینیکی عورت۔ (۱) مسیح پر ایمان لاتی ہے آیت ۲۲۔ (۲) مسیح کے سخت کلام کی برداشت کرتی ہے ۲۶ آیت (۳) مسیح کے انکار کو ایک زور آور دلیل میں تبدیل کرتی ہے (۴) اپنی مُراد پاتی اور اعلیٰ قسم کی تعریف سے خُوش وقت ہوتی ہے ❖

۳۔ "بڑا ایمان" (۱) ایک غیر قوم میں ظاہر ہوتا ہے۔ (۲) بڑی فروتنی کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے مقابلہ کرو لُوقا ۱۸: ۱۳ (۳) بہت رُکاوٹوں پر غالب آتا ہے۔ (۴) بڑے اصرار کے ساتھ برکت کا جویاں ہوتا ہے۔ (مقابلہ کرو لُوقا ۱۸: ۷)۔ (۵) دِلوں کے جانچنے والے سے پہچانا جاتا اَور برکت پاتا ہے ❖

۴۔ جب مسیح کے چہرے پر خاموشی اَور سختی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اُس وقت بھی محبّت اُس کے دِل میں نہاں ہوتی ہے ❖

۵۔ دیکھو یہ عورت اپنی بیٹی کے دُکھ کو کِس طرح اپنا بناتی ہے۔ کیا ہم اپنے بچّوں کی رُوحانی بیماریوں کو ایسا محسُوس کرتے ہیں کہ گویا اُن کا مرض ہمارا مرض ہے۔ یہ سبق ماں باپ کے لئے نہایت ضروری ہے

۶۔ مسیح کی دیر ہمیشہ پُر مطلب ہوتی ہے۔ (۱) اچھّے نتیجے پیدا کرتی ہے۔ مریم اور مرتھا چاہتی ہیں کہ وُہ جلد آئے اَور لعزر کو بیماری سے بچائے۔ پر اگر وُہ دیر نہ کرتا تو ہم کب اُس کی زبان سے وُہ کلمات سُنتے جو اُس نے لعزر کے مرنے کے بعد آ کر بیان فرمائے "قیامت اور زندگی مَیں ہُوں" کون کہتا؟ "یسُوع رویا" کس کی بابت کہا جاتا؟ (۲) اُس کی دیر ہمیں دُعا میں لگے رہنا سکھاتی ہے۔ اگر یہ عورت پہلی دفعہ مانگ کر اپنی مُراد پا لیتی تو دُعا کے اسرار کی خُوبی اُس پر ظاہر نہ ہوتی۔ لیکن اَب اُس نے سیکھ لیا کہ اگر ایک دفعہ کے مانگنے سے خُداوند نہ سُنے تو مجھے بے دل نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ اَور بھی سرگرمی سے مانگنا چاہئے۔ (۳) ایمان کو مضبُوط کرتی اور فروتنی کا پھل پیدا کرتی ہے۔

۷۔ مسیح کی دیر کو انکار نہ سمجھیں۔

۸۔ مسیح کا نمُونہ۔ ہم اپنی اپنی جگہ پر قناعت کریں۔ جو حدُود باپ نے مسیح کے لئے مقرّر کر دئے وُہ اُنہیں پر قناعت کرتا ہے چُنانچہ جس قوم کے درمیان کام کرنے آیا اُسی میں کرتا رہا۔ یُونانیوں اَور رُومیوں اَور فنیکیوں کے درمیان کام جاری نہ کیا۔ خُداوند نے جس جگہ ہم کو رکھّا اَور جِس کام کے لئے بُلایا ہے اُسی پر قناعت کریں۔ اَور اُسے وفاداری کے ساتھ بجا لائیں ❖

۹۔ دیکھو سفارشی دُعا کیسا زور رکھتی ہے۔ وُہ اپنی بیٹی کے لئے دُعا مانگتی ہے۔ اُس کی دُعا سُنی جاتی ہے۔ پر اِس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھّیں کہ اگر اَور ہمارے لئے دُعا کریں تو ہم اُسی پر اکتفا نہ کریں بلکہ خود بھی سرگرمی سے دُعا کرنا نہ چھوڑیں۔ اس عورت کے لئے رسُولوں نے دُعا کی مگر اُس نے خود دُعا کرنا نہ چھوڑا اَور ہم دیکھتے ہیں کہ اُس دُعا

نے جو اُس نے خود کی بڑا کام کیا ÷

۱۰- تین مُعجزوں میں رُکاوٹوں کا ذکر آتا ہے۔ (۱) جھولے کے مارے ہُوئے کو شفا دینے کے مُعجزے ہیں۔ مگر وہاں خارجی اسباب رُکاوٹوں کا کام دیتے ہیں۔ (۲) برتمائی کی آنکھوں کو روشن کرنے کے مُعجزے میں۔ وہاں لوگ اُس کو روکتے ہیں۔ (۳) اِس مُعجزے میں خاص طور پر خُداوند مسیح خود رُکاوٹیں اُس کے راستہ میں ڈال دیتا ہے۔ مگر وُہ پھر بھی کامیاب ہوتی ہے۔ تینوں اپنی اپنی رُکاوٹوں پر غالب آتے ہیں پر کیا اِس عورت کی رُکاوٹیں اَوروں کی رُکاوٹوں سے بڑی نہیں ؟

۱۱- مسیح (۱) سفارشی دُعا سے (۲) شخصی منّت کے زور سے (۳) پُرایمان دلیل کے زور سے مغلوب ہونے کو راضی ہے ÷

ایک بہرے اَور ہکلے کو تندرُست کرنا

مرقس ۷: ۳۲-۳۷

متّی عام طور پر ہمیں بتاتا ہے کہ مسیح جب صور و صیدا کی حدُود سے لَوٹ آیا تو ایک بڑی بھیڑ لنگڑوں۔ اندھوں۔ گونگوں اور بہت سے اَور بیماروں کو اپنے ساتھ لے کر اُس کے پاس آئی اَور اُنہیں اُس کے پاؤں میں ڈال دیا۔ (متّی ۱۵: ۳۰) لیکن مرقس اِن میں

میں سے ایک بہرے اَور ہکلے کو چُن لیتا اَور اُس کا حال بیان کرتا ہے شائد اِس لئے کہ اِس شخص کے حالات اَور بیماروں کی نسبت کسی قدر زیادہ رقم کرنے کے لائق سمجھتا ہے ÷

۳۲- لوگوں نے ایک بہرے کو جو ہکلا بھی تھا اُس کے پاس لا کر اُس کی منّت کی کہ اپنا ہاتھ اُس پر رکھ۔

اِس شخص کی قوّتِ سمع جاتی رہی تھی اور زبان میں بھی کچھ ایسا نقص آگیا تھا کہ وُہ اپنے خیالات اچھی طرح الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا تھا لوگ اُسے مسیح کے پاس لا کر اُس کی منّت کرتے ہیں کہ "اپنا ہاتھ اُس پر رکھ"۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ لوگ جانتے تھے کہ مسیح کوئی اسباب یا وسائل استعمال نہیں کرتا بلکہ اُس کے چھُونے میں یا اُس کے مس میں ایسی قُدرت ہے کہ بیمار اچھّا ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارا خُداوند وُہ طریقہ استعمال نہیں کرتا جو یہ لوگ بتاتے ہیں۔ وُہ چاہتے ہیں کہ وُہ اس پر اپنا ہاتھ رکھّے۔ لیکن وُہ ایسا نہیں کرتا ÷

متّی ۹: ۳۲ میں جس گونگے کا ذکر ہے وُہ اَور آدمی تھا۔ اُس کی بیماری بدرُوح کی وجہ سے تھی۔ لیکن اس شخص کی بیماری کی کوئی رُوحانی وجہ نہیں بتائی جاتی ہے اَور نہ ہم کو اختیار ہے کہ ہم یہ کہیں کہ یہ شخص بھی کسی بدرُوح کے سبب بیمار ہُوا تھا ÷

۳۳- وُہ اُس کو بھیڑ میں سے الگ لے گیا اَور اپنی اُنگلیاں اُس کے کانوں میں ڈالیں اَور تھُوک کر اُس کی زبان چھُوئی۔

اِس بات کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ کہ خُداوند مریضوں کو اچھّا کرتے وقت مختلف قسم کے طریقے اختیار کیا کرتا تھا۔ اَور کہ اِن

متفاوت طریقوں میں خُداوند کی عجیب حکمت اَور گہرے مطالب نہاں
ہیں۔ جس طرح وُہ انسان کی حالت سے واقف تھا اگر اُسی طرح
ہم بھی اُس کی رُوحانی حالت اَور خاص کیفیتوں سے واقف ہوتے
تو ہم بھی جانتے کہ وُہ کیوں ایک شخص کو بھیڑ کے درمیان تندرُست
کر دیتا تھا اَور دُوسرے کو بھیڑ سے دُور بلکہ شہر سے باہر لے جا کر اچھّا
کرتا تھا؟ کیوں ایک آدمی فوراً اَور کامل طور پر صحت یاب ہو جاتا تھا۔
اَور دُوسرے شخص کُچھ دیر کے بعد شفا پاتے تھے؟ مثلاً جیسے وُہ
اندھا جس کی آنکھیں رفتہ رفتہ روشن ہوئیں۔ جس نے پہلے لوگوں کو
درختوں کی طرح چلتے دیکھا۔ ہمیں اِن باتوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ نہیں نکالنا
چاہیئے کہ یہ مختلف طریقے ہمارے خُداوند کی قُدرت کا نقص ظاہر
کرتے ہیں۔ بلکہ یہ خیال کرنا چاہیئے کہ ان گُوناگُوں طریقوں کے استعمال
کا باعث شفا پانے والے کی باطنی اَور رُوحانی حالت پر منحصر تھا۔ گو
ہم اپنی محدُود نظر کے سبب یہ نہیں جانتے کہ وُہ کیا حکمت تھی
جس کے سبب سے اُس نے یہ طرح طرح کے طریقے استعمال کئے؟
اِس موقعہ پر وُہ اُسے جو اچھّا ہونے کے لئے آیا تھا بِھیڑ سے
الگ لے گیا۔ (متی ۸: ۲۳ میں وُہ ایک اندھے کو شہر سے باہر
لے گیا)۔ اَب سوال برپا ہوتا ہے کہ وُہ اُسے الگ کیوں لے گیا۔
بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ اِس لئے باہر لے گیا کہ وُہ اپنی قُدرت
کی نمائش اَور دکھاوے کو پسند نہیں کرتا تھا۔ پر اِس کے جواب
میں یہ کہا جاتا ہے کہ تمام مُعجزات میں صرف دو اَیسے ہیں جن میں بیمار
کو علیحدہ لے جانے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اُن کے سوائے اَور کسی میں
اِس قسم کی علیحدگی اختیار نہیں کی گئی۔ پس کیا باقی مُعجزوں میں اُس کو
یہ شوق دامنگیر تھا کہ اُس کی بڑائی ہو۔ بعض کا خیال ہے کہ وُہ اُسے

اِس واسطے علیحدہ لے گیا کہ وہاں جا کر آزادگی سے دُعا مانگ سکے۔ پر
اِس پر بھی یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کئی مُعجزوں کے موقعہ پر کوئی خفیہ
اَور خلوتی دُعا اُس نے نہیں مانگی۔ اَور نہ مانگنے کی ضرورت تھی۔
کیونکہ اُس کا دِل ہر دم دُعا سے پُر تھا ❖
ایک یہ خیال ہے کہ وُہ اُس کو اِس واسطے الگ لے گیا کہ اُس
نے دیکھا کہ یہ شخص بھیڑ کے شور و غوغا سے علیحدہ ہو کر اُس تاثیر کو جو
شافیٔ مُطلق سے نکلنے کو تھی قبُول کر سکیگا۔ اور جیسا کہ وُہ کیا کرتا ہے
یعنے جس رُوح کو شفا دینا چاہتا ہے اُسے اکثر بیماری کے بستر پر
علیحدہ لے جاتا ہے یا عزیزوں کی مفارقت کے سبب تنہائی میں
پہنچاتا ہے تاکہ دُنیا کے شور و غُل سے کُچھ عرصہ کے لئے علیحدہ ہو کر
اُس کی آواز کو صاف طور پر سُنے۔ اَور اُس کی رُوح کی تاثیروں
کو قبُول کرے۔ (ٹرینچ) ❖
ایک اَور خیال یہ ہے کہ وُہ اس وقت ڈکپلس کے شہروں میں
تھا اَور وُہ پُورے پُورے طور پر یہُودی مُلک میں داخل نہ تھے لہٰذا
وُہ اپنے تئیں مشہُور نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ اگر کرتا تو سب غیر قوم
جمع ہو جاتے اَور اس بات سے یہُودیوں کا حسد اور مخالفت بڑھ
جاتی (لینگی تفسیر مرقس)۔ ہمیں اِس سے پہلا خیال بہتر معلوم ہوتا ہے۔
اپنی اُنگلیاں اُس کے کانوں میں ڈالیں اَور تھوک
کر اُس کی زبان چھُوئی۔ ان وسائل کے استعمال سے اُس نے
اُس شخص کے دِل میں جو سوائے دیکھنے اَور چھُونے کے باقی سب
حواس کو کھو بیٹھا تھا یہ اُمّید اَور ایمان پیدا کیا کہ وُہ اچھّا ہو سکتا
ہے۔ پہلے اُس کے کان میں اُنگلیاں ڈالیں کیونکہ قوّتِ سمع کے
کھوئے جانے سے وُہ سُن نہیں سکتا تھا اَور غالباً اِسی سبب سے

طاقتِ گویائی میں بھی نقص آگیا تھا لہٰذا اُس نے پہلے اُس کے کان کھولے اور اس کے لئے اپنی اُنگلیاں اُس کے کانوں میں ڈالیں اور یہ فعل اِس بات کی علامت تھا کہ وُہ تمام رُکاوٹیں جو آواز کو اُس کے کانوں کے پردے تک پہنچنے نہیں دیتی تھیں دُور کردی گئی ہیں اور پھر اُس نے اپنے تھوک سے اُس کی زبان کو چھُوا اور یہ فعل ظاہر کرتا تھا کہ گفتار کی قوّت بھی اُسے دی گئی ہے۔

۳۴۔ اور آسمان کی طرف نظر کرکے ایک آہ بھری اور اُس سے کہا اِفتح یعنے کھُل جا۔

یہ مرقس کا معمُول ہے کہ خُداوند کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور حرکتوں کو بڑی خُوبصُورتی اور رنگینی سے بیان کرتا ہے۔ اِس آیت میں اُس کے آہ بھرنے کا ذکر ہے۔ جس کی نسبت بعض کی رائے ہے کہ اُس کا آسمان کی طرف نظر کرکے آہ بھرنا اُس کے دُعا مانگنے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ (۱) وُہ اس وقت ایک ایسے مُلک میں تھا جو آدھا بُت پرست تھا لہٰذا وہاں بیمار کو اچھّا کرنا ہمارے خُداوند کے لئے گویا ایک خاص قسم کی سخت مخالفت پر غالب آنا تھا۔ (۲) اس لئے دُعا کی کہ اِس بُت پرست مُلک میں جادُوگری مانی جاتی تھی۔ اور وُہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ مَیں اپنا کام باپ کی مدد سے کرتا ہُوں (متّی ۱۴: ۱۹ و یُوحنّا ۱۱: ۴۱ و ۴۲)۔ (۳) کہ خُداوند اس بہرے کو اپنے کلام سے کسی طرح مؤثّر نہیں کرسکتا تھا۔ لہٰذا اُس نے آہ کے وسیلے ایسا اشارہ کیا جسے وُہ دیکھ سکتا تھا ÷

بعض یہ کہتے ہیں کہ جس طرح اُس نے لعزر کے رشتہ داروں کے غم کو دیکھ کر آہ بھری (یُوحنّا ۱۱: ۳۱) کیونکہ اُس نے محسُوس کیا کہ جو دُکھ اِس دُنیا میں پایا جاتا ہے وُہ گُناہ کا نتیجہ ہے۔ اُسی طرح اُس

شخص کو دیکھ کر ہمدردی کی آہ بھری۔ اِفتح ارمیک فعل ہے اور امر واحد حاضر کا صیغہ۔ یہ لفظ جو خاص اُسی زبان کا لفظ ہے جو ہمارا خُداوند بولا کرتا تھا ظاہر کرتا ہے کہ لکھنے والے کو وُہ لفظ یاد ہے جو مسیح کی زبان سے نکلا۔ یا اُس نے خود سُنا اور یا (جیسا اس حالت میں اغلب ہے) کسی سُننے والے سے سُنا۔ پطرس نے جو اِس واقعہ کو اپنی آنکھ سے دیکھنے والا تھا اپنے کان سے اس لفظ کو سُنا اور مرقس نے اُس سے سُنا ÷

۳۵ آیت۔ اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اُس نے اِفتح کہا۔ اُسی وقت وُہ رُکاوٹیں دُور ہوگئیں جن کے سبب شنید اور گویائی کے حواس بے کام ہوگئے تھے ÷

۳۶۔ اور اُس نے اُن کو حُکم دیا کہ کسی سے نہ کہنا۔ لیکن جتنا وُہ اُن کو حُکم دیتا رہا اُتنا ہی زیادہ وُہ چرچا کرتے رہے۔

معلُوم ہوتا ہے کہ جب خُداوند اِس مریض کو بھیڑ سے علیحدہ لے گیا اُس وقت کئی لوگ اُس کے ساتھ گئے جنہوں نے اِس ماجرے کو بچشم خود دیکھا۔ خُداوند ان لوگوں کو اور اُس شفا یافتہ بہرے کو حُکم دیتا ہے کہ وُہ اس کا چرچا نہ کریں۔ ہم اِس سے پہلے اُن اسباب کا ذکر کر چُکے ہیں جن کی وجہ سے وُہ خاموشی طلب کیا کرتا تھا اور نیز یہ بھی بتا چُکے ہیں کہ اِس خصُوص میں نافرمانی سے کیا نقصان برآمد ہُوئے۔ لہٰذا یہاں اُن باتوں کو دُہرانا ضرُوری نہیں ÷

۳۷۔ اور اُنہوں نے نہایت ہی حیران ہوکر کہا جو کچھ اُس نے کیا سب اچھّا کیا۔ وُہ بہروں کو سُننے کی اور گونگوں کو بولنے کی

طاقت دیتا ہے۔

جو کچھ اُس نے کیا سب اچھّا کیا۔ یہ الفاظ پیدائش ۱:۳۱ کے الفاظ یاد دلاتے ہیں۔ اور اُن کو یاد کرنا نازیبا نہیں کیونکہ مسیح کا کام بھی ایک قسم کی خالقیّت کا کام ہے۔

متّی جو اِس موقعہ کے متعلّق عام طور پر اِس بات کا ذکر کرتا ہے کہ لوگ طرح طرح کے بیماروں کو مسیح کے پاس لائے۔ اپنے بیان کے آخر میں کہتا ہے کہ اُنھوں نے "اِسرائیل کے خُدا کی تمجید کی" جیسا اُوپر بتایا گیا یہ جگہ قریباً بُت پرستی کے پنجہ میں گرفتار تھی لہٰذا یہ تعریف کے کلمات یہ مطلب رکھتے ہیں۔ کہ اُن بُت پرستوں نے ان مُعجزات کو دیکھ کر اسرائیل کے خُدا کی بڑائی کی یعنے یہ تسلیم کیا کہ اسرائیل کے خُدا سے بڑا اَور کوئی معبُود نہیں ✣

نصیحتیں اَور مفید اشارے

ہم اِس مُعجزے سے کیا سیکھتے ہیں (۱) کہ اِس مریض کے حواس ناقص تھے۔ سُننے اَور بولنے کی طاقتیں زائل ہو گئی تھیں۔ یہی حال رُوحانی طور پر انسان کا ہے۔ (۲) اُس کے دوست اُسے مسیح کے پاس لائے۔ ہم بھی اپنے دوستوں کو اُس کے پاس لائیں۔ (۳) جس طرح مسیح نے اُس کے کانوں کو اپنی اُنگلیوں سے اَور اُس کی زبان کو تھوک سے چھُوا۔ اِسی طرح اَب بھی وُہ ہم کو اپنے دستِ قُدرت سے چھُوتا اَور اپنی قُدرت سے ہمارے نقصوں کو دُور کرتا ہے۔ (۴) اُس کا آسمان کی طرف دیکھ کر آہ بھرنا۔ اُس کی ہمدردی اَور دُعا پر دلالت کرتا ہے۔ اَور ہم جانتے ہیں کہ وُہ ہمدرد سردار کاہن جو آسمان میں ہماری سفارش کرتا ہے اب بھی ہمارے

ساتھ ہمدردی کرتا اَور ہمارے لئے دُعا مانگتا ہے۔ (۵) اُس کا منع کرنا بھی مطلب رکھتا ہے۔ وُہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم اپنی ۵۔ رہائی اَور صحت کی خبر غرُور اَور شیخی سے نہ دیں۔ بلکہ ایسی صُورت میں کہ خُداوند کی مخالفت برپا نہ ہو بلکہ اُس کی انجیل کے لئے راہ تیار کی جائے۔ (۶) لوگ مُعجزہ دیکھ کر خُدا کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ بات بھی ہم کو ایک سبق دیتی ہے اور وُہ یہ کہ ہم خُدا کی برکتیں پا کر اپنے خُدا کا جلال ظاہر کریں۔ وُہی زبان جو کھولی گئی ہے ایسی تعریف کرے جس سے یہ ظاہر ہو کہ ہمارے خُداوند کے برابر اَور کوئی معبُود نہیں ہے ✣

۲۔ جو اچھّا ہونا چاہتا ہے اُس کو چاہئے کہ وُہ (۱) خُداوند کے ساتھ تنہائی میں جانے کو خُوش ہو۔ یعنے دُعا میں لگا رہے۔ (۲) جو وسائل وُہ استعمال کرنا چاہے اُسے کرنے دے۔ یعنی فضل کے وسائل۔ (۳) وُہ اُس کا کلام (اِفتّح) سُنے ✣

۳۔ خُداوند مسیح سینکڑوں بہرے کانوں اور بند زبانوں کے درمیان بھی اپنا جلال ظاہر کرتا ہے۔ (۱) وُہ اِن میں سے سینکڑوں کو تنہائی میں لے جا کر اپنے تئیں اُن پر ظاہر فرماتا ہے۔ (۲) اپنے دستِ قُدرت سے اُن کو چھُوتا اَور اُن کے نقصوں کو دُور کرتا ہے۔ (۳) اَور اُس کا کلام (اِفتّح) اُن کے کان اور زبان کی گرہیں کھول دیتا ہے۔ اَور پھر وہی اُس کی آواز کو سُنتے اَور اَوروں کو اُس کی مرضی کی خبر دیتے ہیں ✣

۴۔ اِفتّح (۱) یہ کلام اُس کی قُدرتِ بالغہ کو ظاہر کرتا ہے (۲) اُس کی قُدرت کے جلالی اَور عظیم نتیجہ یا پھل کو ظاہر کرتا ہے۔ (۳) دلیل اِس بات کی ہے کہ ایک دن وہ اِفتّح (یعنے کھُل جا) کہہ کر ہماری

ساری بیڑیوں اور زنجیروں کو توڑ ڈالے گا۔ (۴) یہ وُہ کلام ہے جو اَب ہم کو کہا جاتا ہے۔ (۵) پر یہ وُہی کلام ہے جس کو لوگ سُننے نہیں۔ یا یُوں کہیں کہ سُننا نہیں چاہتے ؞

۵۔ یاد رہے کہ ہماری مدد آسمان سے آتی ہے۔ بڑے بڑے کاموں میں کامیاب ہونے کے لئے دُعا کی اشدّ ضرُورت ہے۔ ہم مسیح کی دُعا والی آہوں کو کبھی نہ بھُولیں ؞

۶۔ جو کُچھ اُس نے کیا سب اچھّا کِیا۔ یہ کلمات اُس کی (۱) کاملیّت (۲) اُس کی فیّاضی (۳) اُس کے جلال کی تعریف ہیں ؞

۷۔ جب ہم بہروں اور گُونگوں کو دیکھیں تو لازم ہے کہ ہم اپنے حواس کے لئے خُدا کا شُکر بجا لائیں اور اُنہیں خُدا کے جلال کے لئے اِستعمال کریں ؞

۸۔ جب ہم بہروں اور گُونگوں کو دیکھیں تو لازم ہے کہ ہم اپنے حواس کے لئے خُدا کا شُکر بجا لائیں اور اُنہیں خُدا کے لئے استعمال کریں ؞

۹۔ پہلے کان اچھّے کئے گئے اور پھر زبان۔ اِس میں ہمارے لئے کیا سبق ہے؟ یہ کہ جو شخص اچھّی طرح سُنتا ہے وُہی اچھّی طرح بولتا ہے۔ ہم اپنے کانوں کو زبان کی نسبت زیادہ کام میں لائیں۔ زیادہ تر کام کی باتیں سُنیں پھر ہم جانینگے کہ ہمیں کیا بولنا چاہیئے۔

۱۰۔ ہزار ہا آدمی بلکہ لاکھ ہا آدمی سُننے اور بولنے کی طاقت رکھتے ہیں مگر رُوحانی طور پر وُہ بہرے اور گُونگے ہیں۔ ہمارے کان فقط خُدا کے لئے کھُلیں۔ شیطان اور دُنیا کے لئے بند رہیں ؞

۱۱۔ بہروں اور گُونگوں اور اندھوں کے آرام اور تعلیم کا بندوبست کرنا مسیح کی مُحبّت بھری رُوح کو جاری رکھتا ہے ؞

چار ہزار کو مُعجزانہ طَور پر کھانا کِھلانا

متّی ۱۵: ۳۲-۳۹ مرقس ۸: ۱-۹

اِس مُعجزے میں اَور اُس دُوسرے مُعجزے میں جس کا مفصّل بیان اُوپر ہو چُکا ہے ایسی مشابہت پائی جاتی ہے کہ اِس مُعجزے پر بہت کُچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ گو یہ دونوں مُعجزے جیسا ہم دِکھا چُکے ہیں مختلف موقعوں پر دکھائے گئے۔ اور نہ ہمیں اِس جگہ اس بات کی ضرُورت نظر آتی ہے کہ ہم اُن فرقوں کا ذکر کریں جن کی بِنا پر یہ دونوں مُعجزے ایک دُوسرے سے مختلف سمجھے گئے ہیں کیونکہ ان باتوں کا بھی مفصّل بیان اُوپر ہو چکا ہے اور ما سوائے اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ خُداوند اِن دونوں کو خود دو مختلف واقعات بتاتا ہے دیکھو مرقس ۸: ۱۹ و ۲۰۔ ایک بات کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اَور وُہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اِسی قسم کا ایک مُعجزہ تھوڑا عرصہ ہُوا شاگرد دیکھ چُکے ہیں مگر پھر بھی اس موقعہ پر وُہ وُہی حُجّت کرتے ہیں جو اُنہوں نے پہلی مرتبہ کی تھی چنانچہ وُہ کہتے ہیں "بیابان میں ہم اتنی روٹیاں کہاں سے لائیں کہ ایسی بڑی بھیڑ کو سیر کریں" (متّی ۱۵: ۳۳ مقابلہ کرو مرقس ۸: ۴ کے ساتھ) اُن کی اِس بے اعتقادی کو دیکھ کر تعجّب آتا ہے۔ لیکن واضح ہو کہ ہماری حیرت اِس سبب سے ہے کہ ہم انسان کے دِل کا حال۔ بلکہ اپنے ہی دِل کا حال اَور نیز اُس بے ایمانی کو جو انسان کے دِل میں جڑ پکڑے ہے نہیں جانتے اَور

یہ بے ایمانی مشکلات اور تکلیفات اور گھبراہٹوں کے وقت اور
بھی بڑھ جاتی ہے۔ خدا کی قدرت کے پہلے نظارے غائب ہو جاتے
ہیں۔ وہ رہائیاں جو گذشتہ زمانوں میں ہم کو حاصل ہوئی تھیں
بھول جاتی ہیں اور ہم خیال کرتے ہیں کہ یہ موجودہ مشکل کسی طرح حل
نہیں ہو سکے گی۔ خدا کی قدرت خرچ ہو چکی ہے اور اب اس میں سے
کچھ نہیں بچا۔ کیا یہی ہمارا تجربہ نہیں ؟۔ خدا نے بنی اسرائیل کو
بحیرہ قلزم میں سے صاف نکال دیا۔ پر وہ عبور کر کے اس جلوہ کو
بھول گئے اور شکایت کرنے لگ گئے کہ ہم پیاس سے مر جائیں گے
(خروج ۱۷: ۷) خدا ساری زمین کو بٹیروں سے بھر دیتا ہے (خروج
۱۶: ۱۳) پر باوجود اس کے موسیٰ تک یہ نہیں مانتے کہ خدا ساری
جماعت کے لئے گوشت مہیا کر سکتا ہے گنتی ۱۱: ۲۱ و ۲۲۔ پس صرف
وہی شخص جو کہ پختہ ایمان سے بھرپور ہوتا ہے (اور شاگردوں کی
ابھی یہ حالت نہ تھی) وہی گذشتہ سے استقبال کے لئے دلیلیں
اخذ کرتا ہے۔ یعنے خدا کی گذشتہ مہربانیوں اور قدرت اور
محبت کے اظہاروں سے بھروسہ کے ساتھ اپنی آیندہ زندگی کے
لئے استدلال کرتا ہے۔ مقابلہ کرو (ا۔سموئیل ۱۷: ۳۴-۳۷۔
۲۔ تواریخ ۱۶: ۷ و ۸) (ٹرنچ)۔

نصیحتوں اور مفید اشاروں کے لئے
پانچ ہزار کو کھانا کھلانے کا معجزہ دیکھو

بیت صیدا میں ایک اندھے کو بینا کرنا

مرقس ۸: ۲۲-۲۶

اِس معجزے میں بھی کوئی ایسی نئی بات نہیں جو تشریح طلب ہو کیونکہ
جو کچھ ایک بہرے اور ہکلے کے بیان میں تحریر ہو چکا ہے اس کے مطالعہ
سے یہ معجزہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اسی معجزے کے ضمن میں اس کی
طرف اشارہ ہو چکا ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ کیوں خداوند بعض بعض
بیماروں کو علیحدہ لے جایا کرتا تھا۔ تاہم دو ایک باتیں اس معجزے
کے ساتھ خاص ہیں۔ اُن کا بیان اور شرح اس جگہ کی جائیگی ۔

(خداوند) اس اندھے کا ہاتھ پکڑ کر گاؤں سے
باہر لے گیا اور اس کی آنکھوں میں تھوک کر اپنے ہاتھ
اس پر رکھے اور اس سے پوچھا کیا تو کچھ دیکھتا ہے۔
(دیکھو آیت ۲۳) وہ جواب دیتا ہے :۔

۲۴ و ۲۵ آیت۔ میں آدمیوں کو دیکھتا ہوں کیونکہ
وہ مجھے چلتے ہوئے ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے درخت
پھر اس نے دوبارہ اس کی آنکھوں پر اپنے ہاتھ رکھے
اور اس نے غور سے نظر کی اور اچھا ہو گیا اور سب
چیزیں صاف صاف دیکھنے لگا۔

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ایک بارگی اچھا نہیں

ہُوا بلکہ رفتہ رفتہ اُس کی آنکھیں روشن ہُوئیں۔ اور اس کا سبب بتانے ہیں بعض نے یہ رائے دی ہے کہ اِس شخص میں کافی ایمان نہ تھا اور اس کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ یہ شخص مدد کے لئے خود نہیں چلّایا بلکہ دُوسرے لوگ اُسے مسیح کے پاس لائے اور اُن کے لانے پر بھی اُس کے دِل میں یہ یقین نہیں تھا کہ خُداوند اُسے اچھّا کرے گا۔ مگر وُہ جو کسی کو خالی ہاتھ نہیں پھیرتا پہلے اُس کو ذراسی روشنی عطا کر کے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھاتا ہے اور یوں اُس کے دل میں ایمان پیدا کرتا اور پھر اُس کو کامل صحت عطا کرتا ہے ٭

مگر بعض لوگ اس میں بھی خُدا کے فضل کے کاموں کی آزادگی کا اشارہ پاتے ہیں ٭

پہلی مرتبہ اُس کو آدمی درختوں کی طرح چلتے ہُوئے نظر آئے۔ یعنے اُس کی بصارت ابھی صاف نہیں ہُوئی تھی۔ ابھی دُھندلا پن باقی تھا۔ آدمیوں کی لمبائی درختوں کی مانند معلوم ہُوئی مگر اُن کی حرکت سے پہچانا کہ درخت نہیں بلکہ آدمی ہیں ٭

اِس میں یہ مطلب نہاں ہے کہ انسان کی رُوح کس طرح حقیقی بینائی پاتی ہے۔ وُہ لوگ جو دُنیا کے نُور اور آفتاب صداقت کے پاس آتے ہیں عمُوماً رفتہ رفتہ اُس کے فضل کے نُور سے بہرہ ور ہوتے ہیں پُرانی غلطیاں پُرانے اعتقاد یکبارگی دُور نہیں ہوتے بلکہ رفتہ رفتہ دفع ہوتے ہیں۔ وُہ ایک دم صاف صاف دیکھنے نہیں لگ جاتے۔ بلکہ رُوحانی بینائی کی صفائی بتدریج وقوع میں آتی ہے ٭ (ٹرنچ)

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ مسیح اُس وقت بھی جب کہ اپنی صلیب اور موت کی نسبت

سوچ رہا تھا۔ مصیبت زدوں کی آواز کو سُن کر رُوگردانی نہیں کرتا۔

۲۔ یہ مُعجزہ مسیح کی الٰہی حکمت ظاہر کرتا ہے (۱) خود اسی کے متعلّق۔ کہ وُہ کس طرح سارے کام حکمت اور ہوشیاری سے کرتا ہے۔ جہاں بیمار کو گاؤں سے باہر لے جانا مناسب سمجھتا ہے باہر لے جاتا ہے۔ (۲) اُس مریض کے متعلّق۔ اُس کو ایسی جگہ لے جاتا ہے جہاں وُہ پہلے اُس کو دیکھے اور اُس کا ایمان بڑھے ٭

۳۔ اس آدمی کی آنکھوں کا بتدریج بینا ہونا انسان کی رُوحانی آنکھوں کے رفتہ رفتہ روشن ہونے کا ایما یا علامت ہے ٭

۴۔ آدمیوں کو درختوں کی طرح چلتا دیکھتا ہُوں۔ (۱) یہ عمدہ حالت ہے بشرطیکہ اس کے بعد صاف صاف دیکھنے کی حالت نظر آئے (۲) پر بڑی افسوسناک حالت ہے اگر آدمی اسی میں پڑا رہے۔ (۳) سخت بد حالت ہے اگر اپنی بُرائی کے سبب اِنسان اِس دُھندلا پن کی مایُوسی میں گرفتار ہو جائے ٭

۵۔ ایمان سے پہلی دفعہ اُوپر نظر اُٹھانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایمان پختہ ہو جاتا ہے اور دُھندلا پن سے کامل بصارت تک پہنچ جاتا ہے ٭

۶۔ ایک چھوٹا سا آغاز بھی آغاز ہوتا ہے۔ اور اُس کی تحقیر نہیں کرنی چاہیئے۔ خُدا کے طریقوں کے مطابق بسا اوقات وُہ جو چھوٹا ہے ترقی کرتے کرتے بڑا ہو جاتا ہے ٭

۷۔ خُدا ہماری مُصیبتوں کو دُور کرتا اور کُچھ عرصہ کے بعد کامل خُوشی عطا فرماتا ہے۔ چاہیئے کہ ہم صبر و برداشت کریں ٭

۸۔ مسیح نے اُسے گاؤں میں جانے سے روکا۔ مسیح کو قبول کرنے کے بعد تنہائی اختیار کرنا اور دُعا میں لگے رہنا اِس سے بہتر ہے

کہ ہم اپنا وقت ژاوہ گوئی میں صرف کریں۔ دیکھو مسیح نے اُسے گاؤں جانے سے روکا۔

۹۔ پیشتر ازیں کہ ہم اَوروں سے گفتگو کریں بہتر ہے کہ سچائی ہمارے دِلوں میں جڑ پکڑے۔ اِس سے پیشتر گاؤں کے لوگوں سے گفتگو نہ کریں ؂

۱۰۔ اِس آدمی کے لئے ضرور تھا کہ وُہ پھر دُنیا کی طرف نہ لوٹے۔ اُسے حکم ہُوا کہ گاؤں کو نہ جائے۔

۱۱۔ کیسی افسوسناک حالت اُس شہر۔ اُس گاؤں۔ اُس مُلک یا اُس آدمی کی ہے جسے خُدا اِس لائق نہیں سمجھتا کہ اُس کو اُس کے کلام اَور کام کا عِلم پہنچایا جائے ؂

ایک لڑکے کو جسے مِرگی کی بیماری تھی صحت بخشنا

متّی ۱۷: ۱۴-۳۱ مرقس ۹: ۱۴-۲۹ لُوقا ۹: ۳۷-۴۲

اِس معجزے کا بیان مرقس کی انجیل میں زیادہ مفصّل طور پر پایا جاتا ہے۔ متّی اَور لُوقا میں کسی قدر اختصار کے ساتھ مندرج ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ وُہ جگہ جہاں یہ معجزہ واقع ہُوا اُس پہاڑ کے دامن سے لگی ہُوئی تھی۔ جہاں ہمارے خُداوند کی صُورت تبدیل ہُوئی لُوقا ۹: ۳۷۔

گمان کیا جاتا ہے کہ جس وقت ہمارا خُداوند پطرس اور یعقوب اَور یُوحنّا کے ساتھ پہاڑ پر تھا۔ اُس وقت اُس کی اَور تینوں شاگردوں کی عدم موجودگی میں باقی نو شاگردوں کے پاس اِس لڑکے کو اُس کا باپ لایا مگر چونکہ وُہ اُن وجُوہات کے باعث جن کا ذکر آگے کیا جائیگا شفا نہ دے سکے اِس لئے اُن کے درمیان اور فریسیوں کے درمیان جو ہر قسم کی باتوں سے جھگڑے کے موقعے ڈھونڈتے رہتے تھے بحث ہونے لگی۔ اَب یہ بحث ہو ہی رہی تھی کہ خُداوند اپنے تینوں شاگردوں کے ساتھ آ پہنچا۔ اَور فی الفور ساری بھیڑ اُسے دیکھ کر نہایت حیران ہُوئی اَور اُس کی طرف دَوڑ کر اُسے سلام کرنے لگی"۔ مرقس ۹: ۱۵۔ اِس حیرت کا سبب بعض لوگوں کی رائے میں یہ تھا کہ وُہ جلال جس سے اُس کا چہرہ پہاڑ پر نورانی ہُوا اَب تک کسی قدر اُس کے چہرے پر چمک رہا تھا۔ جس طرح مُوسٰے کا چہرہ جس وقت وُہ پہاڑ پر سے اُترا (خروج ۳۴: ۳۰) تاباں تھا اُسی طرح خُداوند کا چہرہ درخشاں تھا گو اتنا فرق تھا کہ مُوسٰے کے چہرہ کی روشنی میں کُچھ ایسی دہشت کی آمیزش تھی کہ دیکھنے والا تاب نہ لا سکتا تھا۔ مگر خُداوند مسیح کے چہرے میں ایسی دِلکشی پائی جاتی تھی کہ دیکھنے والا دہشت نہیں کھاتا تھا۔ بلکہ اُسے دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ اِس موقعہ پر لوگ اُس کو دیکھ کر حیران ہُوئے پر تاہم اُس کی طرف کھنچے چلے آئے ؂

لیکن فریق ثانی اِس رائے کے برخلاف تھی اَور ۱۷: ۹ پیش کرتے ہیں وہاں لکھا ہے "اَور پہاڑ سے اُترتے تھے تو یسُوع نے اُنہیں یہ حکم دیا کہ جب تک ابنِ آدم مُردوں میں سے نہ جی اُٹھے جو کُچھ تُم نے دیکھا ہے کسی سے اُس کا ذکر نہ کرنا"۔ اِس سے وُہ یہ دلیل نکالتے ہیں کہ اگر خُداوند کا چہرہ اِس وقت تاباں ہوتا تو لوگ اِس غیر معمولی اظہار

کو دیکھ کر اُس کی وجہ اُس کے شاگردوں سے دریافت کرتے پس وہ جن کو اِس راز کے فاش کرنے کی ممانعت کی گئی تھی اُن کو کونسا تسلی بخش جواب دیتے؟ پس اگر خداوند کے چہرے کو غیر معمولی طور پر مدت تک نورانی رہنا تھا تو وہ اپنے شاگردوں کو ایسی ممانعت نہ کرتا۔ لہٰذا اُن کی رائے میں لوگ مسیح کو دیکھ کر اِس لئے متعجب نہیں ہوئے کہ اُس کے چہرے پر کوئی غیر معمولی نور چمک رہا تھا۔ بلکہ اِس لئے کہ وہ یکایک اُن کے درمیان نمودار ہوا اور اب وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آیا وہ اُسے اچھا کر سکتا ہے کہ نہیں مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس بحث کی گرم بازاری کو دیکھ کر خداوند نے اُن لوگوں سے جو شاگردوں سے تکرار کر رہے تھے پوچھا "تم اُن سے کیا بحث کرتے ہو"۔ ہمارا خداوند اپنے شاگردوں کی مشکل کو دیکھ کر اُن کی مدد کے لئے آگے بڑھتا اور جو بات وہ نہیں کر سکتے اُس کے پورا کرنے کے لئے خود آگے آتا ہے۔ گویا وہ یہ کہتا ہے کہ اب مَیں آ گیا ہوں سو جو کچھ تمہیں پوچھنا منظور ہے مجھ سے پوچھو۔ میرے ساتھ گفتگو کرو اور مَیں تمہیں تمہاری باتوں کا جواب دونگا۔ ٹرنچ صاحب کہتے ہیں کہ "جس طرح کوئی لائق کپتان جس کی غیر حاضری میں اُس کے ماتحت لفٹیننٹ قریباً پشت دکھانے پر آ جاتے ہیں میدانِ جنگ میں نمودار ہو کر وقت کی تمام ضرورتوں کا موازنہ کرتا اور اپنی حضوری کے زور سے بگڑی ہوئی بات کو پھر بناتا ہے اور فتح کے آثار پیدا کرتا ہے اسی طرح اب ہوا" اِس موقعہ پر مرقس کی تازہ بیانی کی نسبت جو کچھ ٹرنچ صاحب نے کہا ہے وہ غور کے لائق ہے۔ عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ مرقس کبھی متی سے اور کبھی لوقا سے مختصر طور پر واقعات کو نقل کرتا ہے۔ مگر خود کچھ نہیں لکھتا۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے اِس واقعہ کی تصویر

کھینچ دی ہے متی اور لوقا ایسا مفصل بیان تحریر نہیں کرتے۔ کون اِس جگہ اور کئی اور مقامات کو جو تفصیل اور تازگی سے پُر ہیں دیکھ کر اُن پر یہ الزام لگا سکتا ہے کہ وہ فقط اوروں سے نقل کرتا ہے اور خود ایک علیحدہ انجیل کا مصنف نہیں ہے ٭

مسیح کا سوال سُن کر سب خاموش ہو گئے اور اُن میں سے صرف ایک شخص بولنے لگا اور وہ اُس لڑکے کا باپ تھا۔ متی بتاتا ہے کہ "وہ اُس کے آگے گھٹنے ٹیک کر کہنے لگا" (متی ۱۷: ۱۴) مُراد یہ ہے کہ بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ اُس کو سجدہ کر کے بولا۔ "اے خداوند میرے بیٹے پر رحم کر کیونکہ اُس کو مرگی آتی ہے اور وہ بہت دکھ اُٹھاتا ہے اِس لئے کہ اکثر آگ اور پانی میں گر پڑتا ہے" (متی ۱۷: ۱۵) ٭

لوقا بتاتا ہے کہ یہ لڑکا اُس کا اکلوتا بیٹا تھا (لوقا ۹: ۱۸) اور وہ چھوٹی عمر کا لڑکا تھا (متی ۱۷: ۱۸۔ مرقس ۹: ۲۴۔ لوقا ۹: ۴۲)۔ بیماری کی علامتیں جو انجیلوں میں بتائی گئی ہیں اور خصوصاً جو مرقس ۹: ۱۸-۲۰ میں مفصل بیان کی گئی ہیں اُن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیماری مرگی کی تھی۔ لیکن اُس کی تکلیف کا اصل سبب بدروح تھی جو اُس کے اندر گھسی ہوئی تھی۔ یا تو اس بیماری کے سبب سے اُس کو اِس لڑکے میں گھسنے کا موقع ملا۔ یا یہ بیماری اُس کے آنے سے پیدا ہوئی ہوگی۔ بہرکیف اس وقت یہ لڑکا اُس کے ہاتھوں سے سخت تکلیف میں تھا۔ مرقس ہمیں بتاتا ہے کہ وہ "گونگی روح تھی" (مرقس ۹: ۱۷) جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لڑکا اس روح کے آنے سے گونگا ہو گیا تھا۔ مگر لوقا کہتا ہے کہ وہ "چیخ اُٹھتا ہے" لوقا ۹: ۳۹۔ واضح ہو کہ اِن دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ لڑکا چیخ اُٹھتا تھا مگر باتیں نہیں کر سکتا تھا۔ مرقس کے الفاظ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لڑکا کیسی تکلیف

میں تھا۔ اُس کا باپ مسیح سے کہتا ہے "مَیں اپنے بیٹے کو جس میں گونگی رُوح ہے تیرے پاس لایا تھا۔ وُہ جہاں اُسے پکڑتی ہے پٹک دیتی ہے اور وُہ کف بھر لاتا اور دانت پیستا اور سُوکھتا جاتا ہے"۔ اور چُونکہ یہ تکالیف اُس پر ہر وقت اور ہر موقعہ پر آسکتی تھیں لہٰذا وُہ طرح طرح کے حوادث میں گرفتار ہو چکا تھا اور آیندہ اُن میں گرفتار ہونے کے خطرے میں تھا مثلاً اِس بدرُوح نے "اکثر آگ اور پانی میں ڈالا تاکہ اُسے ہلاک کرے"۔ مرقس کے اِس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں بدرُوح کے سبب وارد ہُوئی تھیں کیونکہ وُہ انہیں اُسی سے منسُوب کرتا ہے۔ جب اِس لڑکے کے باپ نے خُداوند سے کہا کہ "مَیں اُسے تیرے شاگردوں کے پاس لایا تھا مگر وُہ اُسے اچھا نہ کر سکے" (متّی ۱۷: ۱۶) تو خُداوند نے اُس کے جواب میں فرمایا "اَے بے اعتقاد اور کج رَو نسل مَیں کب تک تُمہارے ساتھ رہُوں گا؟ کب تک تُمہاری برداشت کرُوں گا؟ اُسے یہاں میرے پاس لاؤ"۔

خُداوند کے اِس جواب کے متعلّق مُفسّروں میں اختلاف ہے بعضوں کی رائے یہ ہے کہ یہ الفاظ شاگردوں پر عائد ہوتے ہیں۔ گویا خُداوند اپنے دِل میں رنجیدہ ہو کر شاگردوں سے کہتا ہے کہ مَیں تھوڑے عرصہ کے لئے تُم سے جُدا ہُوا تھا مگر اُسی قلیل سے عرصہ میں تاریکی کی قُدرتوں کا مقابلہ کرنے والی طاقت تُم سے جاتی رہی اور جب مَیں تُم سے ہمیشہ کے لئے جسمانی طَور پر جُدا ہو جاؤں گا تو پھر تُم کیا کرو گے؟ اور وُہ کہتے ہیں کہ متّی ۱۷: ۲۰ آیت اِس تشریح کی تائید کرتی ہے ۔

لیکن دُوسرا فریق یہ بتاتا ہے کہ خُداوند اِس وقت اُن لوگوں کی طرف مخاطب ہے جو وہاں کھڑے تھے اور واقعی لفظ قوم یا پُشت سے مُراد یہی لوگ ہو سکتے ہیں وُہ گویا اِس وقت تمام یہُودی قوم کی کجروی

کا نمُونہ تھے۔ اور لڑکے کا باپ بھی اِس توبیخ میں شامل تھا ۔

ہمیں یہ خیال بہتر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سخت کلام گویا تخصیص شاگردوں کی طرف مخاطب ہو کر نہیں کیا گیا تھا مگر وُہ بھی اپنی کم اعتقادی کے سبب اِس ملامت میں داخل تھے۔ کیونکہ وُہ بھی اپنے ایمان کی کمی کے سبب گویا اُسی ناقص جگہ کھڑے تھے جہاں اُن کی قوم کے لوگ کھڑے تھے۔ اُس کے شاگردوں نے ابھی پچھلی سردیوں یا بہار کے موسم میں (متّی ۱۰: ۱-۸) بدرُوحوں کو نکالا تھا۔ اور اَب بھی نکالتے اگر اُن کے ایمان میں ضُعف نہ آیا ہوتا۔ (متّی ۱۷: ۲۰)

اَے بے اعتقاد اور کج رو نسل۔ یہ الفاظ استثنا ۳۲: ۵ و ۲۰ کو یاد دِلاتے ہیں اور ان کا مقابلہ فلپی ۲: ۱۵ سے کرنا چاہیئے۔ واضح ہو کہ اس قوم کے درمیان جو بے اعتقادی پائی گئی تھی وُہ گواہی اور شہادت کی کمی کے سبب سے نہ تھی کیونکہ گواہی بہتات سے موجُود تھی۔ بے اعتقادی کا سبب اُن کی کج روی تھی جس کے سبب سے اُنہوں نے گواہی کو رَدّ کیا۔ یُونانی میں جو لفظ کج روی کے لئے آیا ہے اُس کے معنے "مُڑا ہُوا"۔ بالکل "جُھکا ہُوا" یا بالکل "ٹیڑھا" مُراد ہے۔

مَیں کب تک تمُہارے ساتھ رہُوں گا۔ ٹرنچ صاحب کہتے ہیں۔ کہ اِن الفاظ سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ گویا وُہ ایسے شخص کے الفاظ ہیں جو خاکی جامہ اُتارنا چاہتا ہے۔ بلکہ اُنہیں ایک ایسے اُستاد کے الفاظ سمجھنا چاہیئے جو اپنے شاگردوں کی سُستی اور کُند ذہنی سے رنجیدہ ہو رہا ہے ۔

اُسے میرے پاس لاؤ۔ جو کام شاگردوں سے نہ ہو سکا اُسے وُہ آپ خود کرتا ہے۔ جیحازی کا عصا جس مُردہ کو زندہ نہ کر سکا اُسے الیشع نے زندہ کیا۔ اسی طرح ہمارا خُداوند اِس

بیمار کو آپ تندرست کرتا ہے ٭

یسوع نے اُسے جھڑکا اور بد رُوح اُس سے نکل گئی اور وہ لڑکا اُسی گھڑی اچھا ہو گیا۔ (متی ۱۷: ۱۸)، اِس جگہ یاد رکھنا چاہئے کہ جب یہ لڑکا پہلی مرتبہ مسیح کے پاس لایا گیا۔ تو فی الفور رُوح نے اُسے مروڑا اور وہ زمین پر گرا اور کف بھر لا کر لوٹنے لگا۔ شیطان یا اُس کی بد رُوحیں چھوٹے چھوٹے لڑکوں میں ہوں یا بڑے بڑے آدمیوں میں ہوں جب مسیح کی بادشاہت کے نزدیک آتی ہیں تو گھبرا اُٹھتی ہیں اور جتنا نقصان کر سکتی ہیں کرتی ہیں۔ مرقس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اِس موقعہ پر اِس لڑکے کے باپ اور مسیح کے درمیان گفتگو ہوئی۔ اور کیوں؟ اِس لئے کہ لڑکے کے ساتھ تو اِس حالت میں گفتگو ہو نہیں سکتی تھی مگر اِس لئے کہ اُس میں ایمان پیدا کیا جائے۔ یسوع اُس کے سرپرست کے ساتھ گفتگو کرتا ہے۔ بدیں خیال کہ وہ ایمان لائے اور اُس کا بیٹا اچھا ہو جائے۔ چنانچہ وہ اُس سے پُوچھتا ہے۔ "یہ اِس کو کتنی مدت سے ہے"؟ باپ جواب دیتا ہے۔ "بچپن ہی سے اور اُس نے اکثر اُسے آگ اور پانی میں ڈالا تاکہ اُسے ہلاک کرے لیکن اگر تو کچھ کر سکتا ہے تو ہم پر ترس کھا کر ہماری مدد کر"۔ (مرقس ۹: ۲۱ و ۲۲)۔ لڑکے کا باپ اُس بیماری کے آغاز کا وقت بتانے کے بعد پھر اُس بیماری کی تکلیفوں کا ذکر کرتا ہے تاکہ مسیح کے دِل میں ترس پیدا ہو۔ اور شاگردوں کی جدید ناکامی سے ترساں ہو کر کہ مبادا یہ بھی اِس بیماری کے دفعہ کرنے میں کامیاب نہ نکلے کہتا ہے "اگر تو کچھ کر سکتا ہے تو ہم پر ترس کھا"۔ تیرے شاگرد تو کچھ نہیں کر سکے اگر تو کچھ کر سکتا ہے تو کر۔ اِس آدمی میں یہ خوبی تھی کہ اُس نے بھی سورفینیکی عورت کی طرح اپنے بیٹے کی زندگی اور اپنی زندگی

میں کسی طرح کا فرق نہ رکھا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے "ہم پر ترس کھا"۔ جس طرح اُس عورت نے کہا تھا مجھ پر رحم کر حالانکہ یہ منت اُس کی بیٹی کے لئے تھی۔ (متی ۱۵: ۲۲) مگر اِس باپ میں ایک بڑی کمی بھی تھی اور وہ یہ کہ وہ صاف ایمان کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ اُس کے دِل میں "اگر" نے روک ڈال رکھی تھی اور اُسی سے اُس کے لڑکے کی شفایابی ناممکن ہو گئی تھی۔ مگر خداوند کا کلام اُس سدِ راہ کو دُور کرتا ہے چنانچہ یسوع نے اُس سے کہا۔ "اگر تو کر سکتا ہے! جو اعتقاد رکھتا ہے اُس کے لئے سب کچھ ہو سکتا ہے"۔ (مرقس ۹: ۲۳) ٭

اگر تو کر سکتا ہے! گویا خداوند یہ کہتا ہے کہ تو مجھے کہتا ہے کہ اگر تو کر سکتا ہے تو کر۔ حالانکہ بات ساری تیرے اُوپر منحصر ہے۔ اِس بد رُوح میں کوئی ایسی بڑی طاقت نہیں کہ میں اُس کو نکال نہ سکوں۔ روک تیرے اندر موجود ہے۔ جب تک تو ایمان نہ لائے کہ میں تیرے بیٹے کو شفا دے سکتا ہوں تب تک یہ کام نہیں ہو سکتا۔ میں کرنے کو تیار ہوں اور کرنے پر قادر ہوں بشرطیکہ تو ایمان لائے۔ پھر اُس نے فرمایا جو اعتقاد رکھتا ہے اُس کے لئے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ خداوند کے یہ الفاظ ایمان پیدا کرنے کے واسطے کہے گئے تھے اور اُنہوں نے اُس میں ایمان پیدا کیا۔ چنانچہ وہ خداوند کا یہ کلام سُن کر چونک اُٹھا اور کہنے لگا "میں اعتقاد رکھتا ہوں تو میری بے اعتقادی کا علاج کر"۔ (مرقس ۹: ۲۴) "میری بے اعتقادی کا علاج کر"۔ جب اُس میں ذرا سا ایمان پیدا ہو گیا۔ تب اُس نے بے اعتقادی کی بُرائی اور گہرائی کو دیکھا اور کہنے لگا کہ اَے خداوند میں نے اب بے اعتقادی کی خرابی کو دیکھ لیا ہے تو

اِس کا علاج کرے۔ ہاں جب خُدا کے فضل کا جلال جلوہ گر ہوتا ہے تب ہی انسان اپنی کمیوں کو دیکھتا اور اپنے گُناہوں سے واقف ہوتا اور خصوصاً اپنے ایمان کے نقصوں کو جان جاتا اور اُن کا علاج طلب کرتا ہے۔

اَب جب کہ سب رُکاوٹیں دُور ہوگئیں تب جیسا متّی کہتا ہے "یسُوع نے اُسے جِھڑکا اور بدرُوح اُس سے نِکل گئی"۔ لیکن یہاں پر بھی ہمیں پھر مرقس کی طرف لوٹنا پڑتا ہے کیونکہ وُہ ہم کو بتاتا ہے کہ مسیح نے کِس طرح اِس بدرُوح کو جِھڑک کر نِکالا۔ چُنانچہ وُہ کہتا ہے کہ اُس ناپاک رُوح کو جِھڑک کر اُس سے کہا اَے گُونگی بہری رُوح! مَیں تجھے حُکم کرتا ہُوں۔ اِس میں سے نِکل آ اور اِس میں پھر کبھی داخل نہ ہو" (مرقس ۹: ۲۵) "مَیں تجھے حُکم کرتا ہُوں"۔ گویا اُس سے کہتا ہے کہ اَب جو شخص تجھ سے ہمکلام ہو رہا ہے وُہ نُور کا شہزادہ ہے اور وُہ تجھے حُکم کرتا ہے کہ اِس میں سے نِکل جا۔ اِس وقت وُہ کم اعتقاد شاگرد تجھ کو نہیں نکال رہے جن کی بات تُو نے نہ مانی۔ اَب وُہ حُکم دے رہا ہے جس کے حُکم کے خلاف تُو کُچھ نہیں کر سکتی۔ اور پھر نہ صرف یہی حُکم دیا جاتا ہے کہ اُس میں سے نِکل جائے بلکہ یہ بھی کہ پھر کبھی اُس میں داخل نہ ہو۔ ممکن تھا کہ وُہ بدرُوح اُس میں دیر تک رہنے کے سبب سے اُس پر پھر قابُو پانا چاہتی۔ (متّی ۱۲: ۴۵)۔ مگر خُداوند اُسے حُکم دیتا ہے کہ وُہ اُس میں پھر کبھی داخل نہ ہو۔ مرقس بتاتا ہے کہ وُہ بدرُوح "چِلّا کر اور اُسے بہت مروڑ کر نِکل آئی اور وُہ مُردہ سا ہوگیا ایسا کہ اکثروں نے کہا وُہ مرگیا" (مرقس ۹: ۲۶)۔ یہ آخری صدمہ ایسا شدید تھا کہ اُسے غش آگیا اور وُہ ایسا ہوگیا جیسے مُردہ۔ "مگر یسُوع نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اُٹھایا اور وُہ اُٹھ کھڑا ہُوا"

(مرقس ۹: ۲۷)۔ اِس مس میں زندگی تھی اور وُہ زندگی اس شکستہ جان اور کمزور لڑکے میں پیدا ہُوئی۔

"تب شاگردوں نے یسُوع کے پاس آکر خِلوت میں کہا ہم اِس کو کیوں نہ نکال سکے اُس نے اُن سے کہا اپنے ایمان کی کمی کے سبب سے کیونکہ مَیں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ اگر تُم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اِس پہاڑ سے کہہ سکوگے کہ یہاں سے سرک کر وہاں چلا جا اور وُہ چلا جائیگا اور کوئی بات تمُہارے لئے ناممکن نہ ہوگی" (متّی ۱۷: ۱۹ و ۲۰)۔

جب خُداوند اُس بیمار لڑکے کو اچھا کر چُکا تو اُس کے شاگردوں نے اُس سے تنہائی میں سوال کیا کہ ہم کیوں اِس بدرُوح کو نہ نکال سکے کیونکہ جب ہم نے اِس بدرُوح کو نکالنے کی حامی بھری تو ہم نے اپنے اُس اختیار سے جو تُو نے خود ہم کو دیا ہے تجاوز نہیں کیا۔ (متّی ۱۰: ۸) اور نہ ہم ہمیشہ ناکام ہی ہوتے رہے ہیں۔ بلکہ پہلے ہم برابر بدرُوحوں کو نکالتے رہے۔ اَب اِس کو کیوں نہیں نکال سکے؟ اِس کا کیا سبب ہے؟ خُداوند اِس سوال کا جواب دیتا ہے "اپنے ایمان کی کمی کے سبب سے" اور مرقس اِس کے ساتھ یہ بھی بتاتا ہے کہ خُداوند اُن کو نہ صرف اُن کی ناکامی سے آگاہ کرتا ہے بلکہ اُن کو یہ بھی بتاتا ہے کہ کس طرح ایسے بڑے مُعجزے میں آگے کو کامیاب ہو سکتے ہیں۔ چُنانچہ وُہ کہتا ہے "یہ قسم دُعا کے سوا کسی اور طرح نہیں نِکل سکتی"۔ کئی نُسخوں میں دُعا کے ساتھ روزہ کا بھی ذکر ہے نئے ترجمہ میں لفظ روزہ کا نہیں پایا جاتا۔ خُداوند پہلے اُن کے ایمان کی کمی کو اُن پر ظاہر فرماتا ہے گویا اُن کو یہ بتاتا ہے کہ ایسے بڑے مُعجزے کے دکھانے کے لئے جیسی حالت ایمان کی رُو سے دِل اور دماغ کی ہونی چاہئے تھی وُہ تُم میں موجُود نہ تھی۔ ایسے مُعجزے کے لئے بہت سی

دعا اور دُنیاوی وسوسوں سے پُورے طور پر آزاد ہونے کی ضرورت ہے۔ مرقس کہتا ہے "یہ قسم"۔ مُفسّروں نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ بدرُوحوں کے بھی درجے ہیں اور وُہ اِس کے ثبوت میں یہ مقام اور وُہ مقام پیش کرتے ہیں جو متی ۱۲: ۴۵ میں پایا جاتا ہے جہاں ایک ناپاک رُوح سات اَور رُوحوں کو لے کر آتی ہے جو اُس سے بھی زیادہ شریر تھیں اور نیز افسی ۶: ۱۲ کو پیش کرتے ہیں جہاں پولُس گویا بدرُوحوں کے ایک درجہ سے دُوسرے درجہ تک چڑھتا جاتا ہے۔ پر جس طرح کم اعتقادی کمزوری کا منبع ہے اِسی طرح ایمان حقیقی طاقت کا سرچشمہ ہے۔ چنانچہ ہمارا خُداوند فرماتا ہے کہ "اگر تُم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سِرک کر وہاں چلا جا اور وُہ چلا جائیگا اور کوئی بات تُمہارے لئے ناممکن نہ ہوگی"۔ غالباً مُراد مُعجزہ دکھانے والے ایمان سے ہے۔ تاہم وُہ جو ایمان رکھتے ہیں وُہ خُداوند کی قُدرت سے بڑی بڑی مُشکلات کے پہاڑوں کو ہلا دیتے ہیں ✣

نصیحتیں اَور مفید اشارے

۱۔ باپ کا عجیب تجربہ۔ (۱) جگر خراش اور سینہ فگار دُکھ کے متعلّق۔ (۲) دِل شکن ناکامی کے متعلّق۔ (۳) ایمان کی لڑائی کے متعلّق۔ (۴) بڑی برکت کے متعلّق ✣

۲۔ ماں باپ کو اپنے بچّوں کے لئے دُعا کرنی چاہیئے۔ نہ صرف ایسے بچّوں کے لئے جو خود دُعا نہیں کر سکتے بلکہ اُن کے لئے بھی جو کرنا نہیں چاہتے ✣

۳۔ مسیح کم اعتقادی سے رنجیدہ ہوتا ہے۔ (۱) اِس لئے کہ یہ صفت اُس کی طبیعت کے موافق نہیں۔ (۲) اِس لئے کہ بے ایمانی میں گُناہ لپٹا ہُوا ہوتا ہے۔ (۳) اِس لئے کہ وُہ جانتا ہے کہ لوگ اپنی بے ایمانی کے سبب بہت سی برکتیں کھو دیتے ہیں (۴) اِس لئے کہ کم اعتقادی اُن کوششوں کو جو فائدہ پہنچانے کے لئے کی جاتی ہیں بے اثر اور بے پھل رکھتی ہے۔ (۵) اِس لئے کہ کم اعتقاد ہونا گویا مسیح کے ساتھ سرد مہری سے پیش آنا ہے (۶) اِس لئے کہ بے ایمانی پر فتح پانا مُشکل کام ہے ✣

۴۔ خادمانِ دین کے لئے ضروری امر ہے کہ وُہ ہمیشہ اپنے خُداوند کی رفاقت میں زندگی بسر کریں اور اپنی ناکامیوں کے اسباب اُس سے دریافت کرتے رہیں ✣

۵۔ ایمان کی کمی (۱) مفید کاموں کو روکتی ہے (۲) رُوحانی بینائی کے لئے سدِّ راہ ہے (متّی ۱۶: ۸)۔ (۳) وُہ لوگوں کو خطرے کے درمیان بُزدِل بناتی ہے۔ (متّی ۸: ۲۶)۔ (۴) وُہ اُنہیں دُنیاوی افکار میں مُبتلا رکھتی ہے (متّی ۶: ۳۰) ✣

۶۔ اِس مُعجزے کی مُشکلات۔ (۱) مرض کی خاصیّت (۲) شاگردوں کی کوششوں کی ناکامی (۳) فریسیوں کے کینہ وَر سوالات۔ (۴) حیران بِھیڑ کی موجودگی۔ (۵) باپ کی کم اعتقادی۔ گو بعد میں اُس کا علاج کیا گیا ✣

۷۔ گو مسیحی کلیسیا بعض بعض ممبروں کی زندگی میں کمزور نظر آتی ہے مگر اُس کے "سر" میں ہمیشہ مُعجزانہ قُدرت موجود ہے ✣

۸۔ چاہیئے کہ مسیح کے شاگرد جب قدرت کو کم ہوتے دیکھیں تو اُسی وقت اپنی کم اعتقادی کا تدارک کریں ✣

۹۔ شاگردوں کی غلطی۔ جو شاگرد مسیح کے ساتھ پہاڑ پر تھے وُہ اِس

غلطی میں مبتلا ہوئے کہ کام چھوڑ کر گیان دھیان میں لگے رہنا چاہتے اور جو نیچے تھے وُہ بغیر اُس گیان دھیان کے جو ایمان سے پیدا ہوتا ہے دُنیا کے ساتھ سخت لڑائی میں مصرُوف ہونا چاہتے تھے ؂

۱۰۔ ایمان صرف اُسی کام کو انجام دے سکتا ہے جس کی نسبت وُہ قائل ہو گیا ہے کہ وُہ خُدا کی مرضی اور دعوت کے مطابق ہے ؂

۱۱۔ ایمان کا یہ طریقہ نہیں کہ پہلے سائنس کی طرح تجربے کرتا پھرے وُہ اُسی بات کو ہاتھ لگاتا ہے جس کی درُستی اور راستی ثابت ہو چُکی ہے۔ اور اُسے خُدا کی ہدایت اور قدرت سے ملبّس ہو کر کرتا ہے ؂

۱۲۔ ہم کس طرح پہاڑ دُور کریں۔ لازم ہے کہ (۱) پہلے ہم اپنی کم اعتقادی کا پہاڑ دُور کریں۔ (۲) دُوسروں کی اعتقادی کا جو ہمارے آس پاس رہتے ہیں۔ (۳) اور پھر دُنیا کی بے ایمانی کا ؂

۱۳۔ دُعا اور روزہ۔ یہ شرائط ہیں جن سے ایمان تاریکی کی طاقتوں پر غالب آتا ہے۔ (۱) دُعا وُہ ایمان کا ہاتھ ہے جو خُدا کی قدرت کو آسمان سے زمین پر لاتا ہے (۲) روزہ وُہ ایمان کا عمل ہے جس سے اِنسان حقیقی معنی میں تارک الدُنیا ہوتا ہے ؂

مچھلی کے مُنہ سے معجزانہ طور پر سِکّہ نکالنا

متّی ۱۷ : ۲۴-۲۷

اِس مُعجزے کا بیان صرف متّی کی انجیل میں پایا جاتا ہے اور اِس کے متعلق اِس بات پر بحث ہے کہ جس مثقال کا ذکر اِس بیان میں درج ہے آیا اُس سے رُومی شہنشاہ کا جزیہ مُراد ہے یا وُہ نذرانہ جو ہیکل کے اخراجات کے لئے ادا کیا جاتا ہے۔

صحیح خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وُہ آدھا مثقال ہے جو ہیکل کے خرچ اخراجات کے لئے یہُودی ادا کیا کرتے تھے۔ لفظ محصُول یا جزیہ مغالطہ میں ڈالنے والا ہے۔ لیکن ہمارے نئے ترجمہ میں جو سُرخی اِس طرح درج ہے "ہیکل کے محصُول کو ادا کرنا" اِس مغالطہ کو رفع کرتی ہے ؂

اگستِن۔ اریجن۔ اسکندریہ کا کلیمنٹ اور کالون یہ سب بزرگ اِسے سرکاری محصُول سمجھتے تھے۔ گو مؤخر الذکر یہ مانتا تھا کہ پہلے یہ روپیہ ہیکل کو دیا جاتا تھا۔ مگر جب ہیکل کی خدمات بند ہو گئیں تو رُومی خزانہ میں جانے لگ گیا۔ لیکن ٹرنچ صاحب کہتے ہیں کہ یہ خیال تاریخی صداقت کے بیان کے خلاف ہے کیونکہ جس وقت کا یہ ذکر ہے اُس وقت ہیکل کی خدمات جاری تھیں اور فدیہ کا روپیہ ہیکل ہی میں ادا کیا جاتا تھا۔ ٹرنچ صاحب اِس بات کے

ثبوت میں کہ یہ ہیکل کا مثقال ہے یہ دلائل پیش کرتے ہیں:-

(۱) کہ جو رقم یہاں بتائی گئی ہے وُہ اُس رقم کے برابر ہے جو خروج ۳۰: ۱۱-۱۶ کے مطابق ہر یہودی کی طرف سے جو بیس برس سے اُوپر تھا ہیکل کے اخراجات کے لئے واجب الادا سمجھی جاتی تھی - یہ نذر "فدیہ" کہلاتی تھی - البتّہ خروج کے مقام مذکورہ بالا کے مطابق صرف اُس وقت ادا کی جاتی تھی - جب کہ مردم شماری ہُوا کرتی تھی - لیکن کچھ عرصہ کے بعد یا تو خُدا کی ہدایت سے یا کسی رسم کے سبب سے یہ نذرانہ سال بسال ادا ہونے لگ گیا۔ نحمیاہ کے زمانہ (نحمیاہ ۱۰: ۳۲) میں لوگوں نے عہد کیا کہ وُہ مثقال کا تیسرا حصّہ ادا کیا کریں گے حالانکہ دستُور آدھے مثقال کا تھا - اِس تخفیف کا سبب غالباً یہ تھا کہ نحمیاہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل تنگ دست ہو گئے تھے - اور اگر کوئی یہ کہے کہ کیا اُنہوں نے اُس رقم کو جو خُدا نے مقرّر کی تھی بدل ڈالا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے جو بات مقرّر کی تھی سو یہ تھی کہ آدھا مثقال مردم شماری کے وقت ادا کیا جائے - اور یہ سالانہ ادائیگی تھی - جوسیفس اور فیلو کے زمانہ میں یہ فدیہ کا روپیہ سالانہ ادا کیا جاتا تھا ٭

(۲) اگر یہ سرکاری محصُول ہوتا تو جمع کرنے والے "مثقال" لینے والے نہ کہلاتے بلکہ محصُول لینے والے کہلاتے کیونکہ جو رُومیوں کی طرف سے اِس کام کے لئے مقرّر ہوتے تھے وُہ اسی لقب سے ملقّب ہُوا کرتے تھے ٭

(۳) پھر اُن کے سوال کی صُورت بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ روپیہ ہیکل کا تھا - کیونکہ سوال سے جبر ظاہر نہیں ہوتا بلکہ روپیہ کا ادا کرنا اختیاری امر معلوم ہوتا ہے - اگر یہ محصُول لینے والے سرکاری

ملازم ہوتے تو ایسی نرمی سے کلام نہ کرتے ٭

(۴) مگر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہمارا خُداوند پطرس کی طرف مخاطب ہو کر فرماتا ہے "اے شمعُون تُو کیا سمجھتا ہے؟ کہ دُنیا کے بادشاہ کن سے محصُول یا جزیہ لیتے ہیں؟ اپنے بیٹوں سے یا غیروں سے؟ جب اُس نے کہا کہ غیروں سے تو یسُوع نے اُس سے کہا پس بیٹے بری ہُوئے"۔ دلیل یہ ہے کہ اگر یہ محصُول خُدا کا نہیں بلکہ سرکاری ہے تو خُداوند کے یہ الفاظ "پس بیٹے بری ہُوئے" بے معنی ہو جاتے ہیں - مطلب یہ ہے کہ چُونکہ خُداوند مسیح خُدا کا بیٹا ہے لہٰذا اپنی بادشاہت اور اپنے گھر کا مختار ہے - پس زیب نہیں دیتا کہ وُہ جس کے حضُور یہ جزیہ ادا کرنا چاہیے خود اُسے ادا کرے - وُہ تو خود ہیکل کا مالک ہے لہٰذا وُہ مجبُور نہیں کہ خود فدیہ کا روپیہ ادا کرے - یہ کہنا کہ وُہ یہاں اپنے شاہانہ حسب نسب کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ وُہ داؤد کی نسل سے تھا درُست نہیں کیونکہ وُہ کہتا ہے "کن سے جزیہ لیتے ہیں اپنے بیٹوں سے یا غیروں سے؟" مسیح داؤد کا بیٹا تھا مگر قیصر کا بیٹا نہ تھا - پس اِس بنیاد پر کہ وُہ داؤد کا بیٹا تھا وُہ اِس محصُول سے بری نہیں ہو سکتا تھا - پر اگر ہم یہ مانیں کہ یہ روپیہ ہیکل کے وسیلے خُدا کو جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے ادا کیا جاتا تھا تو یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مسیح کس بِنا پر اپنے تئیں اِس محصُول سے بری ٹھہرانا جائز جانتا تھا۔ روپیہ خُدا کو ادا کیا جاتا تھا اور وُہ خُدا کا بیٹا ہے لہٰذا اِس روپیہ کے ادا کرنے سے آزاد اور بری ہے - اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مسیح یہ نہیں کہتا ہے کہ "وہ بیٹا بری ہُوا" بلکہ یہ کہتا ہے کہ "بیٹے بری ہُوئے" پس تُم کس طرح اس سے یہ مُراد لیتے ہو کہ مسیح اپنی نسبت آزادی کا دعوےٰ کرتا ہے؟ تو

اِس کا جواب یہ ہے کہ چُونکہ مسیح "بادشاہوں" کا لفظ صیغہ جمع میں استعمال کرتا ہے لہٰذا زبان کی رعایت سے بیٹوں کا لفظ بھی بصیغہ جمع لاتا ہے ؎

۲۴۔ اور جب کفرنحُوم میں آئے تو نیم مِثقال لینے والوں نے پطرس کے پاس آکر کہا کیا تُمہارا اُستاد نیم مِثقال نہیں دیتا؟

معلوم ہوتا ہے کہ اِس موقعہ پر ہمارا خُداوند اور پطرس اور شاید اَور شاگرد بھی کفرنحُوم میں اپنے معمُولی دَوروں میں سے کسی دَورہ کو ختم کر کے لَوٹ آئے تھے اَور جب خُداوند اور اُس کے شاگرد کسی راستہ سے گزر رہے تھے تو اُس وقت مِثقال جمع کرنے والوں نے پطرس سے جو خُداوند کے پیچھے پیچھے جا رہا ہو گا یہ سوال کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سوال گستاخانہ طَور پر کیا گیا اَور بعض کی رائے یہ ہے کہ گُستاخی سے نہیں کیا گیا تھا۔ بہرکیف اُنہوں نے پطرس سے پُوچھا کہ تیرا اُستاد ہیکل کا روپیہ ادا کرتا ہے یا نہیں؟ پطرس اپنی معمُولی جلد بازی کے مطابق فوراً جواب دیتا ہے کہ ہاں ادا کرتا ہے۔ شاید اُس نے غیرت مندی سے یہ جواب دیا کیونکہ وُہ جانتا تھا کہ خُداوند اُن تمام فرائض کو جو شریعت کی راہ سے لازمی تھے پُورے پُورے طَور پر ادا کیا کرتا تھا۔ یُونانی میں مِثقال کے لئے لفظ دِدرخمہ آیا ہے جو برابر ایک مِثقال کے ہوتا تھا اَور قیمت میں ہمارے روپیہ کے برابر تھا۔ اور دو آدمیوں کے لئے کافی تھا۔ اُس نے کہا "ہاں دیتا ہے" ؎

۲۵۔ اور جب وُہ گھر میں آیا تو یسُوع نے اُس کے بولنے سے پہلے ہی کہا۔ اَے شمعُون تُو کیا

سمجھتا ہے؟ دُنیا کے بادشاہ کن سے محصُول یا جزیہ لیتے ہیں؟ اپنے بیٹوں سے یا غیروں سے؟

پطرس نے غیرت میں آکر یہ تو کہہ دیا کہ "ہاں دیتا ہے" مگر وُہ اپنے اُس عجیب اقرار کو بھُول گیا جو تھوڑا عرصہ ہُوا کیا تھا۔ "تُو زندہ خُدا کا بیٹا مسیح ہے" (متی ۱۶: ۱۶) یا تو وُہ اِس اقرار کی پُوری گہرائی سے واقف نہ تھا اور اگر تھا تو اس وقت اُسے نظرانداز کر گیا۔ بہرحال اُس کو یہ بات یاد نہ رہی کہ میرے خُداوند کا اصل مرتبہ اور منصب اِس بات کا متقاضی ہے کہ محصُول اُس کو دیا جائے نہ کہ اُس سے لیا جائے۔ وُہ ہیکل سے بڑا تھا۔ پس یہ لازم تھا کہ فِدیہ کا روپیہ اُس کے حضُور ادا کیا جاتا نہ کہ اُس سے لِیا جاتا۔ اَب خُداوند قبل اس کے کہ پطرس خود بتائے آپ اُس سے پُوچھتا ہے کیونکہ اُس پر خفی جلی سب بھید کھُلے تھے اَور وُہ پوشیدہ باتوں سے واقف تھا۔ "کیا تُو سمجھتا ہے کہ دُنیا کے بادشاہ وغیرہ"، وُہ اِس سوال سے گویا پطرس کو یاد دلاتا ہے کہ تُو نے ابھی ابھی مُجھے زندہ خُدا کا بیٹا کہا تھا۔ اور تُو جانتا ہے کہ یہ روپیہ جو جمع کیا جاتا ہے خُدا کو ادا کیا جاتا ہے۔ اَور یہ بھی جانتا ہے کہ بادشاہ اپنے بیٹوں سے محصُول نہیں لیا کرتے بلکہ غیر اور اجنبی لوگ محصُول دِیا کرتے ہیں۔ اَب اگر یہ صحیح ہے تو مَیں بھی جو خُدا کا بیٹا ہُوں اِس محصُول سے آزاد ہُوں کیونکہ مَیں اپنے گھر کا مختار ہُوں۔ یہ ہم اُوپر بتا آئے ہیں کہ کیوں بیٹے کہتا ہے اور "بیٹا" نہیں کہتا ؎

۲۷۔ لیکن مبادا ہم اُن کے لئے ٹھوکر کا باعث ہوں تُو جھیل پر جا کر بنسی ڈال اَور جو مچھلی پہلے نکلے اُسے لے اور جب تُو اُس کا مُنہ کھولے گا تو ایک

مِثقال پائیگا۔ وُہ لے کر میرے اور اپنے لئے اُنہیں دے ؀

ہمارا خُداوند اپنے تئیں اس روپیہ کے ادا کرنے سے بالکل بری سمجھتا ہے۔ مگر چُونکہ اُس کا شاگرد کہہ آیا ہے کہ فِدیہ کا روپیہ ادا کیا جائیگا اور چونکہ نہ ادا کرنے سے یہُودیوں کو یہ الزام لگانے کا موقعہ مِلتا کہ وُہ اور اُس کے شاگرد ہیکل کی قدر نہیں کرتے بلکہ شریعت کو توڑتے ہیں لہٰذا خُداوند وُہ دِرخمہ دینے کا انتظام کرتا ہے اور وُہ اِس طرح کہ اپنے شاگرد کو وُہی کام کرنے کو کہتا ہے جس سے وُہ خُوب مانُوس ہے۔ پیشہ ماہی گیری سے پطرس بخُوبی واقِف تھا۔ سو خُداوند اُسے بنسی ڈالنے کو کہتا ہے۔ شاید وُہ یہ مقرری رقم اگر چاہتا تو کسی اَور طرح سے بھی دے سکتا تھا مگر ایسا کرنے سے وُہ مطلب زائل ہو جاتا جو مچھلی کے مُنہ سے سِکّہ پانے سے برآمد ہُوا۔ خُداوند محصُول کا روپیہ تو ادا کرتا ہے مگر وُہ روپیہ ایسے طریقہ سے دستیاب ہوتا ہے کہ شاگردوں پر بخُوبی روشن ہو جاتا ہے کہ یسُوع جو روپیہ کا ادا کرنے والا ہے واقعی تمام مخلُوقات کا بادشاہ ہے۔ خُشکی اور تری کا مالک۔ اِنسان اَور حیوان کا خُداوند ہے اور اِس لئے اُس کا عالی درجہ اور شاہی رُتبہ۔ اُس کی شوکت اور اُس کا جلال خُدا کے بیٹے کی طرح ہے۔ پس اُس سے فِدیہ کا روپیہ نہیں لینا چاہیئے۔ بلکہ اُس کے حضُور ادا کرنا چاہیئے ؀

اُنہوں نے اُس کی تنگ دستی میں اُس کی الٰہی دولت مندی کا جلوہ دیکھا۔ واضح ہو کہ خُداوند نے بجُز اِس مُعجزے کے کوئی اَور مُعجزہ اپنی حاجت کے پُورا کرنے کے لئے نہیں کیا۔ اَور یہ بھی اُس کی کسی ذاتی حاجت کی مرافعت کے لئے نہ تھا۔ اور جو بات یاد

رکھنے کے قابل ہے سو یہ ہے کہ یہاں واقعی ایک حقیقی اور سچی ضرُورت تھی جس کے رفع کرنے کے لئے اُس نے یہ مُعجزہ کیا۔ اِس خیال کے مقابل میں وُہ مُعجزات جو اَپاکرِفل کتابوں میں درج ہیں اور مسیح سے منسُوب کئے جاتے ہیں کیسے بے بُنیاد اور بے مزہ معلوم ہوتے ہیں ؀

اَب رسُول یہ نہیں بتاتا کہ پطرس گیا اور اُس نے بنسی ڈالی اور مچھلی پکڑی اور سِکّہ پایا اور اُسے مسیح کے پاس لایا وغیرہ یہ سب باتیں مقدر ہیں۔ مگر خُداوند کا یہ حکم کہ "جو سِکّہ تجھے مِلیگا اُسے لے کر میرے اور اپنے لئے اُنہیں دے" ظاہر کرتا ہے کہ جیسا خُداوند نے فرمایا تھا ویسا ہی ہُوا ؀

خُداوند "میرے اور اپنے لئے" کہتا ہے۔ اور "ہم دونوں کے لئے" نہیں کہتا۔ بعض لوگوں کی رائے میں یہ تفریق اِس واسطے کی جاتی ہے کہ شاگرد مسیح کو اپنے زُمرہ میں شامل نہ کریں۔ بلکہ یہ امتیاز کریں کہ وُہ فِدیہ کا روپیہ دینے والا نہیں بلکہ لینے والا ہے۔ مگر چُونکہ اُس نے اپنی مرضی سے اِنسانی صُورت اختیار کی اور شریعت کے تابع ہُوا اِس لئے وُہ فِدیہ کا روپیہ دیتا ہے تاکہ لوگ ٹھوکر نہ کھائیں ؀

یاد رہے کہ مُعجزہ نہ صرف اِس غیب دانی میں تھا کہ فلاں مچھلی کے پیٹ میں سِکّہ موجُود ہے بلکہ اِس بات میں بھی کہ اُس نے اپنی قُدرت سے اُسی مچھلی کو پہلی مرتبہ پطرس کی بنسی کے پاس بھیجا جس کے پیٹ میں وُہ سِکّہ پایا جاتا تھا۔ جس طرح اَور مخلُوقات اُسی طرح مچھلیاں اور بحری جانور بھی اُس کے تابع اور اُسی میں جیتے ہیں۔ (یُوناہ ۱: ۱۷ و ۱۔سلاطین ۱۳: ۲۴ و ۲۰: ۳۶ و عامُوس ۹: ۳) ؀

اِس مُعجزہ کے متعلّق دو باتوں سے خبردار رہنا چاہیئے۔ اوّل یہ کہ ہم اُن تاویلوں سے بچیں جو یہ بیان کرتی ہیں کہ مُعجزہ وغیرہ کُچھ سرزد نہیں

ہُوا۔ صرف مسیح نے پطرس سے یہ کہا۔ کہ ہاں بھائی ہم کو محصول تو دینا ہے پر کس طرح دیا جائے۔ بہتر ہے کہ تم جاؤ اور مچھلیاں پکڑو اور اُن کو بیچ کر جو رقم دینی ہے کما لاؤ۔ یہ خیال بالکل لغو اور باطل ہے کیونکہ جن الفاظ میں معجزہ بیان کیا گیا ہے اُن میں کوئی بات ایسی نہیں جو اس لچر خیال کی تائید کرے۔ اور پھر اس کے ساتھ ہم اُس تشریح سے بھی اجتناب کریں جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ خداوند مسیح نے بالکل از سرِ نو مچھلی اور سکے کو خلق کیا۔ ہم اُس کی خالقیت کے دل و جان سے قائل ہیں۔ ساری چیزیں اُس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں۔ اور جو کچھ پیدا ہُوا ہے اُس میں سے کوئی چیز بھی اُس کے بغیر پیدا نہ ہوئی۔ تو بھی ان معجزوں کے متعلق یہ ماننا ضروری نہیں کہ تخلیقِ مطلق وجود میں آئی۔

پھر اس معجزے سے بعض بعض پرانے بزرگوں نے علامتی معنے نکالے ہیں مثلاً یہ کہ مچھلی کے منہ میں جو سکہ تھا اُس سے غرور مُراد ہے۔ اور مچھلی سے گنہگار انسان جو ایمان لاتا ہے اور پانی سے دُنیا کا ویرانہ جس میں سے گنہگار انجیل کی بنسی سے پکڑا جاتا ہے۔ پس مُراد یہ ہے کہ آدمیوں کے ہر مچھوے کو لازم ہے کہ وہ ہر شخص کے منہ سے جو ایمان لاتا ہے غرور کا سکہ نکالے۔ اِس قسم کی تفسیروں کی کچھ ضرورت نہیں۔ معجزہ خود جیسا ہے رُوحانی معانی سے پُر ہے ٭

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ دیکھو خداوند مسیح کیسی احتیاط اور خبرداری سے کام لیتا ہے تاکہ لوگ غلط فہمی میں نہ پڑیں۔ (۱) وہ پطرس کے ساتھ بڑی خبرداری سے گفتگو کرتا ہے۔ (۲) اپنے چلن سے یہودیوں کو ٹھوکر کھانے کا موقع نہیں دیتا ہے ٭

۲۔ وہ خدا کا فرزند ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے تاہم سچے آدمیوں کی طرح ہر نیک فرض وفاداری کے ساتھ بجا لاتا ہے۔ (مقابلہ کرو متی ۳: ۱۵ کے ساتھ) ٭

۳۔ وہ دینی چندے کے دینے میں شامل ہوتا ہے ٭

۴۔ وہ اپنے دعوؤں کو بھی چھوڑ دیتا ہے تاکہ اُس کے نمونہ سے اوروں کو نقصان نہ پہنچے (مقابلہ کرو ۱۔ کرنتھی ۸: ۱۳ و ۹: ۱۲ و ۲۲ کے ساتھ) ٭

۵۔ ہماری دانست میں مسیح کی گفتگو جو پطرس کے ساتھ ہُوئی اور جس میں اُس نے یہ دعوےٰ کیا کہ مَیں نیم مثقال کے ادا کرنے سے آزاد ہُوں پختہ اور لاجواب ثبوت اِس امر کا ہے کہ وہ الٰہی شخص تھا۔ ہم نے تفسیر میں دکھا دیا ہے کہ وہ اَور کسی طرح یہ دعوےٰ نہیں کر سکتا تھا۔ اور پھر یہی بات اُس طریقہ سے ثابت ہے جس سے اُس نے یہ چندہ ادا کیا۔ اِس کے وسیلے وہ ظاہر کرتا ہے کہ مَیں تمام بحری اور برّی قدرتوں کا مالک اور بادشاہ ہُوں ٭

۶۔ اِس معجزے نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ کیسا دولتمند ہے۔ اُس کی حشمت اُس کا جلال عیاں ہے۔ پر ہمارے لئے اُس نے غریبی اختیار کی اور اپنے آپ کو پست کیا ٭

۷۔ اِس معجزے سے یہ نصیحتیں بھی نکلتی ہیں۔ (۱) اِس معجزے سے الٰہی علم عیاں ہے۔ (۲) کفایت کا سبق ملتا ہے۔ صرف اُتنی قیمت کا سکہ ملتا ہے جو ضروری اَور کافی ہے۔ (۳) مذہبی قواعد کے برقرار رکھنے کے لئے یہ روپیہ دیا جاتا ہے۔ (۴) ضرورت کے موقعوں پر خداوند مسیح پر بھروسہ رکھنے کا سبق ملتا ہے ٭

۸۔ ایک بزرگ نے خوب کہا ہے کہ خداوند مسیح نے آپ خزانہ کی جگہ

تبدیل کر دی ہے۔ مچھلی کے مُنہ سے نکال کر اپنے خزانہ کو اپنے بندوں کی جیب میں بھر دیا ہے اور چاہئے کہ اُس کی خدمت کے لئے اُس کے پرستار وہاں سے نکال نکال کر کام میں لائیں ۔

۹۔ دیکھو خُداوند نے کبھی کوئی مُعجزہ اپنے فائدے یا اپنی ضروریات کے رفع کرنے کے لئے نہیں کیا۔ وُہ ہمیشہ اپنی قوّتِ اعجاز کو اوروں کی بھلائی کے لئے کام میں لاتا تھا۔ یہ مُعجزہ بھی اُس نے اپنی کسی ذاتی ضرورت کے لئے نہیں کیا ۔

۱۰۔ نیچر اور مسیح ۔ (۱) وُہ ساری نیچر کا عالم (۲) ساری نیچر کا حاکم (۳) اور ساری نیچر کا ناظم ہے ۔

لعزر کو زندہ کرنا

یُوحنّا ۱۱: ۱ - ۵۴

اس مُعجزہ کا بیان شروع کرنے سے پہلے یہ سوال برپا ہوتا ہے کہ اس کا کیا سبب ہے کہ اتنا بڑا مُعجزہ جو خُداوند کے تمام مُعجزات سے بڑھ کر تھا اور جس کے نتائج بھی بڑے بڑے تھے صرف ایک ہی انجیل میں جگہ پاتا ہے اور باقی تین انجیلوں میں اُس کا کُچھ پتہ نہیں ملتا۔ اس سے بہت لوگوں کو اِس مُعجزے کی حقیقت پر اعتراض کرنے کا موقعہ ملا ہے ۔ اس سوال کے جواب میں ذیل کے قیاس پیش کئے جاتے ہیں :-

(۱) یہ کہ پہلی تین انجیلوں کے مصنّفوں نے اپنی انجیلوں کو مُلک

فلسطین میں تحریر کیا اور غالباً اُس وقت لعزر اور اُس کے بعض رشتہ دار جیتے تھے اور ان انجیل نویسوں نے مناسب نہ سمجھا کہ اپنی انجیلوں میں اِس مُعجزے کو درج کر کے مخالفوں کو اُن کی طرف متوجہ کریں اور یُوں لعزر اور اُس کے رشتہ داروں کو اُن کی ایذا رسانی کا نشانہ بنائیں ۔ بعض مفسّر اِس خیال کے ثبوت میں یُوحنّا ۱۲: ۱۰ پیش کرتے ہیں جہاں لکھا ہے "لیکن سردار کاہنوں نے مشورہ کیا کہ لعزر کو بھی مار ڈالیں "۔ لیکن اس کے جواب میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ خیال اصل مُشکل کی عقدہ کشائی نہیں کرتا کیونکہ متّی کی انجیل کے سوائے باقی دو انجیلوں کی نسبت پختہ طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وُہ ضرور فلسطین میں لکھی گئی تھیں اور یہ خیال کہ اگر وُہ اُس کا ذکر اپنی انجیلوں میں کرتے تو وُہ معرضِ خطر میں پڑ جاتا وقعت کے لائق نہیں کیونکہ اُس وقت مسیحیوں کا ذکر کسی کتاب میں کیا جاتا یا نہ کیا جاتا وُہ بہر کیف دُشمنوں کے سبب ہر وقت خطرہ میں مُبتلا تھے ۔ اور اگر بالفرض لعزر کو اِس مُعجزے کے اندراج سے خاص خطرے میں گرفتار ہونا ہی پڑتا تو بھی وُہ اپنے بچنے کے لئے اپنے خُداوند کے نام کی بزرگی اور جلال کے لئے کبھی سدِّ راہ نہ ہوتا۔ پس ان وجُوہات سے خیال مذکورہ بالا بہت زور آور معلوم نہیں ہوتا ۔

(۲) دُوسرا خیال یہ ہے کہ چُونکہ پہلی تین انجیلوں کے مصنّف اُن مُعجزوں کا ذکر جو یروشلیم یا اُس کے گرد و نواح میں ہُوئے اپنی انجیلوں میں نہیں کرتے ۔ اِس لئے اُنھوں نے اس کو بھی چھوڑ دیا۔ مذکورہ بالا خیالات میں بھی کُچھ نہ کُچھ صداقت پائی جاتی ہے مگر ہمیں رائل صاحب کا یہ خیال دُرست معلوم ہوتا ہے کہ ہر انجیل نویس نے وُہی بات رقم کی جس کے قلمبند کرنے کی ہدایت اُس کو خُداوند سے ملی۔ کوئی شخص

یہ خیال نہیں کرتا کہ ہمارے انجیل نویس مسیح کی کامل تاریخ تحریر کرنے کا ذمہ لیتے ہیں۔ مسیح نے صرف وُہی تین مُردے زندہ نہیں کئے جن کا ذکر انجیلوں میں آتا ہے۔ اُس نے کئی اور مُعجزے بھی اِس قسم کے دکھلائے ہونگے۔ وُہ اپنے کام کے شروع میں یُوحنّا بپتسمہ دینے والے کے جواب میں کہلا بھیجتا ہے "مُردے زندہ کئے جاتے ہیں"۔ (متّی ۱۱: ۵) اور پھر یُوحنّا کہتا ہے "اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسُوع نے کئے اگر وُہ جُدا جُدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہُوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں اُن کے لئے دُنیا میں گنجائش نہ ہوتی" (یُوحنّا ۲۱: ۲۵)۔ پس مناسب ہے کہ ہم یہ مانیں کہ خُداوند نے جیسا بہتر سمجھا ویسا ہر ایک انجیل نویس سے لکھوایا۔ اور خُداوند کے وُہ کام اور کلمات جو یروشلیم میں ظاہر ہُوئے اُن کا قلمبند کرنا یُوحنّا کے سپُرد ہُوا۔ اور وُہی مقرر ہُوا کہ اِس عجیب و غریب مُعجزے کو تحریر کرے جس سے یہُودیوں کی سخت دلی پُورے پُورے طور پر ثابت ہوگئی۔

ہماری دانست میں جو ضروری سوال ہے وُہ یہ نہیں کہ اُسے کیوں صرف ایک انجیل نویس تحریر کرتا ہے اور باقی نہیں کرتے سوال اصل یہ ہے کہ آیا یہ مُعجزہ ایک حقیقی تواریخی واقعہ ہے یا نہیں۔ غیر متعصّب شخص کے لئے اِس مُعجزے کی حقیقت اِس مُعجزے کے بیان میں موجود ہے۔ جس طرح اِس مُعجزے کا دکھانا گویا ایک طرح سے یہُودیوں کے لئے اِخلاقی معیار تھا۔ اُسی طرح اس کا بیان پڑھنے والے کے لئے بھی ایک کسوٹی ہے۔ جو ایمان لاتے ہیں اُن کے لئے زندگی کی خوشبو اور تسلّی کا باعث ہے۔ مگر جو ایمان نہیں لاتے اُن کے لئے ٹھوکر کا باعث۔ سچّی تشریح کے برخلاف چار تاویلیں پیش کی جاتی ہیں۔ (۱) یہ کہ لعزر صرف غش کے عالم میں تھا لیکن

وُہ مقامات جہاں لعزر کی مَوت کا صاف صاف بیان کیا گیا ہے اِس قیاس کی تردید کرتے ہیں۔ بہنیں کہتی ہیں اگر تُو یہاں ہوتا تو ہمارا بھائی نہ مرتا۔ وُہ سمجھتی ہیں کہ وُہ مر گیا ہے اور آیت ۳۹ میں صاف اُس کو مُردہ کہا گیا ہے۔ وُہ چار دن سے ایک قبر میں پڑا رہا جس کے مُنہ پر پتّھر رکھّا تھا۔ یروشلیم سے یہُودی ماتم پُرسی کے لئے آئے بہنیں اور اُن کے ہمدرد مہمان اُس کو مُردہ سمجھ کر آنسو بہاتے تھے ان سب لوگوں کو پُورا یقین تھا کہ وُہ مر گیا ہے۔ پر وُہ لوگ جو ۱۸ یا ۱۹ سو برس بعد تفسیریں لکھنے بیٹھتے ہیں اُن کو ان گواہوں کی بات کا یقین نہیں اُن کے زعم میں وُہ ابھی نہیں مرا۔ بلکہ صرف غش میں پڑا ہے۔ (۲) مسٹر اس صاحب اپنی کتاب "حیات المسیح" کی پہلی ایڈیشن میں یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ یہ قصّہ گویا قدیم عیسائیوں کی قوّتِ واہمہ کا کھیل ہے جو شاعرانہ طرز میں ظاہر ہُوا۔ مگر اُسی کتاب کی دُوسری ایڈیشن میں لعزر کے اِس تاریخی بیان کو فِکشن (کہانی) بتاتے ہیں جو اُن کے زعم میں لُوقا کی تمثیل موسُومہ "لعزر اور دولتمند" پر مبنی ہے۔ ہم پُوچھتے ہیں کہ اُس آدمی کے قیاس کی کیا وقعت کی جائے جو خود اپنی رائے کی نسبت مُستقل یقین نہیں رکھتا۔ پہلی ایڈیشن میں کچھ رائے دیتا ہے اور دُوسری میں کچھ اَور۔ ایسے آدمی کی ساری باتیں خود وہمی قیاسات پر مبنی ہیں۔ اُس کے وہم کی نسبت ہمیں انجیل نویس کا بیان زیادہ وقعت کے لائق معلوم ہوتا ہے۔ وُہ تاریخی بیان ہے اور مسٹر اس کی طرح قیاسی دعویٰ نہیں ہے۔ (۳) کہ یہ ایک تمثیلی بیان ہے جس میں مسیح مَوت پر غالب آنے والا ظاہر کیا گیا ہے تاکہ اُس کا جلال ظاہر ہو۔ یہ خیال بھی درست نہیں۔ کیونکہ طرزِ بیان سے ہرگز ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وُہ ایک تمثیل ہے۔ انجیل مسیح کی تمثیلوں سے بھری ہُوئی ہے۔ کوئی تمثیل

لو اور اُس کا مقابلہ اِس بیان سے کرو۔ تو فوراً معلوم ہو جائیگا کہ انجیل کا طرز ہی کچھ اَور ہوتا ہے۔ مگر بیان زیرِ نظر سے صاف روشن ہے کہ لکھنے والا ہم پر یہ نقش کرنا چاہتا ہے کہ جو کچھ مَیں تُم کو بتلا رہا ہُوں وُہ ایک حقیقی تاریخی واقعہ ہے۔ (۴) یہ کہ سارا قصّہ جھُوٹ کا فساد ہے۔ یا ملائم الفاظ میں یُوں کہیں کہ یہ قصّہ دینداراَنہ فریب کا نتیجہ ہے۔ کہ مسیح مریم اور مرتھا اور لعزر کے ساتھ مِل جاتا ہے تاکہ اِس فریب سے یہُودیوں کو قائل کرے۔ ایسا خیال کرنا کیسی شرارت ہے۔ کیا بہنوں کے آنسُو اِس خیال کی تائید کرتے ہیں؟ کیا لعزر چار دن تک قبر کے اندر جس پر پتھر دھرا تھا پڑا رہ سکتا تھا؟ کیا مسیح کا سنجیدہ کلام اور اُس کا عظیم دعوے جو وُہ اپنے کام اور اپنی شخصیت کی نسبت اِس بیان میں کرتا ہے اور اُس کی دُعا جو وُہ باپ سے مانگتا ہے کیا یہ سب باتیں اِس فریب کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں؟ یہ سب فضُول دعوے اِس خیال سے پیدا ہُوئے ہیں کہ فوق العادت ناممکن ہے معجزے کی تاریخی صحت اور صداقت بیان کی سادگی اور سچّائی اور تفصیل سے ٹپکتی ہے۔ اَور مسیح اور اُس کے شاگردوں کی صداقت لعزر اور اُس کی بہنوں کی دیانت داری سے مُترشح ہے۔ لوگ ہم کو یہ طعنہ دیا کرتے ہیں کہ ہم بڑے زُود اعتقاد ہیں۔ مسیح کے معجزوں کو جلد مان لیتے ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ مُنصف مزاج لوگ فیصلہ کریں کہ زُود اعتقاد لوگ کون ہیں۔ عیسائی یا اُن کے مخالف؟ ہماری رائے میں مذکورہ بالا قیاسوں کے ماننے کے لئے زیادہ زود اعتقادی کی ضرُورت ہے۔

۱۔ آیت۔ جس گھرانے کا اِن آیات میں ذکر ہے وہاں ہمارا خُداوند اکثر فروکش ہُوا کرتا تھا۔ یہ لوگ نہ فقط اُسے اپنے گھر میں

جگہ دیتے تھے بلکہ اپنے دِلوں میں بھی اُس کی محبّت رکھتے تھے۔ اور وُہ بھی اُن کو بہت پیار کیا کرتا تھا چنانچہ آیت ۵ میں آیا ہے "اور یسُوع مرتھا اور اُس کی بہن اور لعزر سے محبّت رکھتا تھا"۔

بیت عنیاہ کا گاؤں یروشلیم سے تھوڑے فاصلہ پر واقعہ تھا کہتے ہیں کہ وُہ پونے دو میل سے زیادہ نہ تھا۔ ہمارا خُداوند غالباً دِن کے وقت اُس مخالف شہر میں جاکر کام کیا کرتا تھا اور رات کے وقت بیت عنیاہ میں مرتھا کے گھر (لُوقا ۱۰: ۳۸) آکر پناہ گزین ہوتا تھا (متّی ۱۱:۲۱- ۱۹) یا یُوں کہیں کہ اپنے اعدا کی مخالفت اور اُن لوگوں کی صحبت سے جو بار بار اُس کے کلام کی تحقیر کرتے اور اُس کے الفاظ کا مطلب بگاڑتے تھے فارغ ہو کر اُس گھر میں آتا اور یہاں تازگی اور تفریح کے سامان پاتا تھا۔ یہاں مریم جس نے عطر ڈال کر اپنے بالوں سے اُس کے پاؤں پُونچھے تھے اُس کے پاؤں کے پاس بیٹھ کر اُس کا کلام مُعجز نظام سُنا کرتی تھی۔ یہاں مرتھا کبھی اپنی بہن کی طرح اُس کی زندگی بخش باتوں کی طرف کان جھُکاتی اور کبھی لوازماتِ مہمان نوازی بجالاکر اپنا حسنِ عقیدت دکھاتی تھی اور اِسی طرح اُس کا دوست لعزر اپنی صِدق دِلی سے اُس کے دِل کو شاد کیا کرتا تھا۔

لعزر بیمار تھا۔ اِس خوش حال خاندان پر بھی تھوڑی دیر کے لئے غم کا بادل چھا گیا۔ یعنی لعزر کسی مرض میں گرفتار ہُوا۔ یاد رہے کہ اِس دُنیا میں مسیح کے دوست بھی غم اور تکلیف کے بادلوں سے جو بنی آدم کی زندگی میں ضرور آتے ہیں آزاد نہیں۔ بلکہ یُوں کہنا چاہئے کہ اَوروں پر آئیں یا نہ آئیں ان پر ضرور آتے ہیں۔ دُکھ اور بیماری کے وسیلے خُداوند اپنے بندوں کو پاک کرتا ہے اور اُن میں برداشت کا پھل پیدا کرتا ہے۔ جب اُس کے بندے دُکھ میں ثابت قدم رہتے ہیں تو

ثابت ہو جاتا ہے کہ وُہ خُداوند کو دُنیاوی نعمتوں اور جسمانی عیش و عشرت کی افزائش کے لئے پیار نہیں کرتے بلکہ اِس لئے کہ وُہ اُن کا خُداوند ہے۔ شیطان نے ایّوب پر یہی الزام لگایا کہ وُہ دُنیوی کشائش کے سبب خُدا کی راہ پر چلتا ہے۔ اور مریم اور مرتھا پر بھی شاید یہی الزام لگتا اگر یہ دُکھ اُن پر نہ آتا ٭

لعزر کی بیماری کی نسبت کچھ پتہ نہیں کہ وُہ کیا تھی۔ مگر چونکہ بڑی تیزی کے ساتھ بڑھی اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ شاید وُہ کسی سخت قسم کا بُخار ہوگا۔ بعض مُفسّروں کا خیال ہے کہ لعزر سردی کے موسم اور البیطر کے درمیان کسی وقت بیمار پڑا ٭

لعزر۔ یہ الیعزر کی دُوسری صُورت ہے۔ اِس شخص کی نسبت بعض کی یہ رائے ہے کہ وُہ وہ شخص تھا جو مسیح کے پاس یہ کہتا ہُوا آیا تھا کہ مَیں کیا کرُوں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ مگر مسیح کا جواب سُن کر لوٹ گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ بعد میں وُہ مسیح پر ایمان لایا۔ مگر یہ نتیجہ صرف قیاسی ہے ہم اِس شخص کے بارے میں بہت کچھ نہیں جانتے ٭

۲۔ یہ وُہی مریم تھی جس نے خُداوند پر عطر ڈال کر اپنے بالوں سے اُس کے پاؤں پونچھے ٭

اِس آیت میں یہ جُملۂ مُعترضہ مریمؔ کی تخصیص کے لئے داخل کیا گیا ہے تاکہ وُہ دُوسری مریموں سے امتیاز کی جائے۔ مسیح کے شاگرد جانتے تھے کہ خُداوند کے زمانہ میں کم از کم چار عورتیں اِس نام سے موسُوم تھیں (۱) خُداوند کی ماں (۲) کلیوفس کی بیوی (۳) مریم مگدلینی (۴) مرتھا کی بہن مریم ٭

اِس بات پر بڑی بحث ہے کہ یہ مریمؔ کون تھی اور کہ ہمارے خُداوند پر کتنی دفعہ عطر ملا گیا؟ (۱) بعض لوگوں کی رائے ہے۔ کہ ہمارے خُداوند

پر تین دفعہ عطر مَلا گیا۔ ایک مرتبہ (لُوقا ۷ باب میں) شمعُون فریسی کے گھر۔ ایک مرتبہ بیت عنیاہ میں شمعُون کوڑھی کے گھر۔ اور پھر ایک مرتبہ بیت عنیاہ میں مرتھا اور مریم کے گھر۔ بعض کی یہ رائے ہے کہ عطر تین مرتبہ مَلا گیا۔ مگر مرتھا کی بہن مریم نے دو مرتبہ مَلا ٭

(۲) بعض یہ مانتے ہیں کہ صرف دو مرتبہ عطر مَلا گیا۔ ایک دفعہ فریسی کے گھر (لُوقا ۷ باب) اور ایک مرتبہ بیت عنیاہ میں شمعُون کوڑھی کے گھر جہاں مرتھا اور مریم اور لعزر رہتے تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ کیوں وہاں رہتے تھے۔ شاید شمعُون اُس کا رشتہ دار تھا۔ بعض کا گُمان ہے کہ وُہ مرتھا کا شوہر تھا ٭

(۳) بعض اشخاص کی رائے ہے کہ صرف ایک مرتبہ عطر ملا گیا۔ وُہ کہتے ہیں کہ شمعُون فریسی اور شمعُون کوڑھی ایک ہی شخص کے نام ہیں اور کہ یہ واقعہ بیت عنیاہ میں سرزد ہُوا۔ اُن کے خیال میں لُوقا اس واقعہ کا بیان ترتیبِ وقت کے مطابق نہیں کرتا۔ اِس خیال میں یہ مُشکل ہے کہ مریم اپنی پہلی زندگی میں بدکار اور گنہگار عورت ثابت ہوتی ہے۔ حالانکہ جو کچھ اُس کی خصلت کی بابت ہم کو معلوم ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ ایک نیک بخت اور خُداپرست عورت تھی۔ رائل صاحب کی رائے میں اگر تین دفعہ عطر کا ملنا تسلیم کیا جائے تو تمام دِقتیں رفع ہو جاتی ہیں۔ کم از کم دو دفعہ تو ماننا لازمی امر ہے مُفصّل بیان کے لئے اُن کی تفسیر کو دیکھنا چاہیئے ٭

اُس کے پاؤں پُونچھے۔ آیت زیرِ نظر کو پڑھتے وقت ایسا خیال گُزرتا ہے کہ گویا لعزر کے جلانے سے پہلے مسیح کے پاؤں عطر سے دھوئے گئے تھے۔ حالانکہ یہ واقعہ لعزر کے زندہ ہونے کے بعد وارد ہُوا۔ اِس کا حل یہ ہے کہ یُوحنّا اپنی انجیل ان دونو واقعات

سے بہت مدت بعد تحریر کرتا ہے وُہ جانتا ہے کہ سب مسیحی اس بات سے واقف ہیں کہ مریم نے خُداوند کے پاؤں پر عطر ملا اور اُن کو اپنے بالوں سے پُونچھا۔ لہٰذا وُہ اِس وقوعہ کی طرف اشارہ کرکے اِس مریم کو دُوسری مریموں سے امتیاز کرتا ہے۔

۳۔ پس اُس کی بہنوں نے اُسے یہ کہلا بھیجا کہ اَے خُداوند! دیکھ جسے تُو عزیز رکھتا ہے وُہ بیمار ہے۔

اپنے بھائی لعزر کی تکلیف اور خطرے کو دیکھ کر اُنہوں نے مسیح کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ مسیح غالباً اُس وقت اپنے دُشمنوں کی مخالفت سے پناہ گزین ہونے کے لئے یردن کے پار دُوسری طرف چلا گیا۔ (یُوحنّا ۱۰: ۳۹ و ۴۰ مقابلہ کرو یُوحنّا ۱: ۲۸) مگر مریم اور مرتھا کو وُہ مقام جہاں وُہ رہتا تھا معلوم تھا۔ اور چُونکہ اُنہوں نے خُداوند کو ہر موقعہ پر مدد کے لئے تیار اور لوگوں کے دُکھوں کو دُور کرنے پر مُستعد پایا تھا لہٰذا مریم اور مرتھا اُس کے پاس یہ پیغام روانہ کرتی ہیں "اَے خُداوند دیکھ جسے تُو عزیز رکھتا ہے وُہ بیمار ہے"۔ ان بہنوں کا ایمان کیسا مضبُوط تھا اور وُہ کیسا پکّا بھروسہ اُس پر رکھتی تھیں۔ وُہ یہ نہیں کہتی ہیں کہ اَے پیغامبر تُو وہاں خُداوند کو بہت تاکید کرنا اور کہنا کہ اَے خُداوند مَیں تو تجھے اپنے ساتھ لے کر جاؤنگا۔ وُہ اُس کی محبت پر کامل بھروسہ رکھتی ہیں اور جانتی ہیں کہ اُسے صرف اِتنا کہنا کافی ہوگا کہ جسے "تُو عزیز رکھتا ہے بیمار ہے"۔ اور چونکہ بیت عبارہ بیت عنیاہ سے صرف ایک دن کی راہ ہے لہٰذا اُنہیں اُمید تھی کہ وُہ جو اُن کو جو اُسے پیار کرتے ہیں کبھی نہیں چھوڑتا جلد مدد کے لئے آئیگا۔

دیکھو وُہ کیا نام اپنے بھائی کو دیتی ہیں۔ وُہ یہ نہیں کہتی ہیں کہ لعزر بیمار ہے۔ وُہ یہ نہیں کہتی ہیں کہ ہمارا بھائی بیمار ہے۔ اَور نہ یہ کہتی ہیں کہ وُہ جو تجھے پیار کرتا ہے۔ بلکہ یہ کہ جسے تُو پیار کرتا ہے وُہ بیمار ہے۔ لعزر کا نام گویا "جسے تُو پیار کرتا ہے" ہے۔

۴۔ یسُوع نے سُن کر کہا کہ یہ بیماری مَوت کی نہیں۔ بلکہ خُدا کے جلال کے لئے ہے۔ تاکہ اُس کے وسیلہ سے خُدا کے بیٹے کا جلال ظاہر ہو۔

"یہ بیماری مَوت کی نہیں"۔ یہ الفاظ خُداوند نے قاصد کا پیغام سُن کر اپنی زبان مُبارک سے نکالے۔ اور اپنے شاگردوں کے رُوبرُو بیان فرمائے یہ الفاظ گویا بہنوں کے پیغام کا جواب تھے مسیح چاہتا ہے کہ وُہی قاصد لعزر کی بہنوں کے پاس اُس کا جواب لے جائے اور اُن سے کہہ دے کہ مسیح نے کہا ہے کہ "یہ بیماری مَوت کی نہیں"۔ اس جواب نے اُن کو سخت حیرانی اور تشویش میں ڈال دیا ہوگا۔ کیونکہ لعزر غالباً اِس قاصد کے واپس آنے تک (جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے) جان بحق ہوگیا تھا۔ اَب وُہ مسیح کے اِس پیغام کو سُن کر سوچتی ہوں گی کہ اُس کا کیا مطلب ہے۔ لعزر مر گیا ہے پر وُہ کہتا ہے کہ "یہ بیماری مَوت کی نہیں"۔ کیا اُس نے ہم کو فریب دیا یا خود فریب کھایا ہے۔ وُہ کہتی ہوں گی کہ اگر اُس کا مطلب درحقیقت یہ تھا کہ لعزر نہیں مریگا تو وُہ خود کیوں نہ آیا؟ اور اگر کوئی ضروری بات سدِّراہ تھی تو وہاں سے کیوں نہ کہہ دیا کہ وُہ اچھّا ہو جائے؟ کیونکہ وُہ تو اپنے کلام سے دُور دُور کے بیماروں کو اچھّا کر دیتا ہے اور ہم نے خود اُسے اجنبیوں کو اِس طرح اچھّا کرتے دیکھا۔ لعزر تو اُس کا دوست تھا۔ جس طرح ہم خُدا کے عجیب وعدوں

کی نسبت اپنی کم اعتقادی سے یہ خیال کر بیٹھتے ہیں کہ وُہ اب ہمارے حق میں پُورے نہ ہوں گے اور جس طرح ہم اُس کی محبت کی گہرائی اور قُدرت کو نہیں پہچانتے بلکہ اُسے محدُود کرتے ہیں۔ اِسی طرح اِس وقت شاید مسیح کے وعدہ کے ساتھ ہُوا۔ اُنہوں نے اُس کے کلام کی سچّائی کو جب تک کہ واقعہ نے اُس کی تصدیق نہ کی نہ پہچانا۔ پر وُہ شروع ہی سے انجام کو جانتا تھا اور لعزؔر کی بہنوں نے بھی بعد میں معلوم کیا کہ اِس دیر کا کیا مطلب تھا۔ وُہ چاہتا تھا کہ لعزؔر نہ صرف جسمانی زندگی واپس پائے بلکہ اُس کے ساتھ وُہ اعلےٰ زندگی بھی اُس کو نصیب ہو جو پہلے اُس کو نصیب نہ تھی۔ کیونکہ جب خُداوند کہتا ہے کہ "یہ بیماری مَوت کی نہیں بلکہ خُدا کے جلال کے لئے ہے" اور اس کی شرح اِس طرح کرتا ہے کہ "اُس کے وسیلہ سے خُدا کے بیٹے کا جلال ظاہر ہو" تو اس میں ضرور یہ خیال مضمر تھا کہ لعزؔر کی رُوحانی زندگی بھی زیادہ کاملیّت حاصل کریگی اور ایسا ہی ہُوا۔ اب جس بات سے اُس کی رُوحانی زندگی نے ترقّی پائی اُس نے دُنیا کے سامنے مسیح کا جلال ظاہر کیا یا یُوں کہیں کہ خُدا کے بیٹے کا جلال پہلے لعزؔر میں عیاں ہُوا اور پھر اُس کے وسیلے دُنیا کے سامنے اُس کی بزرگی ظاہر ہُوئی۔ (مقابلہ کرو یُوحنّا ۹: ۲ و ۳) ؎

۵۔ اور یسُوع مرتھا اور اُس کی بہن اور لعزؔر سے محبّت رکھتا تھا۔

اِس آیت کو بعض نے آیاتِ قبل سے ربط دیا ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ کیوں اِن بہنوں نے اُس کے پاس پیغام بھیجا۔ یعنے اُن کو پیغام بھیجنے کی جُرأت اور اُس کے قبُول کئے جانے کا یقین اس لئے ہُوا کہ وُہ "مرتھا اور اُس کی بہن اور لعزؔر سے محبّت رکھتا تھا" پر

بعضے اِسے چھٹی آیت سے ملاتے اور یہ معنے مستنبط کرتے ہیں کہ یُوحنّا چاہتا ہے کہ اِن دونوں آیتوں میں جو دو خیال پائے جاتے ہیں اور اُن میں جو مقابلہ پایا جاتا ہے وُہ بخُوبی ظاہر ہو جائے۔ پانچویں آیت میں اُس کی محبّت کا اور چھٹی آیت میں اُس کی دیر کا ذکر ہے یا یُوں کہیں کہ یُوحنّا ایک طرف تو یہ بتاتا ہے کہ وُہ بیت عنیاہ کے مصیبت زدہ خاندان کو پیار کرتا تھا اور دُوسری طرف یہ کہ باوجُود اس پیار کے وُہ اُن کا پیغام سُن کر دو دِن تک ٹھہرا رہا۔ گویا وُہ چاہتا ہے کہ پڑھنے والا اس بات سے واقف ہو جائے کہ اِس عجیب محبّت میں جو اپنا کام کرنے سے پہلے اتنی دیر تک خاموش رہی کیا کُچھ پایا جاتا ہے۔ مگر بعض اِس آیت کو مابعد کی دو آیتوں سے مربُوط کرتے ہیں اور یہ معنے لیتے ہیں کہ "یسُوع مرتھا... وغیرہ" کو پیار کرتا تھا پس جب اُس نے سُنا کہ لعزؔر بیمار ہے تو وُہ دو دِن تک جہاں تھا وہیں رہا مگر" پھر اُس کے بعد اُس نے شاگردوں سے کہا کہ آؤ یہُودیہ کو پھر چلیں۔ اِس آیت سے ظاہر ہے کہ تمام گھرانا مسیح کا پیرو تھا۔ یہ کیسا مُبارک گھرانا تھا۔ کیسا مُبارک وُہ گھرانا ہے جو مسیح کے لُطف اور کرم کا مَورد ہے۔ واضح ہو کہ پیار کے لئے جو لفظ تیسری آیت میں آیا ہے اور وُہ متّی ۲۶: ۴۸ مرقس ۱۴: ۴۴ اور لُوقا ۲۲: ۴۷ میں بوسہ یا چُومنا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور رائلؔ صاحب کہتے ہیں کہ وُہ اُس لفظ سے جو پانچویں آیت میں آیا ہے ادنےٰ قسم کے معنے رکھتا ہے۔ مگر پانچویں آیت کا لفظ زیادہ اعلےٰ معنے رکھتا ہے اور اس سے وُہ یہ عُمدہ مطلب نکالتے ہیں کہ خُدا کا رُوح پاک لکھنے والوں کی کیسی ہدایت فرماتا ہے۔ جہاں اکیلے لعزؔر کی محبّت کا ذکر ہے وہاں اَور لفظ استعمال کیا جاتا ہے مگر جہاں تمام خاندان کا جس میں بہنیں بھی شامل ہیں ذکر آتا ہے تو

وہاں زیادہ شریف اور بہتر لفظ استعمال کیا جاتا ہے ؛

۶ و ۷۔ پس جب اُس نے سُنا کہ وُہ بیمار ہے تو جس جگہ تھا وہیں دو دِن اَور رہا۔ پھر اُس کے بعد شاگردوں سے کہا آؤ پھر یہودیہ کو چلیں۔

"جس جگہ تھا وہیں دو دِن اَور رہا"۔ اِس تاخیر کا اصل مطلب یہی تھا کہ اُسے ایک عجیب مُعجزہ دکھانے کا موقعہ ملے نہ یہ کہ وُہ اِس وقت کسی بڑے ضروری کام میں مصرُوف تھا (یُوحنّا ۱۰: ۴۱ و ۴۲) جس کے سبب سے اپنے دوستوں کی دعوت کو قبول نہ کر سکا۔ اور یہ آخری سبب اِس واسطے درُست نہیں کہ اگر بفرضِ مُحال وُہ کام کی شِدّت سے خود نہیں آسکتا تھا تو کیا اپنے کلام سے بھی اُسے اچھّا نہیں کر سکتا تھا؟ اگر کر سکتا تھا تو کیوں نہ کیا؟ پس اِس کا صحیح جواب یہی ہے کہ یہ دیر اُس نے دیدہ دانستہ کی تاکہ نہ صرف ایک مریض کو شفا دے بلکہ چار دِنوں کے مُردے کو زندہ کر کے ایک عظیم الشان مُعجزہ وجُود میں لائے۔ اَور اَب جب دیر مطلوبہ پُوری ہو جاتی ہے تو وُہ یہُودیہ کی طرف جانے کا ارادہ کر کے اپنے شاگردوں پر ظاہر کرتا ہے۔

۸۔۱۰۔ شاگردوں نے اُس سے کہا اَے ربّی ابھی تو یہُودی تجھے سنگسار کرنا چاہتے تھے اَور تُو پھر وہاں جاتا ہے؟ یسُوع نے جواب دیا کیا دن کے بارہ گھنٹے نہیں ہوتے۔ اگر کوئی دِن کو چلے تو ٹھوکر نہیں کھاتا کیونکہ وُہ دُنیا کی روشنی دیکھتا ہے۔ لیکن اگر کوئی رات کو چلے تو ٹھوکر کھاتا ہے کیونکہ اُس میں روشنی نہیں۔

جب شاگردوں نے دیکھا کہ خُداوند پھر یہُودیہ کو جانا چاہتا ہے

تو وُہ اُسے بتاتے ہیں کہ وہاں کیسے خطرے موجُود ہیں۔ وُہ کہتے ہیں کہ تُو اِنہیں خطروں کے سبب سے ابھی ابھی یہاں آیا تھا۔ یہُودی تُجھے سنگسار کرنا چاہتے تھے لیکن اَب پھر وہاں جانا چاہتا ہے۔ شاگردوں کے الفاظ میں کُچھ کُچھ محبّت اپنی جھلک دکھا رہی ہے۔ مگر اِس کے ساتھ ہی ذاتی حفاظت کا خیال بھی نہاں ہے جو آیت ۱۶ میں تُوما کے الفاظ کے وسیلے ظاہر ہوتا ہے "پس تُوما نے جسے توام کہتے تھے اپنے ساتھ کے شاگردوں سے کہا کہ آؤ ہم بھی چلیں تاکہ اُس کے ساتھ مریں"۔ کیا آٹھویں آیت سے معلوم نہیں ہوتا کہ خُداوند کے شاگرد اُس کے حضُور بڑی آزادی اور بے تکلّفی سے رہا کرتے تھے۔ اپنے خیالات کو بڑی آزادی سے بیان کر دیا کرتے تھے؟ وُہ اگر اُن کے خیالات کو غلط پاتا تھا تو اُن کی اصلاح کر دیتا تھا۔ دینی رہبروں کو اِس ضمن میں مسیح کا نمونہ اختیار کرنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ جو اُن کے ماتحت ہیں اُن کو وبالِ جان سمجھیں۔ خُداوند اُن کو جواب دیتا ہے "کیا دن کے بارہ گھنٹے نہیں ہوتے اگر کوئی دن کو چلے۔۔۔۔ وغیرہ"۔ اِس جواب کا مطلب یہ ہے کہ دِن میں پُورے بارہ گھنٹے ہوتے ہیں اور ان میں سے کبھی کوئی گھنٹہ غیر معمُولی طور پر مارا نہیں جاتا۔ یعنے رات کبھی ایک یا دو گھنٹے پہلے آکر دِن کے بارہ گھنٹوں میں سے کوئی گھنٹہ کم نہیں کر دیتی۔ اور لوگ ان میں سے ہر ایک گھنٹہ میں بے ٹھوکر کھائے چلتے پھرتے اور اپنا کام کرتے ہیں کیونکہ اُن کو "دُنیا کی روشنی" یعنی سُورج روشن کرتا ہے۔ اسی طرح میرے پاس بھی ایک دن ہے جسے کوئی بادل تاریک نہیں کر سکتا اور میں بھی اپنے باپ کی روشنی میں بے ٹھوکر کھائے چلتا اور اُس کا کام بجا لاتا ہُوں اور جب تک دِن کے بارہ گھنٹوں کی طرح وُہ زمانہ جو میرے باپ نے میرے لئے مقرّر کیا ہے ختم نہ ہو جائے اور جو کام

مجھے کرنے کو دیا گیا ہے پُورا نہ ہو جائے تب تک ٹھوکر کا کوئی خطرہ نہیں۔ مَیں ہر طرح محفوظ ہُوں اور تُم میری صحبت میں محفوظ ہو۔ (مقابلہ کرو یُوحنّا ۹: ۴ کے ساتھ)

لیکن آیت ۱۰ میں وُہ اپنا خیال چھوڑ کر شاگردوں کا خیال کرتا ہے اور اُن کو بتاتا ہے کہ وُہ کب ٹھوکر کھا سکتے ہیں۔ پس اَب وُہ اِستعارہ جو اُس نے پہلے استعمال کیا تھا تبدیل ہو جاتا ہے۔ پہلے وُہ دُنیا کی نیچرل روشنی اور تاریکی کا ذکر کرتا تھا اَب دسویں آیت میں رُوحانی روشنی اور تاریکی کا ذکر کرتا ہے۔ یعنی دسویں آیت میں اپنے تئیں روشنی قرار دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ جب تک مَیں جو آفتابِ صداقت ہُوں تمہارے ساتھ ہُوں تب تک ٹھوکر کھانے کا خطرہ نہیں پر جس میں میری روشنی نہیں اور رُوحانی تاریکی کی رات میں چلتا ہے وُہ ٹھوکر کھاتا ہے ٭

۱۱۔ اُس نے یہ باتیں کہیں اور اُس کے بعد اُن سے کہنے لگا۔ ہمارا دوست لعزر سو گیا ہے لیکن مَیں اُسے جگانے جاتا ہُوں۔

اَب خُداوند اپنے شاگردوں کو اُس مقصد سے آگاہ کرتا ہے جس کے سبب سے وُہ یہُودیہ جانا چاہتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خُداوند نے اُس وقت کوئی ایسا تازہ پیغام بہنوں سے نہیں پایا تھا کہ لعزر مر گیا ہے اور اُس کے دوستوں کا گھر ماتم کدہ بن گیا ہے۔ بلکہ اُس نے اپنی رُوح کی قُدرت سے جانا کہ اُس کا دوست کُوچ کر گیا ہے مگر وُہ اُنہیں پہلے یہ نہیں کہتا کہ وُہ مر گیا ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ وُہ سو گیا ہے اور مَیں اُسے جگانے جاتا ہُوں۔ مَوت کو اکثر سونے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ (استثنا ۳۱: ۱۶۔ دانی ایل ۱۲: ۲۔ متّی ۲۷: ۵۲۔ اعمال ۷: ۶۰ و ۱۳: ۳۶۔ ۱-کرنتھی ۷: ۳۹ و ۱۱: ۳۰ و ۱۵: ۶۔ ۱۸۔ ۱-تھسلنیکی

۴: ۱۳ و ۱۴) غیر قوموں میں بھی یہ تشبیہ مروّج ہے۔ مگر فقط مسیحی ہی حقیقت میں جسمانی مَوت کو سونے سے تشبیہ دے سکتے ہیں ٭

ہمارا دوست لعزر۔ اِس سے وُہ پیارا اور مُبارک رشتہ ظاہر ہوتا ہے جو مسیح اور اُس کے بندوں میں پایا جاتا ہے۔ وُہ اُس کے دوست ہیں نوکر نہیں۔ (مقابلہ کرو یُوحنّا ۱۵: ۱۳-۱۵) غریب سے غریب مسیحی ایک دوست رکھتا ہے جو بادشاہوں سے زور آور اور دولت مندوں سے زیادہ دولت مند ہے۔ جو ابد تک اپنی دوستی نباہے گا۔ دیکھو مسیح کا دوست لعزر مر جاتا ہے۔ مگر مَوت ان دونوں کو جُدا نہیں کر سکتی چنانچہ وُہ اَب بھی دوست ہیں۔ نہ مَوت نہ زندگی نہ فرشتے نہ حکُومتیں نہ قُدرتیں اور نہ حال کی نہ اِستقبال کی چیزیں نہ بُلندی اور نہ پستی اور نہ کوئی دُوسرا مخلُوق ہم کو اُس کی محبّت سے جُدا کر سکتا ہے ٭

ہمارا دوست لعزر۔ لفظ "ہمارا" بھی کچھ مطلب رکھتا ہے۔ جو مسیح کا دوست ہے وُہ اُس کے تمام بندوں کا دوست ہے۔ مسیح سے محبّت کرنا اور اُس کے شاگردوں سے نفرت کرنا ناممکن۔ لعزر نہ صرف مسیح کا دوست ہے بلکہ اُس کے سب شاگردوں کا دوست ہے۔ خُداوند نہیں کہتا کہ میرا دوست لعزر بلکہ وُہ "ہمارا دوست لعزر" کہتا ہے ٭

۱۲۔ پس شاگردوں نے اُس سے کہا۔ اَے خُداوند۔ اگر سو گیا تو بچ جائے گا ٭

ہمارے خُداوند نے جو کچھ کہا تھا کنایۃً کہا تھا۔ مگر وُہ اُسے معمولی بات سمجھے۔ وُہ خیال کرتے ہیں کہ وُہ سو گیا ہے۔ اور چُونکہ بعض سخت سخت بیماریوں میں سونا عموماً صحت کا باعث یا نشان ہوتا

ہے لہٰذا وہ سمجھتے ہیں کہ اگر سو گیا ہے تو بہت اچھا ہوا کیونکہ یقین ہے کہ وہ بچ جائیگا۔ پر اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی اپنے دِل میں کہتے ہوں گے کہ اَب ضرور نہیں کہ ہمارا خُداوند اپنی اور ہماری جان کو خطرے میں ڈالے کیونکہ اَب لعزر اُس کے گئے بغیر اچھّا ہو جائیگا۔ توما کے کلام سے جو آیت ۱۶ میں درج ہے معلُوم ہوتا ہے کہ خطرے کا اندیشہ ابھی تک اُن کے دِلوں میں جاگزین تھا ٭

۱۳-۱۵۔ یسُوع نے تو اُس کی مَوت کی بابت کہا تھا۔ مگر وہ سمجھے کہ آرام کی نیند کی بابت کہا۔ تب یسُوع نے اُن سے صاف کہہ دیا۔ کہ لعزر مر گیا۔ اور مَیں تمہارے سبب سے خُوش ہُوں کہ وہاں نہ تھا تاکہ تُم ایمان لاؤ۔ لیکن آؤ ہم اُس کے پاس چلیں۔

اِن آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارا خُداوند اُن کی غلط فہمی کو دُور کرتا ہے اور اُن کو صاف صاف طَور پر بتا دیتا ہے کہ لعزر مر گیا۔ مگر یہ خیال کر کے کہ مبادا میرے شاگرد مجھ سے یہ کہیں کہ اَے خداوند اگر تجھے وہاں جانا ہی تھا تو اُس وقت کیوں نہ گیا جب کہ لعزر زندہ تھا اور کیوں اُس وقت جا کر اُسے اچھّا نہ کیا؟ وہ اُن کو بتاتا ہے کہ "مَیں تمہارے سبب سے خُوش ہُوں کہ وہاں نہ تھا"۔ وہ اِس واسطے خُوش تھا کہ اُس کی غیر حاضری کے سبب سے ایسا موقعہ پیدا ہُوا جس میں خُدا کا جلال زیادہ کثرت سے ظاہر ہونے پر تھا۔ اور اُس کی نسبت معلوم ہونے کو تھا کہ وہ زندگی کا مالک اور منبع ہے اور اُس کے شاگرد ایمان کی اعلےٰ سے اعلےٰ منزلوں تک پُہنچائے جانے کو تھے۔ اگر وہ شروع میں وہاں ہوتا تو اُس کی ہمدردانہ اور رحیمانہ

طبیعت اُس کو مجبُور کرتی کہ لعزر کو مرنے نہ دے ٭

"یسُوع نے تو اُس کی مَوت بابت کہا تھا" (آیت ۱۳) ایک بزُرگ کے خیال کے مطابق مسیح کے رسُول ایسے سیدھے اور سادہ لوح آدمی تھے کہ وہ مسیح کی بات کو بعض بعض وقت سمجھ نہیں سکتے تھے۔ پس اُن سے یہ توقّع نہ تھی کہ وہ خود بخود تمام دُنیا کو مغلُوب کریں یا ایسی عظیم باتیں جو مسیح کی زبان سے نکلیں یا ایسے عظیم معجزے جو اُس نے کئے آپ ہی آپ گھڑ لیں ٭

"مَیں تمہارے سبب سے خُوش ہُوں" (آیت ۱۵) دیکھئے مسیح یہ نہیں کہتا کہ مَیں لعزر کے مر جانے سے خُوش ہُوں۔ بلکہ وہ اِس سبب سے خُوش تھا کہ وہ وہاں نہ تھا۔ کیونکہ اگر ہوتا تو غالباً بہنوں کی دُعا کے جواب میں لعزر کو بیماری سے اچھّا کر دیتا۔ اور نہ وہ یہ کہتا ہے کہ مریم اور مرتھا کے سبب سے خُوش ہُوں۔ کیونکہ اگر فرداً فرداً دیکھا جائے تو وہ اپنے بندوں میں سے کسی کے دُکھ سے خُوش نہیں۔ پس صرف اس واسطے بعض کو تنبیہ کرتا ہے کہ اُس تنبیہ کے وسیلے اُن کا اور اُس کی تمام کلیسیا کا بھلا ہو ٭

۱۶۔ پس توما نے جسے توام کہتے تھے اپنے ساتھ کے شاگردوں سے کہا کہ آؤ ہم بھی چلیں تاکہ اُس کے ساتھ مریں ٭

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے شاگردوں میں سے کم از کم ایک کے دِل میں یہ خیال جاگزین ہو رہا تھا کہ اگر ہم وہاں گئے تو ہرگز ہرگز نہیں بچیں گے۔ بلکہ ہم میں سے ہر ایک نہنگ مَوت کا لُقمہ بنیگا۔ توما میں اعتقاد اور بے اعتقادی کی عجیب ترکیب اور آمیزش نظر آتی ہے۔ ایمان اِس بات میں جلوہ نمائی کر رہا ہے کہ وہ

اپنے پیارے خُداوند کو اکیلا چھوڑنا گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ اُس کے ساتھ مر مٹنے کو تیار ہے۔ مگر اُس کے بالمقابل ایک قسم کی بے اعتقادی بھی دکھائی دے رہی ہے کہ وُہ اِس بات پر گرفت پیدا نہیں کرتا کہ جب تک اُس کے خُداوند کا کام تمام نہ ہو تب تک کوئی اُس پر ہاتھ نہیں بڑھا سکتا۔ بلکہ برعکس اِس کے وُہ یہ مانتا ہے کہ اُس کا کام انجام پائے یا نہ پائے ممکن ہے کہ کام کرنے میں وُہ اور اُس کے ساتھ اُس کے سب شاگرد جان سے مارے جائیں۔ شک کرنا اُس کی طبعیّت کا خاصہ تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وُہ ہمیشہ ہر بات کے تاریک پہلو کو دیکھا کرتا تھا اور یہ اُس کے لئے مُشکل تھا کہ جو کچھ وُہ ایک مرتبہ اپنے ذہن میں جما چُکا تھا اُس کی نسبت اپنی رائے کو تبدیل کر لے۔ (دیکھو یُوحنّا ۱۴: ۵ و ۲۰: ۲۴ و ۲۵) جو نتائج دینی تجربوں اور خیالوں سے نکالتا تھا اُن سے بہتر نتائج یا واقعات کی اُمّید نہیں رکھتا تھا۔ مگر ایسے شخص کا مسیح کے پہلے شاگردوں کے حلقہ میں شامل ہونا بھی مطلب رکھتا تھا۔ اُس حلقے میں طرح طرح کی طبعیّت اور مزاج کے لوگ پائے جاتے تھے۔ اور اُن کے مختلف خصائل اور خصائص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کی نجات ہر طبعیّت اور مزاج کے آدمی کے لئے کارگر ہے۔ چُنانچہ جیسا کہ ہی ساسٹم صاحب اِس شاگرد کے بارہ میں جو کہ ایسا متشکی اور ہر بات کے تاریک پہلو کو دیکھ کر مغموم و ملُول ہو جانے والا تھا فرماتے ہیں۔ کہ وُہ جو مسیح کے ساتھ تھوڑی دیر بیت عنیاہ کو جانے سے ناخُوش تھا بعد میں مسیح کے بغیر اکیلا دُنیا کے کناروں تک۔ ہاں ہندوستان تک جو کالے کوسوں دُور تھا گیا اور اجنبی اور مخالف لوگوں کی بدسلوکیاں سہتا رہا۔ ہم کبھی یہ خیال نہ کریں کہ سب مسیحی سبھاؤ اور مزاج میں یکساں

ہوتے ہیں۔ سیرت کی خُوبی اور پاکیزگی میں یگانگت نظر آنی چاہئے۔

۱۷- پس یسُوع کو آکر معلوم ہُوا کہ اُسے قبر میں رکھے چار دن ہُوئے۔

لکھا ہے کہ "یسُوع کو آکر معلوم ہُوا"۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ بیت عنیاہ میں آنے سے پہلے یسُوع کو خبر نہ تھی کہ لعزر کو جان بحق ہُوئے چار دن گُزر گئے ہیں۔ کیونکہ جو شخص یہ جانتا تھا کہ وُہ مر گیا ہے اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اُسے مرے ہُوئے چار دِن ہو گئے ہیں۔ یُوحنّا صرف عام طور پر ذکر کرتا ہے کہ جب خُداوند یہاں آیا تو لوگوں نے اُس کو خبر دی کہ لعزر کو مرے ہُوئے چار دِن ہو گئے ہیں ۔

چار دِن ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مریم اور مرتھا نے اُسی وقت پیغام بھیجا جس وقت اُن کا بھائی قریب المرگ ہو گیا تھا اور وُہ غالباً اُسی دن مر گیا جس دن قاصد گیا تھا۔ ورنہ چار دِن کا شمار پُورا ہونا مُشکل ہے۔ کیونکہ خُداوند دو دِن تک جہاں تھا وہیں رہا۔ پس ایک دِن قاصد کے جانے میں لگا۔ دو دِن مسیح جہاں تھا وہاں رہا اور ایک دِن میں بیت عبارہ سے بیت عنیاہ کو آیا۔ اِس طرح چار دن ہُوئے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جس دن وُہ مرا اُسی دِن یہُودی دستُور کے مطابق دفن کیا گیا۔ وُہ دستُور یہ تھا کہ یہُودی مُردے کو مرنے کے بعد فوراً دفن کر دیتے تھے اور لعزر کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہی ہُوا کیونکہ آیت ۳۹ کے مقابلہ سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ وُہ جس دن مرا اُسی دن دفنایا گیا۔ نیز مقابلہ کرو (اعمال ۵: ۶-۱۰)

۱۸ و ۱۹- بیت عنیاہ یروشلیم کے نزدیک قریباً دو میل کے فاصلہ پر تھا اور بہت سے یہُودی مرتھا اور مریم کو اُن کے بھائی کے

بارے میں تسلّی دینے آئے تھے۔

اب اِس حقیقی تسلّی دہندے کے آنے سے پہلے یروشلیم سے کئی لوگ تسلّی دینے کے لئے پہنچے تھے۔ یہودیوں میں دستور تھا کہ جب کوئی مرجاتا تھا اُس کے پس ماندگان کو تسلّی دینے اور اُن کے ساتھ سوگ کرنے کے لئے لوگ جمع ہوجایا کرتے تھے۔ ماتم پُرسی کے لئے آتے تھے اور دس دس دن تک اُن کے پاس رہتے تھے (۱۔ تواریخ ۷: ۲۲)۔ کہتے ہیں کہ سوگ کے تیس دن ہوتے تھے۔ اِن میں سے پہلے تین دن تک رویا کرتے تھے پھر سات دن تک ماتم ہُوا کرتا تھا۔ اور باقی بیس دن تک سوگ کیا جاتا تھا۔ کبھی کبھی خاص کر عزیز رشتہ داروں کے لئے تو یہ زمانہ واقعی غم اور رنج کا زمانہ ہوتا تھا۔ لیکن بارہا بوجھ کا باعث ہوجاتا تھا۔ تسلّی کے عوض رنج پہنچتا تھا جیسا کہ ایوبؑ کے ساتھ ہُوا۔ اور کبھی کبھی وُہ لوگ جو غم میں شریک ہوتے تھے خود اُس غم کے مُوجد ہوتے تھے۔ (پیدائش ۳۷: ۳۵)۔

لیکن اِس بیت عنیاہ کے غم زدہ گھرانے میں ایک شخص آتا ہے جو حقیقی تسلّی دے سکتا ہے اور غم زدوں کی آنکھوں سے غم کے آنسو پُونچھ سکتا ہے۔ مگر چُونکہ اس وقت یہاں ایسے لوگ موجود ہیں جو شاید اُس کے سخت مخالف تو نہیں مگر تاہم اُس سے ہمدردی نہیں رکھتے۔ لہٰذا وُہ اِن ناموافق لوگوں کے درمیان اور اِس غم کے عالم میں پہلی مرتبہ غم زدہ بہنوں کے ساتھ ملاقات کرنا پسند نہیں کرتا۔ پس باہر ٹھہر جاتا ہے شاید کسی جگہ لعزر کی قبر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور وہاں سے اپنے آنے کی خبر بہنوں کے پاس بھیج دیتا ہے۔ ہم نے کہا لعزر کی قبر کے پاس بیٹھ گیا۔ یہ خیال مہمان یہودیوں کے قیاس سے پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب مریم خداوند

کی ملاقات کے لئے نکلی۔ اُس وقت اُنہوں نے خیال کیا کہ وہ لعزر کی قبر کو جاتی ہے پس مسیح بھی کہیں اُسی طرف اور غالباً جہاں لعزر مدفون تھا کہیں اُسی جگہ کے پاس کھڑا تھا۔ یہودیوں کا مریم اور مرتھا کو تسلّی دینے آنا پختہ ثبوت اِس بات کا ہے کہ لعزر مرگیا تھا۔ اگر وُہ نہ مرا ہوتا تو یہ لوگ ہرگز ہرگز عیادت کے لئے نہ آتے۔

۲۰-۲۷۔ اِن آیات میں خداوند اور مرتھا کی ملاقات اور باہمی گفتگو کا ذِکر درج ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ مرتھا کی بات کے جواب میں خداوند کیسی عظیم صداقتیں اپنی ذات اور شخصیت کی بابت بیان فرماتا ہے۔

"پس مرتھا یسُوع کے آنے کی خبر سُن کر اُس سے ملنے کو گئی لیکن مریم گھر میں بیٹھی رہی" (آیت ۲۰) مریم کے گھر میں بیٹھے رہنے سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ وُہ بیٹھنا پسند کرتی تھی۔ اُس کے بیٹھنے کا دو جگہ ذکر آتا ہے ایک اِس جگہ اور ایک لُوقا ۱۰: ۳۹ میں۔ اِس آخری مقام میں جو اُس کے بیٹھنے کا ذکر پایا جاتا ہے اُس کا سبب یا اُس کی کشش یہ تھی کہ وُہ خداوند کی زندگی بخش باتیں سُننا چاہتی تھی نہ یہ کہ وُہ چلنے پھرنے سے تنگ آئی ہُوئی تھی۔ اور یُوحنّا کے اِس مقام سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرتھا جو اپنی طبیعت کے مطابق غالباً اِس غم اور سوگ کے عالم میں بھی مہمانوں کی تواضع میں لگی ہُوئی تھی اور اِس سبب سے اندر باہر آتی جاتی تھی اُس نے مسیح کے آنے کی خبر پہلے پائی اور پاتے ہی اُس سے ملنے چلی گئی اور مریم کو جو اندر بیٹھی تھی پہلے معلوم نہ ہُوا۔ اور اگر ہوتا تو فوراً خُداوند سے ملنے جاتی جیسا کہ بعد میں خبر پا کر گئی۔ (دیکھو آیت ۲۹)

"مرتھا نے یسوع سے کہا اے خداوند! اگر تو یہاں ہوتا تو میرا بھائی نہ مرتا" (آیت ۲۱) جب ہم ۳۲ آیت کو پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب مریم خداوند کے پاس آتی ہے تو اُس کے پاؤں پر گر پڑتی ہے۔ لیکن مرتھا کی نسبت نہیں کہا گیا کہ وہ بھی اُس کے پاؤں پر گری۔ ناممکن نہیں کہ وہ بھی گری ہو مگر کلام میں ذکر نہیں کیا گیا۔ بعض وقت کلام کی خاموشی بھی پُر مطلب اور پُر لطف ہوتی ہے۔ مگر گو مرتھا کے سجدہ کی نسبت کچھ نہیں لکھا گیا۔ پر جو لفظ اُس نے کہے وہ مرقوم ہیں اور وہ وہی ہیں جو مریم نے بھی کہے۔ پہلی بات جو مرتھا کی زبان سے نکلتی ہے یہی ہے کہ "اے خداوند! اگر تو یہاں ہوتا تو میرا بھائی نہ مرتا" معلوم ہوتا ہے کہ جن خیالات سے اُن کے غم کا پیالہ لبریز ہو رہا تھا اُن میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جب لعزر بیمار تھا اُس وقت مسیح پاس نہ تھا۔ کیونکہ وہ خیال کرتی تھیں کہ اگر وہ موجود ہوتا تو ہمارا گھر آج ماتم کدہ نہ ہوتا بلکہ بھائی کی مہلک بیماری سے شفا پانے کے سبب عشرت کدہ دکھائی دیتا۔

غور کیجئے کہ مرتھا کے کلام میں کس طرح کچھ کچھ ملامت کچھ کچھ بھروسہ اور ایمان کچھ کچھ کم اعتقادی اور مایوسی اپنا رنگ دکھا رہی ہے۔ مرتھا کے لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا مسیح جب شخصی طور پر کسی جگہ موجود ہوتا ہے تو تب ہی اس جگہ حاضر ہوتا ہے ورنہ نہیں حالانکہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔

"اور اب بھی میں جانتی ہوں کہ جو کچھ تو خدا سے مانگیگا وہ تجھے دے گا" (آیت ۲۲)۔ مرتھا اب بھی اُمید رکھتی ہے کہ مسیح یسوع جو چاہے سو کر سکتا ہے۔ لیکن اس اُمید میں کسی قدر کمزوری بھی پائی

جاتی ہے۔ اُس کے تصور میں مسیح کی نسبت اعلیٰ اور ادنےٰ دونوں طرح کے خیالات مشتمل ہیں۔ ایک طرف وہ اِس بات کی قائل ہے کہ مسیح اپنی دُعا کے وسیلے سب کچھ کر سکتا ہے۔ مگر دوسری جانب اُس میں یہ نقص نظر آتا ہے کہ وہ یہ نہیں سمجھتی کہ جو کچھ وہ دُعا کے وسیلے پاتا ہے وہ درحقیقت باپ کے ساتھ ایک ہونے کے سبب اُسی کے اختیار میں ہے۔ پس جو چاہے سو اپنی قدرت سے کر سکتا ہے۔ مرتھا کی یہ خوبی غور طلب ہے کہ وہ دُعا کی تاثیر کی قائل ہے۔ اِس سوال کے جواب میں یسوع نے اُس سے کہا "تیرا بھائی جی اُٹھیگا"۔ (آیت ۲۳) ہمیں اب معلوم ہے کہ خداوند کا کیا مطلب تھا۔ لیکن لعزر کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے سے پہلے مرتھا کے لئے یہ الفاظ ایک طرح ذو معنی تھے۔ پس اِن لفظوں نے یہ آرزو کہ لعزر جی اُٹھے اُس کے دل میں پیدا کر دی۔ مگر یہ یقین اُس کو نہ آیا کہ وہ ابھی مُردوں میں سے جی اُٹھیگا۔ بلکہ اُس نے یہ خیال کیا کہ بے شک جب اور سچے اسرائیلی قیامت کے دِن جی اُٹھیں گے اُس دِن وہ بھی جی اُٹھیگا۔ مگر اس میں میرے لئے کیا تسلی ہے۔ چنانچہ وہ کہتی ہے:۔

"میں جانتی ہوں کہ قیامت میں آخری دِن جی اُٹھیگا" (آیت ۲۴)

یہ یقین تو اُسے تھا کہ ایک دن آئیگا جب میرا بھائی مُردوں میں سے جی اُٹھیگا۔ لیکن یہ خیال اُس کے لئے باعث تسلی نہ تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ ابھی جی اُٹھے مگر اِس کے ساتھ یہ بھی سوچتی تھی کہ یہ ناممکن ہے۔ اُس کی محبت جسمانی قسم کی تھی سو وہ جسمانی چیزوں ہی کو پیار کرتی تھی۔ خداوند مسیح اُس کے دِل کی خواہش پوری کرنے کو تیار ہے مگر اِس سے پہلے ضرور ہے کہ وہ اُن صداقتوں سے واقف کی جائے جو اُس کی ذات سے خاص ہیں کیونکہ تب ہی وہ اِس برکت کی خوبی

کو اچھی طرح محسوس کر سکتی تھی۔ اگر وُہ اُسی وقت لعزر کو زندہ کر دیتا یا صاف صاف طور پر اُس کو خبر دے دیتا کہ مَیں اب تیرے بھائی کو زندہ کر دوں گا تو مرتھا کو خوشی تو ہوتی مگر وُہ خوشی دیرپا نہ ہوتی۔ کیونکہ لعزر چند دن کے بعد پھر مر جاتا اور اُس گھر میں پھر آہ و بکا کا بازار گرم ہوتا۔ پس خداوند چاہتا ہے کہ اُس کو اور اُس کے ساتھ اُس کے اور رشتہ داروں کو پہلے وُہ اعلےٰ برکت پہنچائے جس کے حصُول کے بعد لعزر کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا جو ادنےٰ درجہ کی برکت تھا زیادہ پُرلُطف معلوم ہو۔ وُہ جانتا تھا کہ اگر مرتھا مسیحی زندگی کے اعلےٰ درجہ تک پہنچائی جائے اور اُس کو یہ معلوم ہو جائے کہ قیامت اور زندگی کون ہے اور کیا ہے تو پھر لعزر کی جُدائی غم کا باعث نہ ہوگی بلکہ لعزر کے گزر جانے پر بھی یہ اطمینان اُس کے دل میں بنا رہیگا کہ میرے بھائی سے مجھے کوئی جُدا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ خداوند اُسے فرماتا ہے کہ تو یہی خیال کرتی ہے کہ جب قیامت آئیگی تب تیرا بھائی زندہ ہوگا۔ اور نہیں جانتی کہ:۔

”قیامت اور زندگی تو مَیں ہُوں جو مجھ پر ایمان لاتا ہے گو وُہ مر جائے تو بھی زندہ رہیگا اور جو کوئی زندہ ہے اور مجھ پر ایمان لاتا ہے وُہ ابد تک کبھی نہ مریگا۔ کیا تو اُس پر ایمان رکھتی ہے“ (۹ آیت ۲۵ و ۲۶)

گویا خداوند اُسے یہ کہتا ہے کہ جو قُدرت موت کو مغلوب کرنے والی ہے وُہ مجھ میں پائی جاتی ہے۔ وُہ مجھ سے دُور نہیں ہے جیسا تو خیال کرتی ہے کہ قیامت میں وُہ قُدرت نمُودار ہوگی۔ اور نہ وُہ مجھ سے جُدا ہے جیسا تو خیال کرتی ہے کہ مَیں دُعا کے وسیلے اُسے کسی غیر سے پاتا ہُوں۔ نہیں ”قیامت اور زندگی تو مَیں ہُوں“۔ یہ چیزیں مجھ میں ہیں اور مجھ سے جُدا نہیں۔ مَیں ہی مَوت کو فتح کرنے والا ہُوں اور

ہمیشہ کی زندگی مجھ ہی میں پائی جاتی ہے۔ اگر تو ایمان لائے تو تجھے وُہ برکت ملے گی جو مَوت کو مَوت نہیں بلکہ نفع سمجھتی ہے۔ مَیں مَوت کو فتح کرنے والا اور جسموں کا نجات دہندہ ہُوں۔ مَیں زندگی کا سرچشمہ ہُوں۔ پس ابدی اور رُوحانی اور جسمانی زندگی مجھ ہی سے نکلتی ہے۔ ایک بات اِن لفظوں سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ الفاظ سوائے اُس کے جو اپنے تئیں خُدا جانتا تھا اور کوئی اِستعمال نہیں کر سکتا تھا۔

قیامت وُہ زندگی ہے جو مَوت کا مقابلہ کرتی اور اُس پر غالب آتی ہے۔ یہ زندگی کی مَوت ہے۔ یہ زندگی گویا مَوت کا مقابلہ اُس کی اُس صُورت میں کرتی ہے جو اُس کی سب بھیانک صُورتوں میں زیادہ بھیانک ہے۔ جب بدن سڑ جاتا اور عناصر جُدا جُدا ہو جاتے ہیں اور مَوت فتح مندوں کی صُورت اختیار کر کے یہ کہتی ہے کہ اب میرے قبضے سے میرے شکار کو کون چھڑا سکتا ہے تو اُس وقت جو قُدرت اُس پر غالب آتی ہے وُہی قیامت ہے۔ وُہ اُسے چکنا چُور کرتی ہے۔ مگر ہم کو ابھی اِس زندگی کا پیمانہ ملا ہے۔ ابھی فنا کو بقا نے نگلا نہیں۔ ابھی ساری چیزیں اُس کے پاؤں کی چوکی نہیں بنی ہیں۔ (۱۔کرنتھی ۱۵: ۲۵ و ۲۶) پس کیا ہم یہ کہیں کہ ہم کو اِس سے کیا فائدہ؟ کیونکہ یہ صداقت بھی ایسی ہے جو بعد قیاس مُدت کے بعد وقُوع میں آنے والی ہے۔ ہم ایسا خیال نہ کریں کیونکہ وُہ جو مُردوں کی قیامت ہے زندگی بھی ہے۔ وُہ زندوں کی بھی زندگی ہے۔ وُہی اکیلا زندگی کا سرچشمہ ہے ”کیونکہ جس طرح باپ اپنے آپ میں زندگی رکھتا ہے۔ اُسی طرح اُس نے بیٹے کو بھی یہ بخشا کہ اپنے آپ میں زندگی رکھے“۔ (یُوحنا ۵: ۲۶) پس جو اِس زندگی کے چشمے سے

زندگی نہیں پاتے وُہ نہ صرف جسمانی مَوت کے پنجہ میں گرفتار ہیں بلکہ رُوح کی زندگی سے بھی محرُوم ہیں ۞

جو الفاظ بعد میں آتے ہیں "جو مجھ پر ایمان لاتا ہے گو وُہ مر جائے توبھی زندہ رہیگا اور جو کوئی زندہ ہے اور مجھ پر ایمان لاتا ہے وُہ ابد تک کبھی نہ مریگا" مُشکل نہیں ہیں کیونکہ اُن کا مطلب صاف ہے۔ لیکن یہ دکھانا آسان کام نہیں کہ دونوں آیتوں میں جُدا جُدا خیال ہیں۔ تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ خُداوند جب یہ فرماتا ہے کہ "جو مجھ پر ایمان لاتا ہے گو وُہ مر جائے توبھی زندہ رہیگا" تو اُس کا یہ مطلب ہے کہ مَیں اُسے قیامت کے دِن زندہ کرُونگا اور اِس حالت میں یہ الفاظ گویا اِس دعوےٰ کی کہ "مَیں قیامت ہُوں" شرح ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ (یُوحنّا ۱۱: ۳۲-۳۹) میں اور بالخصوص آیات ۳۹ و ۴۰ و ۴۴ و ۵۴ میں اِس بات پر زور ہے کہ ہمارا خُداوند آخری دن اپنے ایمان داروں کو زندہ کریگا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسیح یہ کہتا ہے کہ "جو مجھ پر ایمان لاتا ہے گو وُہ مر جائے توبھی زندہ رہیگا"۔ تو اُس کا یہی مطلب ہے ۞

اور الفاظ "جو کوئی زندہ ہے اور مجھ پر ایمان لاتا ہے وُہ ابد تک کبھی نہ مریگا"۔ اُس کے دُوسرے دعوےٰ کی شرح ہیں۔ "مَیں زندگی ہُوں" اور اُن کا مطلب اِس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔ "جو کوئی زِندہ اَور سانس لیتا ہے اَور مجھ پر ایمان لاتا ہے وُہ ہمیشہ کی زندگی کی قدرت کا تجربہ کریگا۔ اور کبھی حقیقی طَور پر نہ مریگا"۔ جیسا بار بار ہمارے خُداوند کے کلام سے مُترشح ہوتا ہے ویسا ہی اِس جگہ بھی عیاں ہے کہ وُہ جسمانی مَوت کو بالکل حساب میں نہیں لاتا۔ بلکہ ایماندار اُس میں جسمانی مَوت پر غالب اور ہمیشہ کی زندگی میں داخل نظر آتا ہے

(یُوحنّا ۶: ۴۷) ۞

اَب خُداوند یہ بتا کر کہ مَیں کیا ہُوں اور جو مجھ پر ایمان لاتے ہیں وُہ کیا بن جاتے ہیں۔ اُس سے پُوچھتا ہے۔ "کیا تُو اُس پر ایمان رکھتی ہے"؟۔ کیا تُو اِس بات کو قبُول کرتی ہے کہ مَیں ہی زندگی اَور مَوت کا بادشاہ اور مالک ہُوں؟ مَیں جو تیرا اُستاد ہُوں خُدا ہُوں اور زندگی اور مَوت کی چابیاں اپنے ہاتھ میں رکھتا ہُوں۔ کیا تُو یہ مانتی یا صرف مجھے ایک نبی جانتی ہے؟ کیا تُو مانتی ہے کہ مَوت کے بعد قیامت اور زندگی کے متعلق جو صداقتیں پائی جاتی ہیں اُن کا مرکز مَیں ہی ہُوں؟ اِس کے جواب میں "اُس نے اُس سے کہا ہاں اَے خُداوند مَیں ایمان لاچکی ہُوں کہ خُدا کا بیٹا مسیح جو دُنیا میں آنے والا تھا تُو ہی ہے" (آیت ۲۷)۔

بادی النظر میں اُس کا جواب ٹھیک مسیح کے سوال کا جواب نہیں معلُوم ہوتا۔ مگر دراصل اُس نے اُسی کے سوال کا جواب دیا۔ یہُودی یہ مانتے تھے کہ مسیح کے کاموں میں سے ایک کام یہ ہوگا کہ وُہ مُردوں کو زندہ کریگا۔ پس جب اُس نے اُسے کہا کہ مَیں ایمان لاچکی ہُوں کہ تُو خُدا کا بیٹا مسیح ہے تو اِس کا مطلب یہ تھا کہ اَے خُداوند مَیں مانتی ہُوں کہ تُو ہی مُردوں کو زندہ کریگا۔ یا اُس کا یہ مطلب ہوگا کہ "اَے خُداوند مَیں سب بڑی بڑی اور جلالی باتیں تیرے بارے میں مانتی ہُوں کیونکہ یہ میرا اعتقاد ہے کہ دُنیا کے لئے جتنی اچھّی اور عُمدہ چیزیں ہیں اُن سب کا مرکز تُو ہی ہے"۔ جو کُچھ اِس مقدّس نام (خُدا کا بیٹا مسیح) میں پایا جاتا ہے وُہ اُس سے پُورے پُورے طَور پر واقف نہ تھی۔ پر جب اُسے بتایا جاتا ہے کہ یہ برکتیں اِس نام میں موجُود ہیں تو وُہ انہیں ایمان سے قبُول کرنے کو تیار ہے۔ اُس کے اِقرار میں یہ باتیں شامل ہیں (۱) کہ یسُوع مسیح موجُود ہے۔ (۲) وُہ خُدا کا بیٹا ہے (۳) وُہ

رُوح اور جسم کا نجات دہندہ ہے۔ یہ کہہ کر وُہ اپنی بہن کو خبر دینے گئی کہ خُداوند آ گیا ہے جس کی انتظاری میں بے قرار ہو رہی تھی وُہ تشریف لے آیا ہے۔ اُمید کی ایک کِرن سی اُس کے دِل میں چمک اُٹھی۔ گو وُہ اُس کے پُر راز الفاظ کا مطلب بخُوبی نہ سمجھی پر تاہم اُس کو اُمید تھی کہ وُہ کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔ اَب وُہ اپنی بہن کو اُس کے آنے کی خبر "چُپکے سے" دیتی ہے۔ شاید اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو مہمان یروشلیم سے آئے ہُوئے ہیں اُن میں سے کوئی خُداوند کے ساتھ مخالفانہ برتاؤ کرے۔ اور اُس کا یہ قیاس غلط نہ تھا کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد ایسا ہی ہُوا (دیکھو آیت ۴۶)۔

"اُستاد یہیں ہے اور تجھے بُلاتا ہے" یسُوع اور مرتھا میں جو گُفتگو ہُوئی اُس میں کوئی ذکر نہیں آیا کہ یسُوع نے مرتھا سے کہا ہو کہ جا کر اپنی بہن کو بھیج دو۔ یُوحنّا نے اُس کو درج نہیں کیا۔

۲۹-۳۲۔ وُہ سُنتے ہی جلد اُٹھ کر اُس کے پاس آئی۔ یسُوع ابھی گاؤں میں نہیں پہنچا تھا۔ بلکہ اُسی جگہ تھا جہاں مرتھا اُس سے ملی تھی۔ پس جو یہُودی گھر میں اُس کے پاس تھے اور اُسے تسلّی دے رہے تھے یہ دیکھ کر مریم جلد اُٹھ کر باہر گئی۔ اِس خیال سے اُس کے پیچھے ہو لئے کہ وُہ قبر پر رونے جاتی ہے۔ جب مریم اُس جگہ پہنچی جہاں یسُوع تھا اور اُسے دیکھا تو اُس کے قدموں پر گر کر اُس سے کہا اَے خُداوند اگر تو یہاں ہوتا تو میرا بھائی نہ مرتا۔

یہ خبر سُنتے ہی وُہ اُس طرف جدھر مسیح تھا روانہ ہُوئی۔ اور اُسے جاتے دیکھ کر اُن لوگوں نے جو اُسے تسلّی دے رہے تھے یہ نتیجہ نکالا کہ وُہ اپنے بھائی کی قبر پر رونے چلی ہے۔ کیونکہ یہُودی عورتوں کے درمیان یہ دستور تھا کہ وُہ اپنے سوگ کے پہلے چند ایام میں رشتہ داروں کی قبروں پر جا کر رویا کرتی تھیں۔ لہٰذا وُہ لوگ بھی اُس کے پیچھے ہو لئے۔ مگر درحقیقت اُن کا جانا انتظامِ ربّی کے مطابق تھا کیونکہ خُدا کو منظُور تھا کہ یہ عجیب مُعجزہ بہت سے گواہوں کے رُوبرُو وقُوع میں آئے۔

جب مریم اُس جگہ پہنچی جہاں مسیح تھا تو اُس کے پاؤں پر گر کر کہنے لگی "اَے خُداوند اگر تو یہاں ہوتا تو میرا بھائی نہ مرتا"۔ یہ وُہی الفاظ ہیں جو اُس کی بہن مرتھا نے خُداوند کو دیکھتے ہی کہے تھے اور دونوں بہنوں کے ایک ہی بات کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن چار دِنوں کے عرصہ میں یہی بات اُن کے وِردِ زبان ہو رہی تھی۔ اُنہوں نے بار بار ایک دُوسرے سے کہا ہوگا کہ اگر خُداوند یہاں ہوتا تو ہمارا بھائی نہ مرتا۔ اور چُونکہ یہ خیال اُن کے دِل اور زبان پر چڑھا ہُوا تھا اِس لئے مریم نے بھی اُسے دیکھ کر یہی کہا "اَے خُداوند اگر تُو یہاں ہوتا تو میرا بھائی نہ مرتا"۔

۳۳ و ۳۴۔ جب یسُوع نے اُسے اور اُن یہُودیوں کو جو اُس کے ساتھ آئے تھے روتے دیکھا تو دِل میں نہایت رنجیدہ ہُوا اور گھبرا کر کہا تم نے اُسے کہاں رکھا ہے؟

اُنہوں نے کہا اَے خُداوند اچل کر دیکھ لے۔

لکھا ہے کہ جب خُداوند نے مریم کو اور اُس کے ساتھ بعض یہُودیوں کو روتے دیکھا تو دِل میں رنجیدہ ہُوا۔ یُونانی لفظ جس کا ترجمہ "رنجیدہ ہُوا" کیا گیا ہے اصل میں معنے خفا ہونے کے رکھتا ہے۔ اور کبھی اظہارِ غم کے لئے نہیں آتا ہے۔ اَب سوال یہ ہے کہ اِس موقع پر خُداوند کس سے غُصّہ ہُوا؟ اِس کے جواب میں کئی باتیں بتائی گئی ہیں۔ (۱) یہ کہ وُہ اس وقت اپنے آپ سے غُصّہ ہُوا کیونکہ اُن لوگوں کو روتے دیکھ کر اُس کے دِل میں ایک قسم کی رِقّت پیدا ہُوئی۔ مگر اُس نے اس رِقّت کو اپنی شان کے برخلاف سمجھا اور اپنے ساتھ غُصّہ ہُوا۔ مگر یہ خیال قبُول کرنے کے لائق نہیں۔ مسیحی مذہب یہ نہیں سکھاتا کہ ہم روئیں نہیں یا کہ ہمدردی کے خیالات کا اظہار بذریعہ آنسُوؤں کے نامناسب ہوتا ہے۔ بلکہ ہم کو یہ حُکم دیتا ہے کہ جو روتے ہیں اُن کے ساتھ روئیں۔ جس بات کی ہدایت کی گئی ہے وُہ ایک بزُرگ کے الفاظ میں یُوں ادا کی جاسکتی ہے کہ "ہم یہ نہیں چاہتے کہ غم کا دریا بالکل خُشک ہو جائے بلکہ اُسے باندھ کر کناروں کے اندر رکھنا چاہیے"۔ (۲) دُوسرا قیاس یہ ہے کہ وُہ اس واسطے رنجیدہ ہُوا کہ اُس نے دیکھ لیا کہ یہ یہُودی جو حاضر تھے وُہ اُس کے معجزے کو مخالفت کی نظر سے دیکھیں گے اور کبھی قبُول نہ کریں گے۔ (۳) اِس لئے غُصّے ہُوا کہ اُس نے مریم اور مرتھا وغیرہ کو دیکھا کہ وُہ رونے سے باز نہیں آتی ہیں اور اس طرح ظاہر کرتی ہیں کہ گویا وُہ اُسے مُردوں سے زندہ نہیں کر سکیگا۔ مگر یہ خیال بھی دُرست نہیں کیونکہ اُن کے آنسُوؤں میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے وُہ ناراض ہوتا۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وُہ خود رویا۔ (۴) سب سے

زیادہ اور صحیح خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے یہاں گُناہ کے نتیجہ کو دیکھا اور اُس بربادی کو جو گُناہ کے سبب دُنیا میں آئی ہُوئی ہے معائنہ کیا۔ اور اپنے دِل میں اُس سے جو اِس بربادی اور غم کا مُوجد تھا غُصّے ہُوا۔ بے شک وُہ اِس وقت لعزر کو زندہ کرنے پر تھا۔ پر وُہ جانتا تھا کہ لعزر کو یہ تلخ پیالہ پھر پینا پڑیگا۔ اُس کی بہنوں کے آنسُو اَب پُونچھے جائیں گے۔ مگر چند دن کے بعد پھر بہینگے۔ اور اُس کے جی اُٹھنے سے جو خُوشی اور تسلّی برآمد ہوگی وُہ صرف چند روزہ ہوگی اور یہ دل سوز نتیجہ گُناہ کا ہے۔ اور گھبرا کر کہا۔ بعض مُفسّروں کی رائے میں (مثلاً رائل) یہ جُملہ پہلے کی نسبت بھی زیادہ مُشکل ہے۔ لفظی ترجمہ اِس کا یہ ہے "اُس نے اپنے آپ کو گھبراہٹ میں ڈالا"۔ وکلف صاحب کے ترجمہ میں جو زبان انگریزی میں ہے اِس طرح مطلب ادا کیا گیا ہے۔ رائل صاحب بیان کرتے ہیں کہ اِن الفاظ کی شرح کئی طرح پر کی گئی ہے۔ (۱) یہ کہ ہمارے خُداوند کی انسانی ذات اُس کی الٰہی ذات کے ایسی تابع تھی کہ وُہ جب تک الٰہی ذات سے متاثر نہ ہوتی تھی تب تک کچھ نہ کرتی تھی۔ پس یہاں اپنی ہمدردی دکھانے کے لئے اُس نے اپنے آپ کو گھبرا دیا تاکہ جذبات میں رِقّت پیدا ہو۔ پر یہ رائے ماننے کے قابل نہیں کیونکہ اِس سے خُداوند کی اِنسانیّت پر نقص عائد ہوتا ہے۔ وُہ کامل انسان اور انسانیّت کی تمام خاصیّتیں اُس میں موجُود تھیں۔ البتّہ اُس کی خواہشوں اور جذبوں اور ارادوں میں وُہ بے ترتیبی اور بے اعتدالی نہیں پائی جاتی تھی جو ہماری خواہشوں اور جذبوں اور ارادوں میں نظر آیا کرتی ہے۔ (۲) صحیح خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبرانی محاورہ ہے جو غم اور ہمدردی کے موقعہ پر دِلی حالت کو ظاہر کرنے کے لئے

اسنعمال کیاجاتا تھا۔ پس یہ گھبراہٹ غم کی گھبراہٹ تھی (مقابلہ کرو ۱-سیموئیل ۳۰: ۶ و ۲-سیموئیل ۱۲: ۱۸) پس مسیح اس وقت گُناہ کے بانی سے غُصّے ہے اضطراب زیادہ دیر کئے بغیر اُس کے ساتھ مقابلہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے اور پُوچھتا ہے کہ "تُم نے اُسے کہاں رکھا ہے"۔ وُہ کہتے ہیں کہ "اے خداوند! چل کر دیکھ لے"۔

۳۵۔ یسُوع کے آنسُو بہنے لگے:۔ پُرانے ترجمہ میں ہے "یسُوع رویا"۔ ۳۳ آیت میں جو لفظ رونے کے لئے آیا ہے وُہ اَور ہے۔ اُس میں چلّانا اور نالہ کرنا بھی شامل ہے۔ مگر جس لفظ کا ذکر اس آیت میں ہے اُس سے مُراد آنسُو بہانا ہے۔ اِس ہمدرد سردار کاہن کی آنکھوں سے اُن کی مصیبت اور غم کو دیکھ کر آنسُو نکل آئے۔ وُہ سچّی ہمدردی کے جوش کو روک نہ سکا۔ ہم اُوپر دکھا آئے ہیں کہ اِس طرح ہمدردی کو ظاہر کرنے میں کوئی بات اُس کی شان کے برخلاف نہ تھی بلکہ ان آنسُوؤں میں یہ آیت دو لفظوں سے مُشتمل ہے۔ پر کیسے بیش قیمت خزانے اُس میں نہاں ہیں۔ حالانکہ خُداوند جانتا ہے کہ میں ابھی لعزر کو زندہ کرُوں گا تاہم وُہ اُن کے موجُودہ غم میں شامل ہوتا ہے پر اُس کا اظہارِ غم اعتدال کے ساتھ تھا۔ وُہ نالاں نہیں ہوتا۔ ایک اَور بات اِس سے ظاہر ہوتی ہے اور یہ کہ الٰہی اظہار سے پہلے اِنسانی ذات کا اظہار اپنا جلوہ دکھاتا ہے پہلے روتا اور پھر لعزر کو زندہ کرتا ہے۔ اِسی طرح طوفان کو بند کرنے سے پہلے کشتی میں سوتا رہا (متی ۸: ۲۴) غور کیجئے کہ جو انجیل اُس کی الوہیت کے ثبوت میں لکھی گئی وُہی اُس کی انسانیت کا بڑے سے بڑا ثبوت پیش کرتی ہے۔

مسیح نے تین مرتبہ آنسُو بہائے۔ ایک دفعہ یہاں دوستی اور

ہمدردی کی راہ سے۔ (۲) ایک دفعہ یروشلیم کی بے ایمانی پر ماتم کے آنسُو بہائے۔ کیونکہ اُس کی سزا نزدیک تھی (لُوقا ۱۹: ۴۱)۔ جانکنی اور سفارشی کلام کے خُون آلُودہ آنسُو جو گتسمنی میں بہائے جب اُس نے بنی آدم کے گُناہوں کا بوجھ اُٹھایا۔ لُوقا ۲۲: ۴۴۔ متّی ۲۶: ۳۹۔ عبرانی ۵: ۷۔ یہ خُدا کا ازلی بیٹا اور آنسُو بہانا کیسا عظیم اور عجیب نظارہ ہے۔ یہ کیسا عجیب ثبُوت اُس کی سچّی انسانیت اُس کی علیم محبّت اور اُس کی ملائم ہمدردی کا ہے۔ اُس کے آنسُو کس قدر غمگینوں کے نزدیک لے آتے ہیں۔ وُہ نجات دہندہ جس کی آنکھوں سے آنسُو جاری ہیں وُہ اُن گواہوں اور پیشواؤں سے جن کی پیشانی سے کدُورت برستی ہے کیسا خُوب صُورت اور دِل کش اور انسانی طبعیّت کے موافق معلوم ہوتا ہے۔ یسُوع نے لعزر کی قبر پر آنسُو بہا کر ہمدردی کے آنسُوؤں کو پاک کر دیا ہے۔ بشرطیکہ وُہ اِعتدال سے تجاوز نہ کرے۔ اور ہمارا غم اُن کا سا نہ ہو جو اُمّید نہیں رکھتے۔ (۱-تھسلنیکی ۴: ۱۳) اِسی طرح لازم ہے کہ اُس کے وُہ آنسُو جو یروشلیم اور گتسمنی میں بہائے گئے ہماری آنکھوں میں توبہ اور شُکرگزاری کے آنسُو پیدا کریں۔ (ٹیلنگی)

واضح ہو کہ مسیح کے رونے کی بابت مُفسّروں نے طرح طرح کے خیالات دوڑائے ہیں۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ وُہ گُناہ کی خرابی کو دیکھ کر رویا۔ کوئی کہتا ہے کہ وُہ یہُودیوں کی بے ایمانی دیکھ کر رویا کسی کا یہ خیال ہے کہ وُہ بہنوں کے ایمان کی کمزوری کو دیکھ کر رویا۔ کسی کا یہ گُمان ہے کہ وُہ اِس واسطے رویا کہ وُہ خیال کرتا تھا کہ لعزر کو زندہ ہو کر اب پھر تکلیفیں اُٹھانی پڑینگی۔ پر صحیح خیال یہی معلوم ہوتا ہے کہ بہ سبب ہمدردی کے رویا۔

۳۶-۳۷- پس یہُودیوں نے کہا دیکھو وُہ اُس کو کیسا عزیز تھا۔ لیکن اُن میں سے بعض نے کہا کیا یہ شخص جس نے اندھے کی آنکھیں کھولیں اِتنا نہ کر سکا کہ یہ آدمی نہ مرتا؟

یہُودیوں میں جو اُس وقت حاضر تھے دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک وُہ جو خُداوند کے آنسُوؤں اور ہمدردی کو دیکھ کر نیک نیّتی سے اُس کی اُس محبّت پر جو وُہ لعزر سے رکھتا گواہی دیتے ہیں۔ دُوسرے وُہ جو عیب جوئی کی راہ سے یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص جو اَب آنسُو بہا رہا ہے اور جس نے اندھوں کو آنکھیں دیں کیا اُس کو مرنے سے نہ بچا سکا؟ اگر کوئی پُوچھے کہ اُنہوں نے اندھوں کی آنکھیں کھولنے کی مثال کیوں دی۔ اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ شخص جس نے مُردوں کو زندہ کیا کیا لعزر کو مرنے سے نہیں بچا سکتا تھا؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے خُداوند نے ایک جنم کے اندھے کی آنکھیں جیسا ہم پڑھ چُکے ہیں یروشلیم میں روشن کی تھیں۔ اور اُس معجزے کے سبب سے سنہڈرم کی طرف سے بڑی تحقیقات ہُوئی تھی لہذا یہ یہُودی جو یروشلیم کے رہنے والے تھے اُس واقعہ کو نہیں بھُولے تھے۔ پر مُردوں کو زندہ کرنے کے مُعجزے جو گلیل میں سرزد ہُوئے اُن کی یاد میں ایسے تازہ نہ تھے۔ پس جس مُعجزے کا حال اُن کو بخُوبی یاد ہے۔ اُس کو بطور مثال کے پیش کرتے ہیں۔ اور اُن کا ایسا کرنا ایک پُختہ ثبُوت اِس بات کا ہے کہ انجیل نویس چشم دید واقعہ تحریر کر رہا ہے۔ کیونکہ یہ انجیل اگر دُوسری یا تیسری صدی میں تحریر کی جاتی تو مصنّف ضرُور مُردوں کو زندہ کرنے کی مثال لاتا۔ اور یُوں کہتا کہ "اُن میں سے بعض نے کہا کہ یہ شخص جس نے مُردوں کو زندہ کیا یہ نہ کر

سکا کہ یہ آدمی نہ مرتا؟

۳۸- یسُوع پھر اپنے دِل میں نہایت رنجیدہ ہو کر قبر پر آیا۔ وُہ ایک غار تھا اور اُس پر پتھر دھرا تھا؟

اَب مسیح قبر پر آتا ہے۔ پھر ایک مرتبہ وُہی رنجیدگی جس کا بیان اُوپر ہُوا مرنے کی بھیانک اور دہشت انگیز صُورت سے اُس کے دِل میں پیدا ہوتی ہے کیونکہ وُہ اُس کے نیچرل اسباب میں سے جن کو ہم نظر انداز کر دیتے ہیں اُسے دیکھتا اور محسُوس کرتا ہے کہ وہ گُناہ اور اُسی کا پھل ہے۔ وُہ جانتا ہے کہ اُس مخلُوق پر جو غیر فانی تھا اِس خاصیّت نے بُری طرح اپنا قبضہ جما رکھا ہے۔ وُہ قبر جس میں لعزر مدفون تھا شہر کے باہر ایک غار میں تھی کبھی اِس قسم کی غار قُدرتی ہوتی تھی۔ پیدائش ۲۳: ۹- اور کبھی مصنوعی یعنے لوگ اپنی محنت سے چٹان میں اُسے تراشا کرتے تھے (یسعیاہ ۲۲: ۱۶- متی ۲۷: ۶۰) کبھی باغ میں ہوتی تھی (یُوحنّا ۱۹: ۴۱) کبھی کسی کھیت میں جو کسی خاندان کے قبضہ میں ہوتا تھا (پیدائش ۲۳: ۹ و ۱۷- ۲۰ و ۳۵: ۱۸- ۲ سلاطین ۲۱: ۱۸) اور ان غاروں کے پہلوؤں میں قبر یا لحد کھودی جاتی تھی جس میں متوفی کی نعش رکھی جاتی تھی کبھی کبھی چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں ایک دُوسرے سے لگی ہُوئی بنائی جاتی تھیں بعض بعض جگہ اِن قبروں کا مُنہ زمین کی سطح سے ہموار ہوتا تھا۔ اور بعض جگہ سیڑھیوں کے وسیلے نیچے اُتر کر قبر تک جانا پڑتا تھا۔ اِن قبروں کے مُنہ پر پتھر اِس لئے رکھا جاتا تھا کہ درندے، اور خصُوصاً گیدڑ اندر نہ جانے پائیں۔ کیونکہ خطرہ تھا کہ کہیں وُہ قبر میں گُھس کر مُردے کو پھاڑ نہ ڈالیں۔ اور یہ پتھر ایسے قد اور ایسے وزن کا ہوتا

تھا کہ اُسے آسانی سے ہلا نہیں سکتے تھے (مرقس ۱۶: ۳)۔

واضح ہو کہ اِس قسم کی غاریں غریبوں کے قبضے میں نہیں ہوتی تھیں۔ اور نہ وُہ یہ قابلیت رکھتے تھے کہ خاندان کے شرکاء کے مدفن کے لئے کوئی ٹکڑا زمین کا لیں اور اُسے اِسی کام کے لئے مخصوص کریں۔ پس اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان جو بیت عنیاہ میں رہا کرتا تھا متمول خاندان تھا۔ اور یہی نتیجہ اِس خیال سے برآمد ہوتا ہے کہ یروشلیم سے کئی یہودی جو عزت دار تھے عیادت کے لئے مریم اور مرتھا کے پاس آئے تھے۔ پھر اُس کے "آدھ سیر خالص اور بیش قیمت عطر" سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کری سا سٹم صاحب اس خاندان کو ایک عالی خاندان سمجھتے تھے اور قدیم زمانہ کے سب بزرگ اُن کے ساتھ متفق تھے۔ مگر بعض لوگوں نے الفاظ "مریم اور مرتھا کے گاؤں بیت عنیاہ" سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بیت عنیاہ اُنہیں کی ملکیت تھا مگر یہ قیاس غلط ہے کیونکہ شریعت مانع تھی کہ کوئی شخص اِس طرح زمین اپنے قبضہ میں لائے۔ پر اگر کوئی کہے کہ "مریم اور مرتھا کے گاؤں" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں اُنہیں کا تھا تو اِس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو بیت صیدا بھی پطرس اور اندریاس کے قبضہ میں ہوگا کیونکہ وُہ "اندریاس اور پطرس کا شہر بیت صیدا" کہلاتا ہے۔ (یوحنا ۱: ۴۴)۔

۳۹۔ یسوع نے کہا پتھر کو ہٹاؤ۔ اُس مرے ہوئے شخص کی بہن مرتھا نے اُس سے کہا۔ اَے خداوند! اُس میں سے تو اَب بدبو آتی ہے کیونکہ اُسے چار دن ہو گئے۔

سوال برپا ہوتا ہے کہ مرتھا کا ذکر آگے کئی مرتبہ آچکا ہے۔ اَب

یہ بتانا کہ وُہ مرے ہوئے کی بہن تھی کیا ضرورت تھی؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشریح اِس واسطے کی کہ پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ جب خداوند نے پتھر ہٹانے کا حکم دیا اُس وقت اَوروں کی نسبت جو اُس کے رشتہ دار نہ تھے اس کو جو اُس کی بہن تھی زیادہ صدمہ گزرا کیونکہ وُہ نہیں چاہتی تھی کہ وُہ چہرا جو زندگی کے زمانہ میں صحت اور تندرستی کے سبب سے چمکتا اور خوب صورت معلوم ہوتا تھا مگر اَب موت کے سبب سے سڑنے اور گلنے لگ گیا تھا اور بدصورت ہو گیا تھا۔ لوگوں کی نظروں کے سامنے لایا جائے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ اب تک پُورے پُورے طور پر نہیں سمجھتی کہ مسیح اُسے مُردوں میں سے جلانے لگا ہے۔ بلکہ یہ خیال کرتی ہے کہ شائد مسیح پتھر ہٹوا کر اُس کا مُنہ دیکھنا چاہتا ہے۔ سو وُہ اُسے پتھر ہٹوانے سے منع کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اُسے تو مرے ہوئے چار دن ہو گئے ہیں۔ گرم ممالک میں اتنے عرصہ کے اندر سراہٹ اپنا عمل جاری کر دیتی ہے۔ دو تین باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ (۱) یہ کہ جب ہم مرتھا کی زبان سے یہ سنتے ہیں کہ اُس میں سے تو اَب بدبو آتی ہے تو ہم یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ اِس سے پہلے مرتھا نے کسی وقت اُس کو خود آکر دیکھا تھا اور اپنے تجربہ سے معلوم کیا تھا کہ اُس میں سے بدبو آرہی ہے۔ بلکہ وُہ یہ نتیجہ اُس کے چار دن تک قبر میں رہنے سے نکالتی ہے۔ کیونکہ وُہ جانتی ہے کہ اِس عرصہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ (۲) ضرورت نہیں کہ اُس نے جو اُسے اُٹھانے والا تھا اپنی الٰہی قدرت سے اُس کے جسم کو اِس سراہٹ سے محفوظ رکھا ہو۔

۴۰۔ یسوع نے اُس سے کہا کیا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ اگر تو ایمان لائے گی تو خدا کا

جلال دیکھے گی؟

اِن لفظوں سے صادر ہے کہ خداوند مرتھا کی کم اعتقادی کو جھکاتا اور دباتا ہے۔ اِس آیت کے متعلق بھی ایک بات دریافت طلب ہے اور وہ یہ کہ مسیح کون سی گفتگو کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں اُس نے یہ الفاظ مرتھا کی طرف مخاطب ہو کر اپنی زبان مبارک سے بیان فرمائے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ وہ اُسی گفتگو کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اُوپر قلمبند ہے۔ گو اُس میں یہ الفاظ تو نہیں پائے جاتے پر یہ مطلب پایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ گفتگو ایمان کی اُس طاقت کے متعلق ہے جو اُن برکتوں کو جو مسیح میں موجود ہیں لیتا اور یُوں خدا کا جلال ظاہر کرتا ہے۔ یہ سُن کر مرتھا خاموش ہو جاتی ہے ✣

۴۱ و ۴۲۔ پس اُنہوں نے اُس پتھر کو ہٹا دیا۔ پھر یسوع نے آنکھیں اُٹھا کر کہا اَے باپ میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تو نے میری سن لی۔ اور مجھے تو معلوم تھا کہ تو ہمیشہ میری سنتا ہے۔ مگر اِن لوگوں کے باعث جو آس پاس کھڑے ہیں مَیں نے یہ کہا تا کہ وہ ایمان لائیں کہ تو ہی نے مجھے بھیجا ہے ✣

اَب جب کہ کم اعتقادی کی رکاوٹ دور ہو گئی اور مرتھا کے سکوت سے ظاہر ہوا کہ وہ پتھر کے ہٹانے سے ناراضامند نہیں تو خداوند نے اپنی آنکھیں اُٹھائیں اور کہا "اَے باپ میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تو نے میری سن لی"۔ مگر اِس خیال سے کہ مبادا اِس شکر گزاری کی دعا کو جو اجابتِ الٰہی کے صلہ میں ادا کی گئی سن کر اُس کے شاگرد اور اُن کے بعد کلیسیا جس کے پاس یہ الفاظ

میراث کے طور پر پہنچنے کو تھے یہ نتیجہ نکالے کہ ممکن تھا کہ خدا اُس کی دعا نہ سنتا یا وہ یہ الفاظ اضافہ کرتا ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ تو میری ہمیشہ سنتا ہے اور اَب جو مَیں نے تیرا شکریہ ادا کیا وہ اِس لئے کہ وہ جو موجود ہیں اُن کو معلوم ہو جائے کہ مُردوں کو زندہ کرنے کی طاقت جو مجھ میں پائی جاتی وہ سحر یا جادو کی جانب سے نہیں بلکہ تیری طرف سے ہے اور یہ جان کر وہ ایمان لائیں کہ تو نے ہی مجھے بھیجا ہے۔ ہمارے خداوند پر جیسا ہم دیکھ آئے ہیں اُس کے دشمن یہ الزام لگایا کرتے تھے کہ وہ اپنے معجزے بعل زبُول کی مدد سے کرتا ہے۔ اَب خداوند جب آسمان کی طرف آنکھ اُٹھا کر خدا سے دعا کرتا ہے تو اِس فعل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ جو طاقت مجھ میں اور میرے وسیلے کام کرتی ہے وہ الٰہی طاقت ہے۔ ممکن ہے کہ اس وقت خداوند کو وہ یہودی جو یروشلیم سے آئے ہوئے تھے مدِّنظر تھے۔ اِس میں شک نہیں کہ اِس قسم کے معجزات سے اُس کے شاگردوں کا ایمان ضرور مضبوط تھا ✣

۴۳۔ یہ کہ اُس نے بلند آواز سے پکارا کہ اَے لعزر نکل آ۔

بعض بزرگوں کا مثلاً کری ساسٹم صاحب کا خیال ہے کہ جب مسیح دعا مانگ رہا تھا اُس وقت لعزر میں جان آ گئی تھی۔ مگر کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مُردوں کا جی اُٹھنا خدا کے بیٹے کی آواز سے مربوط کیا گیا ہے مثلاً یوحنا ۵: ۲۸ میں آیا ہے "وہ وقت آتا ہے کہ جتنے قبروں میں ہیں اُس کی آواز سن کر نکلیں گے" اور پھر ۱ تھسلنیکی ۴: ۱۶ میں ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے خداوند کی "للکار" اور پھر مُردوں کا جی اُٹھنا وجود میں آئیگا۔ اور

ناممکن نہیں کہ ۱-کرنتھی ۱۵: ۵۲ کا "آخری نرسنگا" بھی خدا کی آواز پر دلالت کرتا ہو جو موت کے تمام احاطہ میں سُنائی دیگی۔ پس وُہ زندگی بخش طاقت جس کے طفیل سے لعزر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ خدا کے بیٹے کی آواز یا حکم میں موجود تھی ❊

۴۴۔ جو مر گیا تھا وُہ کفن سے ہاتھ پاؤں بندھے ہُوئے نکل آیا۔ اور اُس کا چہرہ رُومال سے لپٹا ہُوا تھا۔ یسوع نے اُن سے کہا اُسے کھول کر جانے دو۔

بعض بزرگوں (مثلاً بزرگ بیسل) نے یہ خیال کیا ہے کہ یہاں ایک نیا معجزہ وجود میں آیا یعنی مسیح نے پہلے لعزر کو زندہ کیا اور پھر اُسے جو کفن میں ایسا لپیٹا ہُوا تھا کہ باہر نہ نکل سکتا تھا اپنی معجزانہ قدرت سے باہر آنے کی طاقت عطا فرمائی۔ مگر ایسا قیاس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ کفن کا کپڑا ڈھیلا ہو اور حرکت کرنے کو نہ روکتا ہو۔ یا ممکن ہے کہ وُہ مصری دستور کے مطابق دفنایا گیا ہو۔ وُہ دستور یہ تھا کہ مصری اپنے مُردوں کے ایک ایک عضو کو علیحدہ علیحدہ کپڑے سے لپیٹتے تھے۔ حتیٰ کہ چھنگلیا پر بھی ایک جُدا ٹکڑا کپڑے کا لپیٹا کرتے تھے ❊

۴۵ و ۴۶۔ پس بہتیرے یہودی جو مریم کے پاس آئے تھے اور جنہوں نے یسوع کا یہ کام دیکھا اُس پر ایمان لائے۔ مگر اُن میں سے بعض نے فریسیوں کے پاس جا کر اُنہیں یسوع کے کاموں کی خبر دی ❊

رسُول ہم کو اس خوشی اور خرمی کی بابت جو لعزر کے جی اُٹھنے

کے بعد اُس کے خاندان کو حاصل ہُوئی کچھ نہیں بتاتا۔ ہم خود قیاس کر سکتے ہیں کہ وُہی گھر جہاں ماتم اور نوحہ کا بازار گرم تھا اَب جشن کی جگہ بن گیا ہوگا۔ رسُول ہم کو اِس عجیب و غریب معجزے کے نتائج کی خبر دیتا ہے کہ لوگوں پر اِس کا کیا اثر ہُوا اور آخر کار کس طرح یہودیوں کی دُشمنی اور بغاوت میں تمنج ہُوا۔ وُہ بتاتا ہے کہ کس طرح یہ اُن واقعات میں کڑی کی طرح جا لگا جن کا انجام خدا کے ازلی ارادے کے مطابق یہ ہُوا کہ خداوند یسوع مسیح ہمارے عوض میں یا کائفا کے پُر مطلب کلام کے مطابق "اُمت کے بدلے" صلیب پر چڑھایا گیا ❊

اِس معجزے کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بعض یہودی ایمان لائے کہ یسوع ہی مسیح ہے۔ لیکن بعض نے جا کر یروشلیم میں فریسیوں کو خبر دی کہ یسوع نے ایسا معجزہ دکھایا ہے۔ سوال برپا ہوتا ہے کہ اُنہوں نے کس نیت سے اُن کو خبر دی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُنہوں اِس ارادے سے خبر دی کہ وُہ بھی اُس پر ایمان لائیں جس نے ایسا عجیب معجزہ دِکھا کر ثابت کر دیا کہ میں منجانب اللہ ہُوں لیکن یُوحنا کا بیان اِس خیال کی تائید نہیں کرتا۔ کیونکہ وُہ ہم کو بتاتا ہے کہ یہودی مریم کے گھر میں آئے ہُوئے تھے۔ اُن میں سے کئی ایمان لائے۔ مگر اُن میں سے بعض نے "دِکن میں سے ہم گیا اُن میں سے جو ایمان لائے تھے" بعض نے فریسیوں کے پاس جا کر یسوع کے کاموں کی خبر دی" اور اُن کا مطلب یہ تھا کہ مسیح کے جانی دُشمنوں کو برانگیختہ کریں اور اُنہیں اُکسائیں کہ وُہ سرگرمی سے اُس کی مخالفت پر آمادہ ہُوں۔ اور جو کارروائی فریسیوں نے اُن سے خبر پا کر کی اِس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اُن لوگوں نے نیک نیتی

سے اُن کو خبر نہیں دی ۔

۴۷ و ۵۳ آیت تک - اِن آیات سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ خبر پاکر وُہ لوگ گھبرا گئے ۔ اُنہوں نے دیکھ لیا کہ اِس عجیب مُعجزے کا اثر لوگوں کے اُوپر پڑا ہوگا ۔ اور یہ قیاس اُن کا غلط نہ تھا ۔ دیکھو یُوحنّا ۱۲ : ۱۰ و ۱۱ و ۱۷ - ۱۹) ۔

۴۷ و ۴۸ - پس سردار کاہنوں اور فریسیوں نے صدرِ عدالت کے لوگوں کو جمع کرکے کہا ہم کرتے کیا ہیں؟ یہ آدمی تو بہت مُعجزے دکھاتا ہے ۔ اگر ہم اُسے یُوں ہی چھوڑ دیں تو سب اُس پر ایمان لے آئیں گے ۔ اور رُومی آ کر ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کرلیں گے ۔

یہ کونسل خُداوند اور اُس کے ممسُوح کے برخلاف منصُوبہ باندھنے کے لئے کی گئی ۔ غور کا مقام ہے کہ وُہ یہ بات دریافت نہیں کرتے ۔ کہ آیا وُہ شخص جس کے برخلاف ہم سازش کر رہے ہیں ۔ سچ مُچ خُدا کی قُدرت سے ایسے عجیب مُعجزے دکھاتا ہے یا نہیں ۔ وُہ اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ وُہ تو بہت سے مُعجزے دکھاتا ہے ۔ مگر اُس پر ایمان نہیں لاتے ۔ اور اِس کا سبب یہ ہے کہ اُنہیں اِس کے منجانب اللہ ہونے کی اتنی پرواہ نہیں جتنی فکر اِس بات کی ہے کہ اگر یہ شخص مسیح مانا گیا تو ہمارے حلوے مانڈے میں فرق آ جائیگا پس وُہ کہتے ہیں کہ ” اگر ہم اُسے یُوں ہی چھوڑ دیں تو سب اُس پر ایمان لے آئیں گے اور رُومی آ کر ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کر لیں گے “ اَب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر یسُوع کو وُہ لوگ اپنا مسیح قبُول کر لیتے تو اس سے کس طرح رُومی طاقت مخالفت پر

آمادہ ہوتی؟ کونسل کا یہ مطلب تھا کہ ” اگر یہ شخص مسیح مانا گیا تو ضرور ہے کہ وُہ قوم کا پیشوا بنے یا لوگ اُسے جبراً اپنا بادشاہ بنائیں (یُوحنّا ۶ : ۱۵) اور اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رُومی بادشاہت کی مخالفت کی جائیگی تاکہ غیر قوم کا جُوا اُتارا جائے ۔ لیکن اِس بغاوت کو دیکھ کر رُومی اپنے لشکر لے کر چڑھ آئینگے اور جتنی آزادی اور رُتبہ اور قُدرت ہم کو اور ہماری قوم کو اَب حاصل ہے وُہ بھی چھین لئے جائینگے یا اگر لوگ اِس یسُوع کے ماتحت بغاوت پر کمر بستہ نہ بھی ہوں تو بھی یہ اندیشہ ہے کہ اس کو فقط مسیح ماننا ہی رُومیوں کے دلوں میں ظن پیدا کر دیگا ۔ اور وُہ اسے بغاوت سمجھ کر ” ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کرلیں گے “ ۔ بزرگ اگسٹن اِس کا مطلب اور ہی طرح بیان کرتے ہیں ۔ اور وُہ یہ ہے کہ یہ لوگ اِس وقت اُس بڑی بغاوت کے جوڑ توڑ میں لگے ہُوئے تھے جو کُچھ عرصہ بعد واقع ہُوئی تاکہ رُومی سلطنت کے جُوئے تلے سے نِکل آئیں ۔ مگر یسُوع کی صُلح جُو اور امن آفرین تعلیمات اُن کی مرضی کے مطابق نہ تھیں ۔ لہذا اُنہوں نے کہا کہ اگر ہم اُسے اپنا پیشوا بنائیں تو ہم اِس قصد کو کبھی پُورا نہیں کر سکینگے ۔ واضح ہو کہ صرف اگسٹن صاحب اِس خیال کو مانتے تھے اور باقی سب مُفسّر خیال مذکورہ بالا کو ترجیح دیتے ہیں ۔

ایک اَور بات تنقیح طلب ہے اور وُہ یہ ہے کہ کیا یہ لوگ درحقیقت مانتے تھے کہ ایسے نتائج ضرور پیدا ہو جائیں گے یا شاید صرف ایسے لوگوں کو جو سنہڈرم کے ممبر تھے ۔ مگر خفیہ طور پر مسیح کے دوست تھے ورغلانے کے لئے اُنہیں قیاسی خطروں سے ڈراتے تھے ۔ بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ وُہ دل سے قائل تھے کہ کوئی ایسا خطرہ برپا نہ ہوگا مگر دُوسروں کو برانگیختہ کرنے کے لئے اُن کو ان باتوں سے آگاہ کرتے تھے ۔

مگر بعض اشخاص کی یہ رائے ہے کہ وُہ سچ مچ ڈرتے تھے کہ اگر قوم نے یسُوع کو مسیح مان کر اپنا پیشوا بنا لیا تو یہ ناگزیر نتائج ضرور پیدا ہوں گے ❖

۴۹-۵۰۔ اور اُن میں سے کائفا نام ایک شخص نے جو اُس سال سردار کاہن تھا اُن سے کہا تم کچھ نہیں جانتے۔ اور نہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی اُمّت کے واسطے مرے نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو۔

اِس کونسل میں لوگ طرح طرح کی تجویزیں پیش کرتے ہونگے کوئی کہتا ہوگا کہ اُس کی بات بالکل نہیں سُننی چاہیئے۔ اور کوئی کہتا ہوگا کہ جو کوئی اُسے مسیح کہے وُہ خارج کیا جائے۔ (یُوحنّا ۹: ۲۲)۔ مگر کائفا جو سردار کاہن تھا کہتا ہے کہ تم کچھ نہیں جانتے۔ یہ سب باتیں جو تُم کہہ رہے ہو ہم آزما چکے ہیں اور ہم نے دیکھا کہ کوئی خاطر خواہ نتیجہ ان سے برآمد نہیں ہُوا۔ بلکہ یہ سب باتیں ناکام نکلی ہیں جو اصل طریقہ اُس کے اثر اور کام کو روکنے کا ہے وُہ تُم نہیں سوچتے "تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی اُمّت کے واسطے مرے نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو" پس میری رائے یہ ہے کہ ہم قوم کی بہبُودی کے لئے اُس کو جان سے مار ڈالیں اور یُوں ایک کے ہلاک ہونے سے ساری قوم کو ہلاکت سے بچائیں ❖

جو اُس سال سردار کاہن تھا۔ کائفا جو یہ صلاح دیتا ہے صدوقی تھا (اعمال ۵: ۱۷) اور دس برس تک سردار کاہن رہا۔ مگر یُوحنّا کے اِن الفاظ سے کہ وُہ "اُس سال سردار کاہن تھا" یہ مغالطہ پڑتا ہے کہ گویا سردار کاہن کا عُہدہ صرف ایک سال کے

لئے ہوتا تھا۔ حالانکہ یہ عُہدہ عُمر بھر کے لئے ہوتا تھا اور مورُوثی ہوتا تھا۔ پر اِس مُشکل کا حل یہ ہے کہ رسُول یہاں اِس عہدہ کی مُدت کی نسبت کچھ نہیں کہتا بلکہ الفاظ "اُس سال" سے تخصیص اُس برس کی کرتا ہے جس میں مسیح کے مصلوب ہونے کا عدیم المثال واقعہ سرزد ہُوا۔ یعنے وُہ یہ کہتا ہے کہ جس سال مسیح مصلوب ہُوا اُس سال کائفا سردار کاہن تھا ممکن ہے کہ کئی سال آگے سے سردار کاہن مقرّر کیا گیا ہو اور کئی سال بعد تک رہا ہو ❖

۵۱ و ۵۲۔ مگر اُس نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ اُس سال سردار کاہن ہو کر نبوّت کی کہ یسُوعؑ اُس قوم کے واسطے مریگا۔ اور نہ صرف اُس قوم کے واسطے بلکہ اِس واسطے بھی کہ خُدا کے پراگندہ فرزندوں کو جمع کر کے ایک کر دے ❖

مگر اُس نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا مگر اُس سال سردار کاہن ہو کر نبوّت کی"۔ ان لفظوں میں ایک دِقّت ہے جس کا حل ذرا مُشکل معلوم ہوتا ہے اور وُہ یہ کہ یُوحنّا کہتا ہے کہ کائفا نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ یہ اُس نے نبوّت کی تھی یہ سمجھنا مُشکل نہیں کہ بُرے لوگ بھی نبوّت کر سکتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ خُدا نے بُرے لوگوں کے وسیلے نبوّتیں کروائی ہیں۔ مثلاً بلعام نیک شخص نہ تھا مگر خُدا نے اُسی کے وسیلے اپنے بندوں کی اِقبال مندی وغیرہ کی خبر لوگوں کو پُہنچائی۔ مگر مُشکل اِس امر میں ہے کہ آیا سردار کاہن کے عُہدے کے ساتھ نبوّت لازمی تھی یا نہ تھی۔ کلام سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کام بھی سردار کاہن کے عُہدے سے متعلّق تھا۔ البتّہ اُوریم اور تُھمّیم کے وسیلے اُن کو نزدیک کے معاملات یا واقعات پر خبر کسی قدر

مِلا کرتی تھی مگر پہلی ہیکل کے تباہ ہونے پر یہ حق بھی اُن سے لے لیا گیا تھا۔ اور ہمارے پاس کوئی ثبُوت نہیں ہے کہ ہمارے خُداوند کے زمانہ میں سردار کاہن کسی وسیلہ سے آئندہ کی خبر دے سکتا تھا۔ پس سوال یہ ہے کہ یُوحنّا کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہے کہ کائفا نے "اِس سال کا سردار کاہن ہو کر نبوّت کی"؟ اُس کا مطلب کچھ کچھ اِس طرح ادا کیا جا سکتا ہے ؞

"مگر اُس نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا"۔ اُس نے یہ بات ایک عجیب قُدرت سے مغلُوب ہو کر بیان کی گو وُہ اُس وقت نہ جانتا تھا کہ مجھ سے کون یہ بات کہلوا رہا ہے۔ یہ بات جو اُس کی زبان سے نکلی اُس مطلب سے جو اُس نے سوچا تھا کہیں گہرا مطلب رکھتی تھی ؞

"بلکہ اُس سال سردار کاہن ہو کر نبوّت کی"۔ یہ الفاظ جو اُس کی زبان سے نکلے نبوّت کے طَور پر تھے جیسا کہ بعد میں واقعہ کے سرزد ہونے سے ثابت ہُوا۔ اور چُونکہ یہ اُس کی زبان سے اُس وقت نکلے جب کہ وُہ سردار کاہن تھا اِس لئے بعد میں جب یاد آتے تھے تو وُہ اور بھی عجیب معلوم ہوتے تھے ؞

"کہ یسُوع اُس قوم کے واسطے مریگا"۔ اُس نے واقعی یہ نبوّت کی کہ یسُوع قوم کی بھلائی کے واسطے مریگا۔ گو یہ نبوّت اُس کے خیال اور ارادے کے بالکل برخلاف پُوری ہوئی ؞

"نہ صرف اُس قوم کے واسطے بلکہ اِس واسطے وغیرہ"۔ اور اُس نے اُس بات کی نبوّت بھی کی جو بعد میں وقوع میں آئی۔ گو اُس کا وجُود میں آنا کبھی اُس کے خیال سے بھی نہ گزرا تھا۔ اور وُہ نبوّت یہ تھی کہ یسُوع نہ صرف یہُودی قوم کے لئے مریگا بلکہ خُدا کے

تمام فرزندوں کے لئے (مراد غیر قوم) جو دُنیا میں تتّر بتّر تھے ؞

نصیحتیں اَور مفید اشارے

۱۔ وُہ گھرانا کیسا مُبارک گھرانا ہے جہاں مسیح کی آمد و رفت ہے اُس گھرانے میں خُدا کی عجیب قُدرت طرح طرح دکھائی دیتی ہے اُس پر اگر دُکھ آتا ہے تو وُہ ہلکا کیا جاتا ہے۔ اگر آزمائشیں آتی ہیں تو وُہ بھی دُور کی جاتی ہیں۔ اگر مَوت کا غم وارد ہوتا ہے تو وُہ قیامت کے یقین سے دفع کیا جاتا ہے ؞

۲۔ پر ہم یاد رکھّیں کہ خُدا کے بندے تکلیفوں اور دُکھّوں سے مستثنےٰ نہیں۔ بیمار ہونا خُدا کی فرزندیت کے خلاف نہیں مسیحیوں کے دُکھ بڑا کام کرتے ہیں۔ وُہ خُدا اور اُس کے بیٹے کا جلال ظاہر کرتے ہیں ؞

۳۔ لعزر کی بہنیں خُداوند کو وُہ محبّت یاد دلاتی ہیں جو وُہ لعزر کے ساتھ رکھتا ہے۔ ہماری دُعائیں اُسی وقت عمدہ اور درُست ہوتی ہیں جب کہ وُہ اُس کی محبّت پر مبنی ہوتی ہیں ؞

۴۔ ایمان داروں کا یہی فرض ہے کہ وُہ مریم اور مرتھا کی طرح اپنے دُکھّوں اور مُصیبتوں کی خبر دُعا کے وسیلے اپنے خُداوند تک پہنچائیں۔ مگر دُکھ یا بیماری کی مدافعت کے لئے اُس کے ساتھ ضد نہ کریں ؞

۵۔ وُہ جو لعزر کے مرنے اور اُس کی بہنوں کے غم سے واقف تھا۔ اَب بھی آسمان پر سے اپنے بندوں کی تکلیفوں کو جانتا ہے ؞

۶۔ مسیح دیر لگاتا ہے (۱) اِس لئے کہ اپنے بندوں کے ایمان کو آزمائے۔ (۲) اِس لئے کہ جو برکتیں اُس کے لوگ مانگتے ہیں اُن

سے افضل اور اعلےٰ تر اُن کو پہنچائے۔ (۳) اِس لئے کہ اپنا جلال ظاہر کرے خُداوند دیر لگاتا ہے۔ کیونکہ وُہ رہائی وجُود میں آنے والی ہے جو زیادہ جلالی ثابت ہوگی ❊

۷۔ خُداوند یسُوع کبھی اپنے لوگوں کو نہیں بھُولتا۔ گو بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا بھُول گیا ہے مگر پیشتر اس کے کہ وُہ اُس کے آنے سے آگاہ ہوں۔ وُہ اُن کے پاس آن موجُود ہوتا ہے ❊

۸۔ زندگی کے بارہ گھنٹے۔ (۱) اِن لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر شخص زندگی کے بارہ گھنٹے رکھتا ہے۔ مناسب ہے کہ ہر گھنٹہ کام میں صرف کِیا جائے۔ (۲) کہ ادائے فرائض میں خوف کو جگہ نہیں دینی چاہئے کیونکہ جو کام خُدا نے اپنے لوگوں کے سپُرد کیا ہے جب تک ختم نہ ہو جائے۔ تب تک کوئی اُن کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ (۳) مگر وقت آتا ہے جب یہ مقررہ وقت ختم ہو جاتا ہے تب کام کرنے کا موقعہ نہیں مِلتا۔ ہم اپنے وقت کی کیسی خبرداری کرتے ہیں ❊

۹۔ تُوما۔ یہ رسُول ہم کو سکھاتا ہے کہ (۱) مسیح کے بندوں میں ہر طرح کے مزاج کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ (۲) مسیح اُن کی برداشت کرتا۔ اُن کے شکوک کو تحمّل سے دیکھتا۔ (۳) پر وُہ آخرکار اُس کی رُوح کے وسیلے تیار کئے جاتے کہ اُس کے لئے اپنی جان دینے کو تیار ہوں ❊

۱۰۔ دیکھو ہمارا خُداوند باوجُود دُشمنوں کے حملات کے اندیشے کے بَیت عنیاہ کو لوٹتا ہے۔ کوئی خطرہ ہم کو ہمارے فرائض سے نہ روکنے پائے ❊

۱۱۔ مَوت مسیح کے بندوں کے لئے نیند سے ہے۔ مسیح کے پاس آنے سے

نیچرل مَوت ایک نئی صُورت اختیار کرتی ہے۔ وُہ نیند سے تشبیہ دی جاتی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کے بندے پھر جاگ اُٹھیں گے ❊

۱۲۔ کیا مسیح لعزر کی مَوت سے خُوش تھا؟ نہیں وُہ اُس کی مَوت سے خُوش نہ تھا۔ وُہ اُن نتیجوں سے خُوش تھا جو اُس کی مَوت سے برآمد ہونے والے تھے۔ وُہ یہ تھے۔ (۱) اُس کے شاگردوں کا ایمان بڑھا اور خُداوند کا جلال ظاہر ہُوا۔ (۲) خُداوند کی شخصیّت کی کئی بے نظیر خاصیّتیں ظاہر ہُوئیں۔ وُہ قیامت اور زندگی ثابت ہُوا۔ اُس کا الٰہی علم اور قُدرت ظاہر ہُوئے۔ اُس کی محبّت اور ہمدردی پر سے ہر طرح کا پردہ اُٹھ گیا۔ (۳) لعزر نے ہمیشہ کی زندگی حاصل کی ❊

۱۳۔ مسیح قیامت ہے۔ (۱) وُہ مُردوں میں سے پہلا پھل ہے (کُلسی ۱: ۱۸)۔ (۲) وُہ ایمان داروں کو زندہ کرنے والا ہے (یُوحنّا ۶: ۵۴)۔ (۳) اُس کے جی اُٹھنے میں اُن کا جی اُٹھنا نہاں ہے۔ (۱۔کرنتھی ۱۵: ۲۳)

۱۴۔ پر مسیح قیامت سے پرے زندگی تک پہنچتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ زندگی مَیں ہُوں۔ زندگی وُہ چشمہ ہے جس سے قیامت برآمد ہوتی ہے وُہی وُہ سبب ہے جس کا نتیجہ قیامت ہے ❊

۱۵۔ مسیح کے آنسُو ظاہر کرتے ہیں (۱) دوست کی مَوت کا غم خُداوند کے دِل میں موجُود ہے۔ (۲) متوفّی کی غمگین بہنوں کی ہمدردی سے اُس کا پُر رحم دِل بھرا ہُوا ہے۔ (۳) گُناہ کی حقیقت اور نتیجوں کو خوب محسُوس کرتا ہے

۱۶۔ قبر کا پتّھر (۱) سکھاتا ہے کہ جو کام انسان اپنی طاقت سے کر سکتا ہے۔ خُداوند اُسے اُس کے لئے کبھی نہیں کریگا۔ (۲) یہ پتّھر گواہی دیتا ہے کہ لعزر واقعی مر گیا تھا۔ (۳) بتاتا ہے کہ رُوحانی مُردوں کے

زندہ کرنے میں انسان بھی کوئی نہ کوئی خدمت اپنے ذمّہ رکھتا ہے۔ زندگی خُداوند سے آتی ہے۔ مگر مُردوں کی قبر پر سے پتھر ہٹانا ہمارا کام ہے ÷

۱۷۔ مسیح کی دُعا۔ اِس دُعا سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کی مرضی میں اور خُدا کی مرضی میں یگانگت پائی جاتی ہے ÷

۱۸۔ یہ سبق بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن کے جی اُٹھنے کی ہم اُمّید نہیں رکھتے ممکن ہے کہ وُہ مسیح کی نظر میں زندہ ہونے کے قابل ہوں۔ مسیح آخر تک بچا سکتا ہے۔ ہم کسی گُنہگار سے نااُمّید نہ ہوں۔

۱۹۔ یاد رکھو کہ جس آواز نے لعزر کو قُم بِاذنِی کہہ کر جلایا وُہی آخری دن تمام ایمان داروں کو مُردوں میں سے جلائیگی۔ لعزر کا جی اُٹھنا ایمان داروں کی قیامت کا نمُونہ ہے ÷

۲۰۔ لعزر کا کفن ہم کو یہ سکھاتا ہے کہ ایمان داروں کے لئے لازم ہے کہ وُہ قبر کے کپڑے اُتار پھینکیں تاکہ وُہ نئی زِندگی کی طاقت کے ساتھ بآسانی حرکت کر سکیں۔ اِس سے یہ بھی سیکھتے ہیں کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن بھائیوں کے کفن اور قبر کے کپڑے اُتارنے میں مدد دیں جو ابھی ابھی مسیح کی زندگی میں داخل ہُوئے ہیں ÷

۲۱۔ خُداوند کی قدرت کے کام مختلف لوگوں پر مختلف قسم کا اثر ڈالتے ہیں۔ دیکھو جو یروشلیم سے آئے تھے اُن میں بعض ایمان لائے۔ وُہ تسلّی دینے آئے تھے۔ اور "اسرائیل کی تسلّی" سے خُوش وقت و خوشحال ہُوئے۔ ہمدردی کرنا کیسی بڑی برکتوں سے مالامال ہوتا ہے۔ مگر اُن میں سے کئی ایسے بھی تھے جنہوں نے معجزہ دیکھا پر ایمان نہ لائے۔ بلکہ اُس کے دُشمنوں سے جا ملے ÷

یریحو میں دو اندھوں کی آنکھوں کو روشن کرنا

متّی ۲۰: ۲۹-۳۴ مرقس ۱۰: ۴۶-۵۲ لُوقا ۱۸: ۳۵-۴۳

اِس مُعجزے کے اِن تینوں بیانوں کو جو انجیلوں میں پائے جاتے ہیں جب ہم ملا کر پڑھتے ہیں تو ان میں کچھ کچھ فرق نظر آتا ہے لہٰذا اُن میں باہمی مطابقت دکھانا ضروری امر معلوم ہوتا ہے کیونکہ جو فرق پایا جاتا ہے اُس کے سبب سے بعض لوگوں نے اُن کو دو بلکہ تین معجزے قرار دِیا ہے ÷

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ متّی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اندھے دو تھے جن کی آنکھیں کھولی گئیں لیکن مرقس اور لُوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ فقط ایک اندھے کو بینائی بخشی گئی۔ اِس مُشکل کا حل وُہی ہے جو پہلے ایک دو مرتبہ پیش کیا جا چُکا ہے۔ کہ جو شخص ایک اندھا بتاتا ہے وُہ اُس شخص کی جو دو بتاتا ہے مخالفت نہیں کرتا کیونکہ وُہ اُن دو میں سے صرف ایک کو چُن لیتا ہے جس کے حالات کو دُوسرے کی نسبت زیادہ غور کے لائق سمجھتا ہے ÷

(۲) دُوسری مُشکل یہ ہے کہ متّی اور مرقس بتاتے ہیں کہ یہ مُعجزہ اُس وقت سرزد ہُوا جبکہ مسیح یریحو سے نکل رہا تھا۔ مگر لُوقا کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُس وقت وقُوع میں آیا جبکہ وُہ یریحو میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ مُشکل طرح طرح سے حل کی گئی ہے

مگر دو خیال سب سے بہتر معلوم ہوتے ہیں اور اُن کو ہم یہاں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ اوّل یہ ہے کہ مسیح جب یریحو میں داخل ہو رہا تھا اُس وقت اُس کو فقط ایک اندھا مِلا جس نے یہ دُعا کی کہ میری آنکھیں کھولی جائیں۔ مگر خُداوند نے اُس کی آنکھیں اُس وقت نہ کھولیں کیونکہ وُہ چاہتا تھا کہ پہلے اُس کے ایمان کی مضبُوطی اور ترقّی ہو۔ مگر جب دُوسرے دن یریحو سے نِکلا تو پھر وُہی اندھا اور اُس کے ساتھ ایک اور اُسے مِلا اور اُس وقت اُس نے اُن دونوں کی آنکھیں کھولیں۔ دُوسرا خیال یہ ہے کہ یہ جگہ جہاں اندھوں کی آنکھیں کھولی گئیں نئے اور پُرانے یریحو کے درمیان واقع تھی لہٰذا دونوں بیان درست ہیں۔ یعنے یریحو سے نِکلنا اور یریحو میں داخل ہونا دونوں طرح کہنا درست ہے۔ کیونکہ وُہ ایک سے نِکل کر دُوسرے میں داخل ہو رہا تھا ✣

۲۹۔ اور جب وُہ یریحو سے نِکل رہے تھے ایک بڑی بِھیڑ اُس کے پیچھے ہو لی۔

یریحو۔ اُس وقت ہمارا خُداوند اور اُس کے شاگرد اور وُہ لوگ جو عید فسح کے لئے یروشلیم کو جا رہے تھے یردن کو عبُور کر کے یریحو پہنچ گئے تھے۔ یریحو سے یروشلیم قریباً ایک دن کی راہ تھا۔ شہر یریحو کا حال جو بنی اِسرائیل کے مُلک کنعان میں داخل ہونے کے وقت خُوب آباد تھا اور جسے اِسرائیل نے مُعجزانہ طور پر برباد کیا تھا یشُوع کی کتاب میں قلمبند ہے۔ اور وُہ لعنت جو یشُوع (یشُوع ۶: ۲۶) کے وسیلے اُس شخص پر بھیجی گئی تھی جو اُسے ازسرِنَو بنانے کا بِیڑا اُٹھائے اخیاب کے زمانہ میں پُوری ہُوئی (۱۔ سلاطین ۱۶: ۳۴)۔ راحب اسی جگہ کی رہنے والی تھی۔ جس میدان میں یہ

شہر واقع تھا وُہ سبز پھُولوں اور پھلوں سے پھلا پھُولا رہتا تھا ہمارے خُداوند کے لئے یہ تمام باتیں بڑی فرحت اور دلچسپی کا باعث تھیں۔ وُہ رات بھر وہاں رہا۔ لُوقا زکّی کا جس کے گھر میں وُہ رُکا بڑا دلچسپ قِصّہ بیان کرتا ہے (لُوقا ۱۹: ۱-۲۸) ✣

نِکلتے تھے۔ ہم اِس کی شرح اُوپر کر چُکے ہیں۔

ایک بڑی بِھیڑ اُس کے پیچھے ہو لی۔ یہ بِھیڑ اُن لوگوں پر مشتمل تھی جو یروشلیم کو عید فسح کے لئے جا رہے تھے ✣

۳۰۔ دیکھو دو اندھوں نے جو راہ کے کنارے بیٹھے تھے یہ سُن کر کہ یسُوع جا رہا ہے چلّا کر کہا اَے خُداوند ابنِ داؤد ہم پر رحم کر ✣

مرقس اور لُوقا ایک اندھا بتاتے ہیں۔ (دیکھو اُوپر کی سطریں) مرقس اِس کا نام بھی دیتا ہے۔ وُہ تِمائی کا بیٹا برتِمائی تھا۔ یہ دونوں انجیل نویس فقط اُس شخص کا حال بیان کرتے ہیں جو زیادہ مشہُور تھا اور جو کم مشہُور تھا اُس کا ذکر نہیں کرتے۔ علمِ تاریخ میں وقائع نویسی کے متعلّق یہ طریقہ یا اُصُول اختیار کرنا روا ہے اور ہمیشہ استعمال میں لایا جاتا ہے۔ یعنے مؤرّخ جس شخص کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہے کرتا ہے اور جس کا مناسب نہیں سمجھتا نہیں کرتا ✣

مرقس کہتا ہے کہ یہ شخص فقیر تھا۔ اور لُوقا بتاتا ہے کہ وُہ راہ میں بھیک مانگ رہا تھا ✣

یہ سُن کر کہ یسُوع جا رہا ہے۔ مرقس اور لُوقا میں ”یسُوع ناصری“ آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا خُداوند غالباً اسی لقب سے مشہُور تھا ✣

ابنِ داؤد۔ اس لقب سے مُراد مسیح موعُود ہے۔ ہم یہ نہیں

تبلا سکتے کہ ان اندھوں نے کس طرح معلوم کیا کہ یسُوع ناصری مسیح موعود ہے۔ اغلب ہے کسی نہ کسی طرح یہ بات اُن کے کان تک پہنچ گئی ہوگی کہ یسُوع ناصری مسیح موعُود ہے۔ اور اسی طرح اُن کو یہ بھی معلُوم ہو گیا ہوگا کہ وُہ اندھوں کو بینائی بخشتا ہے ممکن ہے کہ اُن کو اِس معجزے کی جو گلیل میں دکھایا گیا تھا (متّی ۹: ۲۷) یا اُس کی جو یروشلیم میں (یُوحنّا ۹: ۱) واقع ہُوا تھا خبر پہنچ گئی تھی ٭

اگر وُہ ابنِ داؤد کا اصل مطلب سمجھتے تھے تو اُن میں دو باتوں کا ایمان پایا جاتا تھا۔ ایک اِس بات کا کہ یسُوع ناصری ہم کو بینائی دے سکتا ہے اور دوم اِس بات کا کہ یسُوع ناصری ایک عام نبی نہیں بلکہ وُہ خاص نبی ہے جس کا ذکر یسعیاہ نے کیا ہے۔ اور جس کا کام ہی یہی ہے کہ اندھوں کو بِینا کرے ٭

اگر ہم ان اندھوں کا اُس جنم کے اندھے سے جس کا بیان یُوحنّا کے نویں باب میں پایا جاتا ہے مقابلہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ وُہ بھی اِن باتوں کا مُقِر ہے جن کا اقرار یہ اندھے کرتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ وُہ شفا پانے کے بعد اُن باتوں کا اقرار کرتا ہے۔ یہ شفا پانے سے پہلے اُن کا اعتراف کرتے ہیں اور ماسوائے اس کے ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جنم کا اندھا رفتہ رفتہ اپنے اقرار میں ترقی کرتا ہے

۳۱۔ لوگوں نے اُنہیں ڈانٹا تاکہ چُپ رہیں۔ لیکن وُہ اَور بھی چِلّا کر کہنے لگے۔ اَے خُداوند ابنِ داؤد ہم پر رحم کر۔

متّی بتاتا ہے کہ "لوگوں" نے اُنہیں "ڈانٹا"۔ مرقس کہتا ہے "بہتوں نے"۔ اور لُوقا بتاتا ہے کہ "جو لوگ آگے جاتے تھے وُہ اُس کو (اندھے کو) جِھڑکنے لگے" ٭

ڈانٹا۔ معلُوم ہوتا ہے کہ ان اندھوں کو اِس لئے ڈانٹا کہ وُہ نہیں چاہتے تھے کہ یسُوع ناصری کو ابنِ داؤد کا خطاب دِیا جائے کیونکہ یہ بڑی عزّت کا خطاب تھا اور اِس سے مسیح موعُود مُراد تھا۔ جو اِس شرح کو مانتے ہیں وُہ لُوقا ۱۹: ۳۹ پیش کرتے ہیں۔ اِس مقام میں فریسیوں کی بابت یہ لِکھا ہے کہ جب اُنھوں نے لوگوں کو مسیح کی تعریف کرتے دیکھا تو اُن کو ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش کی۔ اور وُہ اِس طرح کہ بجائے خود روکنے کے اُنھوں نے خُداوند سے درخواست کی کہ وُہ اُنہیں روکے۔ لیکن آیت زیرِ نظر سے معلُوم ہوتا ہے کہ اِس موقعہ پر فریسی نہیں پر لوگ اِن اندھوں کو ابنِ داؤد کہنے سے روکتے ہیں۔ اِس سے بہتر خیال یہ ہے کہ جو لوگ یہاں موجُود تھے وُہ فریسیوں کی طرح کینہ وَر اور متعصّب نہ تھے بلکہ سادہ لوح اور سیدھے سادے تھے۔ وُہ مسیح کی عزّت کرتے تھے اور اُس کی باتیں سُننا چاہتے تھے۔ پس اغلب ہے کہ جب اِن اندھوں نے شور مچانا شرُوع کیا تو اُنھوں نے اُن کو اِس لئے ڈانٹا کہ اُس کے کام اور کلام میں خلل اندازی نہ ہو ٭

لیکن اُن کے دھمکانے سے یہ اندھے چِلّانے سے باز نہ آئے بلکہ اور زور سے چِلّانے لگے چُونکہ وُہ بہت محتاج تھے اور اُمّید رکھتے تھے کہ خُداوند اُن کی سُنے گا اور اُن کو چنگا کرے گا۔ لہٰذا وُہ اَور بھی زیادہ چِلّانے لگے۔ مرقس اور لُوقا نے جو فعل چِلّانے کے لئے اِستعمال کیا ہے وُہ یُونانی میں استمرار کی صُورت رکھتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنا چِلّانا بند نہ کیا۔ بلکہ اُسے برابر جاری رکھا یعنے برابر چِلّاتے رہے۔ یہ حقیقی دُعا کا ایک عُمدہ نمونہ ہے ٭

اِس بیان سے کئی عُمدہ نصیحتیں اخذ کی گئی ہیں۔ مثلاً بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ اِس بیان میں کئی لوگوں کے رُوحانی تجربوں کی ایک سچّی تاریخ پائی جاتی ہے۔ جب وُہ اپنی خرابی کو دیکھ کر اور دُنیا سے متنفر ہو کر مسیح کی طرف راجع ہوتے ہیں تو سینکڑوں رُکاوٹیں درپیش آتی ہیں اور وہ مسیح کے دُشمنوں کی طرف سے نہیں آتی ہیں۔ بلکہ اُن لوگوں کی طرف سے جو اپنے تئیں اُس کے دوست اور رفیق سمجھتے ہیں۔ پر جب لوگ اُن مُشکلات پر غالب آجاتے ہیں اور مسیح کا پیچھا نہیں چھوڑتے تو مسیح اُن کو بُلاتا ہے۔ اس کے بعد وُہی لوگ جو پہلے اُن کی دل شکنی کا باعث تھے اَب اُن کو تسلّی دیتے اور اُن کی تعریف کرتے ہیں ✣

۴۲۔ یسُوع نے کھڑے ہو کر اُنہیں بُلایا اور کہا۔ تم کیا چاہتے ہو کہ مَیں تمہارے لئے کرُوں؟

کھڑے ہو کر۔ یعنے کچھ عرصہ تک اُن کے ایمان کی آزمائش کر کے اور اُنہیں سرگرم پا کر آخرکار وُہ اُن کی مدد کے لئے ٹھہر گیا۔ وُہ کبھی کسی کو خالی ہاتھ نہیں بھیجتا تھا ✣

اُنہیں بُلایا۔ مرقس کہتا ہے کہ "یسُوع نے کھڑے ہو کر کہا۔ اُسے بُلاؤ۔ پس اُنہوں نے اُس اندھے کو یہ کہہ کر بُلایا۔ خاطر جمع رکھ۔ اُٹھ وُہ تجھے بلاتا ہے"۔ اور وُہ یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ اندھا جس کا نام برتمائی تھا "اپنا کپڑا پھینک کر اُچھل پڑا اور یسُوع کے پاس آیا"۔ معلوم ہوتا ہے کہ برتمائی نے اپنا کپڑا اِسلئے پھینک دیا کہ خُداوند مسیح کے حُکم کو بجا لائے اور کوئی چیز اُس کے چلنے کی تیزی کو نہ روکے۔ کیا اِس سے ہم یہ نہیں سیکھتے کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم مسیح کے پاس آنے کے لئے ہر چیز کو۔ ہر تعلّق کو۔ ہر قسم کے مال و اسباب کو

جو بوجھ بن کر ہم کو چلنے نہیں دیتا ترک کر دیں۔ دیکھو متّی ۱۳: ۴۴ و ۴۶۔ فلپی ۳: ۷ ✣

تُم کیا چاہتے ہو کہ مَیں تمہارے لئے کرُوں؟ جب وُہ اندھے مسیح کے پاس حاضر ہُوئے تو اُس نے اُن سے یہ سوال کیا "تُم کیا چاہتے ہو کہ مَیں تمہارے لئے کرُوں؟" اِس سوال سے اُس کی رضامندی ظاہر ہوتی ہے۔ یعنے اِس سے مترشح ہے کہ وُہ برکت دینے کو تیار ہے۔ اور نیز یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ چاہتا ہے کہ دُعا مانگنے والوں کا ایمان اور اُمّید تازہ اور مضبُوط ہو جائے علاوہ بریں اُس کو یہ منظُور تھا کہ وُہ عام طور پر رحم کے لئے دُعا نہ کرے بلکہ اپنی خاص ضرورت کو محسُوس کر کے اُسے اُس کے رُوبرُو پیش کریں ✣

۳۳۔ اُنہوں نے اُس سے کہا اَے خُداوند یہ کہ ہماری آنکھیں کُھل جائیں۔

اَب اُس کے سوال کے جواب میں اُنہوں نے ایک خاص برکت جس کی ضرُورت اُن کو تھی اُس کے سامنے پیش کی۔ اب تک وُہ عام طور پر چلّا رہے تھے مگر اَب آنکھوں کی بینائی مانگنے لگے ✣

۳۴۔ یسُوع کو ترس آیا اور اُس نے اُن کی آنکھوں کو چُھوا اور وُہ فوراً بینا ہو گئے اور اُس کے پیچھے ہو لئے۔

آنکھوں کے چُھونے کا ذکر مرقس اور لُوقا نہیں کرتے۔ آنکھوں کو چُھونا اِن اندھوں کے لئے اِس بات کا نشان تھا کہ جس نے اُن کی آنکھوں کو چُھوا ہے وُہی اُن کو بینائی بھی بخشنے والا ہے ✣

لُوقا وُہ الفاظ بھی رقم کرتا ہے جو مسیح کی زبان سے نکلے۔ "پھر بینا ہو جا"۔ یہ الفاظ مسیح کی قُدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ مرقس اور لُوقا

یہ الفاظ بھی قلمبند کرتے ہیں "تیرے ایمان نے تجھے اچھا کیا" تُو نے اپنے ایمان کے سبب سے شفا کی برکت حاصل کی ۔

اُس کے پیچھے ہو لئے ۔ مرقس بتاتا ہے کہ برتمائی "راہ میں اُس کے پیچھے ہو لیا"۔ لُوقا بتاتا ہے کہ "خدا کی بڑائی کرتا ہؤا اُس کے پیچھے ہو لیا"۔ یہ اندھے جو پہلے ایک ہی جگہ بیٹھے رہتے تھے اب اپنی بینائی پا کر چلنے پھرنے لگے ۔ اور سب سے اچھی بات یہ ہوئی کہ اُنہوں نے بینائی پا کر خداوند مسیح کی پیروی اختیار کی ۔ اور نہ صرف خود خدا کے نام کی بڑائی کی بلکہ اَوروں سے بھی کروائی ۔ کیونکہ لُوقا ہمیں بتاتا ہے کہ "سب لوگوں نے دیکھ کر خدا کی حمد کی" ۔

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ اس معجزے سے ہم کئی باتیں سیکھتے ہیں ۔ (۱) لوگ اکثر اوقات کئی اشخاص کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور اُنہیں مسیحی ہونے کے قابل نہیں سمجھتے ۔ مگر انجام کار اُنہیں لوگوں سے خداوند کا جلال ظاہر ہوتا ہے ۔ (۲) اکثر اوقات تہذیب کو چھوڑ کر گہری سرگرمی سے کام لینا پڑتا ہے ۔ (۳) اکثر اوقات جو روک سدِّ راہ ہوتی ہے وُہی خدا کی برکت کے متلاشیوں کے لئے زیادہ اشتعال کا باعث ہوتی ہے ۔ (۴) یہ بھی خطرہ ہے کہ جب مسیح کسی کو برکت دینا چاہے اُس وقت مسیح کے بندے سدِّ راہ ہو جائیں ۔ (۵) جو سرگرمی سے خداوند کا پیچھا کرتے ہیں وُہ ضرور برکت پاتے ہیں ۔

۲۔ مسیح دُکھ کی آواز کو سُن لیتا ہے خواہ کیسا ہی شور کیوں نہ ہوتا ہو ۔

۳۔ مگر وُہ پھر چلّانے والے سے بھی پُوچھتا ہے "تو کیا چاہتا ہے کہ میں تیرے لئے کروں"۔ ہماری دُعاؤں میں اکثر اوقات یہی نقص پایا

جاتا ہے کہ ہم رٹے ہوئے لفظوں اور حفظ کئے ہوئے محاوروں کو اپنی ضرورت محسوس کئے بغیر دُعاؤں میں استعمال کرتے ہیں خداوند مسیح چاہتا ہے کہ ہم پہلے اپنی خاص ضرورت کو محسوس کریں ۔ اور پھر دُعا کریں ۔

۴۔ آنکھ کی بینائی باطنی عرفان کی روشنی کی علامت ہے ۔

۵۔ لوگ آنکھ کی بینائی کے لئے نہایت متفکر اور پریشان ہوتے ہیں مگر رُوح کی آنکھ کی روشنی کے ضعف کے سبب پریشان خاطر نہیں ہوتے

۶۔ یہ دو اندھے مل کر خداوند سے دُعا مانگتے ہیں ۔ کیا اِس سے ہم یہ نہیں سیکھتے کہ اپنی تنگیوں کی مرافعت کے لئے ہمارا فرض ہے کہ "پریئر سرکل" بنائیں اور اُس کے درِ دولت پر جا کر جو ہماری ذاتی اور کلیسیائی ضرورتوں کو رفع کر سکتا ہے اپنی خاص درخواست پیش کریں ۔

۷۔ مسیح اُن کو جو اُس کے پیچھے چلّاتے ہیں آخر کار اپنے پاس بُلاتا ہے ۔ پر اُن کا فرض ہے کہ وُہ اُن تمام کپڑوں کو ہاں اپنی ذاتی رکاوٹوں کو الگ پھینک کر بسُرعت تمام اُس کی طرف روانہ ہوں ۔ برتمائی نے ایسا ہی کیا

۸۔ جو لوگ اَوروں کے دھمکانے سے ڈر جاتے ہیں وُہ دِلی سرگرمی اور ذاتی ضرورت کی شناخت سے بے بہرہ ہوتے ہیں ۔ مُبارک وُہ شخص ہے جس کے پُر ایمان نالوں کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی ۔ دیکھو برتمائی کو کہ اُس کی غریبی ۔ اُس کا اندھاپن ۔ لوگوں کی مخالفت مسیح کی خاموشی کوئی بات اُس کو روک نہیں سکی ۔

۹۔ مسیح کی مہربانیوں کی اصل شکرگزاری یہ ہے کہ اُن اندھوں کی طرح اُس کی پیروی کی جائے ۔

۱۰۔ دیکھو یہ اندھے کیا سکھاتے ہیں ۔ (۱) ہم اپنی ضرورت کو محسوس کریں ۔ (۲) بینائی بخش فضل کے لئے دُعا کریں (۳) مسیح کی

قدرت پر ایمان لائیں۔ (۴) سرگرمی میں بڑھتے جائیں۔ (۵) برکت پاکر شکرگزاری کے ساتھ اُس کی پیروی اختیار کریں ✣

بے پھل انجیر کے درخت کا سُوکھ جانا

متی ۲۱: ۱۹-۲۲ مرقس ۱۱: ۱۲-۱۴ و ۲۰-۲۴

متی کے بیان کو پڑھ کر یہ خیال گزرتا ہے کہ جس وقت ہمارے خُداوند نے اِس درخت کو سُوکھ جانے کا حُکم دیا وُہ اُسی وقت سُوکھ گیا اور اُسی وقت شاگردوں نے مسیح کے کلام کو پُورا ہوتے دیکھا۔ لیکن مرقس کے مطالعہ سے یہ معلُوم ہوتا ہے کہ شاگردوں نے دُوسرے دن کی صُبح کو خُداوند مسیح کے کلام کا نتیجہ مشاہدہ کیا۔ کیا اِن دونوں بیانوں میں اختلاف نہیں پایا جاتا؟ نہیں ان میں اختلاف نہیں ہے۔ یہ مُعجزہ مسیح کی زندگی کے آخری ہفتہ کے پیر کی صُبح کو واقع ہُوا۔ اتوار کے روز ہمارا خُداوند شاہانہ شوکت سے یروشلیم میں داخل ہُوا شام کے وقت بیت عنیاہ کو لَوٹ آیا۔ پیر کی صُبح پھر یروشلیم کو گیا۔ راستہ میں یہ مُعجزہ سرزد ہُوا۔ مگر اُس وقت مسیح نے اُس درخت پر اُس کی بے ثمری کے سبب سے لعنت بھیجی۔ اور اغلب ہے کہ اُسی وقت سے اُس کا مُرجھانا اور کملانا شروع ہوگیا۔ لیکن خُداوند اپنے شاگردوں کو ساتھ لے کر یروشلیم کی طرف چلا گیا۔ اور جب شام کو بیت عنیاہ کی طرف واپس آیا تو اندھیرا ہوگیا تھا۔ اِس لئے شاگرد اُس درخت کو اُس وقت نہ دیکھ سکے۔ مگر جب منگل کی صُبح کو یروشلیم

کی طرف روانہ ہُوئے تو راہ میں اُس درخت کو جڑ تک سُوکھا ہُوا پایا ✣

مرقس اِس تمام ماجرے کو تفصیل وار بیان کرتا ہے۔ مگر متی اُس کے اندرُونی مطلب کو دیکھتا ہے اور چُونکہ وُہ اُسی اندرُونی مطلب کو بیان کرنا چاہتا ہے لہذا وقت کی تفصیل اور ترتیب کو چھوڑ کر کُل ماجرے کو مسلسل واقعہ کی صُورت میں پیش کرتا ہے ✣

> راہ کے کنارے انجیر کا ایک درخت دیکھ کر اُس کے پاس گیا۔ اور پتّوں کے سوا اُس میں کچھ نہ پاکر اُس سے کہا کہ آئندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے۔ اور انجیر کا درخت اُسی دم سُوکھ گیا۔

اِنجیر کا ایک درخت۔ غالباً یہی ایک درخت اُس موقعہ پر موجُود تھا۔ اور چُونکہ سبز سبز پتّوں سے بھرا پڑا تھا۔ لہذا آتے جاتے لوگوں کی نظر اُسی پر پڑتی تھی ✣

اِس جگہ یہ دِقت پیش آتی ہے کہ مرقس صاف بتاتا ہے کہ اِن دنوں انجیر کا موسم نہ تھا۔ مگر پھر بھی وُہ اور متی دونوں یہ کہتے ہیں کہ خُداوند جو اُس وقت بھُوکا تھا اِس انجیر کے درخت کے نزدیک اِس غرض سے گیا کہ اُس سے پھل توڑ کر کھائے۔ اب سوال برپا ہوتا ہے کہ کیا مسیح نہیں جانتا تھا کہ اِس درخت میں پھل نہیں ہے؟ اور اگر جانتا تھا تو کیا یہ تجاہلِ عارفانہ جو اِس بیان سے مترشح ہے اُس کی شان کے لائق تھا؟ ہمیں سب جوابوں سے بہتر اور مدلّل یہ جواب معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے خُداوند کی اِلٰہی شخصیّت میں دو ذاتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک اِلٰہی اور دُوسری اِنسانی اور چُونکہ وُہ کامل اِنسان ہے اِس لئے اُس کی اِنسانی ذات میں وُہ تمام قیودِ انسانیت کی موجُود ہیں جو بنی آدم سے خاص ہیں۔ اُس کا بھُوکا ہونا اور بھُوک

کے سبب سے پھل کی تلاش کرنا جس طرح اُس کی بشریّت کے خلاف نہیں اُسی طرح اُس کے انسانی علم کا محدُود ہونا بھی اُس کی انسانی ذات کے خلاف نہ تھا۔ اُس کی انسانی دانائی بڑھتی گئی۔ (لُوقا ۲: ۵۲) ہاں وُہ دانائی جو اُس کی دُوسری آمد کے دن اور گھڑی کو نہیں جانتی تھی۔ (مرقس ۱۳: ۳۲) ایک محدُود دانائی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اُس کو رُوح پاک بے اندازہ طور پر دی گئی تھی۔ تاہم یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم کبھی اِس بات کو نہ بھُولیں کہ اُس میں انسانی ذات اپنی تمام خاصیّتوں کے ساتھ پائی جاتی تھی۔ اَب رہی یہ بات کہ جب مرقس صاف صاف کہتا ہے کہ انجیر کے پھل کا موسم نہ تھا۔ تو پھر مسیح کیوں پھل کی تلاش میں اُس درخت کے پاس گیا۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ بعض ممالک میں انجیر کا پھل پہلے پیدا ہوتا ہے اور پیچھے پتّے لگتے ہیں۔ پلینی کہتا ہے ”اُس کے دیعنے انجیر کے درخت کے اپنے پھل سے پیچھے نکلتے ہیں“۔ ایک اور عالم جس کا نام ٹرسٹرم ہے یُوں بیان کرتا ہے۔ کہ فلسطین میں ”پھل پتّوں سے پہلے نکلتا ہے“ ٹامسن صاحب کہتے ہیں کہ ”پھل اکثر پتّوں کے ساتھ نکلتا ہے۔ بلکہ پتّوں سے بھی پہلے لگ جاتا ہے“۔ پس مرقس کے یہ الفاظ کہ ”دُور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتّے تھے دیکھ کر گیا“ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ پتّوں کی موجُودگی پھل کی موجُودگی پر دلالت کرتی تھی معلُوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے چند دن پہلے یریحو کے میدان میں جو بحیرہ اعظم سے بہت نیچے ہونے کے سبب سے بہت گرم تھا اور جہاں گرمی کے سبب سے پھل کسی قدر پہلے لگ جاتا تھا انجیر کا پھل کھایا تھا۔ اور اگرچہ ابھی اِس پہاڑ پر انجیر کا موسم نہ تھا۔ تاہم یہ درخت جو تنہا ایک طرف کو کھڑا تھا مستثنےٰ تھا۔ جس میں وقت سے پہلے پتّے لگ گئے تھے

اور پھل کی خبر دے رہے تھے۔ ٹامسن صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں نے لبنان پر مئی کے مہینے میں انجیریں کھائی ہیں۔ واضح ہو کہ یروشلیم میں لبنان سے ایک ماہ پہلے یہ پھل پکتا ہے۔ پس ناممکن نہیں کہ کوہِ زیتون کے کسی گرم حصّے میں اپریل کے شرُوع ہی میں کسی خاص قسم کی انجیر کے درخت میں پھل لگ گیا ہو یا پتّے نکل آئے ہوں اور پھلوں کی خبر دیتے ہوں۔

آیندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے۔ مرقس بھی یہی کہتا ہے۔ پطرس اِسے لعنت کہتا ہے (مرقس ۱۱: ۲۱) یاد رہے کہ خُداوند مسیح نے اس جگہ غُصّہ میں آکر یہ لعنت نہیں بھیجی تھی۔ ایسا خیال کرنا نہ صرف بے ادبی بلکہ بڑی حماقت ہے۔ ہمارا خُداوند ہر چیز سے صداقتوں کی توضیح کے لئے مثال نکال لیتا تھا۔ مثلاً کھانے اور پانی سے۔ کپڑے کے پیوندوں اور مَے کی بوتلوں سے۔ بونے اور کاٹنے سے۔ مَوسموں کے تبادلہ اور دن کے گھنٹوں سے۔ جانوروں اور پھُولوں سے۔ پَودوں اور درختوں سے تمثیلیں اخذ کیا کرتا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ہر چیز کچھ نہ کچھ سبق سکھاتی تھی۔ اور اس موقعہ پر جب اُس نے دیکھا کہ پتّے تو ہیں پر پھل بالکل نہیں تو ایک عجیب سنجیدہ سبق اپنے شاگردوں کو سکھانا چاہا۔ اور اُس سبق کو اِس درخت کی حالت کے وسیلے اُن کے دِلوں پر نقش کر دیا۔ یہ درخت اپنے پتّوں کے وسیلے یہ ظاہر کر رہا تھا کہ مُجھ میں پھل لگا ہُوا ہے حالانکہ اِس میں ذرا پھل نہ تھا۔ یہ بات اُس اِقرار کی مثال ہے جو ایمان اور دینداری کا دعوےٰ کرتا ہے مگر درحقیقت اُس میں ایمان اور دینداری کے پھل نہیں ہوتے۔

اس میں شک نہیں کہ خُداوند مسیح کا اشارہ اِس جگہ یہُودی

قوم کی طرف ہے۔ جو خارجی رسُوم پر نازاں تھے اور اپنی دینداری پر فخر کیا کرتے تھے مگر درحقیقت سوائے رسم پرستی کے اُن میں اَور کچھ نہیں پایا جاتا تھا۔

بعض مُفسّروں کا یہ خیال ہے کہ یہُودیوں میں ابھی پھل نہیں لگا تھا کیونکہ ابھی پھل کا وقت نہ تھا۔ اُن کے پھل دار ہونے کا وقت مسیح کا زمانہ تھا۔ پر جب مسیح جو اُن کو پھل دار بنانے والا تھا آیا تو اُنہوں نے اُس کو رَدّ کیا کیونکہ وُہ اپنے بڑے بڑے اِقراروں کے وسیلے یہ دعوٰے کرتے تھے کہ ہم میں تو پھل پہلے ہی سے لگا ہُوا ہے۔

پر اس میں نہ صرف یہُودی قوم کے لئے سبق ہے بلکہ مسیحیوں کے لئے بھی اَور وُہ یہ کہ خداوند محض اقرار سے خُوش نہیں ہوتا بلکہ اقرار کے ساتھ پھل طلب کرتا ہے۔ پتّے اپنی جگہ پر لازمی ہیں اُن کی اشد ضرُورت ہے۔ پر اگر پتّے ہی پتّے ہوں اور پھل نہ ہو تو درخت اپنے اصل مُدّعا کو پُورا نہیں کرتا۔ یہ درخت پتّے دکھا کر جھُوٹ مُوٹ پھل کا دعوٰے کرتا تھا۔ کیونکہ ہم اُوپر دکھا آئے ہیں کہ انجیر میں پھل پتّوں کے پہلے لگتا ہے۔ پس اُس لعنت کے وسیلے جو اُس پر بھیجی گئی وُہ درخت اُن سب کے لئے جو انجیل سُنتے ہیں ایک علامت ہے۔ ایک سنجیدہ سبق سکھا رہا ہے۔ اَور سکھاتا رہے گا۔

ایک اَور بات غور طلب ہے اور وُہ یہ کہ اکثر اوقات یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ یہ درخت ایک بے جان اور غیر ذی عقل شے تھا۔ پس اس کو مسیح نے کیوں لعنت دی؟ اگر یہ اعتراض اِس بنا پر کیا جاتا ہے کہ اُس نے اِس درخت کو سُکھا کر کسی شخص کا نقصان کیا

تو اس کا یہ جواب ہے کہ یہ درخت لبِ سڑک واقع تھا۔ لہٰذا یہ کسی خاص شخص کی ملکیّت نہ تھا۔ اور اگر ہوتا تو بھی اعتراض کی جگہ نہ تھی۔ کیونکہ اگر درخت کے سُوکھ جانے سے ایسا سنجیدہ سبق سکھایا جائے جیسا کہ مسیح نے سِکھایا تو درخت کا سُوکھ جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ ماسوائے اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ خُدا اپنی شاہانہ مرضی اور اختیار کے مطابق قریباً ہر روز درختوں کو بیخ و بُن سے اُکھاڑتا اور طرح بطرح ہمارے مال کے نقصان کے وسیلے ہم کو تنبیہ کرتا ہے۔ کیا ہم اسی طرح کا اعتراض اُس کی باقی کارروائی پر بھی کیا کرتے ہیں؟

اور پھر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ چُونکہ وُہ درخت ذی عقل مخلُوق نہ تھا لہٰذا اپنے پھل کے لئے ذمّہ دار نہ تھا اور اس واسطے اُس پر لعنت بھیجنا فضُول کام تھا۔ ہم اِس اعتراض کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ گو یہ درخت ذی عقل مخلُوق نہ تھا مگر جیسا ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں ذی عقل اور ذی رُوح اِنسان کو جو درختوں اور جانوروں سے ہزارہا درجہ بہتر ہے ایک عمدہ اور رُوحانی سبق سِکھانے کے لئے سُکھایا گیا۔ اور ماسوائے اِس کے یہ بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ درخت بھی اپنے ظاہر و باطن میں یکساں نہ تھا۔ اُس میں پتّے لگے ہُوئے تھے اور وُہ پتّے ظاہر کرتے تھے کہ اُس میں پھل بھی ہے مگر درحقیقت اُس میں پھل نہ تھا۔ پس یہ درخت اپنی زندگی کے اصُول و قواعد کے مطابق اپنی ذات میں سچّا نہ تھا۔ اور نہ اُس سے یہ اُمّید تھی کہ اَور درخت اِس سے پیدا ہوں اور وُہ اُن کے وسیلے اپنے تئیں محفوظ رکھّے۔ کیونکہ اُس میں پھل نہ تھا اور پھل نہ ہونے کی وجہ سے بیج نہ تھا اور ہم جانتے ہیں کہ نوع کو قائم رکھنے کے لئے

بیج ضروری شے ہے لہٰذا مسیح کا فتوے یا لعنت گویا ایک اظہارِ حقیقت ہے جو کسی شے یا البشر کی اُس تباہی کو ظاہر کرتا ہے جو لسبب اُس کے ذاتی نُقصوں کے اُس پر حادث ہوتی ہے ۔

قدیم بُزرگوں نے خُوب کہا ہے کہ ہمارے خُداوند نے دو کو چھوڑ کر باقی سب مُعجزے اپنی رحمت اور فضل کو ظاہر کرنے کے لئے دکھائے اِنہیں دو سے اُس نے اپنی سختی کو ظاہر فرمایا تاکہ لوگ یہ نہ سوچیں کہ وُہ سزا دے ہی نہیں سکتا۔ تاہم یہ دو مُعجزے بھی ایسے تھے جو بنی آدم پر حادث نہیں ہوتے بلکہ اُن میں سے ایک سوؤروں اور دُوسرا ایک درخت پر ۔

اور انجیر کا درخت اُسی دم سُوکھ گیا۔ اِس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ سارا درخت اُسی وقت سُوکھ گیا۔ اور نہ یہ کہ منگل کی صبح کو سُوکھا جب شاگردوں نے اُسے دیکھا۔ بلکہ صاف ظاہر ہے کہ جب منگل کے روز شاگردوں نے اُس کو دیکھا وُہ اُس سے پہلے سُوکھ گیا تھا۔ پس جو کُچھ ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں وُہ اِس مشکل کا اصل حل ہے ۔ جب خُداوند نے اِس درخت کو سُوکھنے کا حُکم دیا وُہ اُسی وقت سُوکھنے لگ گیا۔ اور شاگردوں نے کُچھ کُچھ آثار اُس کے سُوکھ جانے کے اُسی وقت دیکھے مگر پُورے پُورے طور پر اُس کی بربادی منگل کے روز صبح کے وقت دکھائی دی ۔

۲۰۔ شاگردوں نے یہ دیکھ کر تعجّب کیا اور کہا یہ انجیر کا درخت کیونکر ایک دم میں سُوکھ گیا!

مرقس سے معلُوم ہوتا ہے کہ اِس درخت کا سُوکھ جانا اُن پر منگل کے روز ظاہر ہُوا۔ متّی اُس اثر کا ذکر کرتا ہے جو اِس سانحہ کو دیکھ کر شاگردوں پر طاری ہُوا ۔ وُہ وقت کا ذکر نہیں کرتا اور نہ مرقس کے

بیان کی تردید کرتا ہے ۔

کیونکر ایک دم میں سُوکھ گیا؟ مراد ہے "کِس طرح اتنی جلدی چوبیس گھنٹے کے اندر یہ درخت بیخ و بُن سے جاتا رہا؟" "یکدم" سے دفعتہً مُراد نہیں۔ ایک ہرے بھرے درخت کا چوبیس گھنٹے کے اندر اندر سُوکھ جانا اِنسانی محاورے کے مطابق ایک دم میں سُوکھ جانا ہے۔ خُداوند نے یہ نہیں کہا تھا کہ درخت دفعتہً سُوکھ جائیگا بلکہ یہ کہ اُس میں آگے کو کبھی پھل نہیں لگیگا۔ مرقس ۱۱: ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ پطرس ہی نے سب سے پہلے اِس بات کی طرف توجہ کھینچی۔ مگر خُداوند نے جواب سب کو دیا ۔

۲۱ و ۲۲۔ یسُوع نے جواب میں اُن سے کہا۔ مَیں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ اگر ایمان رکھو اور شک نہ کرو۔ تو نہ صرف وُہی کروگے جو انجیر کے درخت کے ساتھ ہُوا بلکہ اگر اِس پہاڑ سے ...... تو اُکھڑ جا اور سمندر میں جا پڑ تو یُوں ہی ہو جائیگا۔ اور جو کُچھ دُعا میں ایمان کے ساتھ مانگوگے وُہ سب تُم کو ملے گا ۔

خُداوند شاگردوں کے سوال کا جواب دیتا ہے۔ وُہ اُنہیں بتاتا ہے کہ اگر تُم ایمان رکھو اور شک نہ لاؤ تو اس سے بھی بڑے بڑے کام کروگے اور جو کُچھ دُعا میں مانگوگے سو پاؤگے۔ پہاڑ سے مُراد غالباً کوہ صیحُون اور سمندر سے مُراد یا تو بحیرہ اعظم ہے اور یا بحیرہ مردار۔ جب مسیح خُداوند یہ مثال دیتا ہے تو اُس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص اس قسم کے مُعجزے یا اس سے بھی بڑے بڑے مُعجزے دکھاتا پھریگا۔ بلکہ اُس کا مطلب یہ ہے کہ اُس ایمان کے لئے شک شُبہ سے منزّہ ہے بڑے سے بڑا مُعجزہ بھی ناممکن نہیں۔ لُوقا ۱۷: ۶ میں اسی قسم کے خیال ظاہر کرنے کے لئے تُوت کے

درخت کے ہلنے اور سمندر میں جا لگنے کی مثال پائی جاتی ہے ÷

مگر ہمارا خُداوند ایمان کی اُس قدرت سے جو مُعجزات دکھانے میں کام کرتی ہے گزر کر ایمان کی اُس قدرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو عام طور پر اجابت دُعا میں ظاہر ہوتی ہے مرقس ۱۱: ۲۴ میں آیا ہے یقین کرو کہ ہم کو مل گیا اور تمہارے لئے ہو جائیگا۔ "ہم کو مل گیا" یہ غور طلب الفاظ ہیں مطلب ہے کہ جب تم نے دُعا میں خُداوند سے کوئی برکت مانگی تو یہ یقین کرو کہ وُہ تم کو مل گئی اور اگر یہ یقین صادق اور راست ہے تو جو کچھ تم چاہتے ہو وُہ ہو جائیگا ÷

پر ہم یاد رکھیں کہ کلام کے پڑھنے سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وُہی دُعائیں قبول ہوتی ہیں جو خُدا کی مرضی کے مطابق ہوتی ہیں۔ اس مضمون پر یُوحنا ۱۴: ۱۳ و ۱۵: ۷ و ۱۶: ۲۴ کو بھی دیکھنا چاہیئے ÷

یہ بھی یاد رہے کہ مرقس (۱۱: ۲۵) یہ بھی بتاتا ہے کہ اگر ہم خُدا سے مُعافی مانگتے ہیں تو لازم ہے کہ ہم اُن کو مُعاف کریں جنہوں نے ہمارا قصُور کیا ہے اور یہ وُہی حُکم ہے جو متّی اپنی انجیل (متّی ۶: ۱۲) میں خُداوند کی دُعا کے متعلّق درج کرتا ہے ÷

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ یہ مُعجزہ کیا سکھاتا ہے ؟ (۱) یہ کہ اِقرار بے عمل بے فائدہ ہوتا ہے (۲) اِقرار بے عمل نہ خُدا کو اور نہ اِنسان کو خُوش آتا ہے۔ (۳) خطرہ ہے کہ جو اِقرار بے عمل ہے وُہ ہمیشہ بے پھل اور بے عمل رہے (۴) مگر یہ لازمی نہیں کہ اگر عمل ہو تو اِقرار جاتا رہے۔ بلکہ جہاں عمل ہے وہاں اِقرار ضرُور ہوتا ہے۔ جہاں پھل ہے وہاں خُوبصورت پتّے ضرُور ہوتے ہیں ÷

۲۔ دیکھو جو اِس درخت کا قصُور یا نقص تھا وُہی اُس کی سزا ٹھہرا وُہ بے پھل تھا اور یہی سزا اُس کو دی گئی کہ ہمیشہ بے پھل رہے۔ افسوس اگر کسی شخص کے گُناہ کی سزا اُس کو یہ دی جائے کہ وُہ اُس میں چھوڑا جائے تاکہ اُس کا زیادہ مُرتکب ہو ÷

۳۔ پھل اِس لئے طلب کیا جاتا ہے کہ اُس میں زندگی ہوتی ہے۔ اُس میں بیج ہوتا ہے جو اپنے میں زندگی رکھتا ہے۔ اور یہ زندگی اپنے نوع کو قائم رکھتی ہے۔ ہر ایمان دار کو اس دُنیا میں پھل دار بننا چاہیئے تاکہ وُہ زندگی کا بیج جو اُس میں قائم ہے اَوروں کو زندگی بخشے۔ اور یُوں کثرت سے پھل پیدا کرے ÷

۴۔ مسیح کا فتوے صرف اُس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے جو زندگی کے اُصول کے مطابق وقوع میں آنے والی ہوتی ہے۔ زندگی کا یہ اُصول ہے کہ جب سڑاہٹ کا عمل اُس میں جاری ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ سڑ کر اور گل کر موت تک پہنچتی ہے۔ اِس انجیر کے درخت میں یہ عمل شرُوع ہو گیا تھا۔ اِس رفتہ رفتہ بڑھنے والی موت سے بچنے کا چارہ سوائے اِس کے اَور کوئی نہیں کہ ایک اعلےٰ زندگی ہاں خُدا کی زندگی، ہمارے اندر پیدا ہو اور سڑانے والی طاقتوں کو دُور کرے ÷

۵۔ ہر خادم الدّین کی یہی دُعا ہونی چاہیئے کہ اَے خُداوند مُجھے بے پھل رہنے سے بچا ÷

۶۔ مسیح کیسا نمُونہ ہے۔ (۱) صبح سویرے اپنے کام کے لئے یرُوشلیم کی طرف جاتا ہے۔ (۲) اپنی بُھوک اور پیاس سے بھی دِل کو ہلانے والے سبق پیدا کرتا ہے ÷

۷۔ یہ مُعجزہ ہر ایمان دار کو سکھاتا ہے کہ وُہ ہمیشہ دُعا و مناجات کے ساتھ اپنے تئیں جانچتا رہے اور اُن تمام اشیاء کو جو

سُکھانے اور سڑانے والی ہیں نہایت خبرداری سے دُور کرتا ہے

۸۔ یہ مُعجزہ مسیح کی اُلوہیّت اور اِنسانیّت دونوں ذاتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ (۱) ایک طرف اُس کی عدالت کرنے والی خاصیّت اور اُس کی اِلٰہی قُدرت عیاں ہے۔ (۲) دُوسری طرف اُس کی بھُوک اُس کی اِنسانیّت پر دال ہے ✣

۹۔ مسیح پُرمحبّت مُعجزوں کے بعد مُنصفانہ فتوے کو ظاہر کرنے والا ایک مُعجزہ بھی دکھاتا ہے تاکہ ظاہر کرے کہ وُہ بنی آدم کی عدالت کرنے والا ہے اور گُنہگاروں کو جو اپنی زندگی کے مقصد کو پُورا نہیں کرتے سزا دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ مگر یہ مُعجزہ کسی انسان کے اُوپر وارد نہیں ہُوا بلکہ بے جان چیز پر۔ ہم اُس کی محبّت کی تعریف کریں پر یہ جان کر کہ وُہ جو محبّت کرتا ہے وُہی عدالت بھی کرنے والا ہے۔ ہم اُس کی تعظیم بھی کریں۔ اور سچّا خوف ہمارے دلوں میں پایا جائے ✣

۱۰۔ دیکھو اِس مُعجزہ سے دُعا اور ایمان کا حقیقی رشتہ کھُل جاتا ہے۔ ایمان وُہ چشمہ ہے جس سے دُعا پَیدا ہوتی ہے۔ اور دُعا وُہ آواز ہے جس کے ذریعہ ایمان کلام کرتا ہے ✣

۱۱۔ رسُولی زمانہ میں ایمان مُعجزے دکھا سکتا تھا۔ مگر اَب وُہی ایمان دُعا کے وسیلے خُدا کی قُدرت سے بڑے بڑے کاموں کو انجام دیتا ہے ✣

ملخُس کے کان کو اچھّا کرنا

لُوقا ۲۲: ۴۹-۵۱

سب حواری اِس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ سردار کاہن کے نوکر کا کان تلوار سے کاٹا گیا۔ مگر مُعجزے کا ذکر صرف لُوقا کرتا ہے یا یُوں کہیں کہ وُہی اکیلا ہم کو بتاتا ہے کہ مسیح نے اُس کا کان اپنی مُعجزانہ قُدرت سے پھر اچھّا کر دیا۔ لُوقا غالباً اِس بات کا ذِکر دو سببّوں سے کرتا ہے۔ ایک یہ کہ وُہ خود حکیم تھا اور چُونکہ یہ ایسا مُعجزہ ہے کہ اس کا تعلّق کسی قدر جرّاحی کے ساتھ بھی ہے۔ لہذا وُہ اس کو اپنی انجیل میں درج کرتا ہے۔ خُداوند مسیح نے اَب تک تلواروں کے زخموں کو اچھّا نہیں کیا تھا۔ دُوسرا سبب یہ ہے کہ وُہ چاہتا تھا کہ خُداوند کی نرمی اور برداشت اور کشادہ دِلی کو اِس مُعجزے کے وسیلے ظاہر کرے تاکہ لوگ جانیں کہ جو شخص اُس کی جان کا خواہاں تھا۔ اُس نے اُس کے ساتھ بھی رحیمانہ برتاؤ کیا ✣

مگر لُوقا ہم کو یہ نہیں بتاتا کہ کان کاٹنے والا کون تھا۔ اور نہ متّی اور مرقس ہم کو اِس بات کی خبر دیتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُنہوں نے اِس واسطے اُس کا نام اپنی انجیلوں میں درج نہیں کیا کہ وُہ ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وُہ خطرے میں پڑ جائیں۔ ہم پُختہ طَور پر نہیں کہہ سکتے کہ یہ خیال صحیح ہے یا نہیں۔ یُوحنّا ہمیں بتاتا ہے کہ جس نے سردار کاہن کے نوکر کا کان کاٹا وُہ پطرس تھا اور اگر وُہ بھی نہ بتاتا تو شائد ہمیں خود پطرس کی جلد بازی اور تیزی سے

یہ نتیجہ نکالنا پڑتا کہ یہ کام ضرور پطرس کا ہوگا جو شاید اس وقت اپنے خداوند کو خطرے سے چھڑانا چاہتا تھا ۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یوحنّا ہی ہم کو یہ بتاتا ہے کہ وہ شخص پطرس کی تلوار سے جس کا کان کاٹا گیا تھا اُس کا نام ملخس تھا۔ ممکن ہے کہ دُوسرے حواریوں کو اُس کا نام معلوم نہ تھا۔ مگر یوحنّا جو سردار کاہن اور اُس کے گھرانے سے واقفیت رکھتا تھا۔ اُس کا نام جانتا تھا۔ (یوحنّا ۱۸: ۱۵) اُس کی واقفیت سردار کاہن کے خانگی تعلّقات سے ایسی گہری تھی کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ جس شخص نے سوال کر کے پطرس سے خداوند کا اِنکار کروایا وہ ملخس کا رشتہ دار تھا (یوحنّا ۱۸: ۲۶) ۔

ایت ۴۹ و ۵۰۔ اُس کے ساتھیوں نے معلوم کیا کہ کیا ہونے والا ہے تو کہا اَے خداوند کیا ہم تلوار چلائیں ؟ اور اُن میں سے ایک نے سردار کاہن کے نوکر پر چلا کر اُس کا دہنا کان اُڑا دیا ۔

یہ فعل پطرس کی طبیعت سے عین مناسبت رکھتا ہے جس طرح وہ سب سے پہلے کلام کیا کرتا تھا اُسی طرح اَب اپنی معمولی تیزی اور جلد بازی کے مطابق سب سے پہلے تلوار بھی چلاتا ہے۔ دُوسرے شاگردوں میں بھی اس وقت اپنے خداوند کی محافظت کے لئے تلوار چلانے کی خواہش پائی جاتی تھی۔ پر وہ پہلے مسیح سے اِجازت طلب کرتے ہیں۔ لیکن پطرس اجازت کا انتظار نہیں کرتا۔ وہ تلوار نیام سے نکال کر چلا دیتا ہے۔ اور اُس نوکر کا جو غالباً مسیح کے گرفتار کرنے میں سب کا لیڈر تھا کان کاٹ ڈالتا ہے۔ تلوار تو اُس نے اِس غرض سے چلائی ہوگی کہ سر سے پاؤں تک اُس کے بدن میں سے پھر جائے اور اُس کو دو ٹکڑے کر ڈالے مگر اتّفاق سے وہ صرف ملخس کے کان پر لگی۔ لُوقا اور یوحنّا ہم کو بتلاتے ہیں کہ وہ کان جو کاٹا گیا دہنا کان تھا ۔

۵۱۔ یسُوع نے جواب میں کہا۔ اِتنے پر کفایت کرو اور اُس کے کان کو چھُو کر اُس کو اچھّا کیا ۔

پطرس کی طرف مخاطب ہو کر جو الفاظ اس وقت خداوند نے بیان فرمائے وہ مختلف حواریوں نے مختلف صورتوں میں رقم کئے ہیں۔ مگر جو کچھ اُنہوں نے لکھا ہے اُس سے کافی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ کُل کلام جو اُس وقت خداوند کی زبان مُبارک سے نکلا اُس کا کیا مطلب تھا۔ متّی ان باتوں کو جو مسیح نے کہیں ذرا مفصّل طور پر رقم کرتا ہے۔ چُنانچہ وہ بتاتا ہے کہ "یسُوع نے اُس سے کہا اپنی تلوار کو میان میں کر لے۔ کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں وہ سب تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے۔ آیا تو نہیں سمجھتا کہ میں اپنے باپ سے منّت کر سکتا ہوں اور وہ فرشتوں کے بارہ تمن سے زیادہ میرے پاس ابھی موجود کر دے گا؟ مگر وہ نوشتے کہ یُوں ہی ہونا ضرور ہے کیونکر پُورے ہوں گے" ۔

متّی کے اِن الفاظ کو پڑھ کر اور ان کے ساتھ اُن باتوں کو جو دیگر انجیل نویسوں نے تحریر کی ہیں دیکھ کر یہ خیال گزرتا ہے کہ اِس موقع پر جبکہ مسیح کو گرفتار کرنے کی جلدی مچ رہی تھی اِس کو کہاں اتنی لمبی تقریر کرنے کا وقت ملا ہوگا؟ اِس وقت کو رفع کرنے کے لئے دو خیال پیش کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ جب مسیح ملخس کے کان کو

اچھا کر رہا تھا۔ اُس وقت اُن سے یہ باتیں کہنا جاتا تھا۔ دُوسرا خیال یہ ہے کہ چُونکہ اُس کی یہ تقریر بد اُس کی حمایت کرنے والوں کو حملہ کرنے سے روکنے والی تھی اِس لئے اُس کے مخالفوں نے اُس کی باتوں کو اپنے حق میں مفید سمجھ کر خاموشی اِختیار کی اور اُسے بولنے دِیا ٭

جو تلوار کھینچتے ہیں وُہ سب تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے۔ بعض لوگوں نے اِن لفظوں کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یسُوع پطرس کی طرف مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تو کاہے کو اپنی تلوار استعمال کرتا ہے۔ اُسے میان میں کر لے۔ یہ شخص تلوار لے کر مجھ پر چڑھ آئے ہیں۔ پر مَیں تجھے کہتا ہُوں کہ انجام کار یہ خود تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے۔ کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں وُہ سب تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے ٭

پر بعض مُفسّروں کو یہ شرح بہت موزُوں معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ اُن لفظوں سے جن میں مسیح نے پطرس کو یہ کہا کہ اگر مَیں چاہُوں تو بارہ تمن فرشتوں کے میری مدد کے لئے حاضر ہو سکتے ہیں۔ مطابقت نہیں رکھتے۔ پس اِن لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کا یہ مطلب تھا کہ پطرس اِس بات کو محسُوس کرے کہ اُس کا خُداوند اپنے چھٹکارے کے لئے اُس کی تلوار کی مدد کا محتاج نہیں۔ پس اصل شرح یہ ہے کہ ہمارا خُداوند اُس قدیم شریعت یا قانُون کی طرف اِشارہ کرتا ہے جو خُون بہانے کے معاملے میں اِن لفظوں سے ظاہر ہے "جو کوئی آدمی کا لہُو بہاوے۔ آدمی ہی سے اُس کا لہُو بہایا جاویگا" ٭

کیا تُو نہیں سمجھتا کہ مَیں اپنے باپ سے مِنّت کر سکتا ہُوں۔ اور وُہ فرشتوں کے بارہ تمن سے زیادہ میرے

پاس ابھی مَوجُود کر دے گا۔ (متی ۲۶: ۵۳) ٭

اِن لفظوں کو پڑھ کر وُہ نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے جو ۲-سلاطین ۶: ۱۷ میں درج ہے۔ وہاں ہم پڑھتے ہیں کہ جب شاہ ارام کے لشکر نے دوتین کا محاصرہ کیا اور الیشع کا چاکر صبح کے وقت باہر نکلا تو مخالف کے لشکروں کو دیکھ کر ڈر گیا اور جب واپس آیا تو نبی کو اِس خطرے سے مطلع کیا۔ مگر نبی نے اُس کے لئے دُعا کی اور اُس کی آنکھیں کھُل گئیں اور اُس نے اِردگرد کے پہاڑ کو آتشی رتھوں اور گاڑیوں سے بھرا ہُوا دیکھا۔ اب وُہ جو الیشع سے بڑا تھا اپنے مغمُوم اور دہشت زدہ شاگرد کو بتاتا ہے کہ مَیں تیری مدد کا محتاج نہیں کیونکہ اگر مَیں چاہُوں تو بارہ تمن فرشتوں کے ابھی میری مدد کے لئے حاضر ہو جائیں ٭

معلُوم ہوتا ہے کہ اِن لفظوں میں کچھ وُہی خیال عکس دے رہا ہے جو آزمائش کے وقت اُس کے دِل میں گھسنا چاہتا تھا۔ یعنے یہ خیال کہ وُہ باپ کی مدد کو استعمال کرے اور تمام مخالفتوں کو دُور کر ڈالے۔ مگر جُوں ہی یہ خیال اُس کے دِل میں پَیدا ہوتا ہے۔ تُوں ہی ردّ کیا جاتا ہے۔ اور یہ خیال کہ جو باپ کی مرضی ہے سو پُوری ہو جاگزیں ہوتا ہے۔ چنانچہ وُہ سوچتا ہے کہ اگر مَیں فرشتوں کے بارہ تمن اپنی مدد کے لئے حاضر کر لُوں تو پھر "وُہ نوشتے جن کا یُوں ہی ہونا ضرور ہے کیونکر پُورے ہونگے"؟ (متی ۲۶: ۵۴)

وُہ نوشتے کہ یُوں ہی ہونا ضرور ہے۔ کیونکر پُورے ہوں گے۔ خُداوند کا مطلب یہ ہے کہ اگر فرشتوں کی مدد استعمال میں لائی جائے تو پھر خُدا کا وُہ ازلی ارادہ۔ باپ کی وُہ مرضی جس کا ذِکر کلام میں پایا جاتا ہے۔ اور جس کا اظہار الفاظ "یُوں ہی ہونا ضرور ہے"

کے وسیلے پُورا کیا گیا ہے کس طرح پُوری ہوگی؟ (مقابلہ کرو زکریا ۱۳: ۷ کے ساتھ) یُوحنّا کی انجیل میں فرشتوں کی مدد کو ترک کرنے اور باپ کی مرضی بجالانے کو مسیح ایک اور صُورت میں ادا کرتا ہے۔ چُنانچہ وُہ کہتا ہے "جو پیالہ باپ نے مُجھ کو دیا کیا میں اُسے نہ پیُوں"۔ یہ محاورہ جو رضامندی کے اظہار کے لئے اِستعمال کیا گیا ہے کلام میں اکثر آیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو پیالہ پینے کے لئے دیا گیا ہے خواہ وُہ کیسا ہی تلخ کیوں نہ ہو تاہم پینے والا اُسے پیتا ہے تاکہ جس نے پینے کو دیا ہے اُس کی مرضی پُوری ہو۔ (متّی ۲۰: ۲۲ و ۲۳ و ۲۶: ۳۹ کے ساتھ مقابلہ کرو) ۞

لُوقا کی آیت میں ہم نے یہ الفاظ پڑھے تھے "اتنے پر کفایت کرو"۔ یہ الفاظ غالباً تمام شاگردوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمائے گئے تھے۔ اور مطلب مسیح کا یہ تھا۔ کہ اَے شاگردو جو کچھ تم مقابلہ کی صُورت میں اَب تک کرتے رہے ہو اُس سے باز آؤ۔ اور اِس راہ میں قدم نہ بڑھاؤ۔ بعضوں نے یہ خیال کیا ہے کہ مسیح نے یہ الفاظ اپنے مخالفوں کی طرف مخاطب ہو کر بیان فرمائے تھے۔ اور مقصد یہ تھا کہ اُن کو جتائے کہ جو کچھ تُم اَب تک میرے گرفتار کرنے میں کر چکے ہو اُس کو کافی سمجھو اور آئندہ اپنی ناسزا حرکتوں سے باز آؤ۔ پر یہ خیال درست معلوم نہیں ہوتا۔ لہٰذا اغلب ہے کہ یہ الفاظ شاگردوں ہی کو کہے گئے تھے۔ اور جب وُہ یہ باتیں کہہ چُکا تو ملخُس کی طرف متوجّہ ہُوا اور اُس کے کٹے ہُوئے کان کو اچھّا کر دیا۔ اور اِس فعل کے وسیلے اُس تعلیم کا جو اُس نے دُشمنوں کو پیار کرنے اور نفرت کرنے والوں کی بھلائی چاہنے کے بدلے میں دی تھی ایک عُمدہ نمونہ دیا ۞

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ مسیح اِس مُعجزے میں کس طرح نظر آتا ہے؟ (۱) اُس کی شانتی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِس خطرے کے وقت میں وُہ اوسان باختہ نہیں ہُوا۔ (۲) اِس مخالفانہ حملے کے وقت بھی اُس کی برداشت کرنے والی محبّت میں فرق نہیں آیا۔ (۳) اِس مصیبت کے وقت بھی شاگردوں کو سکھانا اور اُن کی اصلاح کرنا نہیں چھوڑا ۞

۲۔ اُس کے نمُونہ سے ہم سیکھتے ہیں کہ تاریکی کی طاقتوں کا مقابلہ کس طرح کرنا چاہئے ۞

۳۔ بعض اوقات ہم کئی کام پطرس کی طرح ایسے کر بیٹھتے ہیں کہ ہم خیال کرتے ہیں کہ ہم خُدا کی مرضی بجالا رہے ہیں۔ حالانکہ وُہ خُدا کی مرضی نہیں ہوتی۔ بلکہ ہماری مرضی ہوتی ہے ۞

۴۔ ناجائز جوش (۱) کیسا ہوتا ہے۔ جیسا پطرس کا اِس موقعہ پر۔ (۲) وُہ سنوارنے والا نہیں بلکہ تباہ کرنے والا ہوتا ہے۔ (۳) وُہ خُدا کی مرضی کی نسبت ذاتی اور شخصی مرضی کے زیادہ تابع ہوتا ہے ۞

۵۔ دیکھو شاگرد اپنے آپ کو بھُول جاتے ہیں۔ مگر خُداوند نہ پطرس کو اور نہ دیگر شاگردوں کو اور نہ اپنے آپ کو بھُولتا ہے ۞

۶۔ ہتھکڑیاں پہننے سے پہلے اُس کے ہاتھ کو دیکھو کہ جب تک وُہ آزاد رہتا ہے نیکی کے کام نہیں چھوڑتا۔ ہاں وُہ اپنے دُشمنوں سے بھی نیک سلُوک کرتا ہے ۞

۷۔ اُس کی محبّت کو دیکھو کہ کیسی سرگرمی سے ظاہر ہوتی ہے۔ مگر کیسی سرد دلی سے قبُول کی جاتی ہے ۞

۸۔ ہم کو بازاری منادی میں مسیح کی رُوح سے کام کرنا چاہیئے۔ ہر طرح کے ناواجب جوش سے پرہیز کرنا چاہیئے ؛

۹۔ پر سب سے بڑا سبق ہمارے لئے یہ ہے کہ ہم مسیح کی صابر اور شاکر رضامند طبیعت کے ساتھ وُہ پیالہ پئیں جو باپ نے ہمارے لئے تیار فرمایا ہے ؛

۱۰۔ دیکھو اُس کی خود انکاری کو۔ دُشمن اُس کے مُبارک بدن کی تحقیر و تکفیر میں لگے ہُوئے ہیں۔ اور وُہ دیکھتا ہے کہ فرشتوں کے تمن مدد کے لئے موجُود ہیں۔ مگر تاہم وُہ اِس مدد کو کام میں نہیں لاتا۔ کیونکہ باپ کی ازلی مرضی کو پُورا کرنا چاہتا ہے۔ اِس مقصد کو پُورا کرنے کے لئے وُہ اپنے حقُوق کو بھی ترک کر دیتا ہے۔ کون اُس کی جلالی فرمانبرداری کو دیکھ کر اُس کے پاؤں پر نہ گریگا اور بوسے دے دے کر اپنے آنسُوؤں سے نہ دھوئیگا؟

مچھلیوں کے پکڑنے کا

دُوسرا مُعجزہ

یُوحنّا ۲۱: ۱-۱۴

اِن باتوں کے بعد یسُوع نے پھر اپنے آپ کو تبریاس کی جھیل کے کنارے شاگردوں پر ظاہر کیا۔ اور اِس طرح ظاہر کیا۔ یُوحنّا کی انجیل کے

اِکیسویں باب کی نسبت مختلف رائیں پائی جاتی ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یُوحنّا نے پہلے اپنی اِنجیل بیسویں باب تک لکھ کر ختم کر دی۔ مگر بعد میں اِکیسواں باب بھی درج کر دیا کیونکہ اُس کے دوستوں نے جن کے سامنے اُس نے اِکیسویں باب کے واقعات زبانی بیان کئے تھے غالباً اُس سے درخواست کی کہ وُہ اُن کو بھی اپنی انجیل میں درج کرے۔ اِن لوگوں کا یہ قیاس بیسویں باب کی آخری دو آیتوں سے پیدا ہُوا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا انجیل ختم ہو گئی ہے ؛

مگر بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ باب بعد میں نہیں لکھا گیا وُہ کہتے ہیں کہ بیسویں باب کی آخری آیتوں میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ یُوحنّا مسیح کے مُعجزوں کا بیان بند کر چُکا تھا یا اُن آیتوں کو لکھ کر انجیل کو ختم کر بیٹھا تھا۔ وُہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قُدما میں سے کسی نے کبھی یہ گواہی نہیں دی کہ یہ باب بعد میں لکھا گیا تھا۔ ہمیں یہ خیال زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے ؛

اپنے آپ کو تبریاس کی جھیل کے کنارے شاگردوں پر ظاہر کیا۔ واضح ہو کہ یہ مُعجزہ مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد وقُوع میں آیا۔ اور یہ الفاظ جو اجنبی سے معلوم ہوتے ہیں اسی سبب سے استعمال کئے گئے ہیں۔ اگرچہ ہمارا خُداوند شخصیّت اور ذات کے اعتبار سے وُہی تھا جو مرنے سے پہلے تھا۔ مگر پھر بھی مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد اُس کے مُبارک جسم میں ایسی جلالی اور پُر راز تبدیلی آ گئی تھی کہ انسانی آنکھ اُس کو نہیں دیکھ سکتی تھی جب تک کہ وُہ خود اپنے تئیں ظاہر نہیں کرتا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ وُہ مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد چالیس دن تک اپنے شاگردوں کو دکھائی دیتا

رہا مگر اِس کا مطلب یہ نہیں کہ وُہ ہر روز اُن کو مِلتا تھا یا ہر وقت اُن کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ مطلب صرف یہ ہے کہ چالیس روز کے عرصہ میں وُہ اُن کو نظر آتا رہا اور اس کے بعد آسمان پر اُٹھایا گیا ٭

تبریاس کی جھیل کے کنارا ہے۔ یہ جھیل اُس کے ظاہر ہونے کے لئے ایک نہایت موزُوں جگہ تھی کیونکہ مصلوب ہونے سے پہلے اِس جھیل پر اُس نے اپنی قدرت اور محبت کے گوناگوں کرشمے اپنے شاگردوں کو دکھائے۔ یہیں اُس نے مچھلیوں کا پہلا مُعجزہ دِکھا کر پطرس اور یعقوب اور یُوحنّا کو آدمیوں کا مچھوا بننے کے لئے بُلایا۔ یہیں وُہ سمندر کی لہروں پر چلا۔ یہیں پطرس نے سمندر پر چلنے کی کوشش کی۔ یہیں اُس نے موجوں کو اپنے کلام مُعجز نظام سے تھمایا۔ یہیں سے محصُول کا سِکّہ برآمد ہُوا۔ غرضیکہ اِس قسم کے کئی واقعات اِس جھیل سے وابستہ تھے۔ پس اُس نے اپنے تئیں ظاہر کرنے کے لئے ایک ایسی جگہ تجویز کی جہاں اُس کے شاگردوں نے اُس کی محبت اور حکمت اور قدرت کے بے شمار نظارے دیکھے تھے۔ اور وُہ جانتا تھا کہ اِس جھیل کی یاد شاگردوں پر فوراً اُس بات کو ظاہر کر دے گی کہ وُہ جو اُن پر اس وقت ظاہر ہُوا ہے وُہ کون ہے ٭

اور اِس طرح ظاہر کیا۔ اِن لفظوں کا تعلّق سارے بیان کے ساتھ ہے۔ یا یُوں کہیں کہ رسُول اِن لفظوں کے وسیلے ہماری توجہ ایک ایک بات کی طرف جو وُہ اِس مُعجزے کے متعلّق بیان کرتا ہے کھینچنا چاہتا ہے ٭

۲۔ شمعُون پطرس اور تُوما جو توام کہلاتا ہے اور نتن ایل جو قانائے گلیل کا تھا اور زبدی کے بیٹے اور اُس کے شاگردوں میں سے دو

اَور شخص جمع تھے ٭

اس وقت یہ سب شاگرد یہاں موجُود تھے۔ اُن کے اس جگہ اکٹھے ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ وُہ غالباً اسی نواح کے رہنے والے تھے۔ ان میں سے چار کی نسبت ہم کو بخُوبی پتہ ہے کہ وُہ اسی علاقہ کے تھے۔ دُوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اُن کو حُکم دیا گیا تھا کہ وُہ گلیل کو جائیں کیونکہ مسیح اُن کو گلیل میں مِلنا چاہتا تھا ٭

تُوما۔ صرف یُوحنّا اِس رسُول کی بابت تحریر کرتا ہے۔ (دیکھو ۱۱: ۱۶ و ۱۴: ۵ و ۲۰: ۲۴)۔ ہم اِس رسُول کی بابت ایک جگہ پہلے بھی کچھ تحریر کر چکے ہیں ٭

نتن ایل۔ (دیکھو یُوحنّا ۱: ۴۵)

زبدی کے بیٹے۔ مُراد یعقوب اور یُوحنّا ہے۔ اپنا اور اپنے بھائی کا نام نہ لِکھنا یُوحنّا کے معمُول کے مطابق ہے۔ وُہ اپنے نام کو ظاہر نہیں کرتا ٭

دو اَور شخص۔ اِن کی نسبت بعضوں کا یہ خیال ہے کہ وُہ فیلبوس اور اندریاس تھے۔ مگر بعض یہ کہتے ہیں۔ کہ اگر یہ دو شخص فیلبوس اور اندریاس تھے تو اُن کے نام تحریر کرنے میں کیا نقصان تھا سو وُہ خیال کرتے ہیں کہ یہ دو شخص رسُولوں میں سے نہ تھے بلکہ شاگردوں میں سے تھے۔ تُوما کی نسبت ایک بزرگ کہتا ہے کہ وُہ جو خُدا کے جی اُٹھنے کو پہلے نہیں مانتا تھا۔ اب اُس کو ایک مرتبہ دیکھ کر پطرس کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اور اظہاروں کا مُنتظر ہے ٭

۳۔ شمعُون پطرس نے اُن سے کہا میں مچھلی کے شکار کو جاتا ہُوں۔ اُنہوں نے اُس سے کہا ہم بھی تیرے ساتھ چلتے ہیں۔ اور نکل کر کشتی

پر سوار ہُوئے۔ مگر اُس رات کچھ نہ پکڑا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس وقت پطرس اپنی اعلیٰ بُلاہٹ کو چھوڑ کر ادنےٰ بُلاہٹ کی طرف متوجہ ہُوا۔ اور اُس نے دُنیاوی کام کی طرف رُخ کیا۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ رسُولوں کا اصل کام مسیح کے آسمان پر چڑھ جانے کے بعد شرُوع ہُوا۔ اور اگر اِس وقت سے پہلے اُس نے اپنے کام کو جس میں کوئی خرابی نہ تھی شرُوع کیا تو اس میں کوئی عیب نہ تھا۔ اگر اُس کا مچھلیاں پکڑنا معیُوب تھا تو اِسی طرح پولُوس کا اپنے ہاتھ سے خیمہ دوزی کر کے اپنی روٹی کمانا بھی قابلِ اعتراض نہ تھا۔

واضح ہو کہ پطرس شاگردوں سے یہ نہیں کہتا کہ بھائیو جو تُمہارا جی چاہے سو کرو۔ مَیں تو اَب مچھلی پکڑنے کا کام کیا کرُوں گا۔ اُس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مَیں مچھلی پکڑنے چلا ہُوں۔ مگر تم میں سے کوئی چاہے تو وُہ بھی چلے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ وُہ اُس کو جواب دیتے ہیں کہ۔ "ہم بھی تیرے ساتھ چلتے ہیں"۔ جس کشتی پر وُہ لوگ سوار ہُوئے وُہ غالباً وہی کشتی تھی جس کو مسیح اکثر استعمال کیا کرتا تھا۔ (رائل)

مگر اُس رات کچھ نہ پکڑا۔ ہم مچھلیوں کے پہلے معجزے میں بتا چُکے ہیں کہ مچھلی پکڑنے کے لئے رات کا وقت عُمدہ ہوتا ہے۔

۴۔ صبح ہوتے ہی یسُوع کنارے پر آ کھڑا ہُوا۔ مگر شاگردوں نے نہ پہچانا کہ یہ یسُوع ہے

روشنی نمُودار ہُوئی۔ شاگردوں نے ایک آدمی کی شکل کنارے پر دیکھی مگر نہ پہچانا کہ وُہ کون ہے۔ ہمارا خُداوند مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد کبھی یک بہ یک ظاہر اور کبھی غائب ہو جاتا تھا۔

پس اِس وقت وُہ اُن کو جھیل کے کنارے پر یک بہ یک دکھائی دیا۔ مگر اُنہوں نے اُس کو نہ پہچانا۔ مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد جیسا ہم اُوپر بتا چُکے ہیں ہمارے خُداوند کی صُورت میں کچھ ایسی جلالی تبدیلی آ گئی تھی کہ گو اُس کا بدن وہی تھا جو مرنے سے پہلے تھا مگر تاہم جی اُٹھنے کے بعد اُس کے شاگرد اُس کو نہیں پہچان سکتے تھے۔ مریم نے اُس کو نہ پہچانا۔ دو شاگرد جو اماؤس کو جا رہے تھے اُنہوں نے اُس کو نہ پہچانا۔ پس جب تک اور واقعات اُن کے حافظے کی مدد نہیں کرتے تھے یا خُداوند مسیح خود اُن کی مدد نہیں کیا کرتا تھا تب تک وُہ اُس کو نہیں پہچان سکتے تھے۔

۵۔ پس یسُوع نے اُن سے کہا بچّو! تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔

خُداوند گفتگو کا سلسلہ شرُوع کرنے کے لئے اِس جگہ بھی وُہی طریقہ استعمال کرتا ہے جو اُس نے سامریہ کی عورت کے ساتھ بات کرتے وقت اختیار کیا۔ اُس نے اُس سے کہا کہ مُجھے پانی پلا۔ اسی طرح شاگردوں سے کھانے کی بابت پُوچھتا ہے۔ پس ہم یہ خیال نہ کریں کہ اُس کو یہ معلوم نہ تھا کہ اُن کے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز ہے یا نہیں۔ وُہ جو اپنے علم سے یہ جانتا تھا کہ مچھلیاں کہاں ہیں وُہ یہ بھی جانتا تھا کہ اُن کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔

کچھ کھانے کو ہے؟ اِس سوال سے اِشارہ خُداوند کا غالباً اُن کی کامیابی کی طرف تھا۔ یعنے وُہ یہ دریافت کرنا چاہتا تھا آیا اُنہوں نے اَب تک کوئی مچھلی کھانے کے لئے پکڑی ہے یا نہیں

بچّو۔ یہ ایک مشفقانہ لفظ ہے جس سے بزرگ چھوٹوں کو بُلاتے ہیں ؂

شاگردوں کے مختصر سے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ جب گفتگو ہو رہی تھی اُس وقت مسیح اور شاگردوں میں کافی فاصلہ تھا۔ آٹھویں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کشتی خشکی سے قریباً دو سو ہاتھ کے فاصلہ پر تھی پس شاگرد مختصر سے جواب سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ ہم اُن کے چھوٹے سے جواب کو اُن کی بد تہذیبی نہ سمجھیں ؂

۶۔ اُس نے اُن سے کہا کشتی کی دہنی طرف جال ڈالو تو پکڑو گے پس اُنہوں نے ڈالا اور مچھلیوں کی کثرت سے پھر کھینچ نہ سکے۔

یاد رہے کہ مچھلیاں بعض اوقات دکھائی بھی دے جاتی ہیں۔ (یُوحنّا کیمبرج تفسیر) مگر مسیح نے پانی میں کوئی مچھلی ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھی تھی وُہ علمِ غیب سے جانتا تھا کہ مچھلیاں کہاں ہیں۔ گو یہ ممکن ہے کہ شاگردوں نے شروع میں یہ خیال کیا ہو کہ شاید اِس اجنبی شخص نے کشتی کی دہنی طرف مچھلیوں کا جھُنڈ دیکھا ہے۔ پر یہ بھی ممکن ہے کہ اُس کے کلام کی ایسی تاثیر اُن پر ہُوئی کہ اُنھوں نے بے چُون و چرا اُس کی بات مان لی وُہ اس وقت صبح کی روشنی کے سبب سے غالباً اپنے جال وغیرہ تہ کر کے کنارے کی طرف آ رہے تھے ؂

اور تعجّب نہیں کہ اُس کے اس حُکم نے یُوحنّا کے دِل میں جس نے اُسے پہلے پہچانا اُس موقعہ اور وقت کی یاد پیدا کر دی ہو جس وقت اُنھوں نے ایک مرتبہ پہلے اُس کے حُکم کی متابعت کے صلہ

میں بہت بڑی مچھلیاں پکڑی تھیں۔ اِس مُعجزے میں جال نہیں ٹُوٹا ؂

۷۔ اِس لئے اُس شاگرد نے جس سے یسُوع محبت رکھتا تھا پطرس سے کہا کہ یہ تو خُداوند ہے۔ پس شمعُون پطرس نے یہ سُن کر کہ خُداوند ہے کُرتہ کمر سے باندھا کیونکہ ننگا تھا اور جھیل میں کُود پڑا۔

اِس آیت میں وُہ فرق جو یُوحنّا اور پطرس کی طبعیتوں میں پایا جاتا ہے کیسی خوبصُورتی سے نمایاں ہوتا ہے۔ یُوحنّا کی بلند نظری اور حقیقت شناسی اِس بیان سے کیسی خُوبی سے ٹپک رہی ہے وُہ گیان دھیان اور سوچ اور فکر کا آدمی تھا۔ سو وُہی خُداوند کو پہلے پہچانتا ہے۔ مگر پطرس جو ہر بات میں تیزی اور دلیری سے کام لینے والا تھا جب اِس بات سے واقف ہو جاتا ہے کہ جو شخص کنارے پر کھڑا ہے وُہ میرا خُداوند ہے تو اُسی وقت سب سے پہلے کُرتہ کمر سے باندھ کر جھیل میں کُود پڑتا ہے ؂

یُوحنّا اپنے معمُول کے مطابق اپنا نام نہیں بتاتا۔ پر یہ کہتا ہے کہ جس نے اُسے پہچانا اور پطرس کو خبر دی وُہ وہی شاگرد تھا "جس سے یسُوع محبّت رکھتا تھا"۔ محبّت کی آنکھ بہت تیز ہوتی ہے وُہ اپنے دوست اور محبُوب کو فوراً پہچان لیتی ہے۔ جب خُداوند نے پھر جال ڈالنے کا حُکم دِیا اور جب اِس حُکم کی تعمیل کے سبب سے مچھلیاں کثرت سے جال میں آئیں تو یُوحنّا نے فوراً جان لیا کہ یہ تو اُسی قسم کا واقعہ ہے جو تین سال پہلے اِسی جگہ وارد ہُوا تھا۔ پس یہ شخص جس کے حُکم کی تعمیل سے یہ سب کچھ ہُوا ہمارا

خُداوند ہے ؎

اَب دُوسری طرف پطرس کو دیکھو کہ جُوں ہی وُہ یُوحنّا سے یہ سُنتا ہے کہ جو شخص کنارے پر کھڑا ہے وُہ خُداوند ہے تو زیادہ ثبُوت کی اِنتظاری نہیں کرتا۔ فقط ایک بات۔ ایک لفظ اُس کے دِل کو حرکت میں لانے کے کافی ہے۔ اور اُس کا اشتیاقِ ملاقات اَب اِس غایت کو پہنچا ہُوا ہے کہ وُہ ایک منٹ کی دیر نہیں کرسکتا۔ پس وُہ مسیح کے قدموں میں پہنچنے کے لئے فوراً جھیل میں کُود پڑتا ہے اِس میں شک نہیں کہ اُس کی اِس دلیری سے وُہ محبّت ٹپکتی ہے جس کا اقرار اُس نے بار بار اپنے خُداوند سے تھوڑی دیر کے بعد کیا اُس کا جوش جو اِس وقت نمایاں ہُوا اُس جوش سے جو مَلخُس کا کان کاٹنے میں ظاہر ہُوا بہت فرق رکھتا ہے وُہ جوش جو اِس وقت ظاہر ہُوا واقعی قابِلِ تعریف تھا ؎

کُرتہ کمر سے باندھا کیونکہ ننگا تھا۔ اِس کُرتہ سے وُہ کپڑا مُراد ہے جو مچھوے پہنا کرتے تھے۔ اور مچھلیاں پکڑتے وقت اُتار دیتے تھے ؎

بعض کا خیال ہے کہ وُہ تیر کر مسیح کے پاس آیا۔ بعضے کہتے ہیں کہ پانی بہت گہرا نہ تھا لہٰذا وُہ چل کر آیا۔ وُہ کہتے ہیں کہ اگر اُس کو تیرنا تھا تو کپڑا کیوں پہنا۔ بعضے خیال کرتے ہیں کہ پانی پر چل کر اپنے خُداوند کے پاس آیا ؎

۸۔ باقی شاگرد چھوٹی کشتی پر سوار مچھلیوں کا جال کھینچتے ہُوئے آئے کیونکہ وُہ کنارے سے کچھ دُور نہ تھے بلکہ تخمیناً دو سو ہاتھ کا فاصلہ تھا ؎

کنارے سے بہت دُور نہ ہونے کے سبب سے اُنہیں کشتی آہستہ آہستہ چلانی پڑی۔ کیونکہ کنارے کے نزدیک پانی بہت گہرا نہ تھا۔ پر یہ بھی یاد رہے کہ باہم گفتگو کرنے کے لئے یہ فاصلہ خاصی دُور تھا جیسا کہ ہم اُوپر دیکھ چکے ہیں۔ وُہ لوگ شاید اِس واسطے پطرس کے ساتھ نہیں آئے کہ اُنہیں مچھلیوں کو بھی کھینچ کر لانا تھا ؎

۹۔ جس وقت کنارے پر اُترے تو اُنہوں نے کوئلوں کی آگ اور اُس پر مچھلی رکھی ہُوئی اور روٹی دیکھی۔

بعض مُفسّروں کا خیال ہے کہ خُداوند نے اِس مُعجزے میں ایک اَور مُعجزہ دکھایا۔ یعنے اِس وقت اپنے تھکے ہُوئے شاگردوں کے لئے جسمانی خوراک تیار فرماتا ہے تاکہ وُہ جان جائیں کہ اُسے نہ صرف اُن کی رُوحانی زندگی کا ذِکر ہے بلکہ اُن کی جسمانی ضرور کا بھی خیال ہے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ روٹی مچھلی جو آگ پر موجُود تھیں وُہ خلق نہیں کی گئی تھیں بلکہ فرشتوں نے اُن کو مہیّا کیا تھا۔ اگر یہ مانا جائے تو اِس صُورت میں بھی مُعجزے کا اِنکار نہیں ہوسکتا ؎

اِس بیان سے بھی یہ رُوحانی مطلب نکالا جاتا ہے کہ جس وقت خُداوند کے بندے اِس موج زن دُنیا کے سمندر کی محنتوں سے آرام پائینگے۔ اُس وقت وُہ اُنہیں آسمانی ضیافت میں ابراہیم اور اِضحاق اور یعقُوب کے ساتھ بٹھائیگا۔ اور جس طرح اَب اُس نے اُنہیں کہا کہ "جو مچھلیاں تُم نے ابھی پکڑی ہیں اُن میں سے کچھ لاؤ"۔ اسی طرح اس وقت وُہ رُوحیں جو اُن کی معرفت بچائی گئی

تھیں سامنے لائی جائیں گی اور اُن کے سبب سے اُس کے بندوں کی خوشی بڑھ جائے گی ؂

کوئلوں کی آگ۔ یہ الفاظ صرف ایک اور جگہ استعمال کئے گئے ہیں اور وُہ جگہ یُوحنّا ۱۸:۱۸ ہے۔ اُس مقام کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں اُس آگ کا ذکر پایا جاتا ہے جو اناسردار کاہن کے مکان پر جل رہی تھی اور لوگ اُس وقت تاپ رہے تھے جس وقت پطرس نے مسیح کا انکار کیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خُداوند نے یہ خاص قسم کی آگ اس واسطے مہیّا فرمائی کہ پطرس اُسے دیکھ کر اپنے گر جانے کو یاد کرے ؂

۱۰۔ یسُوع نے اُن سے کہا جو مچھلیاں تُم نے ابھی پکڑی ہیں اُن میں سے کُچھ لاؤ۔

ایک بزُرگ نے کیسا عُمدہ خیال اِس سے نکالا ہے۔ وُہ فرماتے ہیں کہ جو لفظ اس جُملے میں تاکید یہ ہے وُہ ابھی ہے۔ خُداوند نے اُنہیں فرمایا تھا کہ "کشتی کی دہنی طرف جال ڈالو"۔ اِس کے بعد وُہ چُپ رہا اور جب اُس نے اپنی زبان پھر کھولی تو یہی الفاظ جو ۱۰ آیت میں مرقوم ہیں بیان فرمائے۔ اور لفظ ابھی پر زور دیا۔ گویا خُداوند یہ کہتا ہے کہ مَیں نے تمہیں کشتی کی دہنی طرف جال ڈالنے کو کہا تھا۔ اور تُم نے میرا حُکم مان کر اپنا جال ڈال دیا۔ اَب مَیں تم سے کہتا ہُوں کہ میرے حُکم کی تعمیل سے جو مچھلیاں تُم نے ابھی پکڑی ہیں وُہ نکالو اور اُس سے یہ سیکھو کہ کامیابی میرے حُکم کی فرمانبرداری پر مُنحصر ہے۔ اگر تُم چاہتے ہو کہ کامیاب ہُوا کرو تو میرے حُکم پر عمل کیا کرو ؂

۱۱۔ شمعُون پطرس نے چڑھ کر ایک سو ترپن

بڑی مچھلیوں سے بھرا ہُوا جال کنارے پر کھینچا مگر باوجُود مچھلیوں کی کثرت کے جال نہ پھٹا۔

اَب پطرس پھر کشتی پر چڑھ گیا تا کہ مچھلیوں کا جال کھینچے۔ پر یاد رہے کہ وُہ اکیلا نہ تھا دُوسرے شاگرد بھی اُس کی مدد کرتے ہوں گے ؂

جال نہ پھٹا۔ گو مچھلیاں بہت سی تھیں تو بھی جال نہ ٹوٹا مچھلیوں کی تعداد ۱۵۳ بتائی گئی ہے۔ اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے نے اِس تمام ماجرے کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا ؂

جال اور مچھلیوں کو دیکھ کر رسُولوں کو وُہ وقت ضرور یاد آیا ہوگا جس وقت اُنہوں نے ایک مرتبہ پہلے اُس کے کہنے سے جال ڈالا تھا۔ اور اتنی مچھلیاں پکڑیں کہ جال ٹُوٹ گیا۔ اور اُن کو وُہ تمثیل بھی یاد آئی ہوگی جس میں آسمان کی بادشاہت کو اُس جال سے تشبیہ دی ہے جو سمندر میں ڈالا جاتا ہے۔ (متّی ۱۳: ۴۷) ؂

۱۲۔ یسُوع نے اُن سے کہا آؤ کھانا کھالو۔ اور شاگردوں میں سے کسی کو جُرأت نہ ہُوئی کہ اُس سے پُوچھتا کہ تُو کون ہے۔ کیونکہ وُہ جانتے تھے کہ خُداوند ہی ہے۔

کھانا کھانے کے لئے بُلانے کا ایک تو غالباً یہ مقصد تھا کہ اُن تھکے ماندوں کو سیری نصیب ہو اور کُچھ یہ بھی تھا کہ وُہ اُن پر ظاہر فرمائے کہ گو مُردوں میں سے جی اُٹھا ہُوں تاہم تُمہارے ساتھ وہی بے تکلفانہ تعلّق رکھتا ہُوں جو باہم کھانے پینے سے ظاہر ہوتا ہے۔

(مقابلہ کرو۔ مکاشفات ۳: ۲۰)۔

اور شاگردوں میں سے کسی کو جُراٗت نہ ہُوئی۔ وغیرہ وُہ سارے ماجرے کو دیکھ کر اَب قائل ہو گئے تھے کہ جو شخص ہم سے باتیں کر رہا ہے خُداوند مسیح ہے۔ اور سوال کرنے کی جراٗت اس واسطے نہ رکھتے تھے کہ اُس کی پُر راز حضُوری سے اُن پر ایک قسم کا رُعب اور خوف چھا گیا تھا۔

۱۳۔ یسُوع آیا اور روٹی لے کر اُنہیں دی اِسی طرح مچھلی بھی دی۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اُن مُتحیّر شاگردوں کا میزبان ہمارا خُداوند ہے۔ اگر یہ درست ہے کہ ہمارے خُداوند نے بھی اس وقت اُن کے ساتھ مِل کر کھایا اور بہت لوگ مانتے ہیں کہ اُس نے ایسا ہی کیا تو شاگردوں کے لئے یہ بات اُس کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کا ایک پُختہ ثبُوت تھی۔

۱۴۔ یسُوع مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد یہ تیسری بار شاگردوں پر ظاہر کیا۔

الفاظ "تیسری بار" پر بحث ہے۔ کیونکہ ایک طرح یہ اُس کا تیسرا اظہار نہ تھا بلکہ ساتواں۔ (۱) پہلے وُہ مریم مگدلینی کو دکھائی دِیا۔ (۲) پھر یوانہ اور دُوسری عورتوں کو۔ (۳) پھر شمعُون پطرس کو۔ (۴) پھر دو شاگردوں کو جو اماؤس کو جا رہے تھے۔ (۵) پھر دس شاگردوں کو۔ مگر اس وقت تُوما حاضر نہ تھا۔ (۶) پھر اُس وقت جب کہ تُوما اور دیگر شاگرد بھی حاضر تھے۔

اَب یہ دِقّت در پیش ہے کہ جب مسیح اتنی دفعہ دکھائی دے چُکا تھا تو پھر کِس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ وُہ اِس وقت جھیل پر

صرف تیسری بار دکھائی دِیا؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ گو وُہ کئی بار دکھائی دِیا۔ تاہم شاگردوں کے اکٹھے مجمع کو اِس سے پہلے صرف دو ہی مرتبہ دکھائی دِیا۔ اور اَب پھر تیسری بار اُن پر ظاہر ہُوا۔ ماسوائے اس کے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اُس کے دکھائی دینے کا یہ تیسرا دِن تھا۔ پہلی مرتبہ وُہ اُسی دن دِکھائی دِیا جبکہ مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ پھر ایک ہفتہ بعد دکھائی دِیا تاکہ تُوما اُس کے جی اُٹھنے پر ایمان لائے۔ اور اَب یہ تیسرا دِن تھا کہ وُہ پھر اُن سات کو نظر آیا۔

اِس کے بعد وُہ دلچسپ اور نصیحت خیز گفتگو آتی ہے جو پطرس اور خُداوند کے درمیان ہُوئی۔ جب وُہ اُن کو اِس مُعجزے کے وسیلے یہ سِکھا چُکا کہ کامیابی کِس طرح حاصِل ہوتی ہے [illegible] اجر کِس طرح مِلتا ہے تو وُہ اُن پر اس گفتگو کے وسیلہ [illegible] کہ میری خدمت کے لئے دو چیزوں کی ضرُورت [illegible] سے محبّت ہو دُوسری یہ کہ خُدا کے لئے سب [illegible] قربان کرنے کے لئے رضامندی پائی جائے [illegible]

نصیحتیں اور مفید [illegible]

۱۔ ہر کام یا پیشے میں خُداوند مسیح [illegible] ہو سکتی ہے۔ یہ سات شاگر[illegible] پکڑ رہے تھے جب مسیح اُن پر ظ[illegible] جنگلوں اور غاروں میں قیام [illegible] لئے ایمان کی آنکھ کی ضرُورت [illegible]

۲۔ مسیح کو دیکھیئے۔ اِس مُعجزے سے [illegible] ہیں اگر ایک طرف پُرانا ہے تو دُوسر[illegible]

(۲) اگر ایک جانب میزبان ہے تو دُوسری جانب مہمان بھی ہے ❖
(۳) اگر آسمانی جسم رکھتا ہے تو اُس کے ساتھ ہی ضیافت میں شامل ہونے والا دوست بھی ہے ❖

۳ - دیکھو خُداوند کس طرح بتدریج اپنے تئیں اپنے بندوں پر ظاہر کرتا ہے۔ (۱) عجیب صُورت میں نمُودار ہوتا ہے۔ (۲) دوستانہ طَور پر سوال کرتا ہے۔ (۳) جال ڈالنے کا حُکم دیتا ہے۔ (۴) عجیب طَور پر کوئلوں کی آگ مہیّا فرماتا ہے۔ (۵) بڑی محبّت سے اُن کی محنتوں کا پھل طلب کرتا اور اُسے اُس میں جو اُس کی قُدرت سے مہیّا ہُوا ہے ملاتا ہے ❖

...کس طرح ...نئی ...میں ...کی نئی زندگی میں نئی بن جاتی ...کام مسیحی خدمت کا نیا نشان بن جاتا ہے۔ (۲) پُرانا ...نتوں کے لئے ایک نئی راہ بن جاتا ہے۔ (۳) پُرانی ...نئی برکت میں تبدیل ہو جاتی ہے ❖

...کے خادموں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ...ہی ہے پر جس وقت وُہ اپنی کمزوری اور اپنی ...یں۔ بسا اوقات مسیح عین اُسی وقت ...اور نئی تجویزوں سے اُن کو اپنی برکتوں

...ری ناکامیوں کا اصل سبب یہ ہے ...ہتا ہے اور ہمیں کچھ کہتا رہتا ہے۔ ...وس کرتے اور نہ اُس کی آواز سُن کر ...لاتے ہیں۔ اُس کے حُکم کی بے کم و کاست ...امیابی کے تاج سے مزیّن کرتی ہے ❖

۷ - ہم یہ سیکھیں کہ جب وُہ ہمیں کوئی کام کرنے کو کہتا ہے تو آپ ہی اُن سامانوں کی فکر کرتا ہے جو ہمارے جسم کی طاقت کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں ❖

۸ - خُداوند اُن کے ساتھ جو اپنے دِل کا دروازہ کھولتے ہیں کھانے پینے کو تیار ہے۔ (مکاشفات ۳ : ۲۰)

۹ - ابھی رُوح القُدس نازل نہیں ہُوئی تھی۔ خُداوند اس مُعجزے کے وسیلے اپنے شاگردوں کو سکھاتا ہے کہ آدمیوں کا مچھوا بننے کا کام جس کے لئے تُم بُلائے گئے ہو میرے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔ وُہ اپنی رُوح پاک کے وسیلے اپنے لوگوں کے ساتھ موجود رہتا ہے اور ان کی خدمتوں پر برکت بخشتا ہے ❖

۱۰ - تو بھی یاد رہے کہ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اُس ...عمل کریں۔ دُوسرے لفظوں میں یُوں کہ... کام ہے اور کامیابی بخشنا اُس کا کام...

۱۱ - اِس باب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا... کے لئے نہایت ضرُوری ہیں۔ (۱) مسیح... اُس کی حضُوری کی پہچان البتّہ... پہچانا۔ مگر رفتہ رفتہ اُس کو... سے پیار کرنا۔ جیسا کہ اِس... پطرس کے درمیان واقع ہُو... صلیبی مَوت سہنے کے لئے...

۱۲ - جب مسیح اپنے بندوں پر... دیکھ کر خود بخود پہچان لیتی... زندہ مسیح ہے۔ وُہ آپ ہی آ...

بحث نہیں کرتی کہ تُو کون ہے؟ اور کیوں یہاں آیا ہے؟ خُدا کے بندے اُسے دیکھتے اور بے چُون وچرا اُس کے پاؤں پر گرتے اور اُسے اپنا خالق اور مالک سمجھ کر سجدہ کرتے ہیں ؎

۱۳- مسیح کے مُعجزوں کے آخر میں اِس مُعجزے کا ذکر نہایت موزُوں ہے وُہ مُردوں میں سے زِندہ ہوکر اپنے شاگردوں پر ظاہر کرتا ہے کہ مَیں مُردہ نہیں بلکہ زندہ ہُوں اور وُہی مُعجزانہ قدرت جو مصلُوب ہونے سے پہلے مجھ میں پائی جاتی تھی اَب بھی موجُود ہے۔ مَیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہُوں۔ تمہاری محنتوں اور تمہاری ناکامیوں کو دیکھتا ہُوں اور تمہاری مدد کے لئے تیار ہُوں۔ اُس کے عجیب مُعجزوں کے سلسلہ کے آخر میں یہ ایک سنجیدہ سبق ہے اور ہمیں کبھی اس سبق ...ں چاہئے۔ کہ ہمارا مسیح زندہ مسیح ہے جو مَوت ... کو دیکھتا اور ہماری مدد کے لئے تیار ہے ... اور بھلائی اِسی میں ہے کہ ہم ایمان سے ...یں تاکہ ہم اِس دُنیا میں کامیابی کی برکت ... مُردوں میں سے جی کر اُس کے اور ...ب اور دیگر مقدّسوں کے ساتھ ... ہوں ؎ آمین

... کے نقل سکریٹری پنجاب ریلجس بُک سوسائٹی ...ب کر شائع ہوئی۔